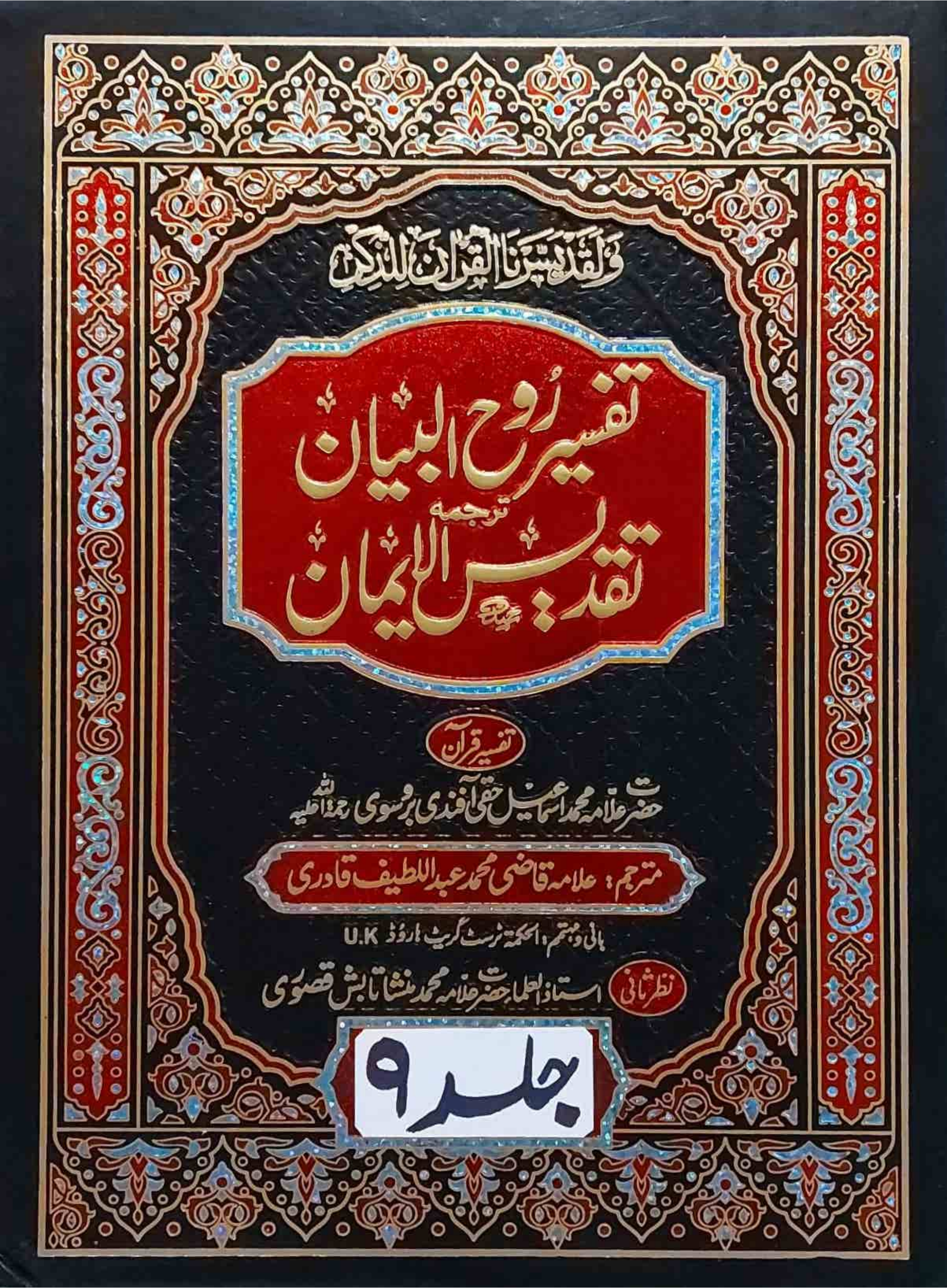


وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ
تفسیر روح البیان
ترجمہ
تقدیس الایمان
تفسیر قرآن
حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی آفندی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم: علامہ قاضی محمد عبد اللطیف قادری
بانی و مہتمم، الحکمۃ ٹرسٹ گریٹ ہارووڈ U.K
نظر ثانی
استاذ العلماء حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری
جلد ۹

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ
ہم نے نصیحت حاصل کرنے کے لیے قرآن کو آسان بنادیا ہے۔ (سورۃ القمر)

تفسیر روح البیان

ترجمہ

تقدیس الایمان

تفسیر قرآن : حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی آفندی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم : علامہ قاضی محمد عبداللطیف قادری
بانی و مہتمم: الحکمۃ ٹرسٹ گریٹ ہاورڈ U.K

نظر ثانی : استاذ العلماء حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری

پارہ 25 تا 27

عبداللہ اکیڈمی
میاں مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور
فون: 042-37241382

نام کتاب ......☆...... تفسیر روح البیان ترجمہ تقدیس الایمان

تفسیر قرآن ......☆...... حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی آفندی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ وتخریج ......☆...... علامہ قاضی محمد عبداللطیف قادری

......☆...... بانی ومہتمم: الحکمہ ٹرسٹ گریٹ ہاورڈ U.K

نظر ثانی - ......☆...... استاذ العلماء حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری

پروف ریڈنگ ......☆...... علامہ قاضی محمد سعید الرحمٰن قادری 0300-9506527

......☆...... علامہ قاضی طاہر محمود قادری، علامہ قاضی مظہر حسین قادری

......☆...... مولانا مقصود الٰہی، مولانا حافظ غالب چشتی

پروف ریڈنگ قرآن......☆...... قاری محمد اسلام خوشابی 0306-6628331

......☆...... (رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف حکومت پنجاب)

کمپوزنگ ......☆...... حافظ شاہد خاقان 0321/0311-5841622

اشاعت اول ......☆...... 2021

مجلدات ......☆...... 10

ہدیہ

گورنمنٹ آف پاکستان کے احکامات کے مطابق حضور نبی کریم ﷺ کا نام مبارک جہاں بھی آئے گا وہاں ساتھ خاتم النبیین ﷺ کا لفظ لازمی آئے گا۔ حکومت کے اسی حکم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کتاب میں جہاں جہاں حضور نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک آیا ہے وہاں ساتھ خاتم النبیین ﷺ لکھ دیا گیا ہے۔ تاہم اگر کہیں لکھنے سے رہ گیا ہو تو قارئین سے التماس ہے کہ آپ ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ خاتم النبیین ﷺ ہی لکھا اور پڑھا جائے۔ شکریہ ادارہ

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و نشاندہی کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ (ادارہ)

فہرست مضامین تفسیر روح البیان (جلد نہم پارہ 27-25)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پارہ 25 تا 27

تفسیر روح البیان

ترجمہ

تقدیس الایمان

اِلَیْهِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا

اسی کی طرف پھیرا گیا علم قیامت کا۔ اور نہیں نکلتا کوئی پھل اپنے غلاف سے

وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ اَيْنَ

اور نہیں حمل رکھتی کوئی مادہ اور نہ کوئی جنتی ہے مگر اس کے علم میں ہے۔ اور جس دن آواز دیگا ان کو کہاں ہیں

شُرَكَآءِیْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ۚ ﴿۴۷﴾

میرے شریک تو کہیں گے تجھے بتا دیا نہیں ہم میں کوئی گواہ

(آیت نمبر ۴۷) اسی ذات کی طرف لوٹایا جاتا ہے علم قیامت کا۔ یعنی جب کوئی قیامت کے متعلق پوچھے تو اسے یہی کہا جاتا ہے کہ اللہ ہی جانتا ہے اور چھلکوں سے پھل نہیں نکلتے۔ جیسے اخروٹ۔ بادام اور پستہ وغیرہ۔ اور نہیں اٹھاتی پیٹ میں کوئی مادہ اور نہ وہ جنتی ہے مگر یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے علم میں یہ باتیں نہیں ہیں۔ کیونکہ پھل کے پکنے اور حاملہ کے حمل کو وہی اچھی طرح جانتا ہے اور ہر ایک کے کامل یا ناقص ہونے نر یا مادہ ہونے کو بھی وہ جانتا ہے۔ بلکہ کائنات کے ذرے ذرے کا اسے علم ہے۔

نکتہ: قیامۃ کے علم کے ساتھ حمل و وضع کا ذکر اس لئے کیا ہے تا کہ معلوم ہو کہ وہ ہر مرنے والے کے ٹھکانے کو جانتا ہے کہ جنہوں نے قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ دوسری بات یہ کہ جب کوئی قیامت کے متعلق سوال کرے کہ وہ کب ہے تو اس کا ایک ہی جواب ہے کہ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ بلکہ بہتر ہے کہ تمام قسم کے علوم اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد کرے۔ کیونکہ وہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

حکایت: ابو منصور کو خیال ہوا کہ معلوم نہیں میری بقایا زندگی کتنی ہے تو ایک رات خواب میں پانچ کا اشارہ ہوا تو تمام علماء نے کہا۔ اس سے مراد یا پانچ سال پانچ ماہ۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اس میں اشارہ ان پانچ علوم کی طرف ہے۔ جن کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ (۱) قیامت کا علم۔ (۲) ماں کے پیٹ میں کیا ہے۔ (۳) بارش کب ہوگی۔ (۴) کل کیا کرے گا۔ (۵) کس جگہ موت آئے گی۔

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَدْعُونَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوا مَا لَهُم مِّن مَّحِيصٍ ﴿۴۸﴾

اور گم ہو جائیں گے ان سے جن کو تھے پوجتے اس سے پہلے اور یقین کریں گے کہ نہیں ان کی کوئی بھاگنے کی جگہ۔

لَا يَسْأَمُ الْإِنسَانُ مِن دُعَاءِ الْخَيْرِ وَإِن مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوسٌ قَنُوطٌ ﴿۴۹﴾

نہیں اکتاتا بندہ مانگنے اچھائی سے۔ اور اگر پہنچے اسے برائی تو ناامید آس ٹوٹا ہو جاتا ہے۔

(آیت نمبر ۴۸) محبوب انہیں وہ وقت یاد دلائیں۔ جب انہیں اللہ تعالیٰ آواز دے کر فرمائے گا۔ کہاں ہیں وہ جنہیں تم اپنے گمان میں میرے شریک سمجھتے تھے۔ تو وہ جواب میں کہیں گے۔ ہم نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا کہ ہم میں نہیں ہے کوئی جو اس کی گواہی دے۔ کیونکہ جب سے ہم نے ان کا یہاں برا حال دیکھا۔ ہم تو ان سے بیزار ہو گئے اور یہ سوال ان سے بطور زجر و توبیخ ہوگا۔

فائدہ: بلکہ اس وقت وہ شرک سے ہی انکار کر دیں گے کہ ہم نے شرک کیا ہی نہیں۔ وہ تو اب جان بچانے کیلئے کئی جھوٹ بول دیں گے۔ **فائدہ**: قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ کی صفت قہاریت کا ظہور ہوگا تو اس وقت انہیں یقین ہو جائے گا کہ اب شرک والوں کی خیر نہیں۔ اب کہیں بھاگ کر جانے کی کوئی جگہ بھی نہیں۔

فائدہ: البتہ جو لوگ دنیا میں ارباب لطف ہیں ان پر آخرت میں لطف و کرم ہوگا۔

سبق: عقل مند پر لازم ہے کہ وہ اللہ ہی کی طرف بھاگ کر پہنچے۔ (ففروا الی اللہ) اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگ کر جانے والا انس ہی پائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے انس کرنے والے پر لطف و کرم فرماتا ہے۔

اور گم ہو جائیں گے ان سے وہ جن کو وہ دنیا میں پوجتے تھے۔ چونکہ وہ جن بتوں کو پوجتے تھے وہ تو دنیا میں ہی رہ گئے۔ اب وہ کہاں نظر آئیں۔ لہذا اب اور کہیں بھاگ کر جانے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ نہ واپس اس دنیا کی طرف جا سکتے ہیں بلکہ دنیا تو ختم ہی ہو جائے گی۔ لہذا بہتر یہی ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جا کر کوئی عذر و معذرت کی جائے۔

(آیت نمبر ۴۹) انسان خیر کی طلب سے نہیں تھکتا۔ اس سے مراد اکثر افراد ہیں یعنی اکثر بندے خیر ہی کے طالب ہیں۔ اور رحمت چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کافر ہی ناامید ہوتا ہے۔ دعا خیر سے مراد خیریت مانگنا۔ نعمت کی وسعت چاہنا اور اسباب معیشت کی فراوانی چاہنا۔ اب معنی یہ ہے کہ کافر مال و اسباب کا کتنا حریص ہے کہ ہر وقت دنیا کا مال مانگنے میں لگا رہتا ہے۔ تھکتا بھی نہیں۔ نہ اس کے طلب کی کوئی انتہاء ہے۔

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِىْ ۙ

اور اگر چکھائیں اسے رحمت اپنی بعد تکلیف کے جو اسے پہنچی۔ تو ضرور کہے گا یہ تو میرا حق ہے

وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّىْٓ اِنَّ لِىْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ

اورنہیں میرا گمان کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر لوٹایا گیا طرف اپنے رب کے بے شک میری اس کے ہاں ضرور خوبی ہے۔

فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾

تو ضرور ہم بتائیں گے کافروں کو جو انہوں نے عمل کیے اور ضرور مزہ چکھائیں گے عذاب گاڑھے کا۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۹) **فائدہ:** اسی طرح جو اللہ تعالیٰ کا عاشق اور محب ہے۔ اس کی بھی خیر کی انتہاء نہیں وہ ہمہ وقت رب کی رضا چاہنے میں لگا رہتا ہے اور اس کی طلب سے نہیں تھکتا۔ دنیا دار کا حال یہ ہے۔ کہ اسے اگر برائی پہنچے تو وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے انتہاء درجہ ناامید ہو جاتا ہے یعنی اگر اسے کوئی بیماری۔ بھوک یا کوئی پریشانی آجائے تو پھر راحت ملنے سے امید ختم کر دیتا ہے۔ حالانکہ اگر امید میں رہتا تو اس کا بھلا ہوتا۔ اس لئے کہ دکھ کے بعد سکھ ضرور آتا ہے۔ **فائدہ:** اس میں اشارہ ہے کہ انسان اپنے رب سے اس فانی دنیا اور اس کے اسباب اپنے رب سے مانگتا رہتا ہے۔ اگر اس کی عبادت بھی کرتا ہے تو اس میں بھی اس کا کوئی نہ کوئی دنیوی مقصد ہوتا ہے اور کسی آرزو کے پورا کرنے کیلئے وہ عبادت کرتا ہے۔ اسی لئے ایسے شخص کا اگر مقصد پورا نہ ہو۔ بالآخر نا امیدی کے گڑھے میں گر کر ہلاک اور تباہ ہو جاتا ہے۔

(آیت نمبر ۵۰) اور اگر ہم اسے اپنی رحمت کا مزہ چکھائیں اپنی طرف سے۔ اس کے بعد جو اسے تکلیف آئی۔ یعنی ہم اس کا دکھ درد دور کر کے بیماری سے صحت دیں یا تنگی تھی تو کشادگی دے کر پریشانی سے نجات دے دیں تو وہ ضرور یہ کہے گا کہ یہ جو کچھ مجھے ملا ہے۔ یہ تو میرا حق بنتا تھا۔ میں اس کا حقدار تھا۔ اس لئے یہ مجھے ملا ہے۔ یا میں نے فلاں نیکی کی تھی اس کا مجھے پھل ملا ہے۔ یا اس کا یہ مطلب ہو کہ یہ تو صرف مجھے ہی ملنا تھا۔ کسی دوسرے کی اتنی قسمت کہاں اور پھر وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ اب نعمت ہمیشہ میرے پاس ہی رہے گی۔ لیکن وہ بدنصیب اتنا نہیں سمجھتا کہ اسے یہ خیر و بھلائی محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ملی ہے۔ لیکن وہ جاہل اور بے خبر اپنا استحقاق ظاہر کر کے اپنے منعم (نعمتیں دینے والے) کو ہی چھوڑ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو یہ فضل و رحمت اس لئے کیا تھا کہ وہ اس کا شکر گذار بندہ بنے۔ اس لئے کہ اگر وہ چاہے تو اپنی نعمت چھین بھی سکتا ہے۔

وَاِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ

اور جب انعام کردیں بندے پرتو منہ پھیر لیتا ہے۔اور ایک طرف ہٹ جاتا ہے۔اور جب پہنچے اسے تکلیف

فَذُوۡ دُعَآءٍ عَرِيۡضٍ ﴿۵۱﴾

تو دعائیں کرتا ہے لمبی چوڑی۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۰) آگے فرمایا کہ وہ کہتا ہے کہ میرا گمان نہیں کہ قیامت قائم ہوگی۔جیسا کہ محمد ﷺ کا گمان ہے۔لیکن اگر بالفرض قیامت قائم ہوئی اور میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا۔تو بھی میرے لئے اس کے پاس بھلائی ہی ہوگی۔کیونکہ دنیا میں جیسے نعمتوں اور جن کرامتوں کا مستحق تھا وہ ملی ہیں تو آخرت میں بھی وہ نعمتیں مجھے ملیں گی۔**فائدہ**: وہ شخص کتنا بڑا بے وقوف ہے جو دنیا میں ملنے والی نعمتوں کو اپنا استحقاق سمجھتا ہے۔اور اسی کو آخرت پر قیاس کر رہا ہے۔مولا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔لوگ ابھی نیند میں ہیں۔جب مریں گے تو پھر بیدار ہو جائیں گے۔

فائدہ : بحر العلوم میں عذاب غلیظ کا معنی جو سخت ہو اور عظیم بھی ہو۔یعنی ہم ان کافروں کو ایسے سخت اور گاڑھے عذاب میں ڈالیں گے جو ہر عذاب سے بڑا عذاب ہے۔چونکہ دنیا میں ان کا خیال تھا کہ ہماری دنیا کی عزت وجاہت کی طرح آخرت میں عزت افزائی ہوگی۔ہم اسی طرح معزز ومکرم ہونگے۔لیکن آخرت میں معاملہ ان کی سوچ کے خلاف ہو جائیگا کیونکہ آخرت میں مال نہیں دیکھا جائیگا کہ دنیا میں کتنا مال کمایا۔بلکہ عقیدہ اور اعمال دیکھے جائیں گے۔اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بتا دیا۔کہ ابرار جنت میں اور فجار جہنم میں جائیں گے۔

(آیت نمبر ۵۱) اور جب ہم انسان پر انعام واکرام کی نوازش کرتے ہیں تو وہ شکر کرنے سے منہ پھیر لیتا ہے۔

فائدہ: یہ کافر کی ناشکری کا دوسرا رخ بیان ہو رہا ہے۔یعنی اسے انعامات راس نہیں آتے۔وہ اکڑتا ہے اور سمجھتا ہے۔میرا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے۔اسے نعمتیں دینے والا یاد نہیں رہتا اور وہ کفران نعمت شروع کر دیتا ہے اور دور ہٹ کر ایک طرف ہو جاتا ہے یا تکبر سے شکر وطاعت کی طرف مائل نہیں ہوتا اور نفس کے عجب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔اپنے معمولی دنیوی جاہ وجلال سے غلط خیالات میں گھر جاتا ہے۔اس لئے نہ وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔نہ اسکے فضل وکرم کو یاد کرتا ہے۔آگے فرمایا کہ جب اس متکبر کو کوئی بلا ومصیبت یا دکھ پہنچتا ہے تو پھر وہ لمبی چوڑی دعائیں مانگنا شروع کر دیتا ہے۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ کَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ

فرمادو بھلا بتاؤ اگر ہو یہ قرآن اللہ کی طرف سے۔ پھر کفر کیا تم نے اس سے کون بڑا گمراہ ہے اس سے

هُوَ فِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۵۲﴾

جو ضد میں دور ہے۔

(آیت نمبر ۵۲) اے محبوب انہیں فرمائیں کہ بھلا بتاؤ تو اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو (جیسا کہ فی الواقع ہے) اورتم نے اس میں غور وفکر کئے بغیر ہی اس سے کفر کرلیا حالانکہ اس میں ایمان لانے کے دلائل بڑے مضبوط تھے۔ جیسا کہ تم محسوس کرتے ہو تو پھر اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا اور بہت بڑے اختلاف میں اور کون ہوگا۔ جو یہ کہے کہ یہ قرآن بناوٹی ہے۔ یا قصے کہانیوں والی کتاب ہے۔ اس سے بڑھ کر قرآن کے ساتھ کفر کیا ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے مقابلہ اور اس کی مخالفت اس سے زیادہ کیا ہوگی۔ بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ سے دوری کی دلیل ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ بلاؤ مصیبت ہو یا رحمت ونعمت دکھ ہو یا سکھ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ لہٰذا جو بندہ دکھ سکھ میں اور خوشی میں اپنے مالک ومولیٰ کا شکر کرے اور دکھ میں صبر کرے۔ تو سمجھو وہ ہدایت والا ہے اور اگر ناشکری کرے۔ جزع فزع کرے۔ رسوائی کا اظہار کرے تو وہ بدبخت اللہ تعالیٰ سے انتہائی دور اور گمراہ ہے۔

حدیث قدسی: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جب میرے بندے کو جسم یا مال یا اولاد میں سے کسی چیز پر مصیبت آتی ہے اور وہ صبر جمیل سے اس کا استقبال کرتا ہے تو قیامت کے دن مجھے اس کے حساب یا اعمال تولنے سے شرم آئیگی۔ (رواہ احمد)۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے پیار فرماتا ہے تو اسے کسی مصیبت یا تکلیف میں مبتلا فرمادیتا ہے۔ اگر وہ اس پر صبر کرے اور راضی بہ رضا مولیٰ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے خاص بندوں میں شامل فرمادیتا ہے۔ (احیاء العلوم)

اسی لئے انبیاء واولیاء اکثر بلاء ومصیبت میں ہی رہے۔ دنیا دار المحنۃ ہے اور ایک حدیث میں فرمایا۔ دنیا مومن کیلئے قیدخانہ ہے تو پھر وہ دنیا میں کیسے راحت پاسکتا ہے۔ اس لئے اللہ والا کبھی قلت مال میں کبھی دکھ میں کبھی مصیبت میں گرفتار رہتا ہے۔ کئی کئی بیماریوں میں مبتلا ہوتا ہے اور اس حالت میں خوش ہوتا ہے۔ آخرت میں اسے بہت بڑی راحت ملے گی۔ کافر دنیا وآخرت میں ذلیل وخسارے والا ہے۔

سبق: مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ صراط مستقیم پر قائم رہے اور ادھر ادھر ڈگمگانے سے بچے۔

سَنُرِیۡہِمۡ اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَہُمۡ اَنَّہُ

جلد ہم انہیں دکھائیں گے اپنی نشانیاں دنیا میں اور ان کے نفسوں میں۔ یہاں تک کہ واضح ہو جائے گا ان پر کہ وہ

الۡحَقُّ ؕ اَوَ لَمۡ یَکۡفِ بِرَبِّکَ اَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ ﴿۵۳﴾

حق ہے۔ کیا یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب بے شک ہر چیز پر گواہ ہے

اَلَاۤ اِنَّہُمۡ فِیۡ مِرۡیَۃٍ مِّنۡ لِّقَآءِ رَبِّہِمۡ ؕ اَلَاۤ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطٌ ﴿۵۴﴾ ع

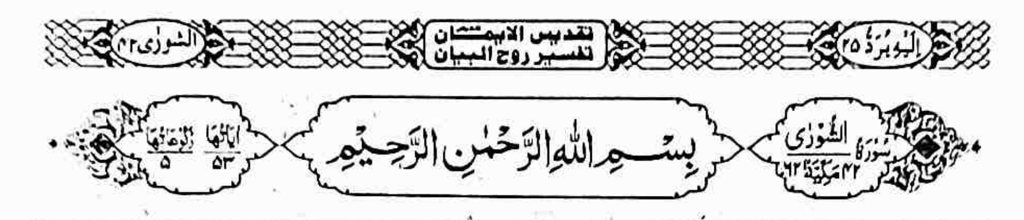
خبردار بے شک انہیں شک ہے ملنے کا اپنے رب کو۔ خبردار بے شک وہ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے۔

(آیت نمبر ۵۳) بہت جلد ان کفار مکہ کو ہم اپنی آیات کی حقیقت بتائیں گے۔ یا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی کاریگریاں جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اور خود انسان کے اندر یعنی جو اس جسم کے اندر ہیں کیونکہ وہ بھی ایک پورا جہان ہے۔ گویا ایک جہان وہ ہے جو انسان کے باہر ہے جو بڑا جہان ہے اور ایک انسان کے اندر ہے جو چھوٹا جہان ہے۔ **فائدہ**: آفاق سے مراد آسمان اور زمین کے کنارے ہیں۔ یعنی کائنات کے ذرے ذرے میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت کی نشانی موجود ہے یا اس سے مراد آنے والے حوادث کی خبریں ہیں جن کی نشان دہی حضور ﷺ نے پہلے سے ہی کر دی۔ جو بالکل سچ ثابت ہوئیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھیں۔

آگے فرمایا۔ یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائیگا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بالکل برحق ہے کہ اس کائنات میں زمین و آسمان، چاند، سورج اور ستارے، رات، دن، روشنی اور اندھیرا۔ پھر سمندر دریا اور نہریں۔ جو سب ایک انداز سے چل رہے ہیں۔ یہ سب بتاتے ہیں کہ کوئی ذات انہیں چلا رہی ہے۔ اسی لئے آگے فرمایا کہ تجھے کیا یہ بات کافی نہیں کہ تیرا رب ہر چیز پر شاہد ہے۔ یعنی ہر جگہ موجود ہے اور وہی اس سارے نظام کو چلا رہا ہے۔ **فائدہ**: انسان اگر غور کرے تو اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے اس کے چھوٹے سے جسم میں ایک جہاں سمو دیا ہے۔ (وفی انفسکم) کہہ کر بتا دیا کہ میں خود بھی تمہارے اندر موجود ہوں۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔

(آیت نمبر ۵۴) خبردار بے شک یہ کفار اپنے رب کی ملاقات سے شک میں ہیں۔ یعنی انہیں قیامت کے قائم ہونے اور حساب و کتاب اور جزاء و سزا میں ابھی شک ہے۔ خبردار بے شک اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کو گھیرے میں لینے والا ہے۔ جب وہ ان سب کو گھیرے میں لے لے گا۔ تو پھر ان کا شک نکل جائیگا۔

سورۃ کا اختتام : ۷ امورخہ دسمبر بمطابق ۱۷ ربیع الاول بروز ھفتہ بعد نماز صبح



حٰمٓ ۚ ﴿١﴾ عٓسٓقٓ ﴿٢﴾ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ

اسی طرح وحی فرماتا ہے آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے ہوئے اللہ تعالیٰ

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٣﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ

عزت وحکمت والا ہے ۔اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو زمین میں ہے۔ اور وہ

الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿٤﴾

بلندی وعظمت والا ہے۔

(آیت نمبرا۔۲) حم۔عسق: یہ حروف مقطعات ہیں۔ان دونوں کو الگ الگ آیات کے ساتھ لکھنے میں حوامیم کی ترتیب سے الگ رکھنے کی طرف اشارہ ہے۔**فائدہ**: القاموس میں ہے۔حم سے بعض سورتوں کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کے متعلق بعض بزرگوں نے کہا کہ یہ اسم اعظم ہے یا قسم ہے۔یا الرحمٰن کا مخفف ہے۔

علم قرآن: ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تمام فتنوں کو ان حروف سے جان لیا۔(قال الثعلبی) ان حروف کی مزید تفصیلات فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں۔

(آیت نمبر۳) اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کی طرف وحی فرماتا ہے۔ جیسے پہلے انبیاء کی طرف وحی ہوئی۔یعنی فرشتے ہی پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف بھی وحی لاتے تھے۔اب بھی وہی وحی لے کر آتے ہیں اور وحی بھیجنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔العزیز اور الحکیم دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جو وحی بھیجنے والے کی بلند شان پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ یہ اس کے کمال قدرت اور علم کے بعد واقع ہوئیں۔عزیز کا معنی غالب ہے اور حکیم کا معنی حکمت والا ہے۔

(آیت نمبر۴) اسی کا ہے جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے۔یعنی تمام عالم علویہ یعنی عرش علیٰ تک اور عالم سفلیہ یعنی تحت الثریٰ تک سب اسی کا ہے۔بنایا بھی اسی نے اور ملکیت بھی اسی کی ہے۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ

قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں ان کے اوپر اور فرشتے تسبیح کہتے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ ۔

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۵

اور بخشش مانگتے ہیں زمین والوں کیلئے۔ خبردار بے شک اللہ ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

(بقیہ آیت نمبر۴) آگے فرمایا کہ وہ علو یعنی بہت بلند شان والا ہے اور عظیم یعنی بہت بڑی سلطنت والا ہے اور بہت بڑی قدرت وحکمت والا ہے۔ یعنی وہ اتنی بلند شان والا ہے کہ جہاں تک عقلوں کی رسائی نہیں ہے۔ نہ کوئی اور ایسی ذات ہے جو اس کو یا اس کی صفات کو پا سکے۔ یقیناً وہ ایک عظیم ذات ہے کہ نہ اس کی صفات جیسی کسی میں صفات ہیں۔ نہ اسکے افعال جیسے کسی کے افعال ہیں۔ اس کے سامنے ہر چیز ہیچ ہے۔ جس کو جو بھی عزت شان اور بلندی ملی ہے۔ وہ اسی ذات کی عطا کردہ ہے۔ جیسے انبیاء کرام علیہم السلام یا اولیاء کرام رحمہم اللہ نے اسی سے مرتبے پائے۔

(آیت نمبر۵) قریب ہے کہ آسمان اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال سے پھٹ جائیں۔ یعنی قیامت کی ہولناکی اور ہیبت اس قدر عظیم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف ناکی سے آسمان بھی پھٹ جائیں۔ باوجود اتنی بڑی مخلوق ہونے کے اور اتنے بلند ہونے کے اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کے سامنے وہ بھی ٹکڑے ہو جائیں (تو انسان ان کے مقابلے میں کیا ہے)۔ اللہ تعالیٰ کی اس سے بھی بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ جیسے عرش اور کرسی اور وہ فرشتے جن کی تسبیح اور تکبیر وتہلیل سے سارا ماحول گونج رہا ہے۔ علاوہ ازیں اور بھی آیات ہیں۔ جن کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

آگے فرمایا کہ فرشتے اپنے رب کی حمد کیساتھ اس کی تسبیح پڑھتے ہیں۔ یعنی جو صفات اللہ کی شان کے لائق نہیں ان سے نفی اور جو اس کی شان کے لائق ہیں بیان کرتے ہیں اور وہ فرشتے زمین والوں کیلئے بخشش کی دعا کرتے ہیں۔ یعنی دعا میں وہ مسلمانوں کی اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کرتے ہیں۔ چونکہ دوسرے مقام پر مومنوں کا ذکر ہے۔ کہ فرشتے بخشش کی دعا صرف مومنوں کیلئے کرتے ہیں۔ اس لئے کہ غیر مسلم کیلئے بخشش کی دعا کرنا منع ہے۔

آگے فرمایا۔ خبردار ہو جاؤ اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے گناہ بخش دیتا ہے اور ان پر رحم فرماتا ہے۔ یعنی جنت کی نعمتوں کے ساتھ اپنا قرب وصال سے بھی وہ نوازے گا۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَآ اَنْتَ

اور جنہوں نے بنایا اس کے سوا اوروں کو ولی اللہ تعالیٰ کی نگاہ ہے ان پر۔ اور نہیں تم

عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ⑥ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى

ان پر ذمہ دار۔ اور اسی طرح وحی کی ہم نے طرف آپ کے قرآن عربی کی تا کہ ڈرائیں آپ مکہ والوں

وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۗ فَرِيْقٌ فِى الْجَنَّةِ

اور جو اس کے گرد ہیں اور ڈرائیں دن اکٹھے ہونے سے نہیں شک اس میں۔ ایک فریق جنت میں

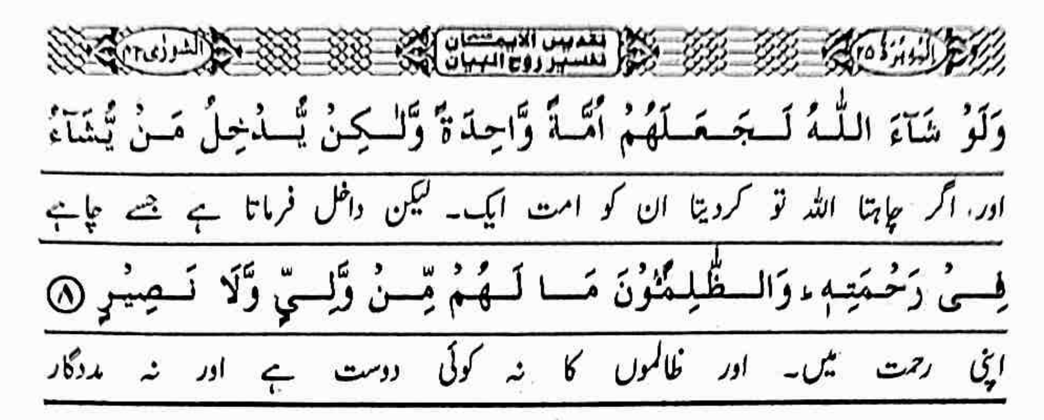
وَفَرِيْقٌ فِى السَّعِيْرِ ⑦

اور ایک فریق دوزخ میں ہے۔

(آیت نمبر ۶) جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنالیا۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ بتوں کی عبادت بھی ملا دیتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال اور احوال کو دیکھ رہا ہے۔ یعنی سب کچھ اس کے علم میں ہے۔ ان سے بالکل غافل نہیں ہے۔ ان کے برے اعمال کی انہیں سزا دے گا۔ دوسرے مقام پر اس کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ رب تعالیٰ نہ بھولا ہے نہ بھٹکا۔ سب کچھ کتاب میں موجود و محفوظ ہے۔ آگے فرمایا۔ اے محبوب آپ ان پر وکیل بن کر نہیں گئے۔ کہ ان کے معاملات آپ زبردستی ٹھیک کرائیں۔ اس لئے کہ اس کے بارے میں آپ سے پوچھ گچھ نہیں ہوگی۔ آپ کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ آپ انہیں آخرت کے عذاب سے ڈرائیں اور لوگوں تک اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچائیں۔ (وہ کام آپ نے کر دیا)۔

سبق: عقل مند وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے دوستی کرے اور اسی سے محبت کرے اور اسی سے تعلق قائم رکھے۔

(آیت نمبر ۷) اسی طرح ہم نے آپ کی طرف وحی کی اس قرآن کی جو عربی زبان میں ہے۔ اس لئے کہ یہی آپ کی اور آپ کی قوم والوں کی زبان ہے تا کہ وہ آسانی سے اسے سمجھ جائیں۔ تا کہ آپ انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرائیں۔ شاید وہ کفر و شرک سے باز آئیں۔ مکہ مکرمہ کو ام القریٰ اس لئے کہا گیا ہے کہ ساری زمین کی اصل یہی جگہ بیت اللہ والی زمین ہے۔ یہاں سے زمین کی ابتداء ہوئی۔ اُم کا معنیٰ اصل بھی ہے۔



وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ

اور اگر چاہتا اللہ تو کر دیتا ان کو امت ایک۔ لیکن داخل فرماتا ہے جسے چاہے

فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۸﴾

اپنی رحمت میں۔ اور ظالموں کا نہ کوئی دوست ہے اور نہ مددگار

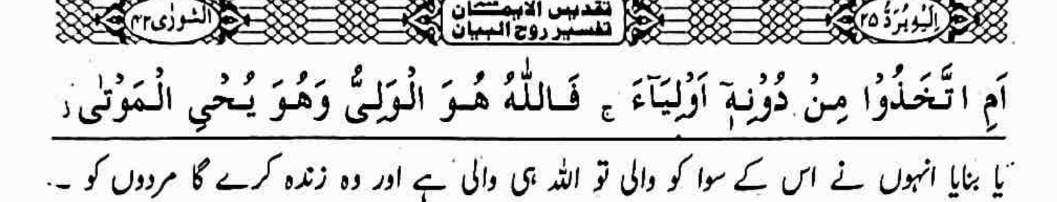
(بقیہ آیت نمبر ۷) حضور ﷺ اصل کائنات اسی لحاظ سے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری روح کو پیدا کیا۔ پھر اس سے تمام روح اور نفس پیدا ہوئے۔ اس معنی کے لحاظ سے آپ امی ہیں۔ یعنی سب روحوں کی اصل۔ آگے فرمایا کہ آپ مکہ شریف اور اس کے ارد گرد والوں کو ڈرسنائیں۔

فائدہ : امام قشیری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد پوری روئے زمین ہے کیونکہ مکہ مکرمہ پوری زمین کے سنٹر میں ہے اور ارد گرد کی پوری زمین اس کی حد ہے۔

آگے فرمایا کہ آپ جمع ہونے والے دن سے یعنی قیامتکی ہولناکی اور جہنم کے عذاب سے ڈرائیں کہ اس دن اولین وآخرین سب کو جمع کیا جائیگا۔ یعنی تمام زمین وآسمان والے اور تمام روح اور سب جسم اکٹھے ہونگے اور اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ سب ڈرائے ہوئے اور ڈرانے والے۔ عوام وخواص۔ جنتی اور دوزخی سب جمع ہونگے۔ سب کا حساب ہوگا جنہیں آج شک ہے اس دن ان کا بھی شک نکل جائے گا۔ آگے فرمایا کہ اس دن ایک گروہ جو صاحب ایمان ہوں گے۔ وہ جنت میں جائیں گے اور دوسرا گروہ کفار کا جہنم میں جائیں گے۔ سعیر شعلوں والی آگ کو کہا جاتا ہے۔ یعنی حساب وکتاب کے بعد سب کو الگ الگ کر کے اپنے اپنے مقام کی طرف بھیج دیا جائیگا۔

حدیث شریف میں ہے ایک مرتبہ حضور ﷺ کے دونوں مبارک ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں۔ دائیں ہاتھ والی کتاب کے متعلق فرمایا۔ اس کتاب میں تمام جنتیوں کے نام ہیں اور بائیں ہاتھ والی کتاب میں دوزخیوں کے نام ہیں۔ صحابہ نے پوچھا پھر عمل کا کیا فائدہ تو فرمایا۔ عمل کئے جاؤ اور سیدھی راہ پر چلے چلو۔ جنتی وہی ہے جس کا آخری عمل نیکی ہوگا اور دوزخی کا خاتمہ برے عمل پر ہوگا۔ (تفسیر معالم التنزیل وتفسیر بغوی)

(آیت نمبر ۸) اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر لیتا۔ یعنی سب کو ایک دین پر کر دیتا۔ ہدایت پر یا گمراہی پر۔ لیکن وہ جسے چاہتا ہے۔ اپنی رحمت (جنت) میں داخل فرماتا ہے اور جسے عذاب دینا چاہتا ہے۔



اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ز

یا بنایا انہوں نے اس کے سوا کو والی تو اللہ ہی والی ہے اور وہ زندہ کرے گا مردوں کو ۔

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۹ ع

اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

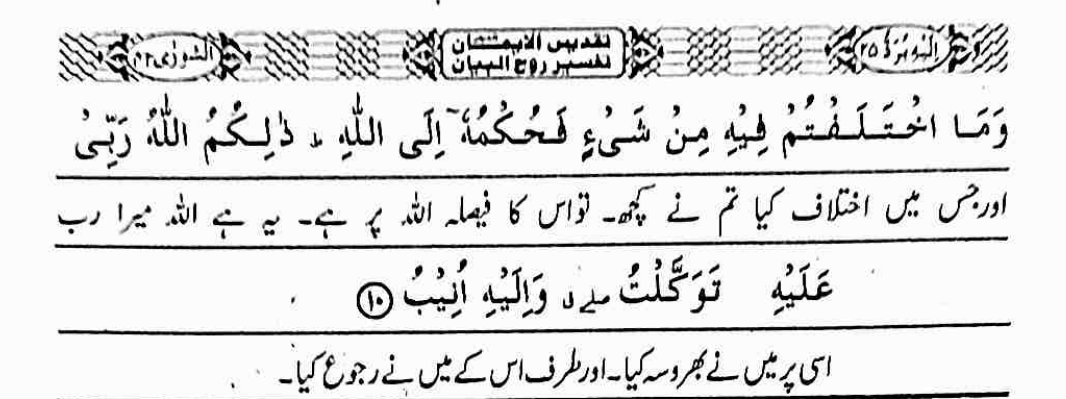
(بقیہ آیت نمبر ۸) اسے دوزخ میں داخل فرمائے گا۔ یعنی ہر کام اس کے ارادے سے متعلق ہے۔ گویا دو گروہ ہو گئے۔ جو گروہ جہنم کی طرف جائیگا وہ عدل کیوجہ سے اور جو جنت کی طرف جائے گا وہ اللہ کے فضل کی وجہ سے۔ آگے فرمایا کہ ظالموں کا کوئی والی نہیں جو ان کے تمام کاموں میں کام آئے۔ یا انہیں عذاب سے بچائے اور نہ ان کا کوئی مددگار ہے جو ان کی مدد کر کے کسی طرح کا انہیں فائدہ پہنچا سکے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا۔ جنت یا جہنم میں داخلہ بندوں کے اپنے اعمال وعقائد کے مطابق ہوگا۔

فائدہ: اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ انسان رحمت الٰہی پر نگاہ رکھے۔ پھر جب اس کی رحمت حاصل ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور شکر کرے تو کفر اور گناہوں سے خود بخود نفرت ہو جائیگی۔

(آیت نمبر ۹) یا ان کفار ومشرکین نے اللہ کے سوا یعنی ان پتھروں اور مٹی کے ڈیلوں کو خدا بنالیا ہے جب کہ وہ کسی کام نہیں آسکتے۔ یہ تو کفار کی بدبختی ہے کہ اتنی بڑی ذات کو چھوڑ کر پتھروں اور مٹی کے ڈیلوں کو اپنا کفیل سمجھ لیا ہے۔ وہ کسی کو کیا فائدہ دے سکتے ہیں۔ آگے انہیں یقین دھانی کرائی گئی کہ اللہ ہی تمہارا ولی ہے جو تمہارے سب کام بناتا ہے۔ خیر وشر۔ نفع وضرر کا وہی مالک ہے۔ وہی سب کا یار ومددگار ہے۔ اور وہی فریاد رس ہے۔ آگے اس کی دلیل بیان فرمائی کہ وہی ہے جو مردے زندہ کرتا ہے۔ اس کائنات میں اور کوئی ایسا نہیں ہے۔ جو مردے زندہ کر سکے۔ یہی بات ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو فرمائی۔ میرا رب وہ ہے جو زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے۔ آگے فرمایا کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے لہذا اصل کفیل وہی ہے۔ کسی دوسرے میں یہ قدرت نہیں ہے۔ کہ وہ کفیل کہلا سکے۔

سبق: لہذا بندے پر لازم ہے کہ وہ اپنے پروردگار کے آگے گڑگڑا کر دعائیں مانگے تاکہ اسے مطلوب حاصل ہو اور بتوں وغیرہ سے کوئی امید نہ رکھے کہ وہ کسی کام آئیں گے۔ تمام چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے کام بنانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔



وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي

اورجس میں اختلاف کیا تم نے کچھ۔ تو اس کا فیصلہ اللہ پر ہے۔ یہ ہے اللہ میرا رب

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ⑩

اسی پر میں نے بھروسہ کیا۔اورطرف اس کے میں نے رجوع کیا۔

(آیت نمبر۱۰)اے میرے محبوب کے غلامو۔تمہارا کفار سے جو اختلاف ہے۔یعنی تم ان کے ساتھ دین کے جس معاملے میں الجھ رہے ہو یا وہ تم سے الجھ رہے ہیں۔ان باتوں کا فیصلہ اللہ کے پاس ہے۔کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون ہے۔پھر وہ ہی فیصلہ فرمائے گا کہ حق والوں کو ثواب اور باطل والوں کو عذاب دے گا۔

مسئلہ: اس سے مراد ائمہ یا مجتہدین کا اختلاف نہیں ہے۔

فائدہ: نجم الدین کبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں علماء کے مسائل شرعیہ کا اختلاف بھی مراد نہیں۔چونکہ ان کا فیصلہ قرآن،حدیث،اجماع اور قیاس سے ہوتا ہے۔

آگے فرمایا۔بہت بڑی عظمت وشان والی ذات اللہ تعالیٰ کی جو میرا رب ہے۔میں صرف اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اس کے علاوہ اور کسی پر میرا بھروسہ نہیں ہے اور میں صرف اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔یعنی جب بھی مجھے مشکلات آتی ہیں تو ان کو دفع کرنے کیلئے میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔جس کی برکتوں سے مجھے دشمنوں پر غلبہ فتح ونصرت حاصل ہوتا ہے۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنا ہر معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ

پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کو۔ بنائے تمہارے لئے تم میں سے ہی جوڑے اور چوپائیوں میں بھی

اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۱۱﴾

نر و مادہ۔ تمہاری نسل پھیلاتا ہے اس میں نہیں ہے اس کی مثل کوئی چیز۔ اور وہ سننے دیکھنے والا ہے

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ

اسی کے لئے چابیاں ہیں آسمانوں اور زمین کی۔ پھیلاتا ہے رزق جس کیلئے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے۔

اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾

بے شک وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

(آیت نمبر ۱۱) وہ وہی رب تعالیٰ ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور اسی ذات نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے جوڑے یعنی تمہاری عورتیں بنائیں۔ اور اسی طرح جانوروں کے بھی جوڑے بنائے اور جانور محض تمہارے نفع کے لئے بنائے اور وہ پھیلاتا ہے تمہاری نسل کو یعنی انسانوں اور حیوانوں کے جوڑے اس لئے پیدا کئے تاکہ تمہاری نسل خوب پھیلے ۔ اور اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی شیءنہیں۔ یعنی اس کی ذات جیسی کوئی ذات ہوسکتی ہی نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے نہ عرض۔ بلکہ ذات تو بڑی شیء ہے اس کے ناموں جیسا کسی کا نام نہیں۔ نہ اس کی صفات جیسی کسی کی صفات ہیں۔ اگر کسی میں نام یا صفت کی موافقت ہوتی بھی ہے تو وہ صرف لفظی طور پر ہی ہے۔ آگے فرمایا وہی ہر چیز کو سننے اور سب کو دیکھنے والا ہے۔ **فائدہ**: بندہ لفظ سمیع سے یوں حظ اٹھائے۔ یعنی یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سن رہا ہے۔ اس لئے زبان کو فضول بولنے سے روک رکھے کہ کہیں اللہ تعالیٰ میری فضول بات سے ناراض نہ ہو جائے اور وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ لہذا جس طرح زبان پر کنٹرول ضروری ہے۔ اسی طرح کانوں کو بھی لغو چیزوں کے سننے سے پرہیز کرے۔ اگر سننا ہے تو اللہ تعالیٰ کا کلام قرآن سنے یا رسول اللہ کی حدیث سنے۔

(آیت نمبر ۱۲) آسمانوں اور زمین کی چابیاں یعنی اللہ تعالیٰ کے خزانوں کی چابیاں اسی کے پاس ہیں۔ اس لئے ان میں تصرف بھی وہی کرسکتا ہے۔ یعنی ہر چیز پر اس کا اپنا قبضہ و اختیار ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا

نکالی تمہارے لئے دین میں وہ راہ جس کی وصیت کی نوح نے اور جو وحی کی ہم نے آپ کی طرف۔ اور جس کا حکم دیا ہم نے

بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ

ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو کہ قائم رکھیں دین کو اور نہ تفرقہ کریں اس میں ۔

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

یہ گراں ہے مشرکوں پر جس کی طرف تم انہیں بلاتے ہو۔ اللہ چن لیتا ہے اپنے لئے جسے چاہے

وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿١٣﴾

اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف جو رجوع کرے۔

(بقیہ آیت نمبر١٢) بعض مشائخ نے فرمایا۔ آسمان کی کنجیاں اس کے علوم غیبیہ ہیں۔ آگے فرمایا کہ وہ جس کیلئے چاہتا ہے۔ رزق بڑھا دیتا ہے۔ اور جس کیلئے چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اس لئے کہ اس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے۔ وہ جس کے ساتھ جیسے چاہتا ہے معاملہ کرتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جنت کی کنجی "لاالٰہ الا اللہ" ہے۔ اور اس کے دندانے نماز روزہ وغیرہ ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)۔ لہٰذا کلمہ کے ساتھ نماز روزے وغیرہ کا اہتمام ضروری ہے۔

وسیلہ مصطفیٰ ﷺ: ہم اللہ تعالیٰ سے اس کا فیض اور اس کی عطا مانگتے ہیں۔ محمد مصطفیٰ ﷺ کے طفیل۔

(آیت نمبر١٣) اے امت مصطفیٰ ﷺ تمہارے لئے توحید۔ دین اسلام شرائع واحکام کا ایک روشن راستہ مقرر فرما دیا گیا ہے۔ اسی بات کی جناب نوح علیہ السلام کو وصیت کی یعنی انہیں ہم نے تاکیدی حکم دیا۔

فائدہ: جناب نوح کا ذکر اس لئے کیا کہ وہ سب سے پہلے نبی اور رسول ہیں۔ جنہوں نے شرعی امور کا سب سے پہلے اجراء کیا۔ **فائدہ**: اور اس کے بعد صرف حضور ﷺ کا ذکر مبارک اس لئے کیا کہ آپ تمام انبیاء و مرسلین میں سب سے افضل ہیں۔ (٢) ان دونوں کا ذکر اس لئے کیا تا کہ کفار کو معلوم ہو کہ دین حق وہی ہے جو نوح علیہ السلام سے چلتا ہوا آ رہا ہے اور نبی ﷺ کے وسیلے سے ہمیں مل رہا ہے۔ آگے فرمایا کہ یہ وہی دین ہے جس کی ہم نے ابراہیم،

موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو وصیت کی۔ کہ تم اس دین پر قائم رہو۔

2

فائدہ : یہ پانچوں انبیاء کرام علیہم السلام اولوالعزم ہیں۔ انہیں تاکید حکم دیا گیا کہ تم دین کو قائم رکھو۔ یعنی توحید طاعت پر۔ کتابوں پر ایمان لانا۔ رسولوں اور قیامت پر ایمان لانا اور ان پر مضبوطی سے قائم رہو اور جدا جدا نہ ہو اس دین میں یہ خطاب صرف امت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ **فائدہ**: معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اصول دین میں مشترک ہیں۔ سب نے بدل وجان اس کی خدمت کی اور اپنی اپنی امتوں کو اس کی دعوت دینے میں بھرپور کوشش کی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔:"ان الدین عند الله الاسلام"۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ نے اقامت دین کیلئے متحد و متفق اور مجتمع ہونے کی تاکید فرمائی اور مختلف ہونے سے منع فرمایا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کا ہاتھ جماعت پر ہے جو الگ ہوا وہ ہلاک ہوا۔ **ارشاد مولا علی** : کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ اے مسلمانو۔ متفرق نہ ہونا۔ متحد و متفق رہنا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور متفرق ہونا اللہ کا عذاب ہے۔ آگے فرمایا کہ مشرکوں پر یہ بات سخت بھاری ہے کہ جو تم انہیں اللہ وحدہ لاشریک کی طرف دعوت دیتے ہو اور انہیں بتوں کی پوجا سے روکتے ہو تو وہ اس بات کو بڑی مصیبت سمجھتے ہیں کہ اتنے سارے خداؤں کو چھوڑ دیں اور صرف ایک خدا کو کیسے پوجیں۔

فائدہ: حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ "لاالہ الااللہ" کی دعوت اور شہادت شیطان اور اس کے چیلوں پر سخت گراں ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کیلئے چاہتا ہے۔ اسے اس کلمہ کی آپ کی طرف سے دی ہوئی دعوت قبول کرنے کیلئے منتخب فرمالیتا ہے۔ یعنی اس کے اختیار کو اسلام قبول کرنے کی طرف پھیر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے ہی ہدایت دیتا ہے۔ جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یعنی خود اسلام کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

انابت: توبہ کا نتیجہ ہے۔ جس کی توبہ قبول ہوتی ہے اس کی یہی نشانی ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نصیب ہو جاتا ہے۔ **سبق** : مومن پر لازم ہے کہ ہر آن اور ہر گھڑی اپنی استطاعت کے مطابق قرب الٰہی کیلئے کوشش کرتا رہے۔ اس لئے کہ گناہ ہو جانا تو اس کی فطرت سے ہے۔ اس سے بچنا بہت مشکل ہے۔ جب تک کہ اس کی اطاعت نہ کی جائے اور اگر اطاعت کے ساتھ استغفار اور توبہ کو بھی ملا لیا جائے تو اور زیادہ بہتر ہے۔

جلد-9

حدیث قدسی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو بندہ ایک بالشت میرے قریب ہو۔ میں ایک گز اس کے قریب ہوتا ہوں اور جو ایک گز میرے قریب ہو۔ میں دو گز اس کے قریب ہوتا ہوں اور جو میری طرف چل کر آئے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ (ریاض الصالحین)

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًاۢ بَیْنَهُمْ ؕ وَلَوْلَا

اور نہیں تفرقہ ڈالا مگر اس کے بعد جو آ گیا ان کے پاس علم حسد سے آپس میں۔ اور اگر نہ

كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِیَ بَیْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ

بات گذری ہوتی تیرے رب کی تاوقت مقرر تو فیصلہ ہوگیا ہوتا ان میں۔ اور بے شک

الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ﴿۱۴﴾

جو وارث ہوئے کتاب کے ان کے بعد ضرور شک میں ہیں دھوکہ ڈالنے والے۔

(آیت نمبر۱۴) اور یہود ونصاریٰ جدا جدا نہ ہوئے۔ مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ گیا۔ یعنی اس کے باوجود کہ انہیں اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے لائے ہوئے قرآن مجید کی حقانیت پر دلائل کا انہوں نے اپنی کتابوں میں مشاہدہ کیا اور انہیں بالکل اپنی کتابوں کے موافق پایا۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے انکار کردیا اور ایمان نہ لایا۔ اس کی وجہ اور کوئی بھی نہیں صرف آپس میں بغاوت تھی اور بغاوت کی وجہ۔ مال اور جاہ طلبی۔ مرتبہ اور شہرت کی ہوس تھی۔ اور اس کے علاوہ ان پر حمیت جاہلیت کا بھوت بھی سوار تھا۔ حضور ﷺ پر ایمان نہ لانے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ انہیں حضور ﷺ کی رسالت پر شک یا شبہ یا لاعلمی اور بے خبری تھی۔ بلکہ اصل وجہ اقتدار کی ہوس تھی۔ کہ جس نے انہیں ایمان لانے سے روکا ہوا تھا۔ کہ اگر ایمان لے آئے۔ تو پھر اس رسول کی ہر بات ماننی پڑے گی۔

آگے فرمایا کہ اگر تمہارے رب کی بات پہل نہ کرگئی ہوتی۔

فائدہ: یہاں کلمہ الٰہی سے مراد وہ وعدہ الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے کیا کہ میں سابقہ امتوں کی طرح آپ کی امت کو عذاب میں مبتلا نہیں کروں گا۔ انہیں موقع دونگا ایک وقت مقرر تک۔ جو صرف اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے یا اس سے مراد قیامت یا موت کا دن ہے تو فرمایا۔ اگر وہ وعدہ نہ ہوتا تو ابھی ان کا فیصلہ ہو جاتا یعنی سابقہ قوموں کی طرح یہ بھی ہلاک ہو جاتے اور ان کی جڑ کٹ جاتی۔ آگے فرمایا کہ بے شک وہ لوگ جو ان کے بعد کتاب کے وارث بنائے گئے۔ وہ اس کتاب یعنی قرآن کے بارے میں شک کررہے ہیں اور شک بھی ایسا جو انہیں اضطراب میں ڈالنے والا ہے۔ یہ اس لئے ایمان نہیں لاتے کہ ان پر بغاوت اور تکبر سوار ہے۔ حالانکہ انہیں یقین ہے کہ رسول کریم ﷺ اور قرآن مجید دونوں برحق ہیں۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ج وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ج وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ج وَقُلْ

تو اسی لئے بلاؤ اور ثابت قدم رہو جیسا حکم دیئے گئے۔ اور نہ پیروی کریں ان کے خواہشات کی اور فرما دیں

اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ج وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ط اَللّٰهُ رَبُّنَا

میں ایمان لایا اسپر جو اتارا اللہ نے کتاب میں۔ اور مجھے حکم ہے کہ میں انصاف کروں تم میں۔ اللہ ہی ہمارا

وَرَبُّكُمْ ط لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ط لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ط

اور تمہارا رب ہے ہمارے لئے ہمارے عمل اور تمہارے لئے تمہارے عمل کوئی نہیں حجت ہمارے اور تمہارے درمیان

اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ج وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ط (۱۵)

اللہ ہی جمع کرے گا ہم سب کو اور اسی کی طرف پھرنا ہے

(آیت نمبر ۱۵) اے محبوب آپ اس دین متین کی طرف لوگوں کو دعوت دیں۔ یعنی جو لوگ متفرق ہیں۔ یا شک مریب میں ہیں۔ انہیں دین اسلام کی طرف بلائیں۔

فائدہ: حضور ﷺ کی زبان مبارک سے اس دین کا پیغام لوگوں تک پہنچانا اور اس کا حکم دینا دعوت حق کا موجب ہے۔ اگر لوگ اس دین کو قبول کرلیں گے اور صحیح طور پر قائم ہو جائیں گے تو متفرق ہونے سے بچ جائیں گے۔

امت میں تفرقہ: اس آیت میں اشارہ ہے کہ امت تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی۔ انہیں سنت پر چلنے کی دعوت دینا اور قرآن وحدیث سے ان کے مذاہب کا رد کرنا بھی اس دعوت میں شامل ہے۔ اہل سنت کے علاوہ تمام مذاہب اہل بدعت ہیں۔ بری بدعت بدعقیدہ ہونا ہے۔ کل بدعت ضلالۃ سے مراد بری بدعت ہے۔ بدعت حسنہ تو سنت کی ایک قسم ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ)

آگے فرمایا کہ جیسے آپ کو حکم ہو آپ استقامت دکھائیں یہ اصل میں امت کو حکم دیا گیا کہ دینی امور کو پورا کرو۔ حقوق اللہ صدق دل سے ادا کرو۔ اور ان کفار مکہ کے باتیں نہ سنیں نہ ان کی خواہشات پر چلیں۔ کفار کی باتوں میں نہ آنا۔ حدیث میں ہے۔ ہر چیز کیلئے کوئی آفت ہے۔ دین کیلئے آفت خواہشات نفسانی پر چلنا ہے۔

فائدہ : کفار چاہتے تھے کہ حضور ان بتوں کی تعظیم وتکریم کریں۔ ان کے مذہبی امور میں ان کا ساتھ دیں تو اس کے جواب میں فرمایا۔ اے محبوب ان سے کہہ دیں میں تو اس پر ایمان لایا جو اللہ تعالیٰ نے کتاب میں اتارا۔ کتاب سے مراد تمام آسمانی کتابیں۔ اور خصوصاً قرآن پاک پر ایمان لایا۔

مسئلہ : اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ہمیں ان تمام حقائق پر ایمان لانا ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا۔ سابقہ کتابوں پر اجمالی ایمان لانا ضروری ہے اور قرآن پاک پر تفصیلی ایمان لانا ضروری ہے۔

آگے فرمایا کہ مجھے یہ بھی حکم دیا گیا کہ میں تمہارے درمیان عدل وانصاف سے فیصلے کروں۔ یعنی فیصلہ کرتے وقت تمہارے تمام دعووں میں شریف اور کمینے میں انصاف کروں۔

کامیابی کے گر:

جناب داؤد علیہ السلام نے فرمایا تین امور میں ہمیشہ کامیاب رہا۔ (۱) فقر وغنا میں میانہ روی۔ (۲) خوشی اور غصے میں عدل وانصاف۔ (۳) ظاہر وباطن میں خوف خدا۔۔۔۔ تباہی کا باعث تین امور ہیں: (۱) بخل۔ (۲) خواہش نفسانی۔ (۳) عجب خود پسندی سعادت مندی۔۔۔۔ دنیا وآخرت میں خیر وبرکت: (۱) ذکر والی زبان۔ (۲) شکر والا دل۔ (۳) صبر والا بدن۔ (۴) نیک بیوی سے ہے۔

آگے فرمایا اللہ ہی ہمارا اور تمہارا رب ہے اور کوئی نہیں اور ہمارے تمام کاموں کا کارساز وہی ہے۔ لہٰذا ہمارے اعمال ہمارے لئے۔ یعنی ان کا بدلہ ہمیں ملے گا۔ اچھے اعمال پر جزائے خیر اور برے اعمال پر سزا۔ اسی طرح تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ یعنی اچھے عمل ضائع اور برے اعمال کی سزا تمہیں ہی ملے گی۔ کسی اور کو نہیں ملے گی۔ اب ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی حجت نہیں رہی۔ جس میں جھگڑا ہو کیونکہ اب حق واضح ہو چکا۔ اب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہم سب کو جمع کرلے گا۔ اس لئے کہ سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر ہمارا اور تمہارا حال سب پر کھل جائے گا۔

فائدہ : آیت قتال سے یہ آیت منسوخ ہے۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ کفار کیساتھ کوئی حجت بازی نہ کی جائے کہ دلائل سے حق واضح کردیا گیا۔

وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ

اور جو جھگڑتے ہیں اللہ کے بارے میں اس کے بعد کہ جو اسے مان لیا ہے (مسلمانوں نے) تو اب ان کی حجت

دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۶﴾

محض بے ثبات ہے ان کے رب کے ہاں۔ اور ان پر غضب ہے اور ان کیلئے عذاب ہے سخت

(آیت نمبر ۱۶) اور وہ لوگ جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں۔ **فائدہ**: یعنی دین کے معاملے میں نبی کریم ﷺ سے جھگڑتے ہیں۔ اس کے بعد کہ بہت لوگوں نے اسے قبول کیا اور خوشی سے اس دین میں داخل ہو گئے۔ اس لئے کہ اس کے دلائل اور براہین بالکل واضح ہیں۔

فائدہ: اسے استجابت سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے لفظ دعوت آیا ہے چونکہ دعوت کے بعد استجابت کا لفظ آتا ہے۔ جو یہاں زیادہ موزوں بھی ہے۔ اصل میں تو قبول کرنا وہی ہے۔ جو روز میثاق میں قبول ہو چکا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح سے پوچھا۔ (الست بربکم) کیا میں تمہارا رب نہیں۔ تو جنہوں نے لفظ (بلیٰ) کہا۔ انہوں نے گویا۔ اسی وقت قبول کرلیا۔ پھر جب عالم ارواح سے عالم اجسام اور ابدان میں آئے تو اکثر وہ وعدہ بھول گئے اس لئے انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے کہ وہ وعدہ یاد کرائیں لیکن لوگ حجت بازی کرنے اور خواہ مخواہ جھگڑنے لگے اور جو لوگ خوش تھے۔ انہوں نے ایمان قبول کر کے اپنے وعدے اور اقرار کی تصدیق کر دی۔

آگے فرمایا کہ ان کی حجت باطل اور بے کار ہے۔ اس لئے کہ اسے حجۃ کہنا ان کے زعم باطل کی وجہ سے ہے۔ چونکہ وہ اپنی ہٹ دھرمی پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا غضب ہے اور ان کے کفر و گمراہی کی وجہ سے ان کے لئے سخت ترین عذاب ہے۔ اس سے مراد جہنم کی آگ کا عذاب ہے۔

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان پر عذاب شدید اس لئے ہوگا کہ انہوں نے دین حق اور قرآن مجید سے منہ موڑا۔ جو ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم رحمت اور نعمت تھی۔ تو جب انہوں نے اس عظیم نعمت و رحمت سے منہ موڑا۔ تو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور سزا کے مستحق ہو گئے (اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ فرمائے آمین) اور یہ سزا در اصل ان کے اعمال و احوال کے نتائج ہیں اور ثمرات ہیں۔ (زمین میں جیسا بیج ڈالا جائے ویسا ہی پھل ملتا ہے جو کا ثمر گندم نہیں ہوتا)۔

اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿۱۷﴾

اللہ ہی ہے جس نے اتاری کتاب حق کے ساتھ اور انصاف کا ترازو اور کیا تمہیں معلوم کہ شاید قیامت قریب ہی ہو

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ

جلدی مانگ رہے ہیں اس کو وہ جو نہیں ایمان رکھتے اس پر اور جو ایمان والے ہیں وہ ڈرتے ہیں قیامت سے

وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۱۸﴾

اور وہ جانتے ہیں کہ بے شک وہ حق ہے خبردار بے شک جو شک کرتے ہیں قیامت میں ضرور وہ گمراہی میں دور ہیں

(آیت نمبر ۱۷) اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے کہ جس نے کتاب نازل فرمائی حق کے ساتھ۔ یعنی جس کے تمام احکام حق ہیں اس کے بیان کردہ عقائد بھی برحق ہیں۔ اور دوسری چیز میزان بھی اتاری۔ جس کی وجہ سے حقوق تولے جاتے ہیں۔ یعنی لوگوں میں عدل وانصاف قائم کیا جاتا ہے۔ جیسے ترازو کا مقصد وزن کو برابر رکھنا ہے۔ اسی طرح شرعی واجبی حقوق ادا کرنا ضروری ہے۔ خواہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد۔ **فائدہ**: تمام آسمانی کتب میں عدل وانصاف کا حکم دیا گیا ہے۔ اس میزان کا مقصد یہ ہے کہ کسی کے ساتھ زیادتی نہ کی جائے۔ سب کے ساتھ انصاف ہو۔

فائدہ: یہ بھی ممکن ہے۔ اس سے حقیقی ترازو مراد ہو۔ جیسا کہ مروی ہے۔ جبریل علیہ السلام نے ترازو لاکر نوح علیہ السلام کو دیا اور کہا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اپنی قوم کو یہ دیں اور ان کو بتائیں کہ اس سے اشیاء کو تولیں اور انصاف قائم رکھیں۔ آگے فرمایا تمہیں کیا معلوم شاید کہ قیامت قریب ہی ہو۔ یعنی وہ ساعت جس کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے۔ جس کے متعلق کفار پوچھتے ہیں۔ کہ وہ کب ہے۔ تو اے محبوب آپ ان کو بتائیں۔ کہ وہ بہت قریب آ رہی ہے۔ **فائدہ**: امام زاہد نے فرمایا کہ یہاں لعل تحقیق کیلئے ہے۔ یعنی یقیناً قیامت قریب آ گئی۔

(آیت نمبر ۱۸) قیامت کی آمد کیلئے انہیں بڑی جلدی ہے جو اس پر ایمان نہیں رکھتے۔ اصل میں وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اس کا انہیں کوئی خوف نہیں۔ صرف انہیں کھلے عام قیامت کو دیکھنے کا بڑا ق شوق ہے۔ اس لئے وہ بار بار کہتے ہیں محمد (ﷺ) اگر سچے ہیں تو قیامت کو لے آئیں۔ اصل میں وہ اسے بعید از قیاس جانتے ہیں۔ آگے فرمایا۔ ایمان والے تو اس سے خوف زدہ ہیں انہیں اس کے آنے کا پورا یقین ہے کہ وہ اپنے وقت پر ضرور آئیگی۔

اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۱۹﴾

اللہ تعالیٰ مہربان ہے اپنے بندوں پر رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ قوت والا عزت والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۱۸) **سبق**: ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔ یعنی مومن قیامت کا ڈر بھی رکھتے ہیں اور انہیں رحمت کی امید بھی ہے اور وہ جانتے ہیں کہ قیامت برحق ہے۔ لہذا لازماً آئے گی۔ بلکہ مومن تو اس کے منتظر ہیں کہ اس دن ہمیں جلوۂ خدا بھی ہوگا۔ اور جلوۂ مصطفیٰ بھی۔ آگے فرمایا خبردار بے شک جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑا اور فساد کرتے ہیں اور اس سرکشی سے اس کا انکار کرتے ہیں۔

فائدہ: چونکہ جھگڑے کی بنیاد شک ہے۔ اسی شک کی وجہ سے وہ جھگڑا کرتے ہیں۔ وہی لوگ گمراہی میں بہت دور نکل گئے ہیں۔ ضلال کو بُعد سے موصوف کرنا مجاز عقلی ہے۔ یعنی جو شخص گمراہی میں بہت دور نکل جائے وہ ازلی گمراہ ہے۔ کیونکہ وہ قیامت کو بعید از قیاس سمجھتا ہے۔

چھ باتوں کے علاوہ کبھی جلد بازی نہ کی جائے: (۱) نماز کا جب وقت ہو جائے۔ (۲) مردہ دفنانے میں۔ (۳) بالغ لڑکی کا نکاح کرنے میں۔ (۴) فرائض کے ادا کرنے میں۔ (۵) مہمان کو کھانا دینے میں۔ (۶) گناہ کے بعد توبہ کرنے میں بے شک جلدی کی جائے۔ لیکن باقی کام غور و فکر سوچ سمجھ کر کیے جائیں۔

خدا اور مصطفیٰ ﷺ کی محبت اصل ہے: ایک اعرابی نے عرض کی۔ قیامت کب ہے۔ آپ نے پوچھا کہ تو نے قیامت کیلئے کیا تیاری کی۔ عرض کی اور تو کچھ نہیں۔ البتہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے فرمایا تو قیامت کے دن اس کے ساتھ ہوگا۔ جس سے تجھے محبت ہوگی۔

(آیت نمبر ۱۹) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر لطف و کرم فرمانے والا ہے کہ ان پر بے حساب فیوض والطاف فرماتا ہے کہ وہ انہیں جب چاہے۔ جتنا چاہے۔ جیسے چاہے رزق عطا فرماتا ہے۔ سب اس کی مشیت کا تقاضا ہے۔ آگے فرمایا وہ بہت بڑی قدرت و طاقت والا اور ہر چیز پر غالب ہے اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ (لطف و کرم کی مزید تفصیلات فیوض الرحمٰن میں دیکھیں)۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِیْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ

جو چاہے کھیتی آخرت کی ہم بڑھاتے ہیں اس کی کھیتی میں اور جو چاہتا کھیتی

الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾

دنیا کی ہم دیتے ہیں اسی سے اور نہیں اس کا آخرت میں کوئی حصہ

(آیت نمبر۲۰) جو آخرت کی کھیتی چاہتا ہے۔ یعنی نیک اعمال کر کے ان کا بدلہ اور ثواب آخرت میں لینا چاہتا ہے۔ جہاں ایک کے بدلے دس بلکہ سات سو گنا تک ملتا ہے تو اس کے متعلق فرمایا۔ ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیتے ہیں۔

فائدہ: کاشفی فرماتے ہیں۔ جیسے ایک دانہ کھیت میں ڈالنے سے سینکڑوں دانے ملتے ہیں۔ اسی طرح نیک مسلمان کے اعمال صالحہ پر ثواب میں روز افزوں ترقی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک ایک نیکی بڑھ بڑھ کر احد پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے۔ آگے فرمایا اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے۔ یعنی دنیا کا ساز و سامان۔ یا عیش و عشرت چاہتا ہے اور نیک اعمال کر کے وہ دنیا کے اغراض دل میں رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہم اسے دنیا ہی میں دے دیتے ہیں۔ اگر چہ یہ ضروری نہیں کہ جو وہ چاہے وہ دیں یا جیسے وہ چاہے ایسے ہی ہو جائے۔ دنیا تو مل جاتی ہے لیکن دینا اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ جو صرف آخرت چاہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دنیا و آخرت کے تمام امور کا کفیل ہوتا ہے اور اسے استغنا کی دولت سے نوازتا ہے اور جس کا مطمع نظر صرف دنیا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کے تمام امور پراگندہ فرما دیتا ہے اور اسے ہر وقت فقر و فاقہ کا غم دامنگر رہتا ہے اور دنیا بھی اسے اتنی ہی ملتی ہے جو اس کے مقدر میں ہوتی ہے اور اسے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ملتا۔ یعنی اسے آخرت میں کسی اچھائی پر ثواب نہیں ملے گا۔ (احیاء العلوم)

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا

یا ان کیلئے شراکت ہے جنہوں نے نکالا ان کیلئے کوئی دین نہیں جس کی اجازت دی اللہ نے۔ اور اگر نہ ہوتی

كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

بات فیصلے کی تو ضرور فیصلہ ہوگیا ہوتا ان میں۔ اور بے شک ظالموں کیلئے عذاب ہے دردناک

(آیت نمبر ۲۱) بلکہ ان کے کچھ شریک ہیں جو جنوں اور انسانوں میں سے ہیں۔ یعنی ان مشرکوں کے ہم جنس انہیں کفر میں اور طرح طرح کے گناہوں میں ان کی مدد کرتے ہیں۔ شیطان نے ان کیلئے تیار کیا ہے فاسد دین۔ جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔ جیسے شرک کرنا۔ قیامت کا انکار کرنا و دیگر شرع کی مخالفات اور نفسانی خواہشات۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ انہیں فاسد امور کی کیسے اجازت دیتا ہے۔ جبکہ وہ ان امور سے منزہ، مبرا اور پاک ہے اور ان مشرکوں نے خود ہی ان گندے افعال کو دین کا نام دیا ہوا ہے۔ اور بتوں کو خود ہی بنا کر خدا کا شریک ٹھہرا لیا ہے۔ حالانکہ وہی ان کی گمراہی کا سبب ہیں۔

آگے فرمایا کہ اگر کلمہ فصل نہ ہوگیا ہوتا۔ یعنی یہ فیصلہ کن بات کہ دنیا میں انہیں عذاب نہیں ہوگا۔ یا یہ کہ ان کا فیصلہ بروز قیامت ہوگا کہ جہاں عدل و انصاف سے حق و باطل کا فیصلہ ہوجائیگا۔ تو ابھی کافروں اور مسلمانوں میں فیصلہ ہوجاتا۔ لیکن یہ فیصلہ اب بروز قیامت ہی ہوگا۔ آگے فرمایا۔ بے شک ظالموں کیلئے دردناک عذاب ہے۔ یعنی سخت ترین درد سے بھرا ہوا اور دائمی ہے۔

مسئلہ: جو امور شرعیہ کو کہے کہ یہ تو ہمارے لئے عذاب ہیں۔ وہ کافر ہوجاتا ہے۔

مسئلہ: جو کہے کاش یہ نماز روزہ وغیرہ ہم پر فرض نہ ہوتے تو کیا اچھا ہوتا۔ وہ بھی کافر ہوجاتا ہے۔

مسئلہ: یا کہے شکر ہے۔ روزے سر سے ٹل گئے۔ یا کئی لوگ حج پر جا کر عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ یہاں کسی دشمن کو بھی نہ لائے۔ ایسی باتیں ایمان ضائع کردیتی ہیں۔

تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

تم دیکھو گے ظالموں کوڈرنے والے اس سے جوانہوں نے کمایا اور وہ پڑنے والا ہے۔ان پراور جوایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ

اور عمل نیک کئے باغات جنت میں ہیں۔ان کیلئے ہے جو وہ چاہیں گے ان کے رب کے پاس۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۲۲﴾ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

یہ ہے وہ فضل بڑا۔ یہ ہے جس کی خوش خبری دیتا ہے اللہ اپنے بندوں کو جوایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ

اور عمل نیک کئے۔ فرمادو نہیں مانگتا تم سے اس پر کوئی اجر مگر محبت قریبوں میں

وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾

اور جو کرے نیکی ہم بڑھائیں گے اس کیلئے اس میں خوبی ہے بے شک اللہ بخشنے والا قدردان ہے

(آیت نمبر۲۲) برز قیامت ان ظالموں یعنی مشرکوں کو دیکھو گے کہ وہ اپنے برے اعمال سے سخت خوف زدہ ہوں گے۔اس حال میں کہ ان کے گناہوں کا وبال ضرور ان پر واقع ہوگا۔یعنی دنیا کی لذات میں جتنے خوش تھے۔اس سے کئی گنا زیادہ خوف میں مبتلا ہوں گے۔اور جولوگ دنیا میں دین کی وجہ سے پریشان حال رہے وہ آخرت میں مطمئن ہوں گے۔آگے فرمایا۔اور جولوگ ایمان لانے کے بعد تکلیفات شرعیہ پر عمل پیرا رہے۔خواہشات نفسانی وشہوانی سے دور رہے اور تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کیا۔وہ لوگ جنت کے بہترین مقامات اور اعلیٰ باغات اور بلند درجات میں خوش باش ہوں گے۔آگے فرمایا۔ان کیلئے ان کے رب کے ہاں وہ سب ہوگا جو وہ چاہیں گے یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے اور دنیا میں بھی جو جو نعمتیں استعمال کیں وہ بھی اللہ ہی کا فضل تھا۔لیکن آخرت میں جو فضل ہوگا۔وہ بہت بڑا ہوگا۔

(آیت نمبر۲۳) یہ فضل کبیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ عظیم الشان بدلہ ہے۔جس کی خوشخبری اپنے پیارے محبوب ﷺ کی زبان مبارک سے اپنے ان بندوں کو سناتا ہے جوایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے۔

فائدہ: کاشفی فرماتے ہیں کہ اہل ایمان کو بتایا گیا ہے کہ ان کے اعمال ضائع نہیں ہوئے۔لہذا ان پر ضروری ہے کہ وہ اعمال صالحہ میں بہت زیادہ کوشش کریں۔شاعر نے کیا خوب کہا کہ اگر تو کام نہیں کرتا تو اجر کی امید بھی نہ رکھ کیونکہ مزدور کو مزدوری کے مطابق اجر ملتا ہے۔آگے فرمایا۔اے محبوب آپ فرمادیں۔میں تم سے اس وعظ ونصیحت پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔

شان نزول: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک مرتبہ آپس میں مشورہ کیا کہ حضور ﷺ تو ہمہ وقت تبلیغ میں مصروف رہتے ہیں۔ہمیں ان کے نان ونفقہ کا بندوبست کرنا چاہئے یا آپ سے پوچھ لیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی اور فرمایا کہ آپ انہیں بتادیں کہ میں جو تمہیں احکام خداوندی بتاتا ہوں۔اس کا کوئی معاوضہ میں تم سے نہیں لیتا اور مجھ سے پہلے جتنے بھی انبیاء کرام تشریف لائے۔ان میں سے کسی نے بھی معاوضہ نہیں لیا۔یہاں اجر بمعنی نفع ہے۔**فائدہ:** نجم الدین کبری فرماتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے تبلیغ کا معاوضہ بھی نہیں لیا۔الٹا مومن کی شفاعت فرما کر اسے جنت کا مستحق بنادیا۔

تبلیغ پر معاوضہ نہ لینے کی وجہ: (۱) یہ ہے کہ دنیا کا مال اخس الاشیاء ہے اور تبلیغ حکام اعز الاشیاء ہے۔قیمتی موتی،مٹی کی ٹھیکریوں کے عوض کوئی نہیں دیتا۔علماء حقہ کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہئے جو علم کو کوڑیوں کے عوض ضائع کررہے ہیں۔(۲) معاوضے کا مطالبہ طمع کی تہمت کا موجب ہے۔منصب نبوت اس تہمت سے قطعی طور پر پاک اور مقدس ہے۔آگے فرمایا کہ اے قریشیو میں یہ چاہتا ہوں کہ میری قرابت کی وجہ سے میرے ساتھ مودت کرو اور میں تم سے کچھ نہیں مانگتا۔بس یہی ہے کہ مجھے ایذائیں نہ دو۔نہ میرے ساتھ دشمنی کرو۔نہ مجھے ستاؤ۔نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد حضور ﷺ کی آل سے محبت ہو۔یعنی میرے قریبیوں سے پیار کرو۔انہیں اذیت نہ دو۔**حدیث شریف:** حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کے وہ قرابت والے کون ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے۔تو آپ نے فرمایا:علی،فاطمہ،حسن اور حسین رضی اللہ عنہم ہیں۔(بخاری:۳۴۹۷،ترمذی)

فضائل اہل بیت: حضور ﷺ نے فرمایا۔میری اہل بیت کے ساتھ ظلم کرنے والے پر جنت حرام ہے۔جو آل محمد کی محبت میں مرے وہ شہید ہے۔جو محبت اہل میں مرے اس کے گناہ معاف ہیں۔اہل بیت کی محبت میں مرنے والے مومن کامل ایمان والے ہیں۔جو اہل بیت کی محبت میں مرے بروز قیامت اہل سنت میں اٹھے گا۔وغیرہ۔آل محمد درجہ اول میں ازواج مطہرات ہیں اس کے بعد جناب علی المرتضٰی،فاطمۃ الزہراء،حسن مجتبیٰ اور حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہم ہیں۔(جو لوگ اہل بیت سے ازواج مطہرات کو نکالتے ہیں۔وہ قرآنی علوم سے جاہل ہیں اس لئے کہ اھل کا لفظ سب سے پہلے بیوی کیلئے ہی بولا جاتا ہے۔)

اَمْ يَقُولُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ؕ

یا کہتے ہیں کہ اس نے گھڑا اوپر اللہ کے جھوٹ۔ تو اگر چاہے اللہ تو مہر لگا دے تمہارے دل پر۔

وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾

اور مٹاتا ہے اللہ باطل کو اور ثابت کرتا ہے حق کو اپنی باتوں سے۔ بے شک وہی جاننے والا ہے راز دلوں کے۔

وَهُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور وہی قبول کرتا ہے اپنے بندوں سے۔ اور معاف فرماتا ہے گناہ اور جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

(بقیہ آیت نمبر۲۳) **آل کی بہت قسمیں ہیں**: حتی کہ سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ کو بھی آل میں حضور ﷺ نے داخل فرمایا۔ (حاکم وطبرانی) بلکہ ایک حدیث کے مطابق سب مومنوں متقیوں کو آل میں داخل کیا گیا۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی) آگے فرمایا جو ایک نیکی بھی کرے گا۔ اس کی نیکی میں بھی اضافہ کریں گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بندوں کے گناہ بخشنے والا اور مطیع کو پورا ثواب دینے والا ہے۔

(آیت نمبر۲۴) بلکہ کفار کہتے ہیں کہ محمد ﷺ نے اللہ پر جھوٹ گھڑا ہے۔ یعنی یہ نبوت کا دعویٰ اور نزول قرآن وغیرہ ان کی اپنی باتیں ہیں اور وہ اپنی بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو آپ کو اس سے روک دیتا۔ بلکہ آپ سے کلام الٰہی کا صدور ہی نہ ہونے دیتا۔ لیکن جب لحظہ بہ لحظہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نزول ہو رہا ہے۔ تو اس کا مطلب یہی ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ آگے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ وہ باطل کو مٹاتا ہے اور حق کو قائم فرماتا ہے۔ وحی کے ذریعے سے یا قضاء وقدر سے اس لئے اگر انہوں نے (معاذ اللہ) افتراء اللہ پر کیا ہوتا۔ جیسا کہ کافر کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کی ضرور مدافعت کی ہوتی۔ یا اس کا مطلب ہے کہ ان جھٹلانے والے بت پرستوں کے باطل امر کو مٹا دے گا اور قرآن کے ذریعے حق کو ثابت کرے گا۔ آگے فرمایا بے شک وہ سینوں کے بھیدوں کو بھی جاننے والا ہے۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے قلب اور باطن کی اصلاح کرے۔

(آیت نمبر۲۵) وہی اللہ تعالیٰ ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ان کی غلطیوں سے درگذر فرماتا ہے۔ **فائدہ**: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ یہ حکم عام ہے۔ جس قسم کا گناہگار ہو۔ کافر ہو یا دشمن ہو جو بھی توبہ سچی کرے۔ اللہ پاک توبہ قبول فرماتا ہے۔

وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ

اور ان کی دعا قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک اور زیادہ دیگا انہیں اپنے فضل سے۔

وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿٢٦﴾

اور کافروں کیلئے عذاب ہے سخت۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۵) **حکایت**: ایک شخص نے ایک بزرگ سے کہا۔ اگر میں توبہ کروں تو کیا قبول ہوگی۔ تو انہوں نے فرمایا۔ تیری توبہ قبول نہ کرنی ہوتی تو تجھے وہ توبہ کی توفیق ہی نہ دیتا۔

حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ ابن آدم سے فرماتا ہے۔ تیرے لئے افسوس ہے۔ گناہ کرتا ہے۔ مگر استغفار نہیں کرتا۔ تا کہ میں تیرے گناہ بخش دوں جو گناہ گار میری رحمت کا امیدوار ہے۔ اے فرشتو گواہ رہو میں نے اسے بخش دیا (تنبیہ العارفین، سمرقندی) (اس کا یہ مطلب نہیں کہ بندہ خواہ مخواہ گناہ کرے)۔ آگے فرمایا وہ گناہ معاف فرماتا ہے۔ خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ۔ قیامت کے دن شرک کے علاوہ جس کے وہ چاہے گا۔ سب گناہ معاف فرمائے گا۔ اپنے فضل وکرم سے یا اپنے محبوب بندوں کی سفارش سے۔ یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ تم خواہ جس طرح کے کام کرتے ہو وہ جانتا ہے۔ خواہ تمہارے اعمال اچھے ہوں یا برے۔ جو توبہ کرے اسے بخش دیتا ہے۔ توبہ نہ کرنے والے کا معاملہ اس کی اپنی مشیت پر ہے۔ بندے کو چاہئے کہ وہ رب تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہی رہے۔

(آیت نمبر ۲۶) اللہ تعالیٰ تو ان لوگوں کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے۔ بروز قیامت ان کی عبادات پر انہیں ثواب عطا فرماتا ہے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ بہترین دعا ''الحمد للہ'' ہے (ترمذی شریف)۔ آگے فرمایا کہ بندہ جب اپنے رب سے مانگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے مانگنے سے بھی بہت زیادہ اپنے فضل سے عطا فرماتا ہے۔ **حدیث**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ بندے کی دعا تین امور سے خالی نہیں۔ (۱) اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ (۲) دیر سے قبول ہوتی ہے۔ (۳) قیامت کے دن کیلئے ذخیرہ بن جاتی ہے (رواہ احمد ۱۰۷۴۰ اوالترھیب والترغیب ۱۶۳۳)۔ ایک اور **حدیث** (۳) میں فرمایا۔ بندہ جو مانگے یا وہی ملتا ہے یا ذخیرہ بنایا جاتا ہے۔ حدیث (۴) مومن کے ہر نیک عمل پر اسے ثواب ملتا ہے۔ یہاں تک کہ موت کی تلخی کا بھی وہ اجر پاتا ہے۔ حدیث (۵): قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندے سے فرمائے گا تو نے فلاں دعا مانگی وہ اسی وقت قبول ہوئی۔ فلاں دعا مانگی وہ اس وقت قبول نہیں۔ اس کے بدلے تجھے جنت میں بہت بڑا اجر دونگا۔

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰكِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ

اور اگر وسیع کرتا اللہ رزق اپنے بندوں پر تو بغاوت کرتے زمین میں۔ لیکن وہ اتارتا ہے اندازے سے

مَّا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۲۷﴾

جتنا چاہے بے شک وہ اپنے بندوں سے خبردار دیکھنے والا ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۶) اس وقت کہے گا کاش دنیا میں کوئی دعا قبول نہ ہوتی۔ حدیث (۶): حضور ﷺ نے فرمایا۔ جو رب تعالیٰ سے نہ مانگے تو وہ اس سے ناراض ہوتا ہے (ترمذی ۳۳۷۳)۔ **حدیث** (۷): حضرت سعد نے کہا۔ یارسول اللہ دعا فرمائیں میری ہر دعا قبول ہو۔ فرمایا حرام سے بچو۔ ہر دعا قبول ہوگی۔ آگے فرمایا۔ کافروں کیلئے سخت ترین عذاب ہے۔ جیسے ایمان والوں کیلئے بہت زیادہ ثواب ہے۔ یہی چیز دلالت کرتی ہے کہ کافروں کے لئے عذاب اور سزا بھی زیادہ ہے۔ لیکن ان کے برے اعمال کے مطابق ہے۔

(آیت نمبر ۲۷) اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے رزق کو وسیع فرمادے تو وہ زمین پر باغی ہوجائیں کیونکہ دنیا کا مال و دولت تکبر۔ سرکشی اور فساد کو جنم لیتا ہے اور گناہوں کی طرف میلان ہوجاتا ہے۔ (الا ماشاء اللہ) جسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت فرما کر گناہ سے بچالے۔ پھر عذاب سے بھی بچالے۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بغاوت کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں میں آگے سے آگے نکلنے کی کوشش (پہلے سگرٹ پیتا تھا پھر مزہ نہیں آتا تو چرس شروع کرتا ہے۔ پھر شراب میں مزا حاصل کرتا ہے) یہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ جوانی میں فراغت اور مال و دولت فساد و بغاوت کی طرف لے جاتے ہیں اور فقر محتاجی انکساری اور تواضع کی طرف لے جاتے ہیں۔ **فائدہ**: لیکن اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ہر زمانے میں مال و دولت کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے خالص و مخلص بندے ہوئے عجز و انکساری میں رہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جن لوگوں کے اندر صفات سبعی اور بہیمی ہیں۔ ان کے پاس جوں ہی مال و دولت کی فراوانی ہوئی وہ باغی اور طاغی ہوگئے۔ جیسے فرعون ہامان اور قارون اور جن لوگوں میں صفات ملکی ہیں۔ ان کے پاس جتنا بھی مال و دولت کی فراوانی ہو۔ منکسر المزاج ہی رہے۔ آگے فرمایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ رزق ایک اندازے کے مطابق اتارتا ہے اور بے شک وہ اپنے بندوں کے پوشیدہ اور ظاہری تمام حالات و معاملات کو جانتا ہے۔ اس لئے ان کے اندازے کے مطابق انہیں رزق عطا فرماتا ہے۔



وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ

اور وہی ہے جو اتارتا ہے بارش بعد اس کے جو ناامید ہوئے۔ اور پھیلاتا ہے اپنی رحمت۔ اور وہی

الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۲۸﴾

کام بنانے والا خوبیوں والا ہے۔

(آیت نمبر ۲۸) وہ وہ ذات ہے جو لوگوں کی فریادرسی کر کے بارش نازل فرماتا ہے۔ جس سے انہیں خوش حالی نصیب ہوتی ہے۔

فائدہ: بارش کبھی نفع بخش ہوتی ہے اور کبھی نقصان اور ضرر کا باعث بن جاتی ہے۔ غیث نفع بخش بارش کو کہا جاتا ہے۔ آگے فرمایا۔ اس کے بعد کہ لوگ ناامید ہو گئے تھے۔ یہ جملہ تذکیر (یاددھانی کرانے کیلئے بولا گیا ہے کیونکہ جو چیز سخت مایوسی کے بعد حاصل ہو۔ اس سے بہت زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے اور اس پر شکر بھی آدمی کثرت سے ادا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بارش اتار کر اپنی رحمت کو ہر طرف پھیلا دیتا ہے یعنی جنگل میں آبادی اور پہاڑوں پر ہر طرف شادابی اور ہریالی پھیل جاتی ہے۔ انسان اور حیوانات سب برابر نفع اٹھاتے ہیں۔ ان کی زندگی پر اچھا اثر پڑتا ہے۔

آگے فرمایا۔ وہی مالک ومولیٰ ہے۔ جو اپنے بندوں پر احسان فرما رہا ہے اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے۔ وہ اتنی نعمتیں عطا کرنے والی ذات اس بات کی مستحق ہے کہ اس کی بے حد تعریف کی جائے۔

حکایت: جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی۔ قحط سخت زور پر ہے۔ بارش سے لوگ مایوس ہو چکے ہیں۔ اب کیا ہوگا تو آپ نے فرمایا۔ یقیناً بارش ہوگی۔ یعنی آپ نے اسی آیت کو تلاوت کر کے فرمایا کہ جب لوگ مایوس ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بارش اتار دیتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب کسی علاقے والے گناہوں اور نافرمانیوں میں لگ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی بارش دوسرے علاقے میں برسا دیتا ہے۔ اور ان کو رحمت سے محروم کر دیتا ہے۔ (معالم التنزیل)۔

حدیث شریف: دور فاروق اعظم میں قحط ہوا۔ چند مرتبہ دعا کی گئی۔ مگر بارش نہ ہوئی۔ تو جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کل میں ایسے شخص کے ذریعے دعا کراؤں گا۔ کہ اللہ تعالیٰ ضرور بارش عطا فرمائے گا۔ چنانچہ آپ نے اگلے دن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان کے وسیلے سے دعا کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت تیز بارش اتار دی۔ (بخاری شریف)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ۚ وَهُوَ

اور اس کی نشانیوں سے پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا ہے اور جو پھیلا دیئے ان میں چوپائے۔ اور وہ

عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ

ان کو جمع کرنے پر جب چاہے قدرت رکھتا ہے۔ اور جو پہنچی تمہیں کوئی مصیبت تو وہ بوجہ اس کے جو کمایا

اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۰﴾

تمہارے ہاتھوں نے۔ اور معاف فرماتا ہے بہت کچھ۔

(آیت نمبر ۲۹) اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل میں آسمان اور زمین کا پیدا کرنا اور ان کے اندر عجیب وغریب مصنوعات بنانا جو بنانے والے کے وجود پر دلالت کرتی ہیں۔ اور پھر اس زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور پھر اس قدر مخلوق کو زمین میں پھیلانے کے بعد جب چاہے گا بروز قیامت انہیں زندہ کر کے اکٹھا کرے گا کیونکہ وہ ایسا کرنے پر بھی قادر ہے۔ اس لئے کہ وہ بڑی قوت وقدرت والا ہے۔

(آیت نمبر ۳۰) اور جو بھی تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مصیبت پہنچتی ہے۔ یعنی کوئی درد والم۔ بیماری یا قحط۔ خوف وغیرہ یہاں تک کہ جسم پر کوئی چوٹ یا مال یا اہل وعیال میں کوئی نقص یا تکلیف آتی ہے تو وہ تمہارے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے آتی ہے۔ تا کہ بندہ سمجھ جائے اور گناہوں سے باز آ جائے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ انسان کی ہر ایک مصیبت کا سبب اس کا خود کردہ گناہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔ تقدیر کو دعا ٹال دیتی ہے (رواہ حاکم والترمذی) اور نیکی کرنا کسی کے ساتھ عمر کو بڑھا دیتی ہے۔ اور کبھی انسان گناہوں کی نحوست سے بھی رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت سارے گناہوں کو ویسے بھی بخش دیتا ہے۔ **فائدہ**: بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ اگر کسی پر لگاتار مصائب وآلام آ جائیں تو وہ یاد کرے کہ مجھ سے کون کون سے گناہ ہوئے۔ یاد آ جائیں تو فوراً توبہ استغفار کرے۔ گریہ وزاری کرے۔ تا کہ معافی ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم حاصل ہو۔ توبہ استغفار سے گناہ بھی معاف اور حالات بھی درست ہو جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں چاہیے کہ بندہ کثرت سے استغفار کرے۔

3

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۳۱﴾

اور نہیں تم عاجز کرنے والے زمین میں۔ اور نہیں ہے تمہارا سوائے اللہ کے کوئی دوست اور نہ مددگار۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ

اور اس کی نشانیوں سے کشتیاں دریا میں مثل پہاڑ کے۔ اگر چاہے تو روک دے ہوا

فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾

تو ہو جائیں ٹھہری ہوئی اس کی پیٹھ پر۔ بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں بڑے صابر شاکر کیلئے۔

(آیت نمبر۳۱) اور تم ہمیں زمین میں عاجز نہیں کر سکتے کہ گناہ کر کے غائب ہو جاؤ یا کہیں چھپ جاؤ ہم تمہیں تلاش نہ کر سکیں۔ جب اللہ تعالیٰ پکڑنا چاہے گا کوئی بچ کے نکل نہیں سکے گا۔ نہ کوئی اس کے عذاب کو رد کر سکتا ہے۔

فائدہ : اس کے مخاطب تمام اہل عرب ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اگر وہ تمہیں کسی مصیبت میں مبتلا کرنا چاہے تو تم نکل کر کہیں نہیں جا سکتے اور اللہ تعالیٰ کے سوا نہ تمہارا کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کوئی مددگار جو مصائب سے بچا سکے یا عذاب کو ٹال سکے۔ **سبق**: عقل مند پر لازم ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ سے عفو و عافیت کا سوال کرے۔ اگر آزمائش آ گئی تو صبر بھی کرے اور استغفار بھی کرے۔

(آیت نمبر۳۲) اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت قدرت۔ عظمت و حکمت کے دلائل میں سے ایک دلیل دریاؤں میں چلنے والی کشتیاں ہیں جو پہاڑوں کی طرح بڑی بڑی جو خوش گوار ہواؤں یعنی موافق ہواؤں کی وجہ سے چلتی ہیں۔ اصل میں وہ حکم الٰہی سے چلتی ہیں۔ یعنی وہ منزل مقصود تک صحیح سلامت اللہ کے حکم سے پہنچتی ہیں۔

(آیت نمبر۳۳) اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں چلنے سے روک دے۔ وہ کھڑی کی کھڑی رہ جائیں۔ اور سوار لوگ گرداب میں آ کر پریشان ہو جائیں اور بے شک اس میں۔ یعنی ابھی جو اوپر بیان ہوا کہ بعض دفع کشتیاں چل پڑتی ہیں یا بعض دفعہ حکم الٰہی سے رک جاتی ہیں۔ اس میں بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت پر سمجھدار کیلئے بہت بڑی دلیلیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مختلف شانوں پر دلالت کرتی ہیں۔ ہر اس شخص کیلئے جو بہت بڑا صابر ہے۔ یعنی جو طاعت الٰہی میں مشقتوں اور تکالیف پر بہت زیادہ صبر کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر بہت ہی شکر گذار ہیں۔

اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۴﴾ وَيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ

یا تباہ کردے ان کے کرتوتوں کے سبب اور معاف کرتا ہے بہت کچھ۔ اور جان لیں وہ جو جھگڑتے ہیں

فِيْٓ اٰيٰتِنَا ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۵﴾

ہماری آیتوں میں۔ نہ ہوگی ان کے لئے بھاگنے کی جگہ۔

(بقیہ آیت نمبر۳۳) کہ اس کے شکر کی ادائیگی کیلئے وہ اپنے تمام اعضاء کو اس کی طاعت وعبادت میں مشغول رکھتے ہیں۔ **فائدہ**: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس سے وہ شکر کرنے والے انسان مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کا نام لیکر کشتی میں سوار ہونے کے بعد ہر طرح کی تکالیف برداشت کرتے ہوئے صبر کرتے ہیں اور دریا کو عبور کرنے کے بعد جب وہ کنارے لگتے ہیں تو بھی وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد ہر مصیبت وتکلیف پر صبر کرنے والا ہو اور ہر نعمت پر شکر کرنے والا ہو۔ اس لئے کہ آئندہ آنے والا مضمون بھی اس کی ہی تائید کرتا ہے۔

سبق: کامل مومن وہی ہوتا ہے جو اپنے اوپر آنے والی تکالیف پر صبر کرتا ہے اور ہر ملنے والی نعمت کا شکر ادا کرتا ہے۔ یہی دو ایمان کے جزء ہیں۔

(آیت نمبر۳۴) وہ کریم اگر چاہے تو ہوا بند کرکے۔ یا انہیں پانی میں غرق کرکے ہلاک کردے۔ ان کے گناہوں کے سبب۔ تاکہ اور لوگوں کو عبرت حاصل ہو اور وہ خوف خدا کریں اور گناہوں سے بچیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ گناہوں کی نحوست سے سزا بھیجتا ہے یہ اس کا عدل ہے اور بہت لوگوں کو معاف بھی فرمادیتا ہے۔ یہ اس کا فضل ہے کہ ان کے جان ومال ہلاک نہیں ہوتے اور صحیح سلامت بمعہ ساز وسامان گھروں تک پہنچ جاتے ہیں۔

(آیت نمبر۳۵) اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان لوگوں کو جو آیات میں جھگڑا کرتے ہیں اور ان آیات کو جھٹلاتے ہیں اور انہیں دور کرنے یا ان سے دور رہنے کیلئے جدوجہد کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں ہلاک کرے اور چاہے تو کچھ لوگوں کو نجات دے دے لیکن اگر ان پر عذاب آگیا تو پھر بچنے کیلئے ان کے پاس کوئی چارہ نہیں ہوگا۔ یعنی ہوا کی بندش کیوجہ سے کشتیوں کے ٹھہرنے یا گرداب میں پھنسنے سے انہیں کوئی چارہ نظر نہیں ہوتا اس وقت انہیں موت نظر آرہی ہوتی ہے۔ اسی طرح قیامت کے عذاب سے بھی بچنے کا کوئی چارہ سوائے توبہ استغفار کے نظر نہیں آتا۔

فائدہ: اس سے ماننا پڑے گا کہ نفع یا نقصان دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ جسے چاہے نفع دے۔ اور جسے چاہے اس کا نقصان کردے۔

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى

تو جو بھی تم دیئے گئے کچھ پس نفع زندگی دنیا کا۔ اور جو پاس اللہ کے وہ بہتر ہے اور باقی ہے۔ ان کیلئے

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۚ ﴿٣٦﴾ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ

جو ایمان لائے اور اوپر اپنے رب کے بھروسہ کرتے ہیں۔ اور جو بچتے ہیں کبیرہ گناہوں

وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۚ ﴿٣٧﴾

اور بے حیائیوں سے۔ اور جب غصہ آئے تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔

(آیت نمبر ٣٦) پس جو بھی چیزیں تم دیئے گئے ہو یعنی جن چیزوں کو تم بہت چاہتے ہو۔ مال و دولت یا عیش و عشرت کا سامان یا آل اولاد یہ تو سب دنیا کا ساز و سامان ہے۔ یعنی ان سے اس وقت تک ہی نفع اٹھاؤ گے جب تک تم دنیا میں زندہ ہو۔ اس قلیل مدت کے بعد تو فنا ہی فنا ہے۔ **فائدہ**: مقصد یہ ہے کہ انسان کو جو بھی نعمتیں ملیں ان پر اسے غرور و تکبر کے بجائے۔ چاہئے کہ شکر ادا کرے۔ آگے فرمایا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ اس سے ہزار گناہ بہتر ہے۔ جس میں نفع ہی نفع ہے۔ کبھی اس پر فنا نہیں وہ ہمیشہ کیلئے باقی ہے۔ **فائدہ**: دنیوی اشیاء میں دو خرابیاں ہیں: (۱) یا چیز نہیں رہتی یا چیز رہتی ہے تو مالک چل دیتا ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ وہ چیز بھی باقی اور جسے دی گئی وہ بھی باقی۔ ان لوگوں کیلئے جو خالص دل کے ساتھ ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

شانِ نزول: حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جب جنگ تبوک کے موقع پر انہوں نے اپنا سارا مال راہ خدا میں دے دیا۔

سبق: جسے یہ یقین ہے کہ دنیا اور اس کی نعمتوں کو فنا ہے اور جو رب کے پاس ہیں۔ وہ بہتر بھی ہیں اور باقی بھی ہے تو اسے چاہئے کہ وہ آخرت کو اختیار کرے۔ اور اپنے رب پر توکل کرے۔

(آیت نمبر ٣٧) اور وہ لوگ جو اپنے آپ کو بڑے بڑے گناہوں سے دور رکھتے ہیں۔ جیسے جوا، شراب، جھوٹ، زنا، ناحق قتل وغیرہ کبیرہ وہ گناہ ہوتا ہے جس پر حد قائم ہو اور آخرت میں عذاب کا موجب ہو۔

نکتہ: اگر کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے تو صغیرہ خود ہی بغیر توبہ کئے معاف ہو جاتے ہیں۔ کبیرہ گناہوں میں سرفہرست شرک ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے مراد شرک ہے۔

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۪ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۪

اور جنہوں نے مانا حکم اپنے رب کا اور قائم کی نماز اور کام ان کا مشورہ کرنا آپس میں

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾

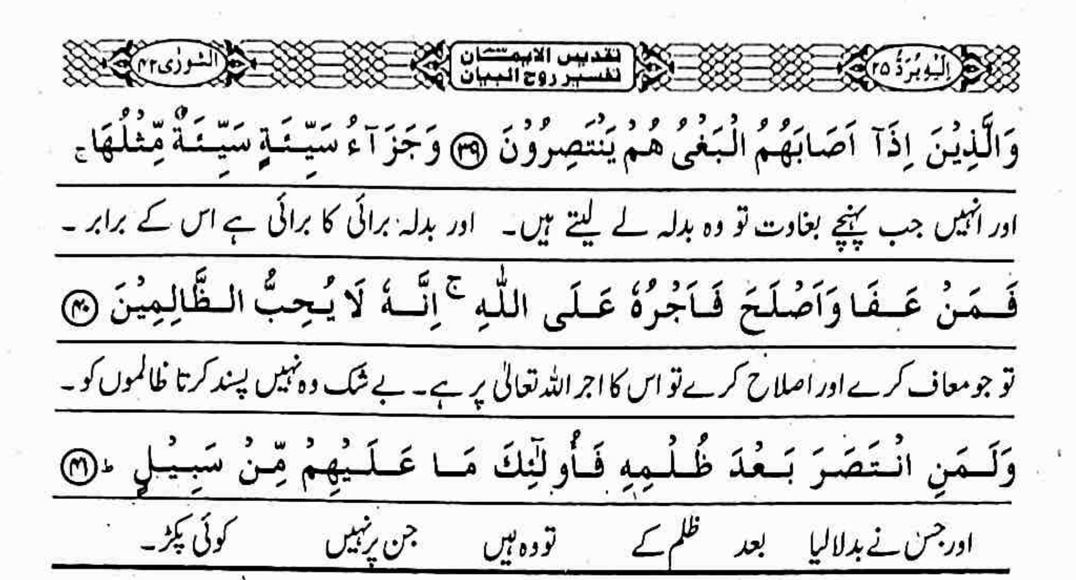
اوراس سے جودیا ہم نے وہ خرچ کرتے ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۳۷) **کبیرہ گناہ:** (۱) شرک۔ (۲) ناحق قتل۔ (۳) پاکدامن عورت پر بہتان۔ (۴) زنا۔ (۵) جادو کرنا۔ (۶) فساد کرنا۔ (۷) یتیم کا مال کھانا۔ (۸) ماں باپ کی نافرمانی۔ (۹) مکہ میں حرم شریف میں الحاد۔ (۱۰) سود کھانا۔ (۱۱) چوری کرنا۔ (۱۲) شراب پینا۔ (۱۳) ڈاکہ مارنا۔ (۱۴) جھوٹی قسم کھانا۔ (۱۵) اللہ تعالیٰ پر بدگمانی۔ (۱۶) رسول پاک ﷺ کی گستاخی۔ (۱۷) ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو گالی دینا۔ (۱۸) صغیرہ گناہ بار بار کرنا۔ (۱۹) مزامیر کے ساتھ گانے سننا۔ (۲۰) ظلم کرنا۔ (۲۱) غیبت کرنا۔ (۲۲) لوگوں کے عیب بیان کرنا۔ (۲۳) ماپ تول میں کمی بیشی۔ (۲۴) تکبر کرنا۔ (۲۵) وعدہ پورا نہ کرنا۔ (۲۶) غیر محرم عورتوں کو دیکھنا۔ (۲۷) نماز نہ پڑھنا۔ (۲۸) روزے بلا عذر نہ رکھنا۔ (۲۹) زکوٰۃ نہ دینا۔ (۳۰) استطاعت کے باوجود حج نہ کرنا۔ (۳۱) قرآن پڑھ کر بھلانا۔ (۳۲) گواہی چھپانا۔ (۳۳) جھوٹی گواہی دینا۔ (۳۴) رشتہ داروں سے قطع تعلق۔ (۳۵) دو آدمیوں کو لڑانا۔ (۳۶) غیر اللہ کی قسم کھانا۔ (۳۷) جان بوجھ کر جمعہ چھوڑنا۔ (۳۸) مسلمان کو کافر کہنا۔ (۳۹) ظالم کا ساتھ دینا۔ (۴۰) مشت زنی کرنا۔ (مزید تفصیلات فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں)۔

آگے فرمایا کہ وہ ان بے حیائیوں سے بھی بچتے ہیں۔ جن کا پیچھے بیان ہوا اور وہ حوصلہ والے ہیں غصہ کو پی کر عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں۔

(آیت نمبر ۳۸) اور وہ لوگ جو اپنے پیارے رسول ﷺ کی ہر بات کو فوراً اور تہہ دل سے قبول کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔ **شان نزول** : یہ آیت انصار کے حق میں نازل ہوئی۔

نکتہ :صرف نماز کا ذکر اس لئے کہ نماز دین کا ستون ہے۔ جس نے اسے قائم رکھا۔ اس کا دین کامل ہے اور تارک نماز نے گویا اپنا دین گرادیا۔ آگے فرمایا کہ وہ اپنے تمام کام مشورے سے کرتے ہیں۔ ایک دوسرے پر اپنی مرضی نہیں ٹھونستے۔ بلکہ مل کر مشورہ کرتے ہیں۔ مولا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ وہ کام بہت اچھا ہے جو مشورے سے ہو۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں۔ دانا وہ ہے جو مشورے پر عمل کرے۔ لیکن مشورہ عقل مند سے لینا چاہئے۔



وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ

اور انہیں جب پہنچے بغاوت تو وہ بدلہ لے لیتے ہیں۔ اور بدلہ برائی کا برائی ہے اس کے برابر۔

فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

تو جو معاف کرے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے۔ بے شک وہ نہیں پسند کرتا ظالموں کو۔

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۱﴾

اور جس نے بدلا لیا بعد ظلم کے تو وہ ہیں جن پر نہیں کوئی پکڑ۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۸) آگے فرمایا کہ جو بھی ہم نے انہیں زیادہ خیر کی جگہ اسے خرچ کرتے ہیں۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا جہنم کی آگ سے بچو خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا کسی غریب کو دے کر بچو۔ (بخاری ومسلم)

(آیت نمبر ۳۹) وہ لوگ کہ جب انہیں کسی ظالم سے ظلم کی تکلیف پہنچے یا کسی نے بغاوت کی تو وہ اس سے بدلہ لینے میں حد سے تجاوز نہیں کرتے۔ اتنا ہی بدلہ لیتے ہیں۔ جتنا اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے۔ **نکتہ**: معاف کرنا دو قسم ہے: (۱) جس معاف کرنے سے فتنہ ختم ہو اور ظالم اپنے ظلم سے باز آ جائے تو اس موقع پر معاف کرنا موزوں ہے۔ (۲) جب ظالم سے بدلہ لیا جائے۔ تو اتنا ہی جتنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ یہ عین اطاعت ہے۔

(آیت نمبر ۴۰) اور برائی کی سزا برائی کے برابر ہے۔ یعنی کسی کو برائی کی سزا دو تو اتنی ہی جتنی اس نے برائی کی۔ برائی کا بدلہ لینا برا نہیں بلکہ اچھی خصلت ہے۔ لیکن جس نے برائی کرنے والے کو معاف کر دیا اور درگذر کر کے اس سے چشم پوشی کی۔ اسی طرح ظالم نے اپنی اصلاح کی۔ یعنی اس نے سچے دل سے توبہ کر لی۔ کہ وہ آئندہ ظلم یا بغاوت نہیں کرے گا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں فرماتا۔ **حدیث شریف** میں ہے بروز قیامت اعلان ہوگا۔ معاف کرنے والے کہاں ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آ کر اجر وثواب حاصل کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والوں کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ (ضحاک)

(آیت نمبر ۴۱) اور البتہ وہ شخص جس نے ظالم سے اپنے ظلم کا انتقام لے لیا۔ حقوق مالیہ سے یا اس کی اصل جنس سے اگر وہ موجود تھی۔ یا جنس نہ تھی لیکن اس کا عوض لے لیا تو اس بدلہ لینے والے پر اب کوئی سزا وغیرہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ انہیں ظالم سے بدلہ لینا۔ شرعاً جائز تھا اور حکم خداوندی کے مطابق تھا۔

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ

سوائے اس کے نہیں پکڑ ان پر ہے جو ظلم کرتے ہیں لوگوں پر اور بغاوت کرتے ہیں زمین میں ناحق ۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ

ان ہی کیلئے عذاب ہے دردناک۔ اور البتہ جس نے صبر کیا اور بخش دیا بے شک یہ ہے

عَزْمِ الْاُمُوْرِ ع ﴿۴۳﴾

ہمت کے کاموں سے۔

(آیت نمبر ۴۲) سوائے اس کے نہیں گناہ تو ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں جو ظلم کرنے میں پہل کرتے ہیں۔ یا بدلہ لینے میں حد سے تجاوز کرتے ہیں۔ ان ظلم کرنے والوں اور ناحق فساد کرنے والوں کو جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ یا سرکشی کر کے لوگوں پر حد سے تجاوز کرتے ہیں۔ ان کو ظلم و تجاوز کی وجہ سے دردناک عذاب ہے۔ **مسئلہ**: معاف کر دینا مندوب ہے لیکن بدلہ لینے میں بھی اسے کوئی گناہ نہیں ہوا۔ اس لئے کہ بعض مقامات پر بدلہ لینا ضروری ہو جاتا ہے کہ جہاں پر بغاوت و مادۂ ایذا کو ختم کرنا مقصود ہو۔

حکایت: حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک شخص نے دوسرے کو گالی دی لیکن وہ غصہ پی گیا اور پسینہ صاف کرتے ہوئے۔ اسی آیت کو تلاوت کرنے لگا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس جوان نے اس آیت کا مطلب صحیح سمجھا۔ ورنہ اکثر جاہلوں نے آیت کے معنی کو ضائع کر دیا۔ جو ایسے موقع پر غصہ کو نہیں پیتے۔

(آیت نمبر ۴۳) اور البتہ جو ظلم پر صبر کرے اور ظالم کو معاف بھی کر دے۔ یعنی ظالم سے بدلہ نہ لے اور اس معاملے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور جزع فزع بھی نہ کرے۔ (مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا۔ جزع فزع صبر سے زیادہ تکلیف دہ ہے)۔ آگے فرمایا کہ مظلوم کا صبر کرنا ہمت کے کاموں سے ہے۔ اس لئے کہ یہ ان امور سے ہے جن کا عزم واجب ہے۔ یعنی بندہ اس امر کو اپنے اوپر لازم سمجھے اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محمود ہے۔ یعنی اہم ترین صبر ہے اور یہ جواں مردوں کا کام ہے کہ وہ ہمیشہ ظلم و جفا پر صبر کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ بہادر وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ لے۔ بلکہ بہادر وہ ہے۔ جو غصہ پر قابو پا لے۔ (مشکوٰۃ)

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا

اور جسے گمراہ کردے اللہ تو نہیں اس کا کوئی والی اس کے بعد۔ اور تم دیکھو گے ظالموں کو جب وہ دیکھ لیں

الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ۚ ﴿۴۴﴾ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا

عذاب تو کہیں گے کیا ہے واپسی کیلئے کوئی راستہ۔ اور تم دیکھو گے کہ پیش کئے جاتے ہیں اس پر

خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ

جھکے ہوئے ذلت سے دیکھیں گے نگاہوں چھپی سے۔ اور کہیں گے مومن بے شک

الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ

نقصان میں رہے وہ جنہوں نے نقصان میں رکھا اپنے آپ اور گھر والوں کو بروز قیامت۔ خبردار بے شک

الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾

ظالم عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔

(آیت نمبر ۴۴) اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے۔ یعنی اس کی نظر عنایت سے گر کر گمراہ ہو جائے پھر اس کے بعد اس کا کوئی بھی حامی کاربن کر اس کے کام نہیں آئے گا اور تم ظالموں کو دیکھو گے۔ یہاں ظالموں سے مراد مشرک ہیں۔ یا بہت بڑا گناہ گار۔ یہ خطاب ان لوگوں کو ہے۔ جو اس منظر کو دیکھیں گے۔ یعنی جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو وہ اس وقت کہیں گے۔ کیا کوئی دنیا کی طرف جانے کا راستہ ہے۔ یعنی وہ عذاب دیکھ کر یہ چاہیں گے کہ دنیا کی طرف واپس چلے جائیں تا کہ کفر و شرک جو پہلے کر چکے اب جا کر اس کا ازالہ کریں توبہ تائب ہو کر مومن بنیں اور نیک اعمال کریں۔ (اس جملے کی وضاحت پہلے کئی جگہ ہو چکی ہے)۔

(آیت نمبر ۴۵) اے لوگو تم ان مجرمون کو دیکھو گے جب وہ آگ کے سامنے پیش کئے جائیں گے چونکہ پہلے عذاب کا ذکر ہو چکا ہے اور آخرت کا عذاب آگ میں ہی ہوگا۔ لہذا آگ کا ذکر عذاب میں ضمناً موجود ہے۔ آگے فرمایا کہ وہ ذلت وخواری کے ساتھ جھکے ہوئے ہونگے اور حقیر ہونگے اور آنکھیں چرا کر آگ کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ یعنی ذلت و رسوائی ان پر اس قدر رسوار ہوگی کہ وہ آگ کی طرف بھی یوں دیکھیں گے۔

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ

اور نہیں ہیں ان کے کوئی حمایتی جو ان کی مدد کریں سوائے اللہ کے۔ اور جسے گمراہ کرے اللہ

فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ ﴿۴۶﴾

تو نہیں اس کیلئے کوئی راستہ۔

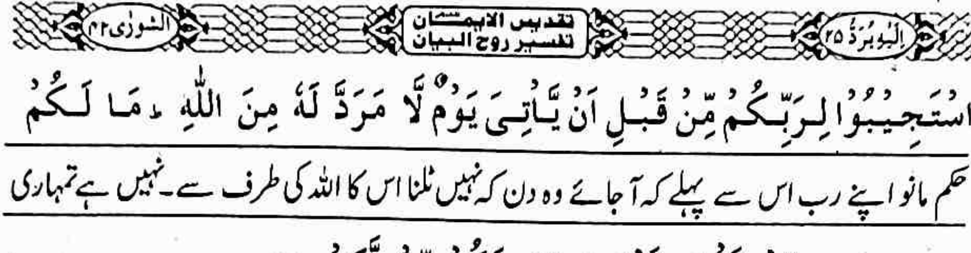
(بقیہ آیت نمبر ۴۵) جیسے تلوار سے قتل ہونے والا تلوار کو چور آنکھ سے دیکھتا ہے اور سمجھ جاتا ہے کہ میں ابھی اس تلوار سے قتل کیا جاؤں گا۔ لہذا نہ وہ ذلت کی وجہ سے کھل کر تلوار کو دیکھ سکتا ہے نہ آنکھ کو دیکھنے سے روک سکتا ہے۔

فائدہ: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جہنمیوں کو مختلف احوال سے گذرنا ہوگا۔ یہ آنکھ چرا کر دیکھنے والا معاملہ ابتدائی مرحلہ ہے۔ پھر وہ اندھے کر کے جہنم میں گرا دیئے جائیں گے۔ یہ تمام حالات روایات صحیحہ میں موجود ہیں۔ **فائدہ**: اس آیت میں اشارہ ہے کہ انہیں اہل ایمان سے شرمساری ہوگی۔ اس لئے وہ انہیں آنکھ چرا کر دیکھیں گے کہ وہ دیکھ تو نہیں رہے۔ ہماری رسوائی کو۔ کیونکہ جب وہ انہیں دنیا میں وعظ و نصیحت کرتے تھے تو یہ ان کا کہنا نہیں مانتے تھے اور ان کا اگلا اچھا حال دیکھ کر دنیا میں واپسی کی راہ پوچھیں گے۔

آگے فرمایا کہ اس وقت ایمان والے کہیں گے۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کئے ہوں گے۔ اور آج اپنے اعمال صالحہ کا بدلہ پا رہے ہیں کہ بے شک گھاٹا پانے والے وہ ہیں۔ جنہوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں رکھا۔

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ان کا گھاٹا یہ ہے کہ بت پرستی کر کے جہنم میں ٹھکانا بنایا اور ان کے اہل وعیال بھی اس لئے گھاٹے میں رہے کہ وہ بھی ان ہی کے کہنے پر بت پرستی کرتے رہے۔ **فائدہ**: ابن الملک نے شرح المشارق میں لکھا کہ اہل کا اطلاق ازواج واولاد اور غلاموں پر ہوتا ہے۔ آگے فرمایا بے شک ظالم ہمیشگی کے عذاب میں رہیں گے جو ان سے کبھی جدا نہیں ہوگا۔

(آیت نمبر ۴۶) ان کے اللہ کے سوا کوئی بھی وہاں مددگار نہیں ہوں گے۔ جو انہیں عذاب سے بچا سکیں۔ یعنی وہ غیر اللہ جن سے دنیا میں اپنی امیدیں وابستہ رکھتے تھے کہ آخرت میں وہ ان کی مدد کریں گے۔ ان سے ناامید ہو جائیں گے۔ آگے فرمایا۔ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے۔ اس کیلئے ہدایت ملنے کی کوئی راہ نہیں۔ جس پر وہ چل کر نجات حاصل کر سکے۔



اسْتَجِيبُوا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ

حکم مانو اپنے رب اس سے پہلے کہ آ جائے وہ دن کہ نہیں ٹلنا اس کا اللہ کی طرف سے۔ نہیں ہے تمہاری

مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾

کوئی پناہ اس دن اور نہ تمہیں ہو اس سے انکار

(بقیہ آیت نمبر ۴۶) **فائدہ**: امام نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے۔ اسے غیر اللہ کی خدمت میں مشغول کر دیتا ہے۔ پھر اس کیلئے کوئی ایسی راہ نہیں رہتی جس پر وہ چل کر اللہ تعالیٰ تک پہنچ سکے۔ (اور جسے ہدایت دینا چاہتا ہے۔ اسے اپنے خاص بندے کی خدمت میں بھیج دیتا ہے۔)

سبق: عبادت میں غیر اللہ کا خیال بھی نہیں آنا چاہئے۔ فائدے میں وہی رہا۔ جس نے ہدایت پائی اور جو گمراہ ہوا وہ بہت بڑے گھاٹے میں رہا۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہی ہر ایک کا کفیل ہے۔ بندے پر لازم ہے کہ وہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ سے ہدایت کا اور عنایت الٰہی کا سوال کرتا ہی رہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے نفس امارہ کو ظلمات سے نکال کر تجلیات روحانیہ تک لے جائے اور وہ اسے ایسے راستے پر لے جائے جو اسے ہر قسم کی ہلاکتوں سے بچائے۔

حکایت: ایک بوڑھا آدمی حج کیلئے جا رہا تھا۔ میقات پر پہنچ کر اس نے جب احرام باندھ کر کہا۔ لبیک تو آواز آئی لا لبیک۔ پاس کھڑے نوجوان نے کہا۔ چچا یہ آواز آپ کو آئی۔ بوڑھے شخص نے کہا ہاں مجھے ہی آئی ہے اور آج ہی نہیں۔ بلکہ کئی سالوں سے جب بھی آ کر لبیک کہتا ہوں یہی آواز سنتا ہوں کہ تیرا حج قبول نہیں۔ نوجوان نے کہا۔ پھر آپ کس لئے یہ مشقت اٹھاتے ہیں۔ چھوڑ دیں یہاں نہ آیا کریں۔ تو بوڑھے شخص نے کہا۔ اس کے علاوہ اور کون سا دروازہ ہے۔ جہاں جا کر کھٹکھٹاؤں۔ لہٰذا جب تک زندگی ہے۔ میں اسی دروازے پر آتا رہوں گا اتنا کہنا تھا کہ فوراً غیب سے آواز آئی۔ جا ہم نے تیرے سب حج قبول کر لئے۔

(آیت نمبر ۴۷) تم اپنے رب کی دعوت کو قبول کر لو۔ یعنی جب وہ تمہیں اپنے پیارے رسول ﷺ کی زبان مبارک سے ایمان کی دعوت دیتا ہے تو قبول کر لو اس سے پہلے کہ جب اللہ تعالیٰ کا وہ دن آ جائے کہ پھر اس کا رد کرنا ناممکن ہو۔ کوئی اس سے بچانے والا نہ ہو سوا اللہ تعالیٰ کے۔ پھر اس دن تمہارے لئے کوئی جائے پناہ بھی نہ ہو۔ نہ کہیں بھاگ کر نکل سکو۔ یعنی تمہیں عذاب الٰہی سے چھٹکارا ہی نہ ہو۔ اور تمہیں اس سے انکار بھی نہ ہو سکے۔ اس لئے کہ جو جو اعمال تم کر رہے ہو۔ وہ سب اعمال نامے تو اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہیں۔ اعمال کے علاوہ سارے اعضاء بھی بندے کے خلاف گواہی دیں گے۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ

پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان پر نگاہ بان۔ نہیں ہے آپ پر مگر پہنچانا

وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ ۢ

اور بے شک جب چکھائیں ہم انسان کو اپنی طرف سے رحمت خوش ہوتا ہے اس پر۔ اور اگر پہنچے انہیں برائی

بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾

بوجہ اس کے جو آگے بھیجا ان کے ہاتھوں نے۔ بے شک انسان بڑا ناشکرا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۴۷) **فائدہ**: نجم الدین کبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ یہ فرمان (استجیبوا لربکم) عوام کیلئے ہے۔ انہیں چاہئے کہ وہ وعدہ الٰہی کی وفا کریں اور ذات حق کے ساتھ قائم ہوں اور اس کی مخالفت چھوڑیں اور اس سے موافقت کریں۔ خواص کی استجابت یہ ہے کہ وہ ہمہ وقت اس کی بارگاہ میں سر تسلیم خم رہیں۔ دنیا اور اس کی زیب وزینت اور خواہشات نفسانی سے روگرداں رہیں۔ ان کے متعلق فرمایا: (واللہ یدعوالی دار السلام) کہ اللہ تعالیٰ انہیں سلامتی والے گھر کی طرف بلاتے ہیں۔

خاص الخاص کی استجابت یہ ہے کہ وہ دونوں جہانوں کی اغراض دل سے نکال کر صدق طلب کے ساتھ حضرت حق جل جلالہ کی طرف متوجہ ہوں۔ مقصود حاصل کرنے اور وصال الٰہی پانے کیلئے اپنے وجود کو پورے طور پر خرچ کریں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (وداعیاً الی اللہ باذنہ) کہ وہ حکم الٰہی سے اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے۔

فائدہ: استجابت کا دروازہ آج کھلا ہوا ہے۔ جو جلد بند ہو جائیگا۔ ہم بے خبر ہوں گے۔ پھر یہ مہلت چھن جائیگی۔

(آیت نمبر ۴۸) اے محبوب اگر وہ روگردانی کرتے ہیں اور آپ کی بات نہیں مانتے تو فکر نہ کریں۔ ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا۔ آپ کی ڈیوٹی ہمارا پیغام ان تک پہنچانا ہے۔ وہ آپ نے پہنچا دیا ہے۔ آگے ہم جانیں اور وہ جانیں۔

سبق: لہٰذا بندے پر لازم ہے کہ ان امور کو دفع کرے جو ہلاک کرنے والے ہیں اور نجات دینے والے امور کے حاصل کرنے میں جلدی کرے۔ اس کا طریقہ یہی ہے کہ وہ اپنے نفس کی اصلاح کرے اور اپنے اخلاق و افعال کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کرے۔ اس لئے کہ یہ سرکش نفس بندے کو افلاس اور خسارے کی طرف ہی لے جاتا ہے۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ

اللہ ہی کی بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ پیدا کرتا ہے جو چاہے۔ دیتا ہے جسے چاہے۔

اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۙ﴿۴۹﴾

بیٹیاں اور دیتا ہے جسے چاہے بیٹے۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۸) اس لئے ضروری ہے کہ نفس کو قابو میں رکھے۔ کیوں کہ عذاب نفس کی شرارت سے ہوگا۔ پھر وہاں نہ مددگار ہوگا۔ نہ کوئی ٹھکانہ۔ کہ جہاں جا کر پناہ لے اور جو تبلیغ رسالت کو قبول کرتے ہیں۔ ایسے حضرات کو محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اور بے شک ہم جب انسان کو اپنے رحمت چکھاتے ہیں۔ یعنی اسے صحت۔ مال و دولت یا امن و عافیت سے نوازتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتا ہے۔

دنیا و آخرت: انسان کو جب معمولی سی نعمت ملتی ہے تو وہ اس سے اتنا خوش ہوتا ہے کہ اپنے مقابلے میں کسی کو نہیں سمجھتا اور یہ سمجھتا ہے کہ بہت بڑی کامیابی حاصل ہوگئی ہے۔ اسے یہ بھی جاننا چاہئے کہ یہ نعمت آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں ایسے ہے۔ جیسے قطرہ دریا کے مقابلے میں۔ اس لئے اسے چکھنے سے تعبیر کیا گیا۔

آگے فرمایا کہ اگر اسے برائی پہنچے۔ یعنی کوئی مصیبت۔ بیماری یا بھوک یا خوف وغیرہ جب کہ یہ تکالیف اور مصائب اس کی اپنی بداعمالیوں کیوجہ سے آئی ہیں۔ انسان عجیب ہے۔ اپنی پریشانیوں۔ تکلیفوں کو یاد کرتا ہے۔ اپنے رب کو یاد نہیں کرتا۔ اور اگر رب کو یاد کرتا بھی ہے تو مصائب میں یاد کرتا ہے۔ خوشی میں یاد نہیں کرتا اور یہ بھی نہیں سوچتا کہ یہ مصائب میری اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ہیں تو جو دنیا کے مصائب برداشت نہیں کرسکتا وہ آخرت کے مصائب کیسے برداشت کرے گا۔

(آیت نمبر ۴۹) آسمانوں اور زمین کی بادشاہی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جیسی صورت چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے اور لڑکے نہیں دیتا۔ پہلے لڑکی کا ذکر فرمایا تا کہ جاہلیت کی رسم ختم ہو۔ **حدیث شریف**: وہ عورت خوش نصیب ہے۔ جس کی پہلی اولاد لڑکی ہو۔ ایک **حدیث** میں ہے بچیوں سے نہ گھبرایا کرو۔ میں بھی تو بچیوں کا باپ ہوں۔ (رواہ ابن عساکر والدیلمی)

آگے فرمایا جسے چاہے لڑکے عطا کرتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے کسی فعل پر اعتراض کرنے کا کسی کو حق نہیں۔

اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾

یا جوڑے دیتا ہے بیٹے اور بیٹیوں کے۔ اور کرتا ہے جسے چاہے بانجھ بے شک وہ علم وقدرت والا ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ

اور نہیں ہے کسی انسان کو کہ بات کرے اس سے اللہ تعالیٰ مگر وحی سے یا پیچھے سے پردے کے یا بھیجتا ہے

رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾

فرشتہ کہ وحی اس کے حکم سے جو وہ چاہے بے شک وہ بلندی والا حکمت والا ہے

(آیت نمبر ۵۰) جسے وہ چاہے لڑکے لڑکیاں دونوں دئے یا جوڑا جوڑا دے دے۔ آگے فرمایا کہ بے شک وہ علم والا بڑی قدرت والا ہے۔ کہ وہ سب کام اپنے علم وقدرت وحکمت اور مصلحت کے تحت کرتا ہے۔ جسے جو دیا۔ اس کی مصلحت کو وہی جانتا ہے۔ کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ بہتر جانتا ہے کہ کس کو کیا دینا ہے۔

حدیث میں ہے اولاد کی خوشبو جنت کی خوشبو ہے اور ایک اور حدیث میں فرمایا اولاد دنیا میں نور اور آخرت میں سرور ہے (احیاء العلوم)۔ **مسئلہ**: اولاد کی پیدائش پر مبارک باد دینا سنت ہے۔

(آیت نمبر ۵۱) کسی فرد بشر کیلئے ثابت نہیں کہ کلام کرتا ہو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ مگر بذریعہ وحی کے۔ وحی بمعنی فہم والہام۔ **فائدہ**: امام راغب فرماتے ہیں۔ وحی وہ کلمہ الٰہیہ ہے۔ جو انبیاء علیہم السلام کی طرف بذریعہ فرشتہ یا بذریعہ القاء کے ہوتا ہے۔ **فائدہ**: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ وحی والہام ایک ہی چیز ہے صرف نبی کی طرف ہو تو اسے وحی کہتے ہیں۔ اور ولی کی طرف ہو تو اسے الہام کہتے ہیں۔ نبی کی طرف وحی ہو تو یہی معنی مذکور ہوتا ہے اور غیر نبی کی طرف وحی کی نسبت ہو جو اسے الہام یا القاء کہتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ یا پردے کے پیچھے سے یعنی نظر آئے بغیر۔ یہاں پردے کا ذکر کلام سننے والے کیلئے ہے۔ نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی۔ اس لئے کہ پردے میں تو وہ چھپے جو جسم رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔ موسیٰ کلیم اسی وجہ سے ہیں کہ وہ طور پر اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے۔ اس کی حقیقت کیفیت کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا موسیٰ علیہ السلام۔ کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جبریل علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بھی حجاب ہے لیکن حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو بغیر حجاب کے دیکھا بھی اور کلام بھی کیا۔ درمیان میں حقیقت محمد یہ تھی۔ وہ بطور پردہ نہیں بلکہ بطور شیشہ کے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ

اور اسی طرح ہم نے وحی کی آپ پر جان افزا چیز کی اپنے حکم سے۔ نہیں تھے آپ جانتے کوئی کتاب

وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ

اور نہ شرعی احکام کو لیکن ہم نے بنایا اسے نور تا کہ ہدایت دیں اس سے جسے چاہیں اپنے بندوں سے

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۙ﴿۵۲﴾

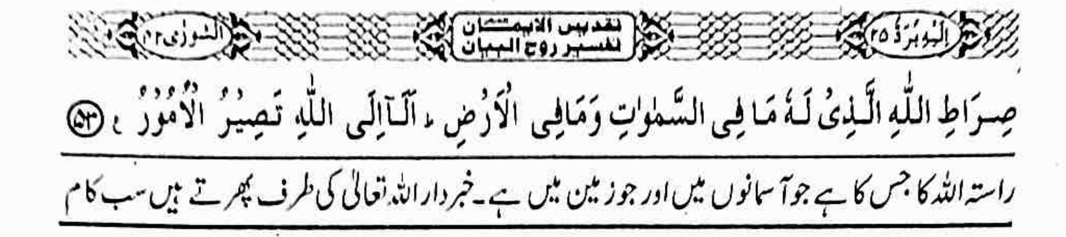
اور بے شک ضرور آپ راہ بتاتے ہیں راستے سیدھے کی۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۱) آگے فرمایا یا اللہ تعالیٰ نبی کے پاس فرشتہ بھیجتا ہے۔ خواہ جبریل ہوں یا کوئی اور فرشتہ۔ فرشتہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیغمبر کی طرف وحی اتارتا تھا جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا تھا وہ فرشتہ رسول علیہ السلام کے پاس لاتا تھا۔

حدیث شریف میں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ جب حضور ﷺ پر وحی اترتی تو میں دیکھتی کہ سخت سردی میں بھی آپ پسینہ پسینہ ہو جاتے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بلند و بالا ہے اور حکمت والا ہے کہ اس کا ہر فعل مبنی بر حکمت ہے۔ شان مصطفیٰ ﷺ یہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو بلا حجاب بالمشافہ دیکھا اور بات کی۔ **فائدہ**: بروز قیامت اور جنت میں سب مسلمان اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے جیسے چودھویں کے چاند کو دیکھا جاتا ہے۔ (بخاری)

(آیت نمبر ۵۲) جس طرح ہم نے سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف وحی کی اسی طرح ہم نے آپ کی طرف بھی وحی کی۔ اپنے حکم سے ایک روح بھیجا۔ اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ اس لئے کہ یہ دلوں کیلئے روح ہے۔ اسی طرح قرآن دلوں کو پاکیزہ زندگی عطا کرتا ہے۔ جیسے علم نافع جو جہالت کیلئے بمنزلہ موت کے ہے۔ علم جہالت کو دور کرتا ہے۔ **فائدہ**: امام راغب فرماتے ہیں۔ قرآن روح اس لئے ہے کہ وہ حیات اخروی کا سبب ہے۔

آگے فرمایا۔ آپ اس سے پہلے نہیں جانتے تھے کہ ایمان کیا ہے اور کتاب کیا ہے۔ انبیاء پیدائش سے وصال تک معصوم تھے۔ اور صاحب ایمان۔ تمام کبیرہ اور صغیرہ گناہوں سے پاک تھے۔ اور حضور ﷺ قرآن اور ایمان کو اجمالی طور پر جانتے تھے۔ مگر تفصیلاً نزول قرآن کے بعد جانتے تھے۔ ابن قتیبہ نے کہا: اہل عرب دین اسماعیل علیہ السلام پر عمل پیرا تھے۔ حضور ﷺ بھی ان ہی احکام پر عمل کرتے تھے۔ یا اس کا یہ معنی ہے کہ آپ ذاتی طور پر کتاب اور ایمان کو نہیں جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے روشناس کرایا۔



(بقیہ آیت نمبر ۵۲) آگے فرمایا۔ لیکن ہم نے اسے نور بنایا جس کے ذریعے ہم جسے چاہیں ہدایت دیتے ہیں۔ یعنی اس نورِ ایمان کو قبول کرنے کی توفیق دیتے ہیں اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں اور اے میرے محبوب آپ بھی اس نور کے ذریعے ہدایت دیتے ہیں سیدھی راہ کی طرف۔ اس سے مراد اسلام ہے۔ علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہادی ہیں کیونکہ آپ قرآن کی طرح نور ہیں۔ اسی مناسبت سے جو آپ کو قرآن وایمان سے تعبیر کیا گیا کہ آپ کے اخلاق کا نام ہی قرآن ہے۔

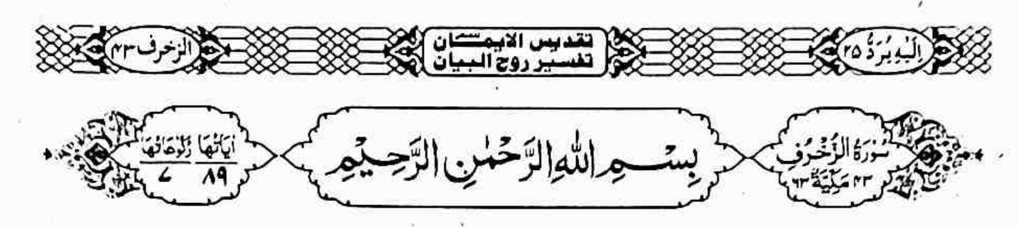
(آیت نمبر ۵۳) اللہ تعالیٰ کا راستہ۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات جس کے قبضہ قدرت میں زمین وآسمان ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا راستہ وہ عظیم الشان صراط مستقیم ہے۔ بندوں کو چاہئے کہ وہ اسی راہ پر چلیں۔

فائدہ: بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ازل میں سب کو ایمان کی دعوت دی۔ جس نے قبول کی وہ ہدایت پر ہے۔ جس نے انکار کیا وہ ہلاک ہوا۔

آگے فرمایا۔ خبردار اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سب امور لوٹتے ہیں۔

اختتام سورۃ شوریٰ: مورخہ ۲۴ دسمبر

بمطابق ۲۴ ربیع الاول بروز ہفتہ بعد نماز عشاء



حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ

قسم ہے کتاب روشن کی ۔ بے شک ہم نے بنایا یہ قرآن عربی زبان میں تا کہ

تَعْقِلُوْنَ ۚ﴿۳﴾ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۗ﴿۴﴾

تم سمجھو ۔ اور بے شک یہ اصل کتاب سے ہے ہمارے پاس ضرور بلندی وحکمت والا۔

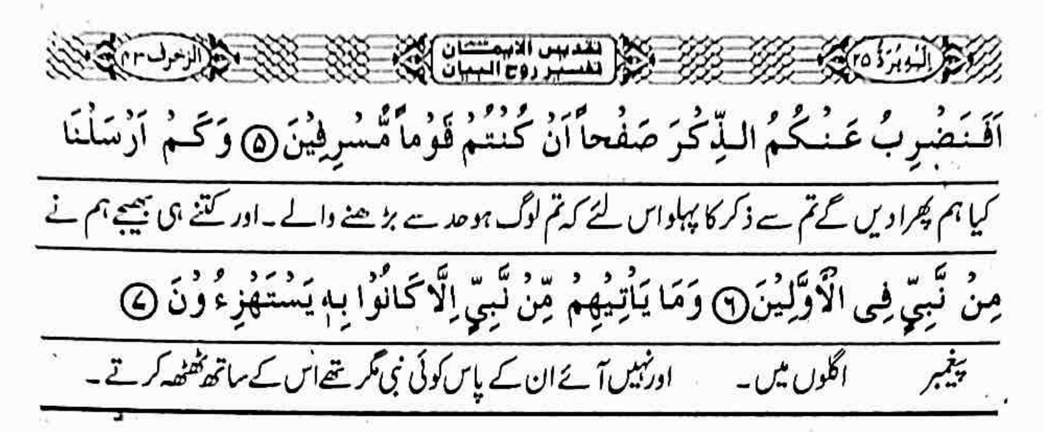
(آیت نمبر۱) حم۔علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دوحرف اللہ تعالیٰ کے ناموں حنان اور منان کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔حنان کا معنی ہے کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنے والا اور منان کا معنی ہے بن مانگے عطا فرمانے والا۔اورسب پر احسان کرنے والا۔

(آیت نمبر۲) قسم ہے کتاب کی جو بالکل واضح اور ظاہر ہے یعنی اس کتاب کے ذریعے طریقہ ہدایت ظاہر ہوا۔یادین کے ابواب میں جوضروری ہیں۔انہیں یہ کتاب واضح کرتی ہے۔

فائدہ: حضرت سہل فرماتے ہیں۔قرآن نے گمراہی سے ہدایت کو اور شر سے خیر کو ظاہر کیا اور نیک بختوں کی سعادت اور بدبختوں کی شقاوت کو ظاہر کیا۔

(آیت نمبر۳) ہم نے اس قرآن کو عربی میں بنایا۔یعنی اس قدیم کلام کو عربی لغت میں اتارا تا کہ تم سمجھ جاؤ کہ یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام نہیں۔نہ اس میں کوئی بناوٹی قصے کہانیاں ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم اس لئے کھائی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے بلند مرتبہ اور اعلیٰ کتاب ہے ہی نہیں۔

(آیت نمبر۴) اور بے شک یہ کتاب تمام کتابوں کے مرکز یعنی لوح محفوظ میں تھی۔پھر یہ کتاب ہمارے ہاں سے تمہارے پاس آئی اور یہ تمام کتب سماویہ میں بڑی قدر ومنزلت اور شان والی ہے اور بہت بڑی حکمتوں سے بھری ہوئی ہے یا یہ محکم کتاب ہے۔چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی۔اس لئے یہ ارفع اور اعلیٰ درجے والی کتاب ہے۔



اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ⑤ وَكَمْ اَرْسَلْنَا

کیا ہم پھرادیں گےتم سے ذکر کا پہلواس لئے کہ تم لوگ ہو حد سے بڑھنے والے ۔ اور کتنے ہی بھیجے ہم نے

مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ⑥ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑦

پیغمبر اگلوں میں ۔ اور نہیں آئے ان کے پاس کوئی نبی مگر تھے اس کے ساتھ ٹھٹھہ کرتے ۔

(آیت نمبر ۵) قرآن پاک کی عظمت وشان یہ ہے کہ یہ عربی لوگوں میں عربی زبان میں اترا۔ تا کہ وہ اسے سمجھ لیں اوراس پر ایمان لائیں اوراس کے مطابق عمل کریں تو کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ ہم تمہیں کھلا چھوڑ دیں اور قرآن تم سے دور کردیں۔ **فائدہ**: قرآن مجید کو ذکر کہا گیا کہ یہ ذکر کی طرح ہے کہ ہروقت اسے ذکر کی طرح پڑھا جاتا ہے ۔یہی اس کی حکمت کا تقاضا ہے لیکن تم اس سے روگرداں ہو کیونکہ تم گناہوں میں منہمک ہو کر حد سے تجاوز کر گئے ہو۔ ان گناہوں کی نحوست ہے کہ تمہارا دل یہی چاہتا ہے کہ تمہیں قرآنی احکام نہ سنائے جائیں۔ جس گمراہی پر ڈٹے ہوئے ہو۔تم اسی حال میں مرو۔ تا کہ ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا ہو۔ لیکن پھر ہماری رحمت کی وسعت جانو کہ ہم نے تمہیں مہلت دے دی اور تمہیں حق والا راستہ دکھانے کیلئے تمہارے پاس پیغمبر اور قرآن بھیج دیا ہے تا کہ تم صراط مستقیم پر چلو۔

(آیت نمبر ۶) کتنے ہی انبیاء کرام علیہم السلام ہم نے پہلی قوموں کی طرف بھیجے یعنی گذشتہ قوموں میں لاکھ سے بھی زیادہ انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ پر نہ نبی بھیجنا لازم ہے نہ کتاب بھیجنا۔ یہ تو اس کی مہربانی ہے بندوں پر تا کہ لوگ آسانی سے صراط مستقیم کو پاکر اس پر چل سکیں اور اپنی آخرت سنوار سکیں۔

(آیت نمبر ۷) سابقہ امتوں کو بھی یہی بیماری تھی اور اسی بری عادت کے عادی تھے کہ جب بھی ان کے پاس کوئی نبی تشریف لاتے اور انہیں دعوت توحید دیتے تو وہ ان کی تکذیب بھی کرتے اور ان سے استہزاء (ٹھٹھہ مذاق) شروع کر دیتے۔ اس لئے اے محبوب اگر اب بھی کفار آپ سے استہزاء کرتے ہیں تو گھبرائیں نہیں۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ یہ مشکلات تو پہلے نبیوں پر بھی آتی تھیں۔ **فائدہ**: پہلے انبیاء علیہم السلام کا ذکر اس لئے کیا کہ جب مصیبت عام ہوتی ہے تو ہلکی محسوس ہوتی ہے دنیا میں۔ **قاعدہ** ہے جہاں دوست ہوتے ہیں وہاں دشمن بھی ہوتے ہیں۔ جہاں صدیق ہوتے ہیں وہاں زندیق بھی ہوتے ہیں۔ جہاں صادق ہوئے ہیں وہاں کاذب بھی۔ اس لئے مخالفوں سے گھبرانا نہیں چاہیے۔

فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُم بَطْشاً وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ⑧ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ

پھر ہلاک کیا ہم نے ان کو جو زیادہ سخت تھے ان میں پکڑ والے اور گذر گیا حال پہلوں کا اور اگر تو ان سے پوچھے

مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۙ ⑨

کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو۔ تو ضرور کہیں گے پیدا کیا ان کو عزت وعلم والے نے۔

(آیت نمبر ۸) پھر ہم نے ان کے جو سخت غالی سرکش اور بدترین لوگ تھے۔ انہیں ہلاک وتباہ کر دیا۔ اس سے مراد فرعون نمرود وغیرہ ہیں۔ یا مراد قریش مکہ کے سردار ہیں۔ جو بدر کی لڑائی میں چن چن کر مار دیئے گئے۔ امام راغب فرماتے ہیں۔ بطش کا معنی شیء کو سخت شدت سے پکڑنا۔ یعنی ہم نے ان سرکشوں کو شدت کے ساتھ پکڑا اور ہلاک کر دیا تو ان کی شان وشوکت ان کے کوئی کام نہ آئی نہ ہمارا کچھ بگاڑ سکے۔ اس آیت میں بھی حضور ﷺ کو تسلی دی گئی اور اسلام دشمن طاقتوں کو وعید بھی سنادی گئی۔ اللہ تعالیٰ باغیوں سرکشوں اور طاغیوں کو تباہ وبرباد کر کے بعد میں آنے والوں کیلئے نصیحت کا موقع فراہم کر دیتا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ قرآن مجید میں پہلے لوگوں کے حالات وواقعات کو بار بار بیان کیا گیا۔ جیسے قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود اور قوم لوط کے واقعات بیان ہوئے۔ تا کہ یہ اہل مکہ ان سے عبرت پکڑیں۔

تین حالتیں: (۱) اطاعت میں مشغول ہوگا تو نفع پائے گا۔ (۲) گناہوں میں لگ جائے گا تو پشیمانی اٹھائے گا۔ (۳) غفلت کرے گا تو اس کا انجام خراب ہوگا۔

(آیت نمبر ۷) اے محبوب اگر آپ ان سے پوچھیں۔ یعنی ان قریش مکہ سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے بنایا تو وہ اعتراف کرتے ہوئے ضرور کہیں گے کہ انہیں اس ذات نے بنایا جو سب پر غالب ہے اپنی ملک اور حکم کے لحاظ سے اور وہ زبردست ذات ہے۔ یعنی اپنی مخلوق کے تمام احوال سے باخبر ہے کسی اور میں یہ قدرت نہیں۔ **فائدہ:** اس آیت میں گویا ان کی جہالت کا بیان ہے۔ اس لئے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی صنعت وقدرت کا اقرار کرتے ہیں اور اسے قوی اور علیم مانتے ہیں تو پھر وہ اس کے سوا کو کیوں پوجتے ہیں۔ **فائدہ:** معلوم ہوا کہ انسان کی فطرت میں معرفت الٰہی موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تمام روحوں سے ازل میں پوچھا گیا کہ کیا میں تمہارا خدا نہیں تو سب نے کہا کیوں نہیں۔ یعنی تو ضرور ہمارا خدا ہے اور بچہ جب پیدا بھی ہوتا ہے تو اسی فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ آگے اس کا خاندان یا ماحول اسے غلط راستے پر ڈال دیتا ہے۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰﴾

جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو بچھونا۔ اور بنائے تمہارے لئے اس میں راستے تاکہ تم راہ پاؤ۔

وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا

اوروہ جس نے اتارا آسمان سے پانی ایک اندازے سے۔ پھر زندہ کیا اس سے شہر مردہ۔

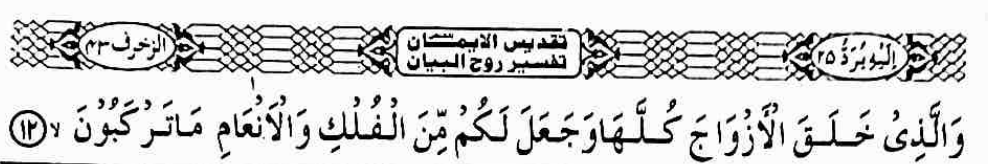
كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾

اسی طرح تم بھی نکالے جاؤ گے۔

(آیت نمبر۱۰) اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے کہ جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا۔ اسی لئے دوسرے مقام پر فرمایا فرش بنایا۔ تاکہ تم اس پر قرار پاسکو۔ یعنی آرام کے ساتھ اس پر بیٹھ سکو۔ نیند کر سکو۔ آگے فرمایا کہ اس (اللہ تعالیٰ) نے اس میں راستے بھی بنا دیئے۔ تاکہ تم ان پر دین و دنیا کے کاموں کیلئے سفر کر سکو اور ان راستوں پر چل بھی سکو۔ سبیل اس راستے کو کہا جاتا ہے۔ جس پر آسانی سے چلا جائے۔ آگے فرمایا تاکہ تم اپنے مقاصد کیلئے ان پر چلنے کیلئے صحیح راہ پاسکو۔ یعنی جن جن شہروں یا علاقوں میں جانا چاہو۔ وہاں سہولت کے ساتھ پہنچ جاؤ۔

صوفیانہ فائدہ: اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تم اس دنیا میں رہ کر جنت کی راہ پاسکو۔ یا اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا صحیح راستہ حاصل کر سکو۔ جو کہ انسان کا مقصود اصلی ہے اور حق تعالیٰ تک رسائی کیلئے ہی تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا اور کتابیں اتاریں تاکہ آسانی کے ساتھ حق تک پہنچنے کا راستہ مل جائے۔

(آیت نمبر۱۱) اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے کہ جس نے آسمان سے اس قدر پانی اتارا۔ جس قدر بندوں کیلئے نفع مند تھا۔ اور جس سے بندوں کو کوئی نقصان بھی نہ ہو۔ یعنی بندوں کی حاجت اور مصلحت کے مطابق اتارا۔ نہ اتنا زیادہ کہ انہیں غرق کر دے۔ نہ اتنا کم کہ کھیتیاں بھی سرسبز نہ ہوسکیں۔ اگر کبھی کبھی سیلاب آ کر سب کچھ تباہ کر جاتے ہیں۔ تو اس میں بندوں کی آزمائش ہوتی ہے یا گناہوں کی سزا ہوتی ہے۔ آگے فرمایا کہ ہم نے زندہ کر دیا اس پانی کی وجہ سے مردہ شہروں کو۔ یعنی خشک اور ویران جگہوں کو سبزہ زار بنا دیا۔ آگے فرمایا کہ تم بھی اپنی قبروں سے زندہ کر کے یوں ہی اٹھائے اور نکالے جاؤ گے۔ **نکتہ:** یعنی اللہ تعالیٰ ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے۔ قیامت کے دن مردوں کو زمین سے نکالنا۔ اس عظیم قدرت والے رب تعالیٰ کے سامنے کچھ بھی نہیں۔



وَالَّذِىْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور وہ جس نے پیدا کئے جوڑے تمام۔ اور بنائیں تمہارے لئے کشتیاں اور چوپائے جن پر تم سوار ہوتے ہو

لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا

تاکہ سیدھے بیٹھو اور ان کی پیٹھوں پر پھر یاد کرو نعمت اپنے رب کی جب ٹھیک بیٹھ جاؤ اس پر۔ اور کہو

سُبْحٰنَ الَّذِىْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

پاک ہے وہ ذات جس نے قابو میں کیا ہمارے لئے اس کو۔ اور نہیں تھے ہم اسے بس میں کرنے والے۔

(آیت نمبر۱۲) اور وہ ذات جس نے مخلوق میں تمام قسم کے جوڑے بنائے خصوصاً جو زمین میں سے پودے نکلتے ہیں۔ ان کے بھی جوڑے بنائے۔ اور ان کے اپنے نفسوں میں بھی مرد و عورت کے جوڑے بنائے۔ اور ان میں بھی جنہیں وہ نہیں جانتے۔ **فائدہ** :ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ ازواج سے اشیاء کی جنسیں مراد ہیں۔ یا ہر قسم کے انواع۔ جیسے میٹھا کٹھا، نر مادہ، سیاہ و سفید، یا دائیں بائیں، آگے پیچھے، گرمی سردی، دن رات، خوشکی و تری، زمین و آسمان وغیرہ۔ آگے فرمایا تمہارے لئے دریا میں چلنے والی کشتیاں بنائیں اور جانور بنائے۔ جیسے اونٹ گھوڑا وغیرہ جن پر تم سواری کرتے ہو خشکی اور دریاؤں میں۔ یہ تمام قادر قدیر کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

(آیت نمبر۱۳) تاکہ جب تم سواریوں کی پیٹھوں پر اور کشتیوں میں سوار ہو۔ پھر تم اپنے رب کی نعمتوں کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیں اور جب تم ان پر بیٹھ جاتے ہو سیدھے ہو کر تو تم رب کا دل کے ساتھ ذکر کرو۔ کیونکہ اصل ذکر ذکر قلبی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی معتبر ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور عملوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے (مشکوۃ)۔ اسی لئے فرمایا کہ تم اسے یاد کرو یعنی پوری توجہ اور غور و فکر سے اس کا ذکر کرو اور جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ اتنی اعلیٰ سواریوں جیسی نعمتیں دی ہیں ان کو دیکھ کر دینے والے کو یاد کرو اور اس کی مہربانیوں کا اعتراف کرو اور دل و زبان سے اس کی حمد کہو۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے قابو میں دیا۔ تاکہ ہم اس پر سوار ہو کر بر و بحر کا سفر آسانی کے ساتھ طے کر سکیں اور ہمیں اس کے قابو کرنے کی کوئی طاقت نہ تھی یعنی ہم کہاں اس لائق یا اس قابل تھے کہ ہم ان سواریوں پر سوار ہوتے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و حکمت سے انہیں ہمارے تابع کر دیا۔

وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا

اور بے شک ہم طرف اپنے رب کے پلٹ کر جانے والے ہیں اور بنائے اس کیلئے اس کے بندوں سے ٹکڑے

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

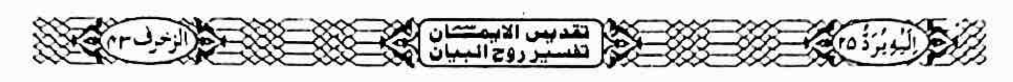
بے شک انسان ضرور ناشکرا ہے کھلا۔

(بقیہ آیت نمبر۱۳) **سبـــق**: بندے کو چاہئے کہ وہ نعمت دینے والے کے سامنے اپنی عجز و انکساری کا اظہار کرے ورنہ نعمت دینے والا واپس بھی لے سکتا ہے۔ نعمت کے حق کی ادائیگی یہی ہے۔ کہ بندہ اپنے مالک حقیقی کو پہچانے۔ اور اس کے آگے جھکا رہے۔

(آیت نمبر۱۴) اور بے شک ہم اپنے رب کریم کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یعنی مرنے کے بعد قبر تک لوگوں سے کندھوں پر سوار ہو کر جب قبر میں جائیں گے۔ گویا یہ دنیا میں انسان کی آخری سواری ہے۔ پھر نماز جنازہ ہے۔ اس کے بعد انسان قبر میں رب کے حوالے ہو جاتا ہے۔ **سبـــق**: ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے سفر آخرت کی پوری تیاری رکھے۔ اس لئے کہ اسے بہت بڑا سفر درپیش ہے۔ لہٰذا اس پر ضروری ہے کہ اس بڑے سفر کیلئے زادراہ اپنے ساتھ لے لے۔ خواہ اس کیلئے کتنی ہی مشکلات اٹھانی پڑیں۔

(۲) لازم ہے کہ انسان ایک لحظہ بھی یاد خدا سے غافل نہ ہو۔ اور اس کی ملاقات کیلئے ہمہ وقت تیار رہے اور یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بالکل قریب ہے اور اپنی ہر سانس کو آخری سانس سمجھے۔ اگر نفس امارہ پر قابو پالے تو یہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرے۔ ورنہ اس کی مخالفت کرتا رہے۔ **فـائدہ**: مذکورہ دونوں آیات سواری کا وظیفہ ہیں۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ جب سواری پر سوار ہوتے تو یہ مذکورہ کلمات ادا فرماتے اور تین دفعہ تکبیریں کہتے (رواہ مسلم)۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ جو بندہ یہ کلمات سواری پر سوار ہوتے وقت پڑھے اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

(آیت نمبر۱۵) مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کیلئے اپنے گندے خیالوں میں لڑکیوں کا باپ ہونا ثابت کیا۔ یہاں جزء بمعنی انسان کی اولاد بہت سارے مفسرین نے یہی معنی کیا ہے۔ اولاد ماں باپ کا جز ہی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے (بخاری شریف) تو مشرکین نے (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کیلئے لڑکے اور لڑکیاں ثابت کیں لیکن امام راغب اس کے خلاف ہیں۔



اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ

کیا چنی اس نے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں اور چنے تمہارے لئے بیٹے اور جب خوشخبری دی جائے ان میں کسی کو

بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾

اس کی جو بیان کی رحمان کیلئے اس نے مثال۔ ہو جاتا ہے چہرا اس کا سیاہ کالا اور وہ کڑھتا ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۵) آگے فرمایا کہ بے شک انسان بہت بڑا ناشکرا ہے یا انسان کفر کو زیادہ ظاہر کرنے والا ہے۔ اسی لئے مسلمانوں کو حکم ہے وہ کفار کی باتیں سن کر کہیں (سبحان الله عما يصفون)۔

(آیت نمبر ۱۶) کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے اتنی ساری مخلوق میں سے اپنے لئے صرف لڑکیاں ہی پسند کیں اور تمہارے لئے لڑکے پسند کئے۔

فائدہ: یہ گویا انکار و توبیخ ہے یعنی ان کے حال پر تعجب ظاہر کیا گیا ہے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت ہی کرنا بہت برا ہے اور دوسری بات یہ کہ لڑکیوں کو حقیر جان کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا تو اور ہی زیادہ برا ہے اور یہ کہنا کہ یہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ اس سے بھی برا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو اس سے بری جاننا از حد ضروری ہے۔ کچھ شرم و حیا ہونی چاہئے کہ جو صفات اللہ تعالیٰ کیلئے بالکل محال اور ممتنع ہیں وہی اس کی ذمہ لگانا کتنی بڑی جرات ہے۔ بلکہ حماقت ہے۔

(آیت نمبر ۱۷) حالانکہ تم لڑکیوں کو اتنا مبغوض سمجھتے ہو کہ اگر کسی کے گھر میں لڑکی پیدا ہو جائے تو فوراً اسے جا کر زندہ درگور کر آتے ہیں۔ تمہاری جہالت اور حماقت کا تو یہ حال ہے کہ اگر کسی کو لڑکی پیدا ہونے کی خوش خبری دی جائے (جو وہ رحمٰن کی طرف منسوب کرتے ہیں) تو ایسی خبر سن کر اس کا چہرا سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ اندر اندر کڑھنے لگتا ہے اور اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے ذلیل اور خسیس سمجھتا ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ مشرکین مکہ کے کرتوت کو ظاہر فرماتے ہیں کہ تمہاری عقل اتنی بھی نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیا کہہ رہے ہو تمہارے جو منہ آتا ہے وہی نکال دیتے ہو)۔

خواب اور تعبیر:

اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ اس کا چہرہ سیاہ ہے تو اس کی تعبیر یہی ہے کہ اس کے ہاں لڑکی پیدا ہوگی یہ بیماری آج بھی ہے کہ لڑکی پیدا ہونے پر اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنا لڑکے پر خوشی ہوتی ہے۔

اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِى الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِى الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ⑱ وَجَعَلُوا

کیا جو پروان چڑھے زیور میں اور وہ جھگڑے میں صاف بیان نہ کر سکے۔ اور بنایا انہوں نے

الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ

فرشتوں کو جو بندے ہیں رحمٰن کے انہیں عورتیں کہا۔کیا وہ حاضر تھے ان کی پیدائش کے وقت۔جلد لکھی جائے گی

شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ ⑲

ان کی گواہی اوران سے سوال ہوگا۔

(آیت نمبر۱۸) تو کیا وہ کہ جس کی پرورش آرائش سنگار میں ہوئی ہو یا بقول کاشفی مرحوم کے کہ جس کی پرورش ناز و نعمت میں ہوئی اور اسے جنگ میں حاضر ہونے کی قوت و ہمت نہ ہو اور وہ جھگڑا کرتے وقت جھگڑنے میں بھی اپنے دعویٰ کے اثبات پر حجت قائم کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو۔یعنی اسے گفتگو کا سلیقہ بھی نہ آتا ہو۔جیسے عورتیں جھگڑنے میں عموماً تیز ہوتی ہیں لیکن بات کو صحیح بیان نہیں کرسکتیں۔ بہت ہی کم عورتیں فصاحت و بلاغت میں قادر الکلام ہوتی ہیں۔**فضل عائشہ** : احنف فرماتے ہیں میں نے چاروں خلفاء کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو فصیح و بلیغ نہیں دیکھا۔جن کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا۔تیسرا حصہ دین عائشہ سے حاصل کرو۔(مسند الفردوس)

فائدہ :بحر العلوم میں ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ ذی عقل اور قلب سلیم والا زیب و زینت میں زندگی گذارنا پسند نہیں کرتا۔**حدیث** میں حضور ﷺ نے فرمایا۔ناز و نعمت سے بچو(رواہ البیہقی)۔اس لئے کہ بندگان خدا ناز و نعمت اور بناؤ سنگار سے دور رہتے ہیں۔انہیں اتنی فرصت ہی نہیں کہ وہ ان بکھیڑوں میں پڑیں۔

(آیت نمبر۱۹) اوران کافروں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے بندے ہیں اور اللہ کی اجمل و اکرم و اکمل مخلوق کو کم درجہ مخلوق یعنی عورتیں بنایا۔حالانکہ فرشتے جو ہمہ وقت بارگاہ الٰہی میں عبادت و اطاعت میں مشغول و مصروف ہیں۔ انہیں کہا یہ اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں۔ یہ عقیدہ انہیں باپ دادا سے ملا تھا۔ چونکہ کفار و مشرکین کے عقائد جھوٹ اور جہالت پر مبنی تھے۔ اٹکل پچو سے ایک عقیدہ گھڑا ہوا تھا۔یا کاہنوں اور نجومیوں نے انہیں جو کچھ بتایا انہوں نے جو کہا ان کے تابع داروں نے اسی کو اپنا عقیدہ بنالیا۔حالانکہ اصل عقیدہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف اتارا گیا۔لیکن بد بختوں نے اپنی مرضی کا عقیدہ گھڑ لیا۔

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ

اور بولے اگر چاہتا رحمٰن تو نہ ہم عبادت کرتے ان کی۔ نہیں ہے انہیں اس کا کوئی علم

اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ؕ ﴿۲۰﴾ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾

نہیں وہ مگر اٹکل دوڑاتے۔ یا دی ہم نے انہیں کوئی کتاب اس سے پہلے۔ تو وہ اسے تھامے ہوئے ہیں۔

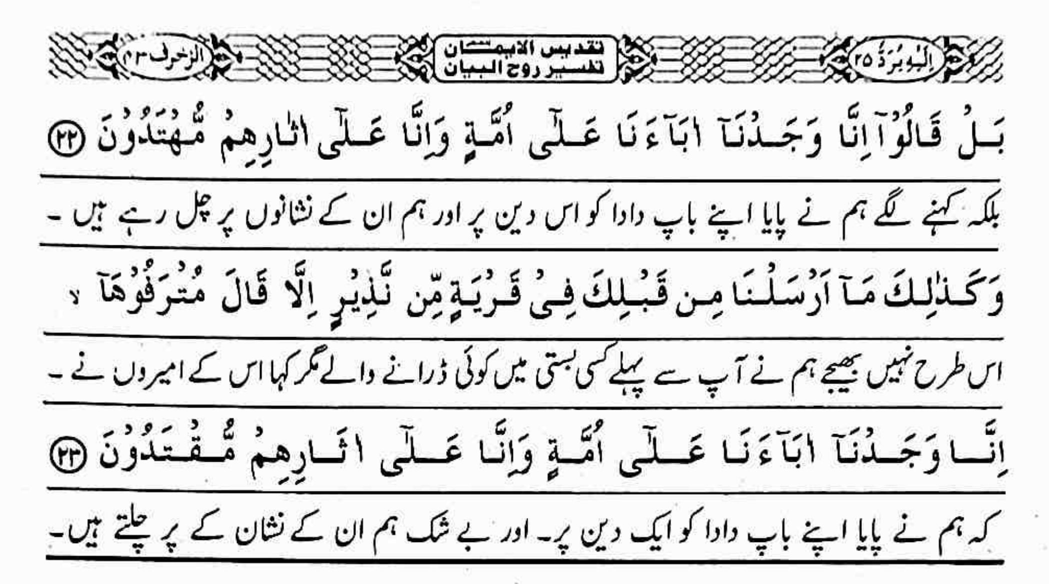
(بقیہ آیت نمبر۱۹) آگے فرمایا کہ یہ جو کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں تو کیا فرشتوں کی پیدائش کے وقت یہ لوگ وہاں حاضر تھے کہ یہ اپنا آنکھوں دیکھا حال بتا رہے ہیں۔ اگر وہاں موجود تھے۔ پھر تو وہ بات کرنے کے حق دار ہیں۔ ورنہ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ان کی گواہی ان کے اعمالنامے میں لکھ دی جائیگی۔ یعنی ان کی تمام باتیں کراماً کاتبین لکھ رہے ہیں اور بروز قیامت ان سے ان کی تمام باتوں کے متعلق پوچھا جائیگا۔

فائدہ: اس میں ان کے لئے وعید ہے اور انہیں کہا گیا کہ آج ہی اپنے برے عقیدے سے توبہ کرلو۔

(آیت نمبر۲۰) کافر کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم ان فرشتوں کی پوجا نہ کرتے۔ **فائدہ:** یہ کفار کا ایک اور مقولہ ہے۔ یعنی فرشتوں کی پوجا اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہم کررہے ہیں۔ اگر ہمارا یہ عمل برا ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں روک دیا ہوتا۔ جب اس نے نہیں روکا۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ اس سے راضی ہے۔ یہ بات بھی ان کی جہالت بلکہ حماقت پر دلالت کرتی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کا پیغام دیا مگر وہ نہیں مانے۔

اسی لئے آگے فرمایا۔ انہیں ان باتوں کا کوئی علم نہیں۔ یعنی وہ جو یہ بات کہہ رہے ہیں کہ ان کے اعمال اللہ تعالیٰ کی مشیت اور مرضی سے ہیں۔ انہیں اس کا کوئی علم نہیں۔ آگے فرمایا۔ یہ اٹکل پچو مارتے اور جھوٹی باتیں کرتے ہیں۔ وہ صرف ظن اور تخمینے سے ایسی باتیں کررہے ہیں۔ اس طرح کی باتیں کرنے والا درحقیقت جھوٹا ہوتا ہے۔

(آیت نمبر۲۱) کیا ہم نے انہیں کوئی کتاب دی ہے۔ یعنی قرآن کی طرح کوئی کتاب اتاری یا رسول کریم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے کسی نبی یا رسول نے یہ بات انہیں بتائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور رضا سے غیر اللہ کی پوجا کررہے ہیں۔ (معاذ اللہ)۔ اور وہ اس سے تمسک کررہے ہیں۔ یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اور قرآن سے پہلے ان کے پاس کوئی کتاب آسمانی نہیں آئی کہ اس سے وہ مسائل نکالتے۔ اس لحاظ سے نہ ان کے پاس کوئی عقلی دلیل تھی نہ نقلی۔



بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾

بلکہ کہنے لگے ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو اس دین پر اور ہم ان کے نشانوں پر چل رہے ہیں ۔

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ

اس طرح نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والے مگر کہا اس کے امیروں نے ۔

اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾

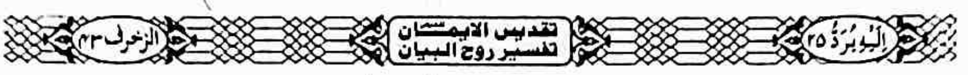
کہ ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک دین پر۔ اور بے شک ہم ان کے نشان کے پر چلتے ہیں۔

(آیت نمبر۲۲) جب بھی ان سے پوچھا جاتا کہ تمہارے پاس غیراللہ کی پرستش پر کیا دلیل ہے،تو ان کے پاس ایک ہی جواب تھا کہ بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کواسی دین پر پایا۔ وہ اسی عقیدے پر جمے ہوئے تھے۔یا ان کا اسی بات پر اجماع تھا۔ وہ یہی کہتے تھے کہ بے شک ہم باپ دادا کے ہی کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔

غلط تقلید کی مذمت: اعتقادیات میں اور اصول دین میں تقلید کرنا ویسے ہی ناجائز ہے۔البتہ عبادات اور معاملات میں کسی امام کی تقلید ضروری ہے۔عقیدے میں نظر واستدلال لازم ہے۔یعنی بندہ اشیاء میں سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت کو پہچانے۔ جوں ہی مخلوق میں وہ کسی چیز کو دیکھے تو کہے سبحان اللہ۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے۔ **فائدہ**: علم ضروری علم نظری سے اعلیٰ وافضل ہے۔اس لئے کہ علم ضروری کبھی زائل نہیں ہوتا قاعدہ ہے کہ مشاہدہ کے بعد کسی اور واسطہ کی ضرورت نہیں رہتی۔شاعر کہتا ہے۔حرم میں رہنے والوں کو قبلہ نما کی ضرورت نہیں۔ **فائدہ**: غیر مقلدین کفار کے اس قول سے تقلید کے ناجائز ہونے کو ثابت کرتے ہیں۔اس کیلئے میری کتاب صلوٰۃ الاحناف کو پڑھ لیں۔

صحیح تقلید کی تعریف: تقلید کا مطلب ہے۔بغیر دلیل پوچھے کسی کی بات کو ماننا۔شرعی فروعی مسائل میں تقلید جائز ہے۔ **مسئلہ**: مقلد کا ایمان احناف اور اہل ظواہر کے ہاں صحیح اور درست ہے۔یعنی جو امور اس پر واجب ہیں۔مثلاً صانع کے وجود اور اس کی صفات اور رسولوں کو اور جو وہ لے کر آئے انہیں جو معتبر مانتا ہے ایسے شخص کا ایمان قابل قبول ہے۔ (باپ دادا مسلمان شرع کے موافق ہوں۔تو ان کی تقلید درست ہے۔)

(آیت نمبر۲۳) ایسے لوگ جن کا اوپر بیان ہوا۔ جو دلائل سے بھی عاجز ہیں اور غلط تقلید میں گرفتار ہیں۔ان کے متعلق فرمایا۔اے محبوب ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس بستی کے لیڈروں نے یہی کہا۔



قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا

فرمایا اگرچہ میں لایا تمہارے پاس زیادہ ہدایت والی اس سے جس پر پایا تم نے باپ دادا کو۔ تو بولے ہم

بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾

جو بھی تم دے کر بھیجے گئے اس کے منکر ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر۲۳) کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقہ اور دین پر پایا۔ اور ہم ان کے طریقے اور دین پر چلیں گے۔ چونکہ ان کے آباء بھی اندھی تقلید والے تھے کہ وہ بھی اپنے باپ دادا کے طریقے پر چلتے تھے۔ اور ان کے پاس کوئی دلیلیں وغیرہ نہیں تھی۔ وہ تقلید بری ہے کہ جس پر کوئی حجت و برہان نہ ہو۔ جو محض خواہشات نفسانی سے ہو۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو دنیاداروں کی طرف راغب اور عبادت گذاروں سے متنفر ہیں (کنز العمال ج ۱۸)۔ اگر وہ قرآن کے حامل ہیں تو ان کی طبائع اس کے موافق نہیں۔ اس لحاظ سے وہ بعض آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ بعض پر نہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو آخرت کی تجارت کے لئے کوشش نہیں کرتے۔ جس تجارت میں کبھی کوئی نقصان نہیں۔ **نکتہ** : بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیوی امور اپنے ذمہ میں لئے ہیں اور اخروی امور کے بارے میں لوگوں سے مطالبہ کیا ہے۔ (لیکن افسوس کہ ہم نے دنیوی امور اپنے ذمہ لے لئے اور اخروی امور اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیئے)۔ **سبق**: عقل والا وہ ہے۔ جو ہدایت یافتہ بزرگوں کی اقتداء کرتا ہے اور آخرت کو آباد کرنے کیلئے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت میں پوری کوشش کرتا ہے۔ جیسے یقین والوں کا طریقہ ہے۔

(آیت نمبر۲۴) ان ڈرانے والوں میں سے ایک رسول نے اپنی امت سے فرمایا۔ یعنی جب کفار نے بت پرستی کی یہ وجہ بیان کی کہ ہم تو اپنے باپ دادا کے دین پر چلتے ہیں تو اس نبی نے فرمایا کہ اگرچہ میں تمہارے پاس اس سے زیادہ ہدایت والا دین لایا ہوں (جو تمہارے باپ دادا والے دین سے بہت اعلیٰ ہے) کیا پھر بھی تم باپ دادا کے دین پر چلو گے۔ خواہ تمہارے باپ دادا گمراہ تھے لیکن ان کافروں نے ایک ہی جواب دیا کہ ہم اپنے آباء کی تقلید پر ڈٹے ہوئے ہیں اور اپنی گمراہی پر خوش ہیں اور رسولوں کو مایوس کن جواب دیا۔ کہ ہم نہ تمہیں مانتے ہیں۔ نہ تمہارے لائے ہوئے دین کو۔ معلوم ہوا بری تقلید وہ ہے جو نبی کے فرمان کے مقابل ہو۔ ایسی تقلید کے بارے میں شاعر نے کہا۔ مخلوق کو ایسی تقلید نے برباد کیا۔ ایسی تقلید والوں پر سو بار لعنت ہو۔ لیکن بعض لوگوں نے اچھی تقلید کو بھی برا کہنا شروع کر دیا۔ (اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے بھی بچائے)۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٢٥﴾

پھر بدلہ لیا ہم نے ان سے پھر دیکھا کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا ۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيْمُ لِأَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ إِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿٢٦﴾

اور جب فرمایا ابراہیم نے اپنے باپ اور قوم سے میں تو بیزار ہوں تمہارے معبودوں سے۔

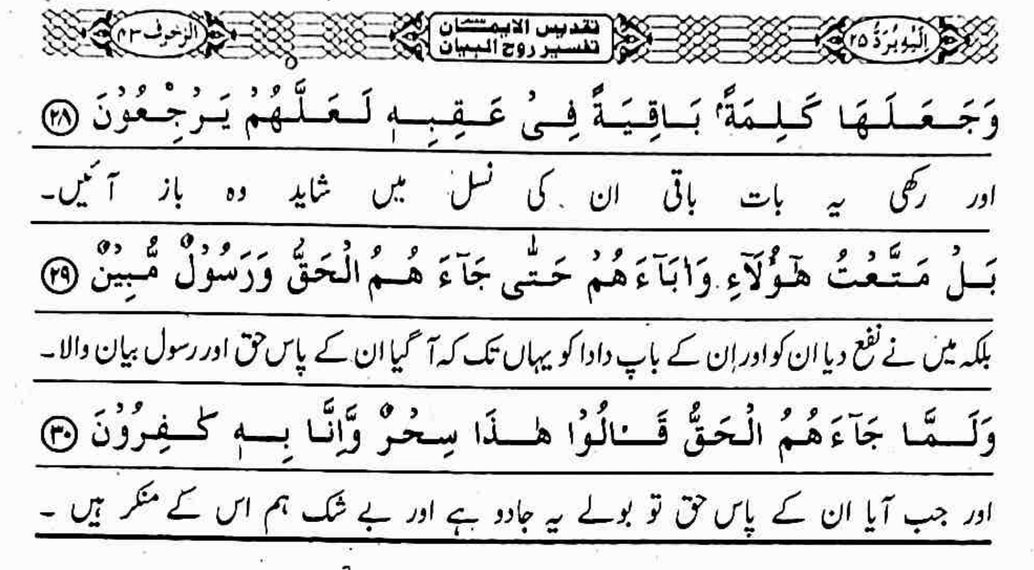
إِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَإِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿٢٧﴾

مگر وہ ذات جس نے مجھے پیدا کیا وہ مجھے جلد راہ دکھائے گا۔

(آیت نمبر ٢٥) پھر ہم نے ان غلط اور ناجائز تقلید کرنے والوں سے انتقام لیا۔ پھر ان کیلئے عذر کا موقع نہ چھوڑا۔ پھر دیکھ تو سہی ان جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ لہذا اے محبوب آپ اپنی قوم کی تکذیب سے نہ گھبرائیں۔ آپ کا پروردگار ان سے بھی بدلہ لے لے گا۔ اس لئے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہر شیء پر اس کا غلبہ ہے۔ مولیٰ علی فرماتے ہیں۔ نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے سبق حاصل کرے۔ یعنی جب ایک آدمی کو سزا ملے تو دیکھنے والے اس سے نصیحت حاصل کریں کہ اگر ہم نے بھی ایسا ہی کام کیا تو ہماری بھی خیر نہیں۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ مومن ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں ڈسا جائیگا (بخاری و مسلم)۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ترجمہ: اگر تجھے دکھ اٹھانے کی ہمت نہیں تو بچھو کے بل میں انگلی نہ دے۔

(آیت نمبر ٢٦) اور جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آذر کو فرمایا۔ جو بت بناتا (اور پوجتا) تھا اور اس قوم سے فرمایا جو اپنے آباء کی تقلید میں بت پرستی پر قائم تھی۔ بے شک میں بیزار ہوں۔ ان سے جن کی تم پوجا کرتے ہو۔ یہ بات ابراہیم علیہ السلام نے اس لئے فرمائی کہ آپ انہیں توحید کے متعلق بے شمار دلائل و براہین دے چکے تھے۔ تاکہ وہ صحیح اعتدال والے مسلک پر چلیں اور غلط آباء کی غلط تقلید چھوڑ دیں۔ کیونکہ ان کے اوپر والے آباء کا اصل مسلک توحید پرستی تھا جو بہت اچھا اور اعلیٰ مسلک تھا۔ بعد میں شیطان نے ان کے آباء کو غلط راستے پر ڈال دیا۔ اس لئے فرمایا کہ میں تمہارے معبودوں سے سخت بیزار ہوں۔

(آیت نمبر ٢٧) مگر وہ ذات جس نے مجھے پیدا کیا۔ یعنی میں اس ذات کو مانتا ہوں جس نے مجھے عدم سے وجود بخشا۔ چونکہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو بھی خدا سمجھ کر ان کی پوجا کرتے تھے۔ اس لئے فرمایا۔ میں صرف ایک ذات وحدہ لاشریک کی عبادت کرتا ہوں۔ جس نے مجھے پیدا بھی کیا اور وہی مجھے ہدایت پر ثابت بھی رکھے گا۔



وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢٨﴾

اور رکھی یہ بات باقی ان کی نسل میں شاید وہ باز آئیں۔

بَلْ مَتَّعْتُ هَٰؤُلَاءِ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُولٌ مُبِينٌ ﴿٢٩﴾

بلکہ میں نے نفع دیا ان کو اور ان کے باپ دادا کو یہاں تک کہ آ گیا ان کے پاس حق اور رسول بیان والا۔

وَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ وَإِنَّا بِهِ كَافِرُونَ ﴿٣٠﴾

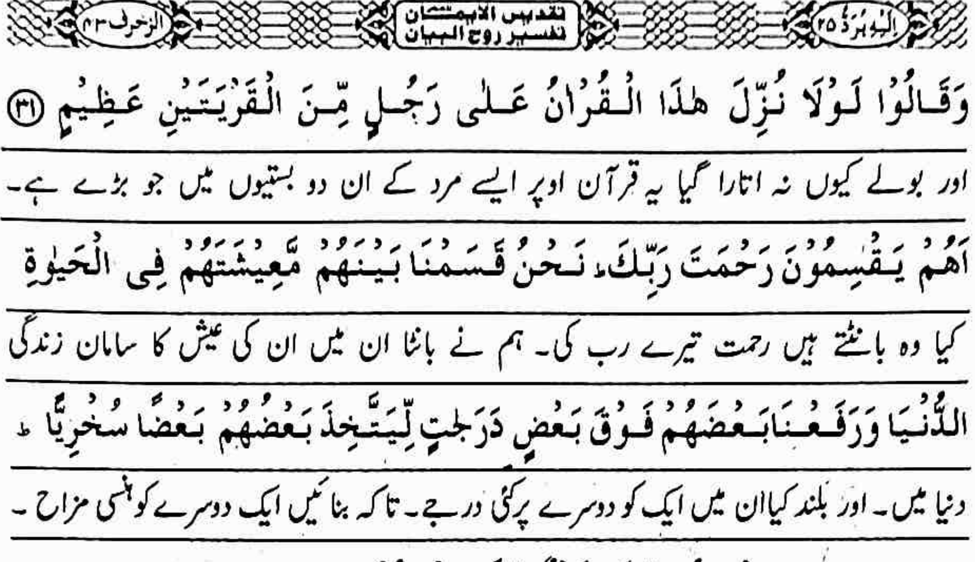
اور جب آیا ان کے پاس حق تو بولے یہ جادو ہے اور بے شک ہم اس کے منکر ہیں۔

(آیت نمبر ۲۸) ابراہیم علیہ السلام کلمہ باقیہ ہیں یعنی توحید پر ثابت قدم رہنے کی وجہ سے ان کی تعریف قیامت تک آنے والے لوگوں میں باقی رکھی کہ ہر مذہب والا ان کی تعریف کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی اولاد میں بے شمار انبیاء تشریف لائے اور غیر انبیاء میں بھی اکثریت اسلام پر قائم رہی۔ آگے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کی تعریف اس لئے باقی رکھی تا کہ کم از کم اولاد تو لوٹ کر ان کے مسلک پر آجائے۔ پھر اور لوگ بھی انہیں دیکھ کر آجائیں گے۔

فیضان نظر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر: بعض مشائخ نے فرمایا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب والدہ ماجدہ کے پیٹ مبارک میں تھے۔ تو فرماتی ہیں کہ میں اگر کسی بت کو سجدہ کرنا چاہتی تو وہ انہیں ایسا کرنے سے روک دیتے تھے۔

(آیت نمبر ۲۹) بلکہ میں نے ان کافروں کو ایک زمانہ تک نفع پہنچایا۔ یعنی ان اہل مکہ کو اور ان کے باپ دادا کو لمبی عمریں دیں۔ اور وافر نعمتیں عطا کیں۔ اسی وجہ سے وہ مغرور ہوئے اور خواہشات وشہوات نفسانیہ میں منہمک ہو کر کلمہ توحید سے روگرداں ہو گئے اور بت پرستی میں لگ گئے۔ یہاں تک کہ ان کے پاس حق یعنی قرآن مجید آ گیا اور شان والے رسول تشریف لائے۔ جن کی رسالت ظاہر اور معجزات واضح اور روشن تھے۔

(آیت نمبر ۳۰) اور جب ان کے پاس حق یعنی قرآن مجید آ گیا۔ تا کہ انہیں توحید کا پتہ چلے اور ان کی غفلت ختم کرے تو وہ بجائے قبول کرنے کے کفر وسرکشی میں آگے بڑھ گئے اور کتاب و نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلکا سمجھنے لگے اور کہنے لگے یہ تو جادو ہے۔ حق یعنی قرآن کو جادو کہہ دیا۔ حالانکہ باطل کو حق کر کے دکھانے کا نام جادو ہے اور انہوں نے حق کو ہی جادو کہہ دیا اور مزید کہا کہ ہم اس کے منکر ہیں۔ اس لئے کہ ہمیں یقین نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس لئے اس کو جھٹلا دیا۔



وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾

اور بولے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن اوپر ایسے مرد کے ان دو بستیوں میں جو بڑے ہے۔

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ

کیا وہ بانٹتے ہیں رحمت تیرے رب کی۔ ہم نے بانٹا ان میں ان کی عیش کا سامان زندگی

الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ

دنیا میں۔ اور بلند کیاان میں ایک کو دوسرے پر کئی درجے۔ تاکہ بنائیں ایک دوسرے کو ہنسی مزاح ۔

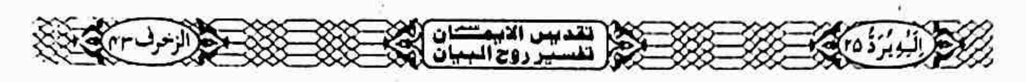
وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾

اور رحمت تیرے رب کی بہتر ہے اس سے جو جمع کرتے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر۳۰) **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ میرا ہرامتی جنت میں جائیگا۔ سوائے اس کے جس نے انکار کیا۔ پوچھا گیا۔ کس نے انکار کیا۔ فرمایا۔ جس نے میری اور اطاعت کی وہ جنت میں جائیگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا (رواہ البخاری)۔ (اور جس نے نبی کریم ﷺ کا انکار کیا وہ دوزخ میں جائیگا)

(آیت نمبر۳۱) کفار مکہ نے کہا۔ کیوں نہیں اتارا گیا یہ قرآن کسی ایسے مرد پر جوان دو بستیوں (مکہ وطائف) میں سے کسی سردار یا مالدار بڑے آدمی پر۔ جو مالی مرتبے کے لحاظ سے سب سے بڑا ہو۔ اس پر قرآن اترا ہوتا۔ لوگ اس کے پاس آ کر کھاتے اور پھر ہدایت پاتے۔ یعنی مکہ میں ولید پر یا طائف میں عروہ بن مسعود پر اترتا۔ یا مراد تھی کہ دوشہروں میں سکونت پذیر ایک شخص پر جیسے عروہ بن مسعود کے مکانات اور دکانیں مکہ شریف میں بھی تھیں اور طائف میں بھی۔ دونوں جگہ آتا جاتا تھا۔ **فائدہ:** یہ بات انہوں نے محض حسد کی بناء پر کہی تھی۔ ان کا اصل مقصد تھا کہ نبوت ورسالت اور صاحب قرآن ہونے کا منصب کسی دنیادار کو ملنا چاہئے تھا۔

(آیت نمبر۳۲) کیا انہوں نے آپ کے رب کی رحمت کو آپس میں تقسیم کرلیا ہے۔ یا نبوت ورسالت کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں ہیں کہ جسے چاہیں وہ دیں۔ ہم نے ہی ان کی معاش کو ان میں تقسیم کیا ہے۔ یعنی دنیا کی زندگی میں یہ



غذاوغیرہ اوران کے رزق کی تقسیم وغیرہ یہ سب کچھ ہم ہی تقسیم کرتے ہیں۔

بعض کوضعیف بعض کوقوی بنایا۔اسی طرح بعض کوغنی اور بعض کوفقیر بنایا۔بعض حاکم اور بعض محکوم ہیں۔یہ ہم نے بعض کوبعض پر بلند درجے دیئے ہیں۔اور سب کے مختلف درجے ہیں۔جیسے جیسے حکمت الٰہیہ کا تقاضا ہوا۔اسی طرح سب کوحصہ ملا۔تو یہ مختلف درجات اس لئے بنائے تا کہ وہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں تا کہ امیر غریبوں سے کام لیں اور ایک دوسرے کی معاش کا سبب بنیں۔تا کہ ایک دوسرے کی مدد بھی ہو اور دنیا کا قوام بھی صحیح رہے۔آگے فرمایا کہ تیرے رب تبارک وتعالیٰ کی رحمت یعنی نبوت ورسالت جو دونوں جہانوں کی سعادت کا موجب ہیں۔وہ بہتر ہیں اس سے جو وہ فانی دنیا کیلئے اسباب اور رزق جمع کرتے ہیں۔یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمت ہے۔

فائدہ: اس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح فقیروں کو مال ودولت سے نوازتا ہے۔اس طرح علماء کو حقائق قرآن اور اس کے اسرار رموز سے بہرہ ور کرتا ہے۔درس وتدریس سے بے شمار اسرار رموز حاصل ہوتے ہیں تو جس طرح مالی درجات مختلف ہیں اسی طرح علم ولایت کے درجات بھی متفاوت ہیں لیکن یہ تینوں نبوت۔ولائت اور علم دنیا کے علوم ومال ودولت اور رزق سے ہزار ہا گنا بہتر ہے۔

فرمان مولیٰ علی: ہم اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر خوش ہیں کہ اس نے ہمیں علم سے نوازا اور جاہلوں کو مال دیا۔

اخروی معیشت کے اسباب:

(۱)ایمان۔(۲)صدق۔(۳)ارادہ۔(۴)علم۔(۵)خدمت۔(۶)توبہ۔(۷)انابت۔(۸)محبت۔(۹)شوق۔(۱۰)معرفتہ۔(۱۱)توحید۔(۱۲)فراست۔(۱۳)کرامتہ۔(۱۴)ارادت۔(۱۵)قناعت۔(۱۶)توکل۔(۱۷)رضا۔(۱۸)تسلیم۔

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ

اور اگر یہ (ڈر) نہ ہوتا کہ ہوں گے لوگ ایک جماعت پر تو ہم کر دیتے ان کو جو منکر ہیں رحمٰن کے

لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ

ان کے گھروں کے چھت چاندی کے۔ تو سیڑھیاں لگا کر اس پر وہ چڑھتے۔ اور ان کے گھروں کے

اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُوْنَ ﴿۳۴﴾

دروازے اور تخت چاندی کی ان پر وہ تکیے لگاتے۔

(آیت نمبر ۳۳) اگر لوگوں سے یہ ڈر نہ ہوتا کہ وہ کافروں کے پاس نعمتیں دیکھ کر یہ نہ سمجھتے کہ دولت دنیا کفر میں ہے۔ لہذا وہ بھی اسے ہی جمع کرنے میں مشغول ہوکر کفر کے ساتھ ملکر ایک ہی جماعت بن جائیں گے۔ تو جو رحمٰن کے منکر ہیں۔ ہم ان کے گھروں کی چھتوں کو چاندی کا کر دیتے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک دنیا آخرت کے مقابلے میں انتہائی قلیل بلکہ ذلیل چیز کا نام ہے اور کفار بھی اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق ہیں یعنی سب سے کم تر۔ اس کی حقارت اور ذلالت کی وجہ سے کفار جیسی ذلیل قوم کو ہی دے دی۔ اسی طرح ان کافروں کیلئے چھت پر چڑھنے کیلئے ان کی سیڑھیاں بھی چاندی کی بنا دیتے تا کہ وہ ان پر چڑھ کر ظاہر ہوتے۔ **فائدہ**: دنیا کی ذلت کا مطلب یہ ہے کہ دنیا مقصود بالذات نہیں ہے۔ البتہ یہ مقصود بالذات کا سبب ضرور ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو دارالاقامۃ یا دارالجزاء نہیں بنایا۔ بلکہ اسے کوچ کا گھر بنایا ہے اور آزمائش وامتحان کا گھر بنایا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے کثرت سے مال دنیا کفار کو دیا ہے یا جاہلوں کو یہ مال دیا۔ انبیاء واولیاء اس سے دور رہے۔

سبق: عقل والا وہی ہے۔ جو دنیا سے صرف اتنا فائدہ حاصل کرے۔ جتنی اسے ضرورت ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اتنی وقعت رکھتی ہے۔ جیسا مکھی کا پر ہے تو کسی کافر کو یہ ایک ذرہ برابر کوئی چیز نہ ملتی۔ (رواہ الترمذی)

(آیت نمبر ۳۴) اور ان کے گھروں کے دروازوں کو بھی چاندی۔ بلکہ ان کے اوپر اور نیچے بھی سب چاندی کا ہو جاتا اور ان کے تخت اور چارپائیاں بھی چاندی کے بنا دیتے اور وہ ان تختوں پر بیٹھ کر تکیے لگاتے تو ان کو جیل خانے سے نجات مل جاتی کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دنیا مومن کیلئے قید خانہ ہے۔ تو قیدی قید خانے سے نکل کر خوش ہوتے ہیں۔

وَزُخْرُفاً ؕ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ

طرح طرح کی آرائش ہے۔ بے شک یہ سب ساز وسامان حیات دنیوی کا ہے اور آخرت تیرے رب کے ہاں

لِلْمُتَّقِيْنَ ع ﴿۳۵﴾

متقیوں کیلئے ہے۔

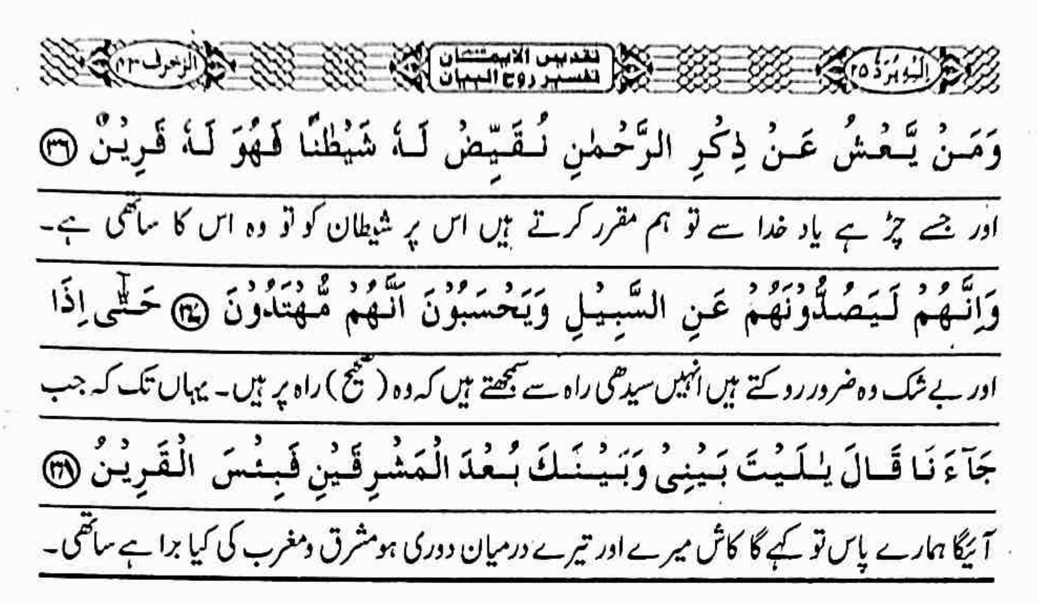
(آیت نمبر ۳۵) دنیا کو زخرف کہا گیا۔ زخرف کا اصل معنی تو خوبصورتی ہے۔ لیکن استعارہ کے طور پر (اور چاندی کے مقابل) اس کا معنی سونے کا کیا گیا۔ یعنی ان کیلئے ہر طرح زیب وزینت کا سامان انہیں حاصل ہو کہ گھروں کے چھت اور دروازے سونے اور چاندی کے ہوں یا ایک حصہ سونے اور ایک حصہ چاندی کا ہو۔ بہرحال سونا ہو یا چاندی ہو۔ یہ سب دنیا ہی کی زیب وزینت ہے۔

حدیث قدسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اگر میرے مومن بندے کو پریشانی نہ ہوتی تو میں کافر کے بدن پر لوہے کی پٹی چڑھا دیتا اور اس میں پوری دنیا کی چیزیں ڈال دیتا۔ یعنی ہر طرح سے صحت مند بنا دیتا اور ایک حدیث میں ہے کہ میں لوہے کا تاج اس کے سر پر رکھ دیتا۔ پھر اسے کبھی دردسر نہ ہوتا۔

آگے فرمایا۔ بے شک یہ سب کچھ دنیا کا ساز وسامان ہے۔ جس سے صرف دنیا میں ہی نفع اٹھایا جائیگا۔ لیکن اسے دوام حاصل نہیں۔ اور سوائے پشیمانی کے اور کچھ اس سے حاصل نہیں۔ آگے فرمایا کہ آخرت کی تمام نعمتیں جن کا کوئی وصف بیان نہیں کرسکتا۔ وہ سب پرہیزگاروں کیلئے ہیں جو تیرے رب کے خزانے میں ہیں۔

فائدہ: اگر مال دنیا بجائے کافر کے مسلمانوں کو ہی دیا جاتا تو مسلمان ہونے والا صرف مال دنیا کی وجہ سے مسلمان ہوتا۔ اور یہ منافقین کا اسلام ہے۔ مخلصین کا اسلام نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو خالص ایمان کو قبول فرماتا ہے جو ایمان محض رضاء الٰہی کے ہوگا۔ وہی قبول ہوگا۔ اور اسی پر اجر وثواب بھی ملے گا۔

حضور ﷺ کا فقر اختیاری تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ میں چاہتا تو اللہ تعالیٰ مجھے قیصر وکسریٰ والی بادشاہی عطا فرماتا۔ (شرح ترغیب)۔ لیکن اگر حضور ﷺ دولتمند ہوتے تو لوگ آپ کی وجہ سے نہیں بلکہ دولت کی وجہ سے مسلمان ہوتے تو ان کا اسلام بھی منافقانہ ہوتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنے محبوب کو فقر وفاقہ میں رکھا۔ تاکہ فقراء ومساکین کے دلوں کو بھی تسلی ہو۔



وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾

اور جسے چڑ ہے یاد خدا سے تو ہم مقرر کرتے ہیں اس پر شیطان کو تو وہ اس کا ساتھی ہے۔

وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰى اِذَا

اور بے شک وہ ضرور روکتے ہیں انہیں سیدھی راہ سے سمجھتے ہیں کہ وہ (صحیح) راہ پر ہیں۔ یہاں تک کہ جب

جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾

آئیگا ہمارے پاس تو کہے گا کاش میرے اور تیرے درمیان دوری ہو مشرق ومغرب کی کیا برا ہے ساتھی۔

(آیت نمبر ۳۶) جو ذکر الٰہی سے منہ پھیرے۔ یعنی جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو رہا ہو۔ تو وہ وہاں ذکر کو اچھا سمجھنے کے بجائے اس کی مخالفت میں لگ جائے یا خواہشات وشہوات میں منہمک ہو جائے تو ہم اس پر شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں۔ یعنی شیطان اس کا ساتھی بن کر ایسا اس کے ساتھ چمٹ جاتا ہے۔ جیسے انڈے کے ساتھ چھلکا۔ **فائدہ**: تو وہ شیطان اسے ہدایت کے بجائے گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔ نیکی کے بجائے برائی کی طرف لے جاتا ہے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ جس کیلئے اللہ تعالیٰ برائی کا ارادہ کرلے تو اس کی موت سے پہلے اس پر شیطان کو مسلط کر دیتا ہے تو پھر اسے نیکی بری لگتی ہے اور برائی اچھی لگتی ہے۔ (مسند الفردوس) اسی برائی پر عمل پیرا رہتا ہے۔ لہذا وہ اس کا کتنا ہی برا ساتھی ہے۔

(آیت نمبر ۳۷) پھر وہ شیاطین جو ان پر مسلط ہوتے ہیں۔ وہ اسے اللہ تعالیٰ کی راہ یعنی صراط مستقیم سے روکتے ہیں۔ اور وہ سمجھتے یہی ہیں کہ ہم ہی ہدایت والے ہیں۔ ہمیں کسی اور ہدایت کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسے کفار مکہ اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتے تھے۔ الٹا نبی کریم ﷺ کو وہ صابی یعنی گمراہ اور ہدایت سے دور سمجھتے تھے۔ معاذ اللہ

(آیت نمبر ۳۸) یہاں تک کہ جب وہ قرآن یا اسلام سے روگردانی کرنے والے شیاطین کے ساتھی جو اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتے ہیں ہمارے پاس آئیں گے۔ اس وقت وہ اپنے ساتھی شیطان کو دیکھ کر کہیں گے۔ کاش دنیا میں ہمارے اور اس کے درمیان فیصلہ دو مشرقوں کا ہوتا۔ یعنی ہمارے درمیان اتنا فاصلہ ہوتا۔ جتنا مشرق اور مغرب کے درمیان فاصلہ ہے۔ آگے فرمایا کہ وہ بہت برا ساتھی ہے جو اسے غلط راستے پر لگا رہا ہے۔ اور اسے جہنم تک پہنچا کر ہی چھوڑتا ہے۔

5

وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور ہرگز نہیں فائدہ ہوگا تمہارا آج جب کہ تم نے ظلم کیا بے شک تم عذاب میں شریک ہو۔

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِى الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾

کیا تم سناؤ گے بہرے کو۔ یاراہ دکھاؤ گے اندھے کو۔ اور جو گمراہی کھلی میں ہیں

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾

اگرہم لے جائیں تمہیں تو ہم ان سے ضرور بدلہ لینے والے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۸) **حدیث شریف**: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کافر جب قبر سے نکلے گا تو شیطان اس کے ساتھ کر دیا جائیگا۔ جہنم جانے تک اس کا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ (تفسیر خازن، بغوی وصفوۃ التفاسیر)

(آیت نمبر ۳۹) کفار کو ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ بروز قیامت کہا جائیگا کہ آج تمہیں یہ تمہاری آرزو کوئی نفع نہیں دے گی (کہ یہ تمہارا دنیا کا ساتھی جو تمہیں دنیا میں مزے کراتا تھا) وہ اب تم سے کیسے دور ہو جائے۔ اس لئے کہ دنیا میں تم نے اس کی اتباع کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ کہ تم نے دنیا میں ہر طرح کے گناہ۔ نافرمانیاں اور کفر کیا تھا۔ بے شک تم عذاب میں ایک دوسرے کے شریک ہو اور تمہارے عذاب میں کمی بھی نہیں ہوگی۔

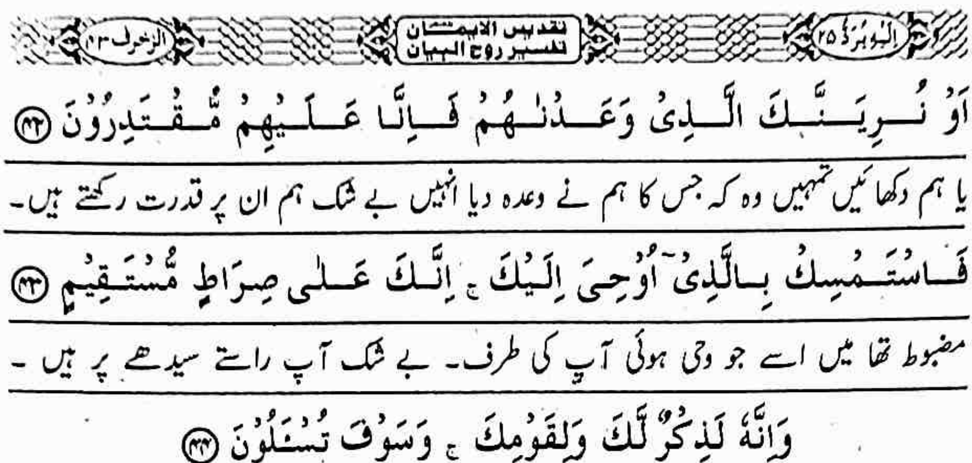
(آیت نمبر ۴۰) اے محبوب کیا آپ ان کو حق کی بات سنانا چاہتے ہیں۔ جن کے کان حق بات سننے سے بہرے ہیں یا آپ انہیں حق والی راہ دکھائیں گے۔ جن کے دل حق بات دیکھنے سے ہی اندھے ہیں۔

فائدہ: یعنی جن کے قدرت نے حق تک پہنچنے والے راستے ہی بند کر دیئے۔ ہماری نظر عنایت جبتک نہ ہوگی۔ کیسے انہیں ہدایت ہو سکتی اور وہ جو کھلی گمراہی میں ہوں۔ ایسے لوگوں کیلئے آپ کا کوشش کرنا بے سود ہے۔ اس لئے اے محبوب ایسے لوگوں کیلئے اپنے آپ کو تکلیف میں نہ ڈالیں۔ اس لئے کہ وہ گمراہی اور کفر میں اتنے آگے نکل گئے ہیں کہ اب ان کا واپس ہونا ناممکن ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ سب امور اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہیں۔

(آیت نمبر ۴۱) اے محبوب اگر ہم آپ کو اپنے پاس بلالیں۔ اس سے پہلے کہ ان پر عذاب بھیجیں۔ کیونکہ بے شک ہم ضرور ان سے بدلہ لینے والے ہیں۔ خواہ دنیا میں یا آخرت میں یا دونوں جگہ۔

جلد ۹



اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾

یا ہم دکھائیں تمہیں وہ کہ جس کا ہم نے وعدہ دیا انہیں بے شک ہم ان پر قدرت رکھتے ہیں۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾

مضبوط تھا میں اسے جو وحی ہوئی آپ کی طرف۔ بے شک آپ راستے سیدھے پر ہیں۔

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾

اور بے شک یہ ذکر ہے آپ کا اور آپ کی قوم کا۔ جلد تم پوچھے جاؤ گے۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۱) **فائدہ**: ابن عطاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا وجود ان کے لئے بھی امان ہے۔ اگر انہیں اٹھالیا تو ان سے ضرور بدلہ لیا جائے گا۔ **سبق**: عقل والوں کو جاننا چاہئے کہ نیک لوگوں کا وجود ان کیلئے باعث غنیمت ہے (خواہ وہ دنیا میں ہوں یا قبر میں)۔ لیکن منکرین ان باتوں سے بے خبر ہیں۔

(آیت نمبر ۴۲) یا ہم آپ کو وہ عذاب دکھادیں۔ جس کا ہم نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے کہ ہم آپ کے دشمنوں اور منکروں سے دنیا و آخرت میں بدلہ لیں گے۔ دنیا میں ایسے جیسے بدر میں لیا۔ کہ کمزوروں نے طاقتوروں کی ستیاناس کردی۔ **مسئلہ**: اس میں خوف اور امید کا سبق ہے اور بتا دیا گیا کہ علم غیب (ذاتی) صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ آگے فرمایا کہ بے شک ہم دنیا میں بھی ان سے بدلہ لینے پر قادر ہیں۔

(آیت نمبر ۴۳) پس قرآن مجید کو مضبوطی سے تھامے رکھیں۔ جو آپ کو وحی کیا گیا۔ یعنی اس کے احکام کی رعایت کریں۔ خواہ ہم وعدے کی ایفاء میں جلدی کریں یا قیامت پر چھوڑیں لیکن اے میرے محبوب بے شک آپ سیدھی راہ پر ہیں۔ یعنی توحید پر اور دین اسلام پر۔ اسی پر قائم رہیں اور غلاموں کو بھی اس پر قائم رہنے کا حکم دیں۔

(آیت نمبر ۴۴) اور بے شک یہ آپ پر نازل ہونے والا قرآن بہت بڑا ذکر عظیم شرافت اور بزرگی والا ہے۔ خصوصاً آپ کیلئے بھی اور آپ کی قوم کیلئے بھی یعنی پوری امت کیلئے۔ **حدیث** میں ہے۔ ہر چیز کیلئے شرافت ہوتی ہے۔ جس پر وہ فخر کرتے ہیں۔ میری امت کیلئے شرافت قرآن مجید ہے (معجم الکبیر)۔ آگے فرمایا کہ عنقریب بروز قیامت تم سوال کئے جاؤ گے۔ کیا واقعی تم نے قرآن مجید کے حقوق کو قائم رکھا یا نہیں۔ یا تم نے اس کی تعظیم کی یا اس نعمت کے ملنے پر تم نے شکریہ ادا کیا تھا یا نہیں۔ اور اس کی تلاوت کے ساتھ اس پر عمل کیا تھا یا نہیں۔

وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِن رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ

اور پوچھ جسے ہم نے بھیجا آپ سے پہلے اپنے رسولوں سے کیا ہم نے بنائے سوائے رحمٰن کے

اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ

معبود جنہیں پوجا گیا ہو۔ اور تحقیق ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ طرف فرعون

وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۶﴾

اور اس کے سرداروں کے تو فرمایا میں رسول ہوں رب العالمین کا۔

(آیت نمبر ۴۵) اے محبوب سابقہ امتوں کی طرف بھیجے ہوؤں سے آپ پوچھ لیں۔ یہاں سے مراد سابقہ امتوں کے علماء ہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی تنبیہ کی گئی کہ حضور ﷺ کا درس توحید یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ **فائدہ:** یہ سوال التباس ختم کرنے کیلئے ہے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ کو تو اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں تھا۔ **حدیث شریف**: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ جب یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ نہ مجھے شک ہے نہ میں پوچھتا ہوں۔ (سیرۃ النبویہ)

فائدہ: علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام سے سوال کرنے کا مطلب ان کی کتب کا مطالعہ ہے۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ معراج کی رات انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت فرمانے کے بعد جبریل امین نے یہ آیت کریمہ پڑھی تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ نہ مجھے شک ہے نہ میں پوچھتا ہوں۔

آگے فرمایا۔ کیا ہم نے رحمٰن کے علاوہ ان کو بتوں کی پوجا کرنے کا حکم دیا ہے۔ یعنی پہلے دینوں میں اس قسم کا کوئی حکم آیا ہے۔ یا اس سے پہلے تمام انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی نے یہ کہا ہے۔ انہوں نے تو صرف توحید کا ہی درس دیا ہے۔ گویا اس مسئلے پر تمام انبیاء علیہم السلام کا اجماع ہے۔ کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

(آیت نمبر ۴۶) اور تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی اپنی طرف سے نو نشانیوں کے ساتھ بھیجا۔ جو ان کی نبوت پر دلیل تھیں۔ فرعون اور اس کے حواریوں کی طرف جو فرعون کے بڑے معزز تھے۔ پس جب موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ میں تمہارے پاس رب العالمین کی طرف سے رسول بن کر آیا ہوں۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ

تو جب لائے ان کے پاس ہماری نشانیاں جبھی وہ ان سے ہنسنے لگے۔ اور نہیں دکھائی انہیں کوئی نشانی

اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ز وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾

مگر وہ بڑی ہوئی پہلی سے۔ اور پکڑا ہم نے ان کو مصیبت میں شاید وہ باز آئیں۔

(آیت نمبر ۴۷) پس جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس ہماری آیات (نشانیاں) لے کر آئے۔ تاکہ وہ توبہ کر کے سعادت پائیں اور برائیاں چھوڑ کر نیک بنیں اور نفع اٹھائیں تو وہ بجائے ماننے کے الٹا ان سے تمسخر اڑانے لگے اور ان سے ہنسی مذاق کرنے لگے۔ انہوں نے اس میں نہ غور وفکر کیا۔ نہ کچھ تامل کیا۔ جوں ہی موسیٰ علیہ السلام آیات لے کر ان کے پاس آئے تو اسی وقت وہ ان سے ہنسی مذاق کرنے لگ گئے۔ کبھی کہا او ہو یہ تو جادو ہے۔ کبھی کہا یہ تو انکا کوئی خیالی پروگرام ہے۔ یہ باتیں کر کے انہوں نے کسی کا نقصان نہیں کیا۔ بلکہ اپنے اوپر ظلم کیا کیونکہ ان کی یہ باتیں مبنی بر تکبر تھیں۔

(آیت نمبر ۴۸) اور ہم انہیں کوئی نشانی (معجزہ) نہیں دکھاتے۔ مگر وہ اس پہلے معجزہ سے بڑا ہوتا ہے۔ تاکہ اگر وہ اس کا انکار کریں تو اس پر ان کیلئے عذاب بھی بڑا ہوا۔

فائدہ: کشف الاسرار میں اس کا معنی کیا گیا کہ دونوں معجزے ایک دوسرے سے بہتر تھے اور کچھ بزرگوں نے فرمایا۔ اس سے ایک معجزے کا دوسرے پر فضیلت کا اظہار مطلوب ہے۔ اگرچہ فی نفسہا دونوں برابر ہیں۔ لیکن معانی اور ثواب وغیرہ کے لحاظ سے کچھ آیات دوسری آیات سے افضل ہوتی ہیں۔

فائدہ: اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے معجزات ان کے ہاں بھیجے ہر دوسرا معجزہ پہلے سے زیادہ واضح ہوتا۔ لیکن وہ بھی ایسے بدبخت تھے کہ ہر معجزہ دیکھنے کے بعد اپنے ظلمۃ اور کفر میں اور ہی آگے بڑھ جاتے۔ اسی لئے آگے فرمایا کہ پھر ہم نے انہیں پکڑا تا کہ وہ کفر سے رجوع کریں کیونکہ انسان نارمل حالات میں حق کی طرف کم لوٹتا ہے لیکن جب اسے تنگی تکلیف میں پکڑا جائے پھر وہ ضرور رجوع کرتا ہے۔

وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا

اور بولے اے جادوگر دعا کر ہمارے لئے اپنے رب سے اس عہد کے سبب جو اس کا تیرے پاس ہے۔ ضرور ہم

لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾

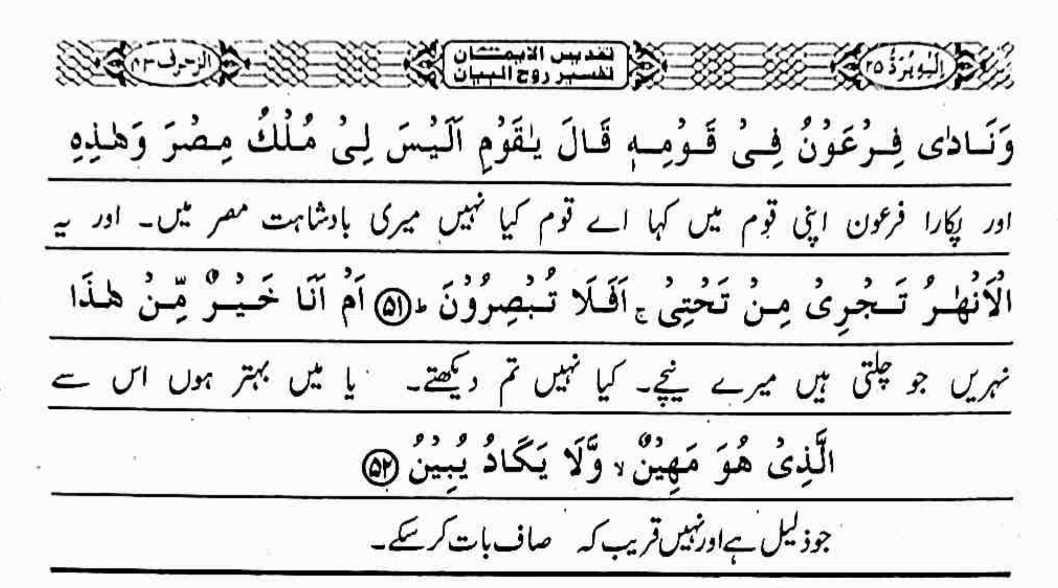
ہدایت پائیں گے۔ پھر جب ہم نے دور کردی ان سے مصیبت۔ اسی وقت وہ وعدہ توڑ گئے۔

(آیت نمبر ۴۹) قوم فرعون جب بھی معجزہ سے انکار کے بعد عذاب میں گرفتار ہوتی۔ تو وہ کہتے اے جادوگر ہمارے لئے دعا کر اپنے رب سے۔ (کفار کو ادب کا کیا پتہ۔ کہ نبی کا کتنا ادب ہوتا ہے۔)

نوٹ: وہ انتہائی درجہ کے سرکش اور ایسے بے وقوف تھے۔ بجائے ادب کے لفظ کہنے کے بے ادبانہ لفظ سے خطاب کیا۔ یا چونکہ یہ لفظ ان کی زبانوں پر چڑھا ہوا تھا۔ اس بری عادت کے مطابق ان کے منہ سے یہ بے ادبانہ جملہ نکل گیا۔ اور اس میں حضور ﷺ کو تسلی دی گئی کہ اگر کفار مکہ آپ کو ساحر کہتے ہیں تو کوئی بات نہیں۔ سابقہ کفار بھی اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو یہ لفظ کہتے رہے۔ بہر حال ان فرعونیوں نے جناب موسیٰ علیہ السلام سے کہا اپنے رب سے دعا مانگیں تا کہ وہ ہم سے عذاب دور کر دے۔ اس بات میں بھی پوری بے ایمانی دکھائی کہ ربنا نہیں کہا۔ ربک کہا۔ یا موسیٰ علیہ السلام کو رسول کہنے کے بجائے جادوگر کہنے لگے۔ لیکن دل بے ایمان ہو تو زبان کیسے ایماندار ہو سکتی ہے۔ البتہ یہ کہا آپ کا جو رب کے ساتھ معاہدہ ہے اس کی لاج رکھیں۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا کی۔ اور اس نے جو آپ کی دعا کو قبول کرنے کا وعدہ کیا اس مرتبے کا لحاظ کر کے دعا کریں۔ اگر عذاب ٹل گیا تو پھر ہم ایمان لا کر ہدایت پر آجائیں گے۔ (انہیں یہ بات اچھی طرح معلوم تھی۔ کہ جب تک موسیٰ علیہ السلام نہیں کہیں گے عذاب بھی ختم نہیں ہوگا۔)

(آیت نمبر ۵۰) تو پھر جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر ان سے عذاب کو ٹال دیا تو اسی وقت وہ وعدہ توڑ بیٹھے۔ یعنی وعدہ توڑنے میں ذرا دیر نہیں کی اور فوراً اپنے کفر کی طرف لوٹ گئے تو پھر ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کا یہ اثر ہوا کہ وہ دریا میں غرق ہو گئے۔ اس کا تفصیلی بیان آگے آرہا ہے۔

سبق: عقلمند اپنا وعدہ کبھی نہیں توڑتا ہے۔ وفا کا پہلا مرتبہ کلمہ شہادت ہے۔



وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِىْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ

اور پکارا فرعون اپنی قوم میں کہا اے قوم کیا نہیں میری بادشاہت مصر میں۔ اور یہ

الْاَنْهٰرُ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِىْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا

نہریں جو چلتی ہیں میرے نیچے۔ کیا نہیں تم دیکھتے۔ یا میں بہتر ہوں اس سے

الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾

جو ذلیل ہے اور نہیں قریب کہ صاف بات کر سکے۔

(آیت نمبر ۵۱) فرعون نے اپنی قوم کے اجتماع میں پکار کر کہا۔ یعنی جب سارے عذاب ٹل گئے تو اس نے خود یا اس کے منادی نے اس وقت پکارا کہ جب اسے یہ ڈر ہوا (کہ کہیں لوگ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر) اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لے آئیں۔ اور اپنی بڑھائی اور تکبر کرتے ہوئے کہا۔ اے میری قوم (قبطیو) کیا مصر میرا ملک اور اس میں میری شاہی نہیں (اس وقت مصر ایک سو بیس مربع میل پر پھیلا ہوا تھا)۔ (بعض نے اس سے زیادہ بھی لکھا ہے)۔ مصر شہر کی بنیاد نوح علیہ السلام کے پوتے نے رکھی۔ (روضۃ الاخبار)۔ آگے کہا کہ اس مصر میں یہ نہریں جیسے دریائے نیل یا اس کے متعلقہ نہریں جو نیل سے نکل کر مصر کے تمام شہروں کو سیراب کرتی ہیں: (۱) نہر اسکندری۔ (۲) نہر طولوں۔ (۳) نہر دمیاط۔ (۴) نہر تنیس۔ یہ نہریں جن کے متعلق فرعون نے کہا کہ جو نہریں میرے محل کے نیچے سے چلتی ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں۔ اس سے وہ اپنے ملک شاہی اور شان و شوکت ظاہر کرنا چاہتا تھا۔

(آیت نمبر ۵۲) کیا میں بہتر نہیں یعنی میں ہی بہتر ہوں۔ اب تم لوگ اس بات کو مانو اور اقرار کرو کہ میں ہی بہتر ہوں کہ جو میں نے صفات بیان کیں۔ ان کو تم کیا نہیں دیکھتے۔ اب بتاؤ کیا میں اس سے بہتر اور برتر نہیں ہوں اس شخص سے جو ضعیف و کمزور ہے یا وہ (معاذ اللہ) حقیر ہے۔ (یہ جملہ اس لعنتی نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا) کہ وہ کم درجے کا ہے اور وہ صحیح بات بھی نہیں کر سکتا کہ اس کی زبان میں ثقالت ہے۔ تو یہ نبی کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ اصل میں موسیٰ علیہ السلام کے نقائص بیان کر کے ان کی رسالت کا انکار کر رہا تھا اور اپنی شان بیان کر رہا تھا۔ جیسے قریش مکہ نے کہا کہ قرآن ہم سے کسی مالدار پر کیوں نہیں اترا۔ یعنی وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قابل نہیں سمجھتے تھے۔

فَلَوْلَآ اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِیْنَ ﴿۵۳﴾

تو کیوں نہیں ڈالے گئے اس پر کنگن سونے کے۔ یا آتے اس کے ساتھ فرشتے جو اس کے پاس رہتے۔

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۵۴﴾

تو اس نے کم عقل کیا قوم کو تو وہ اس کے کہنے پر چلے۔ بے شک وہ تھی قوم فاسق۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۲) **موسیٰ علیہ السلام کی لکنت:** اس وجہ سے ہوئی کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی آزمائش کیلئے ان کے سامنے موتی اور جلتی آگ کا انگارا رکھا۔ آپ موتی اٹھانا چاہتے تھے کہ فرشتے نے ہاتھ انگارے کی طرف کر دیا۔ آپ نے اٹھا کر وہ منہ میں ڈالا۔ جس سے زبان مبارک میں لکنت آ گئی۔ اسی لئے آپ نے دعا مانگی۔ اے اللہ میری زبان کی لکنت کے عقد کو کھول دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے موسیٰ جو آپ نے مانگا۔ ہم نے تمہیں دیدیا۔ تو یہ لکنت بھی اس خبیث کی وجہ ہوا۔ ورنہ انبیاء کرام علیہم السلام اس قسم کی نقائص سے پاک ہوتے ہیں۔ کسی بھی نبی کی گستاخی کفر ہے۔ اس لئے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق تو تلا کا لفظ وغیرہ ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔

(آیت نمبر ۵۳) فرعون نے اسی غرور میں کہا کہ اگر موسیٰ (علیہ السلام) واقعی اپنے دعویٰ نبوت میں سچا ہے۔ تو اس پر سونا ڈھیروں کے حساب کیوں نہیں ڈالا گیا۔ ان کے پاس شاہی خزانے کی کنجیاں نہیں۔ اگر یہ واقعی اللہ کا نبی یا رسول ہوتا تو اس کا حال مجھ سے بہت اعلیٰ اور بہتر ہوتا۔ ان کیلئے تو آسمان سے شاہی اسباب نازل ہوتے۔ آگے مزید کہا کہ یا اس (موسیٰ) کے ساتھ ہر وقت فرشتے ہوتے اور ان کی بوقت ضرورت مدد کرتے۔ ان کی نبوت و رسالت کی تصدیق کرتے اور گواہی دیتے کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ تمام باتیں فرعون کا مکر و فریب ہے۔ قوم تو پہلے ہی اس کے مکر و فریب میں پھنسی ہوئی تھی۔ اس لئے اس کی ہاں میں ہاں ملاتی تھی۔

(آیت نمبر ۵۴) تو فرعون نے اپنی قوم کو پھسلا کر اپنی اطاعت کا قائل کیا۔ بڑے دھوکے اور فریب کاری سے ان کے عقلوں پر غلبہ پالیا۔ بے شک وہ پہلے ہی فاسق بدکار اور گمراہ تھے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کچھ لوگ فرعون کے ڈر سے ایمان نہیں لاتے تھے۔ کہ وہ ظالم دردناک عذاب ان کو دیتا تھا۔

فائدہ: معلوم ہوا۔ انبیاء کو ہلکا سمجھنا کفر ہے اور اولیاء و علماء کو حقیر جاننا فسق ہے۔

فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۵۵﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا

تو جب ہمیں ناراض کیا تو ہم نے بدلہ لیا ان سے پھر ڈبو دیا ان سب کو۔ تو کردی ان کی داستان اگلوں کیلئے

وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْیَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ یَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾

اور کہاوت پچھلوں کیلئے۔ اور جب بیان کی جائے عیسیٰ کی مثال اسی وقت تمہاری قوم اس سے ہنستے ہیں۔

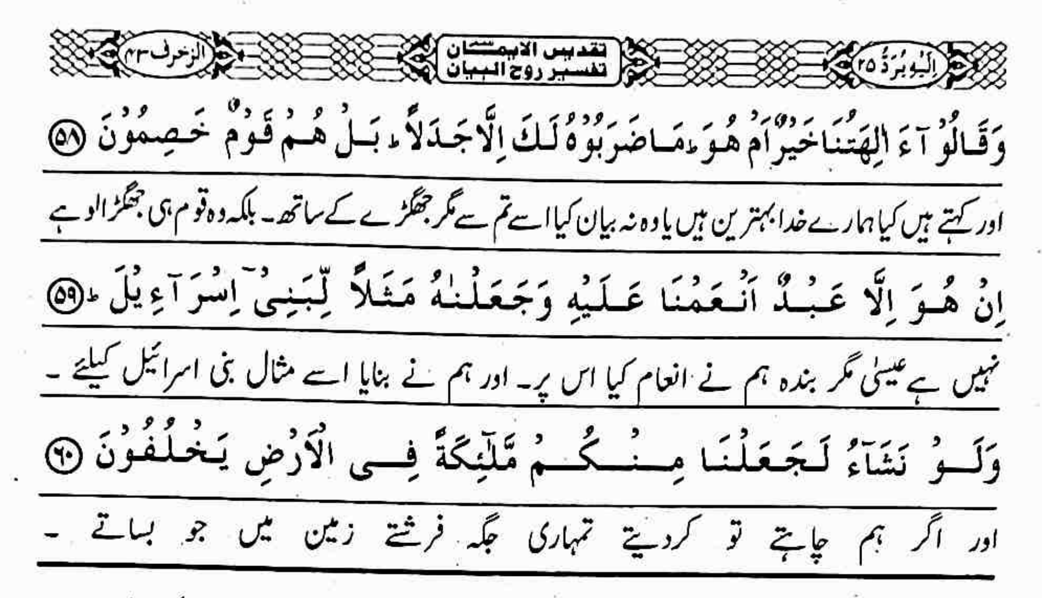
(آیت نمبر ۵۵) پھر جب فرعون اور اس کی قوم نے کفر وعناد میں حد سے تجاوز کر کے ہمیں بہت ہی غضبناک کیا۔ تو پھر ہم نے ان سے انتقام (بدلہ) لیا۔ یعنی ہم نے ان سے بدلہ لینے کا پکا ارادہ کیا۔ کہ ان کو عذاب میں ڈالیں تو پھر ہم نے ان کو بھی اور ان کے ماننے والوں کو بھی غرق کردیا کہ ان میں سے ایک بھی نہ بچ سکا۔ سب کو بحر قلزم میں ڈبو دیا۔ یہی ان کے گناہوں اور نافرمانیوں کی سزا تھی۔

(آیت نمبر ۵۶) پھر ہم نے فرعون اور اس کی قوم کو موجودہ اور آئندہ آنے والے کفار کیلئے پند ونصیحت کی مثال بنا دیا کہ جو بھی ان کی راہ پر چلے گا۔ وہ ان کی ہی طرح عذاب کا مستحق ہوگا۔ لہذا اس عجیب قصے کو آنے والوں کیلئے بمنزلہ مثال کے کردیا۔ (اور صدیوں تک وہ قصہ لوگوں کی زبانوں پر رہا۔)

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ہم نے فرعون اور اس کی قوم کو آنے والے لوگوں کیلئے نشان عبرت اور باعث پند ونصیحت بنا دیا تاکہ آنے والی نسلیں ان کے واقعات کو پڑھ یا سن کر اپنے آپ کو درست کرلیں گے۔

اولیاء کرام رحمہم اللہ کی گستاخی: اس میں اشارہ ہے کہ اللہ والوں کو ناراض کرنے سے اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہوجاتا ہے اور **حدیث قدسی** میں ہے کہ جو میرے ولی سے دشمنی رکھتا ہے میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔ (بخاری)

(آیت نمبر ۵۷) اور جب عیسیٰ ابن مریم کی مثال بیان کی گئی۔ **قصہ** یہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار ومشرکین کو فرمایا کہ تم اور تمہارے معبود جہنم میں جاؤ گے تو اس پر وہ سخت غضبناک ہوگئے تو ابن زبعری نے کہا کہ پھر عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو پوجتے ہیں۔ یہودی عزیر علیہ السلام کو اور عرب کے کچھ قبیلے فرشتوں کو تو کیا عیسیٰ، عزیر اور فرشتے بھی جہنم میں جائیں گے تو اس بات پر قریش مکہ بہت خوش ہوئے اور اتنے زور سے ہنسے کہ ان کی آواز دور دور تک جا پہنچی۔ اس لئے آگے فرمایا کہ اس وقت آپ کی قوم اس مثال سے خوش ہوئے اور ان کی آوازیں بہت بلند ہوئیں۔ حالانکہ وہ جانتے تھے۔ کہ آیت میں لفظ ما ہے اور ما غیر ذوالعقول کیلئے بولا جاتا ہے مگر کافر ان باتوں کو کیسے جانیں۔ انہیں تو ہنسی مزاح کیلئے کوئی بہانہ چاہیے تھا۔ اور نبی کی توہین کا کوئی موقع چاہیے تھا۔



وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾

اور کہتے ہیں کیا ہمارے خدا بہترین ہیں یا وہ نہ بیان کیا اسے تم سے مگر جھگڑے کے ساتھ۔ بلکہ وہ قوم ہی جھگڑالو ہے

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ؕ﴿۵۹﴾

نہیں ہے عیسیٰ مگر بندہ ہم نے انعام کیا اس پر۔ اور ہم نے بنایا اسے مثال بنی اسرائیل کیلئے۔

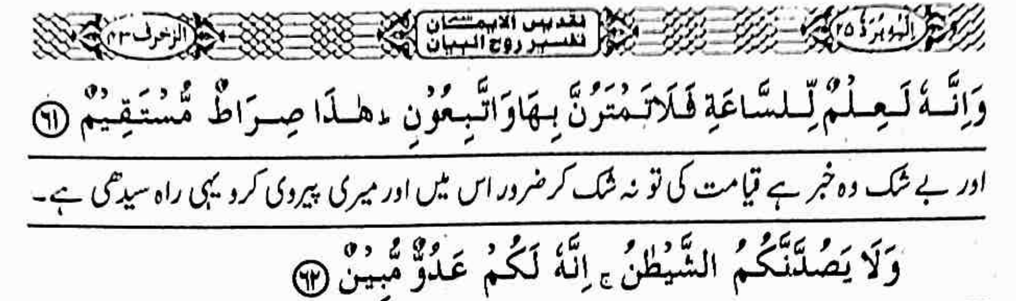
وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾

اور اگر ہم چاہتے تو کردیتے تمہاری جگہ فرشتے زمین میں جو بساتے۔

(آیت نمبر ۵۸) اور وہ کہتے ہیں۔ کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ یہاں وہ اپنے معبودوں کی عیسیٰ علیہ السلام پر برتری ثابت کرتے ہیں کہ ان کے معبود بہتر ہیں یا عیسیٰ علیہ السلام اور وہ یہ کہتے تھے کہ تم نے کہا۔ سب معبود جہنم میں جائیں گے اور وہ تمہارے نزدیک ہمارے معبودوں سے بہتر ہیں اگر وہ جہنم میں گئے تو ہمارے معبودوں کے جہنم میں جانے میں کیا حرج ہے حالانکہ جو آیت نبی کریم ﷺ نے پڑھی اس سے واضح طور پر بت مراد ہیں۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں بھی واضح فرمادیا کہ جن کے لئے ہماری طرف سے حسنیٰ (جنت) پہلے ہی ہوگئی۔ وہ جہنم سے دور ہوں گے۔ **فائدہ:** ابن زبعری چونکہ جاہل تھا۔ ورنہ "ماتعبدون" میں ماغیر ذوی العقول کیلئے ہے۔ جس سے مراد بت ہیں۔ اگر چہ کفار کو اس بات کا علم تھا۔ لیکن جھوٹ پر لڑنا جھگڑنا تو ان کا مشغلہ تھا اور نبی کے ساتھ ٹھٹھہ مخول کرنا ان کی عادت تھی۔ اب مراد یہ ہے کہ اے محبوب ان کافروں کا جناب عیسیٰ علیہ السلام کو مثال بنانا محض جھگڑے کے طور پر ہے چونکہ وہ جھگڑالو ہیں۔ یعنی وہ شرارت اور فساد برپا کرنے کے عادی ہیں۔

(آیت نمبر ۵۹) نہیں تھے عیسیٰ علیہ السلام مگر بندے ہم نے ان پر انعام کیا۔ یعنی ان پر فضل و کرم کیا۔ نبوت عطا کی۔ بغیر باپ پیدا کیا۔ معجزات عطا کئے۔ لہٰذا ان عیسائیوں کا انہیں خدا یا خدا کا بیٹا کہنا بالکل غلط ہے۔ آگے فرمایا کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کیلئے مثال بنایا کہ ان پر بہت سارے انعام و اکرام ہوئے تو جس پر انعام ہوتا ہے وہ خدا نہیں ہوسکتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوتا ہے یا نبی ہوتا ہے۔

(آیت نمبر ۶۰) اگر بالفرض ہم چاہتے تو ہم تمہاری جگہ فرشتوں کو زمین میں بساتے۔ یہ سب ہماری قدرت ہے۔ حضرت حوا کو بغیر ماں کے پیدا کیا۔ آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے بنایا۔



وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۶۱﴾

اور بے شک وہ خبر ہے قیامت کی تو نہ شک کرضرور اس میں اور میری پیروی کرو یہی راہ سیدھی ہے۔

وَلَا یَصُدَّنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۶۲﴾

نہ روکے تمہیں شیطان بے شک وہ تمہارا دشمن ہے کھلا

(بقیہ آیت نمبر۶۰) جناب عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔اسی طرح فرشتوں کو بھی ہم تمہاری نسل سے بنادیتے۔تو وہ زمین پر بستے جیسے وہ آسمانوں پر رہ رہے ہیں۔یعنی وہ تم سے پیدا ہوکر تمہارے جانشین ہوتے تمہارے مرنے کے بعد۔**فائدہ**:اب وہ آسمانوں پر ہمہ وقت عبادت میں مشغول ہیں۔لہذا وہ معبود ہونے کے لائق نہیں ہیں۔

(آیت نمبر۶۱) اور بے شک عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا قیامت کی علامات میں سے ایک نشانی ہے۔یعنی جب وہ آسمانوں سے زمین پر اتر آئیں گے تو سمجھ لو کہ پھر قیامت بالکل قریب ہے۔ان کے نزول کو علم سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ اس سے قرب قیامت کا علم ہوجائیگا۔چونکہ کفار قیام قیامت کا انکار کرتے ہیں۔خصوصاً مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے منکر ہیں۔**فائدہ**:جو رب تعالیٰ اتنے زمانہ تک عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر زندہ رکھ سکتا ہے۔وہ قیامت بھی قائم کر کے مردوں کو زندہ کرسکتا ہے۔(مرزا قادیانی نے لکھا کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پاگئے اور کشمیر میں ان کی قبر ہے۔یہ بات سراسر غلط اور بے تکی بات کہی ہے۔جس کا ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے)۔قرب قیامت کی علامت یہ ہے کہ آپ آسمان سے اتریں گے نماز عصر امام مہدی علیہ السلام کے پیچھے ادا کریں۔پھر دجال کو قتل کریں گے۔بلکہ تمام کفار کو ختم کردیں گے اور دین اسلام کو غلبہ ہوجائیگا۔یہی علم قیامت ہے اس کے واقع ہونے میں نہ شک کرو نہ جھگڑا۔میری ہدایت (شریعت) پر چلو یہی سیدھا راستہ ہے جو حق تک پہنچاتا ہے۔

(آیت نمبر۶۲) اور تمہیں شیطان میری تابعداری کرنے سے نہ روکے اور نہ پھرائے اس لئے کہ وہ بے شک تمہارا کھلا دشمن ہے۔اس نے تمہارے باپ آدم کو جنت سے نکالا۔ان کا نورانی لباس اتروایا۔(اور تمہیں بھی جہنم میں پہنچانے کی پوری کوشش کررہا ہے)۔**حکایت**: آدم علیہ السلام کے زمین پر آنے سے پہلے ہی شیطان نے تمام جانوروں کو ڈرایا کہ آدم کی اولاد تمہیں کھا جائے گی۔لہذا جوں ہی آدم علیہ السلام نیچے آئیں سب مل کر ان پر حملہ کردو۔جب انہوں نے جناب آدم پر حملہ کیا تو کتے نے ان سب جانوروں اور درندوں کو بھگا دیا۔اور آدم علیہ السلام یوں وہاں سے بچ گئے۔

وَلَمَّا جَآءَ عِيسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ

اور جب لائے عیسیٰ واضح دلائل فرمایا تحقیق میں لایا تمہارے پاس حکمت تاکہ واضح کردوں ۔

لَكُمْ بَعْضَ الَّذِىْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۶۳﴾

تمہیں بعض وہ باتیں کہ اختلاف کرتے ہو جن میں۔ تو تم ڈرواللہ سے اور میرا حکم مانو ۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾

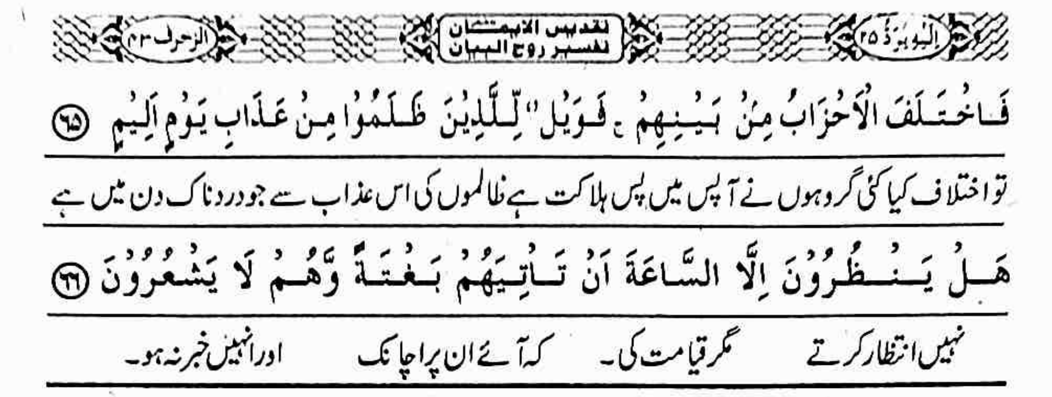
بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے۔ اسی کو پوجو یہ راہ ہے سیدھی۔

(بقیہ آیت نمبر ۶۲) **کتے کی پیدائش:** جب آدم علیہ السلام کا پتلا تیار ہوگیا۔فرشتے دیکھ کر خوش ہوئے۔مگر شیطان جلا ہوا تھا۔اس نے تھوک دیا۔تھوک ناف والی جگہ پر جاپڑی۔ جبریل امین نے اللہ کے حکم سے اس تھوک کو وہاں سے نکالا اور اس کا کتا بنادیا۔اسی لئے وہ انسانوں سے محبت رکھتا ہے(اس میں زہر اس لئے ہے کہ تھوک شیطان کا ملا ہوا ہے اور راتوں کو جاگتا اس لئے ہے کہ ہاتھ جبریل کے لگے ہوئے ہیں۔انسانوں کے ساتھ اس لئے رہتا ہے۔کہ مٹی آدم سے بنا ہے۔)

(آیت نمبر ۶۳) اور جناب عیسیٰ علیہ السلام واضح دلائل لے کر آئے۔یعنی معجزات یا انجیل کی آیات یا احکام شریعت تو فرمایا کہ میں تمہارے پاس حکمت (شریعت) لے کر آیا تاکہ تم اس پر عمل کرو۔اور میں چاہتا ہوں کہ میں واضح کروں بعض وہ چیزیں جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔یعنی دینی امور کو واضح کروں گا۔

فائدہ: انبیاء کرام علیہم السلام صرف دینی امور بیان کرنے کیلئے تشریف لاتے ہیں۔دنیوی امور کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیوی معاملات تم بہتر جانتے ہو۔وہ تم اپنے تجربے کے مطابق کرتے رہو۔آگے فرمایا پس اللہ سے ڈرو۔یعنی میری مخالفت نہ کرو۔اور جو کچھ میں تمہیں کہتا ہوں اس میں تم میری اطاعت کرو کیونکہ میری اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

(آیت نمبر ۶۴) بے شک اللہ تعالیٰ ہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔لہذا اسے ایک ہی جانو اور اس کی ہی عبادت کرو۔**فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی بھی تبلیغ فرمائی اس کا خلاصہ توحید اور احکام خداوندی کی پابندی ہے۔اسی کے متعلق فرمایا کہ یہی سیدھی راہ ہے کہ جس پر چلنے والا کبھی بہک نہیں سکتا۔



فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ أَلِيمٍ ﴿٦٥﴾

تو اختلاف کیا کئی گروہوں نے آپس میں پس ہلاکت ہے ظالموں کی اس عذاب سے جو دردناک دن میں ہے

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٦٦﴾

نہیں انتظار کرتے مگر قیامت کی۔ کہ آئے ان پر اچانک اور انہیں خبر نہ ہو۔

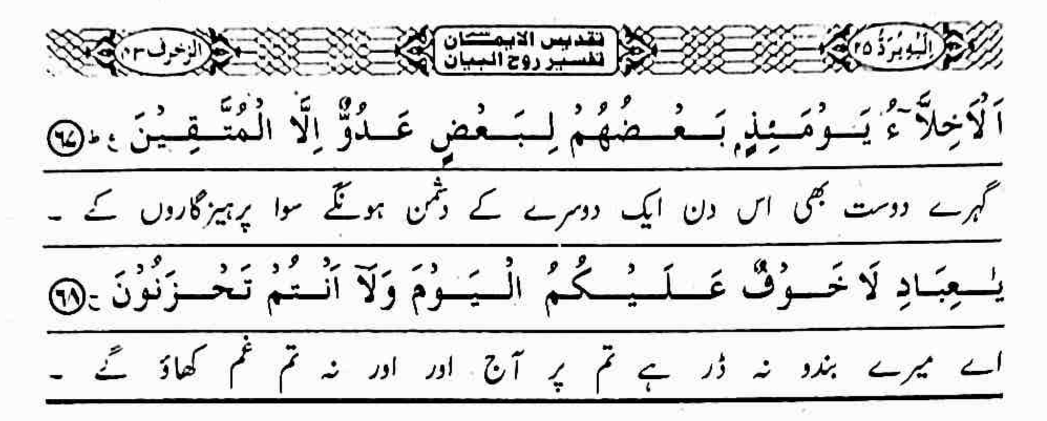
(بقیہ آیت نمبر ۶۴) **فائدہ:** نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ عبدیت میں میں تمہارے ساتھ ہوں۔ البتہ ربوبیت میں وہ اکیلا ہے۔ بس یہی سیدھی راہ ہے۔ اسی راہ پر چلتے رہو۔ (یاد رہے۔ حضور ﷺ عبد کامل ہیں۔ اور ہم عبد ناقص ہیں۔

(آیت نمبر ۶۵) بہت سے گروہوں نے اختلاف کیا۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر چلے جانے کے بعد بہت اختلافات ہوئے۔ ان کی موجودگی میں سب متفق ہی تھے۔ ان کے آسمانوں پر چلے جانے کے بعد یہود و نصاریٰ نے آپس میں اختلاف کیا کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کئی گروہوں میں منقسم ہوگئے۔ یہودی ملعون کہنے لگے کہ عیسیٰ علیہ السلام مریم سے ناجائز پیدا ہوئے۔ (معاذ اللہ) اور عیسائیوں نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنا شروع کردیا۔ **فائدہ:** نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عیسائی خود بھی کئی گروہ بن گئے۔ کوئی انہیں ابن اللہ کہتے کوئی رسول اور کوئی معبود کہنے لگے اور کوئی ان کی نبوت کے منکر ہوگئے۔ آگے فرمایا تو پھر ہلاکت ہے ان کے گروہ بنانے والوں کیلئے کہ ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔ یعنی قیامت کے دن انہیں سب سے بڑا دردناک عذاب ہوگا۔

(آیت نمبر ۶۶) لوگ نہیں انتظار کر رہے مگر قیامت کا۔ جس کا ان کے پاس آنا ایک لازمی امر ہے لیکن وہ بالکل اچانک آئے گی کہ انہیں اس کے آنے کا وہم وگمان بھی نہ ہوگا۔ یعنی لوگ دنیوی معاملات میں اتنے مشغول ہوں گے کہ وہ اس سے بالکل غافل ہوں گے۔ اسی لئے آگے فرمایا اور انہیں اس کے آنے کا شعور بھی نہیں ہوگا۔

سبق: عقل مند انسان کو چاہئے کہ وہ ہر گناہ سے دور رہے اور جو جرم ہوا۔ اس سے توبہ تائب کرے اس سے پہلے کہ وہ دردناک عذاب والا دن آجائے۔

قیامت تین ہیں: (۱) قیامت صغریٰ: ہر شخص یا ہر چیز کی موت۔ (۲) قیامت وسطیٰ: قرب قیامت اور علامات قیامت۔ (۳) قیامت کبریٰ: سب مخلوق کا دوبارہ زندہ ہونا حساب وکتاب کیلئے۔



(بقیہ آیت نمبر ٦٦) **فائدہ**: حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ لوگوں پر ایسا وقت آئیگا کہ اسلام کا نام رہ جائیگا اور قرآن کی رسم رہ جائیگی۔ مسجدیں تو آباد ہوں گی مگر ذکر سے خالی ہوں گی۔ فتنہ علماء سے شروع ہوگا اور ان پر ہی ختم ہوگا۔ (وہ دور غالباً شروع ہو چکا ہے۔ کہ علماء کے اختلافات بڑھتے ہی جارہے ہیں۔)

(آیت نمبر ٦٧) تمام دوستیاں اس دن دشمنی میں بدل جائیں گی۔ یعنی ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے۔ اوران میں دنیا والا محبت اور پیار کا رشتہ ختم ہوکر دشمنی میں بدل جائے گا۔ مگر متقی لوگوں کی آپس میں دوستی قائم رہے گی۔ چونکہ ان کی دوستی اور محبت رضاء الٰہی کیلئے تھی۔ رضائے الٰہی والی دوستی جنت تک قائم رہے گی۔ بلکہ ان کی مودّت ومحبت میں اور بھی اضافہ ہوجائے گا۔ **فائدہ**: کاشفی فرماتے ہیں۔ کفار کی دوستی کفرو نافرمانی کی وجہ سے تھی۔ لہٰذا عذاب دیکھتے ہی ایک دوسرے کے دشمن ہوجائیں گے۔ بلکہ ایک دوسرے پر لعنت کریں گے اور مومنوں کی دوستی کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی رضا پر ہوگی اور خالص ہوگی۔ اس لئے وہ ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے۔

حدیث شریف: بروز قیامت اللہ تعالیٰ اعلان فرمائے گا۔ کہاں ہیں صرف میرے لئے آپس میں محبت کرنے والے کہ انہیں آج اپنا سایہ عطا کروں جس کے سوا کوئی سایہ نہیں۔ (بخاری)۔ **حدیث** نمبر ۲: میں فرمایا۔ انہیں نور کے منبروں پر بٹھایا جائیگا جنہیں دیکھ کر انبیاء وشہداء بھی رشک کریں گے۔ (ترمذی)

سبق: اس کے ساتھ دوستی کرو جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو۔ تا کہ آخرت میں وہ دوستی کام آئے۔

(آیت نمبر ٦٨) اللہ تعالیٰ فرمائیگا۔ اے میرے بندو۔ آج سے تمہیں کوئی بھی تکلیف اور پریشانی نہیں ہوگی۔ نہ تمہیں مقاصد پورے نہ ہونے کا کوئی غم وملال ہوگا۔ جیسے ان لوگوں کو ہوگا جو پرہیز گار نہیں ہیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے خاص بندوں کو ہر طرح کی سلامتی اور امن کی خوش خبری سنائے گا دوسرے مقام پر فرمایا کہ ان کے لئے دنیا وآخرت میں بشارت ہے۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿٦٩﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ

وہ بندے جو ایمان لائے ہماری آیتوں پر اور تھے مسلمان۔ داخل ہو جنت میں تم اور تمہاری بیبیاں

تُحْبَرُوْنَ ﴿٧٠﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ

تمہاری خاطر داری ہوگی پھرائے جائیں گے ان پر پیالے سونے کے دور جام کے۔ اور اس میں وہ ہے جو چاہیں گے

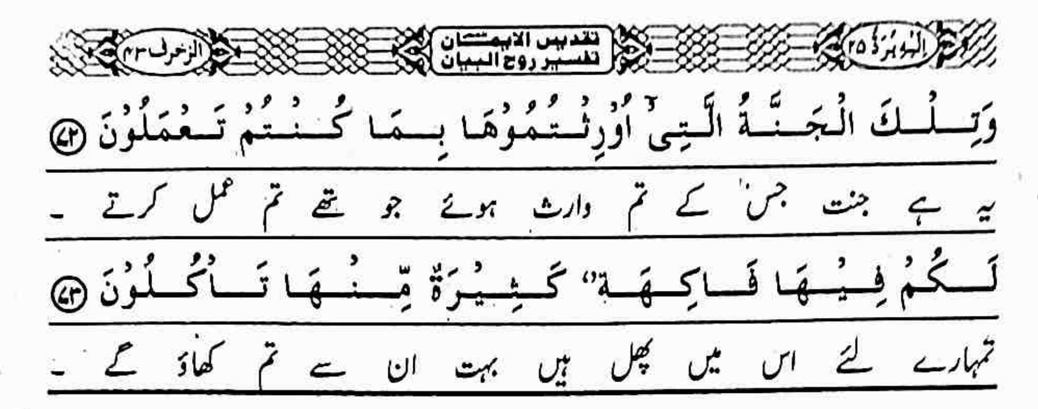
الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٧١﴾

دل ۔ اور لذت آنکھوں کی ۔ اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔

(آیت نمبر ۶۹) وہ لوگ جو ہماری آیات پر ایمان لائے۔ اس حال میں کہ وہ مسلمان تھے۔ یعنی جنہوں نے پورے اخلاص کے ساتھ ایمان کو قبول کیا اور ہماری طرف رجوع کرنے والے تھے۔ ان پر قیامت کے دن غم اور گھبراہٹ نہیں ہوگی۔ **فائدہ**: حضرت مقاتل فرماتے ہیں۔ بروز قیامت جب اللہ تعالیٰ سب کو اٹھائے گا تو سب لوگ گھبرائے ہوئے ہوں گے۔ اس وقت ایک آواز آئے گی۔ اے اللہ کے بندو۔ یہ سن کر سب لوگ سر اوپر اٹھائیں گے۔ پھر آواز آئے گی جو ایمان والے ہیں۔ دوسری آواز سے سب باطل دین والوں کے سر جھک جائیں گے۔

(آیت نمبر ۷۰) اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو فرمائے گا۔ جنت میں داخل ہو جاؤ تم بھی اور تمہاری ایمان والی بیویاں بھی ایسی خوشی خوشی کہ جس کا اثر تمہارے چہروں سے نمایاں ہو۔ **حدیث شریف**: روایت میں ہے کہ جہنم سے ایک شخص کو نکالا جائے گا۔ جس کے چہرے کی رونق اور حسن ختم ہو چکا ہوگا۔ (پھر اللہ تعالیٰ اسے چہرے کی رونق عطا فرما کر جنت میں داخل فرمائے گا۔) (بخاری کتاب التوحید)

(آیت نمبر ۷۱) پھریں گے ان کے سامنے جنت کے غلمان جو خدمت کیلئے مامور ہوں گے۔ وہ سونے کے پیالے ہاتھوں میں لیکر گھوم رہے ہوں گے۔ بعض نے کہا وہ پیالے جن میں طعام ڈالا جائے اور سونے کے کوزے لیکر ان میں مختلف قسم کے پینے کی اشیاء ہونگی۔ **فائدہ**: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ ہر جنتی کے آگے ہزاروں طرح کی اشیاء کھانے اور پینے کی رکھی ہوں گی۔ اور جنتی ان اشیاء کو خوب مزے لے لے کر کھائیں گے۔ ہر جنتی دنیا کے چالیس چالیس آدمیوں کے برابر کھا جائیں گے۔



(بقیہ آیت نمبر ۷۱) آگے فرمایا۔ وہ بھی لذت بھری اشیاء ہونگی جوان کے نفس چاہیں گے۔ یعنی انسان کے جی میں جو آئے گا۔ وہ سامنے حاضر ہوگا۔ ان میں شراب بھی ہوگا۔ مگر شراب طہور۔ اور مزید وہ اشیاء بھی ہوں گی جن سے آنکھیں لذت محسوس کریں گے۔ **فائدہ**: سعدی مفتی نے فرمایا۔ فرشتوں اور غلمان کو دیکھنے سے اتنی لذت حاصل ہوگی۔ (تو اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنے سے کتنی بڑی لذت ملے گی۔)

آگے فرمایا۔ تم ہمیشہ ہمیشہ اس جنت میں رہو گے جہاں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا اور جب اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا تو پھر جنتی جنت کی سب نعمتوں کو بھول جائیں گے اور یہی آرزو ہوگی کہ: (خدایا ایں کرم بار دگر کن)۔

(آیت نمبر ۷۲) یہ وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنائے گئے ہو۔ بہ سبب اس کے جو دنیا میں تم نیک عمل کرتے تھے۔ جنت میں داخلہ محض فضل الٰہی سے اور اس کی نعمتیں اعمال صالحہ کی وجہ سے ملیں گی۔

وراثت اس لئے کہ جیسے وارث ایسا مالک بن جاتا ہے کہ کوئی اس سے چھین نہیں سکتا۔ اسی طرح وہ اس جگہ کا مالک بن جائیگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ہر مومن و کافر کیلئے ایک ایک سیٹ جنت و دوزخ میں ہوگی۔ پھر مسلمان کا دوزخ والا ٹھکانہ کافر کو اور اس کافر کا جنت والا ٹھکانہ مومن کو ہمیشہ کیلئے دے دیا جائے گا۔ (ذالك فضل الله يوتيه من يشاء)۔

(آیت نمبر ۷۳) تمہارے لئے جنت میں کھانے پینے کی اشیاء کے علاوہ بے حساب قسم کے میوہ جات پھل فروٹ ہونگے۔ فواکہ ان پھلوں کو کہا جاتا ہے۔ جن کو انسان بہت زیادہ پسند کرتا ہے۔ اس کے نزدیک جو لذیذ ترین اور بہت ہی طبع کے موافق اور بدن کیلئے مناسب ہو۔ آگے فرمایا ان پھلوں میں سے جو پسند ہوں گے انہیں کھاؤ گے۔

فائدہ: یہ بشارت کامل ایمان والوں کیلئے ہے۔ ناقص ایمان والوں کے منافی اعمال کی وجہ سے اور ایمان کمال کو نہ پہنچ سکنے کی وجہ سے وہ درجہ اور مقام نہیں ملے گا۔ اسی لئے بشارت متقین کو سنائی گئی۔

اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ

بے شک مجرم لوگ عذاب جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ نہیں کمی ہوگی ان سے اور وہ

فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۷۶﴾ وَنَادَوْا

اس میں آس ٹوٹے رہیں گے۔ اور نہیں ظلم کیا ہم نے ان پر لیکن تھے وہ خود ہی ظالم۔ اور پکاریں گے

یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾

اے مالک خاتمہ ہی کردے ہمارا۔ تیرا رب تو کہے گا بے شک تمہیں ٹھہرنا ہے

(آیت نمبر ۷۴) بے شک مجرم لوگ یعنی کفار و مشرکین جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے کہ وہ کبھی بھی عذاب سے نہیں نکل سکیں گے۔ البتہ ایمان والے جو اپنے فسق و فجور کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔ ان سے عذاب کسی وقت منقطع ہو جائیگا۔ اور وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کیلئے کچھ وقت جہنم میں جائیں گے۔ پھر وہ کسی کی سفارش سے یا سزا پوری کر کے آخر کار جنت میں ضرور جائیں گے (ہاں اگر اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم سے بخش دے تو یہ خصوصی کرم پر کرم ہوگا۔)۔

(آیت نمبر ۷۵) نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی نہ معافی ملے گی اور وہ اس جہنم میں آس ٹوٹے ہوئے۔ یعنی ناامید ہو جائیں گے کہ جب نجات یا راحت کا انہیں کوئی راستہ نظر نہیں آئیگا۔ تمام عذر بہانے ختم ہو جائیں گے۔

فائدہ: علماء نے لکھا ہے کہ بعض بڑے کفار کو جہنم میں آگ کے صندوقوں میں بند کر کے عذاب دیا جائیگا۔

(آیت نمبر ۷۶) اور ہم نے انہیں دوزخ میں ڈال کر ظلم نہیں کیا۔ لیکن وہ خود ہی ظالم تھے کہ دنیا میں کفر اور نافرمانیاں کر کے اپنے آپ کو وہ دوزخ کا مستحق بناتے رہے۔ (اللہ تعالیٰ نے تو دنیا میں انبیاء اور کتابیں بھیج کر انہیں دوزخ سے بچنے کی تدبیر بتائی۔ لیکن انہوں نے خود ہی گویا جہنم میں جانے کو پسند کیا۔)

(آیت نمبر ۷۷) کفار جہنم کے داروغہ مالک نامی فرشتے کو آواز دیں گے کہ اے مالک تو ہی اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کر کہ وہ ہمیں موت ہی دے دے۔ تا کہ اس عذاب سے ہماری جان چھوٹے۔ یہ ان کا جہنم میں چیخنا چلانا اور موت کی تمنا کرنا محض شدت عذاب کی وجہ سے ہوگا۔ یوں ہی وہ ہزاروں سال تک پکارتے رہیں گے۔

لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾

تحقیق ہم لائے تمہارے پاس حق۔ لیکن تم میں اکثر حق کو ناپسند کرتے تھے۔

اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾

یا انہوں نے پکا کرلیا کام۔ بے شک ہم بھی کام پکا کرنے والے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۷۷) تاکہ خوب انہیں حزن وملال ہو۔ پھر وہ فرشتہ انہیں فرمائے گا کہ تم ہمیشہ کیلئے اسی عذاب میں رہو گے۔ تمہاری نجات کا کوئی امکان نہیں ہے۔ نہ تم پر موت آئے گی۔ (اس کی وجہ اگلی آیت میں)

(آیت نمبر ۷۸) البتہ تحقیق ہم تمہارے پاس دنیا میں حق لے کر آئے تھے۔ نبی تشریف لائے۔ کتابیں بھیجیں۔ یہ خطاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے زجر وتوبیخ کے ساتھ ہوگا اور ان پر مامور فرشتہ ان کے جواب میں انہیں ہمیشہ عذاب میں رہنے کا سبب بتائے گا۔ کہ جب بھی کوئی نبی حق لے کر آیا تو تم میں سے اکثر حق سے نفرت کرتے تھے۔ اس لئے حق کو تم نے قبول نہیں کیا۔ کیونکہ تمہارے نفس اس کو بوجھ محسوس کرتے تھے اور تم حق سے دور بھاگتے تھے۔

فائدہ: معلوم ہوا حق سے نفرت کرنا کفار کا طریقہ ہے۔ جبکہ حق بات کو قبول کرنا چاہئے۔ خواہ حق بات میٹھی لگے یا کڑوی۔

حکایت: نجم الدین اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ میں ایک بزرگ کے جنازہ سے فارغ ہو کر ایک طرف بیٹھے تو دفن کے بعد ایک صاحب تلقین کیلئے قبر پر کھڑے ہوئے تو نجم الدین زور سے ہنسنے لگے حالانکہ عموماً ان کی اس طرح ہنسنے کی عادت نہیں تھی۔ غلاموں نے وجہ پوچھی تو فرمایا مردہ کہہ رہا ہے کہ عجب بات ہے۔ مردہ زندے کو تلقین کر رہا ہے۔

(آیت نمبر ۷۹) مشرکین مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے مکروفریب کے معاملے کو پکا ہی کرلیا تو ہم بھی اپنی تدابیر کو پختہ اور مضبوط کر رہے ہیں۔ یا یہ معنی ہے کہ وہ تو صرف ظاہری طور پر مکروفریب کرتے ہیں اور ہم نے حقیقی طور پر اپنی تدبیر کو مضبوط کرلیا ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔ کفار اپنی مجلسوں میں مکروفریب کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے مشورے کرتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ ان کی تدابیر سرانجام پائیں۔ بلکہ معاملہ اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر ان پر چل جائے۔ اور وہ نیست ونابود ہو جائیں۔

اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَیْهِمْ یَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾

یا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نہیں سنتے ان کی سرگوشیاں اور ان کے مشورے۔ ہاں ہمارے فرشتے بھی ان کے پاس لکھ رہے ہیں

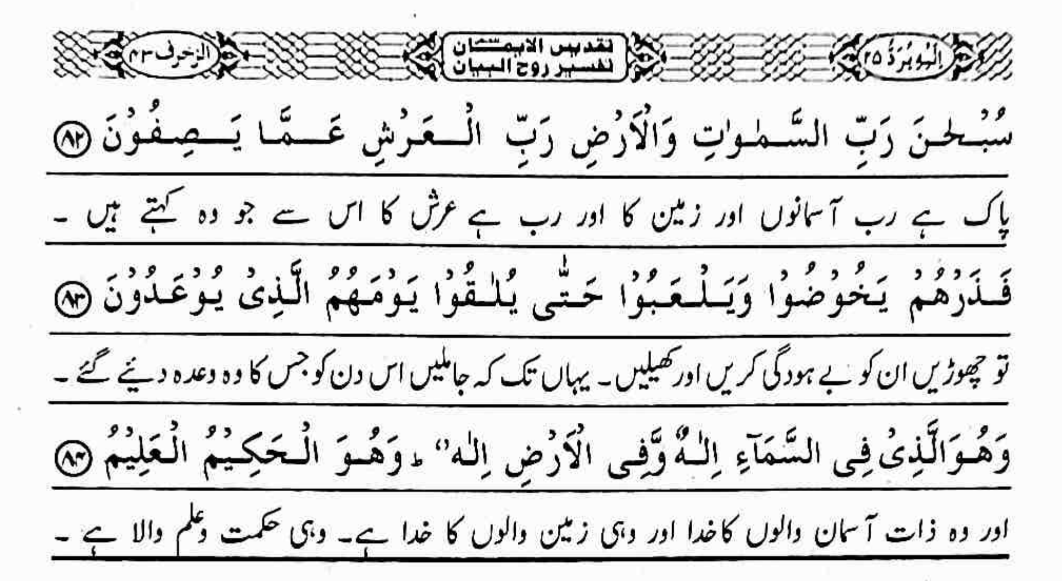
قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ ﴿۸۱﴾

فرمادو اگر ہوتا رحمٰن کا لڑکا۔ تو میں پہلا پوجنے والا ہوتا۔

(آیت نمبر ۸۰) یا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کے چھپے ہوئے مکر وفریب یا ان کے خیالات دیکھ سن نہیں رہے ہیں۔ یا ان کی تکذیب حق کو نہیں جانتے یا جو جو وہ سرگوشیاں کرتے ہیں اور اپنے فخر ومباحات جتاتے ہیں۔ وہ ہمارے علم میں نہیں۔ ہاں ہاں ہم ان کی تمام سرگوشیوں کو سن رہے ہیں اور تمام ان کی کاروائیاں دیکھ رہے ہیں۔ بلکہ وہ جہاں بھی ہوں۔ ہمارے فرشتے محافظ ان کے ساتھ ہوتے ہیں اور ان کے تمام اقوال وافعال اور تمام مکر وفریب کو لکھ رہے ہیں جو قیامت کے دن ان کے سامنے پیش کردیے جائیں گے۔ **نکتہ**: جب کراما کاتبین فرشتوں سے کوئی کام اور بات پوشیدہ نہیں تو عالم الغیب رب سے کیسے کوئی چیز پوشیدہ رہ سکتی ہے۔ **فائدہ**: یہ کفار کی سوچ ہے۔ کہ ہماری خفیہ کارروائی کا کسی کو کوئی علم نہیں مسلمان کی یہ سوچ نہیں ہونی چاہئے۔

(آیت نمبر ۸۱) اے محبوب ان مشرکوں سے فرمادیں۔ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد ہوتی جیسا کہ کفار کہہ رہے ہیں تو میں سب سے پہلا اس کا عبادت گذار ہوتا اور سب سے پہلے میں ہی اس کی تعظیم بجالاتا اس کی فرمانبرداری کرتا۔ اس لئے کہ ان معاملات کو انبیاء کرام علیہم السلام ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ کون سے امور جائز ہیں اور کون سے ناجائز ہیں۔ **عقیدہ**: اللہ تعالیٰ کی اولاد نہ ہونا یہ قطعی عقیدہ ہے۔ یہاں لاوقوع کو وقوع میں لانا کفار کی تبکیت مراد ہے یعنی ان کو خاموش کرنا۔ کہ اولاد سے وہ پاک ہے۔

اول کائنات حضور ﷺ کی ذات ہے: امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نور محمدی کو پیدا فرمایا۔ اور توحید کی سب سے پہلے گواہی اسی نور محمدی ﷺ نے دی اور قلم نے سب سے پہلے لکھا "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ"۔ لہذا محمد رسول اللہ نے سب کچھ مشاہدہ کیا۔ اور جانا۔ کہ نہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد ہے۔ اور نہ ہی کوئی اس کا شریک ہے۔ اگر کوئی اولاد ہوتی۔ تو فرمایا۔ کہ میں سب سے پہلے اس کی پوجا کرتا۔



سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾

پاک ہے رب آسمانوں اور زمین کا اور رب ہے عرش کا اس سے جو وہ کہتے ہیں ۔

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِیْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾

تو چھوڑیں ان کو بے ہودگی کریں اور کھیلیں۔ یہاں تک کہ جاملیں اس دن کو جس کا وہ وعدہ دیئے گئے ۔

وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۴﴾

اور وہ ذات آسمان والوں کا خدا اور وہی زمین والوں کا خدا ہے۔ وہی حکمت وعلم والا ہے ۔

(آیت نمبر۸۲) پاک ہے وہ ذات جورب ہے آسمانوں اور زمین کا۔یعنی زمین وآسمان اوران کے درمیان کی ہر چھوٹی بڑی چیز کا وہ مالک ہے۔ **نکتہ**: سب اشیاء اس کی مملوک ہیں۔کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی جزء نہیں۔ کیونکہ مالک ومملوک میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ وہ ہر قسم کے نقائص سے بالکل پاک اور مقدس ہے اور وہ عرش کا بھی مالک ہے۔لہٰذا جو کچھ مشرک بکتے ہیں وہ اس سے بالکل پاک ہے۔یعنی نہ اس کی اولاد نہ کوئی اس کا شریک ہے۔

فائدہ: بحرالعلوم میں ہے کہ اس پروردگار کی تسبیح کہو جس کے رب ہونے کا تقاضا ہے کہ صرف اسی کی پاکی بیان کی جائے کہ وہ اولاد اور شریکوں سے پاک ہے۔

(آیت نمبر۸۳) اے محبوب آپ انہیں چھوڑ دیں۔ اگر یہ اتنے واضح اور روشن دلائل پر بھی اعتماد نہیں کرتے ۔تو انہیں ان کے باطل اموراور جھوٹے فتور میں چھوڑ دیں۔اسی بے ہودگی میں اور کھیل تماشے میں پڑے رہیں۔ان کے تمام افعال واقوال جہالت اور کھیل تماشے پر مبنی ہیں۔اسی کھیل کود میں رہیں گے۔ یہاں تک اس دن کو جا کر دیکھیں گے۔جس کا انہیں وعدہ دیا گیا ہے۔اس سے مراد قیامت کا دن ہے کیونکہ اس دن کے وہ منکر تھے اور شک کیا کرتے تھے۔

(آیت نمبر۸۴) وہی اللہ تعالیٰ ہے آسمان وزمین کا خدا ہے ۔ وہی عبادت کے لائق ہے ۔اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ آسمانوں میں مقیم ہے یا زمین میں رہتا ہے نہیں بلکہ ہر جگہ وہی خدا ہے جو مستحق عبادت ہے۔یعنی آسمانی مخلوق کا بھی وہی خدا ہے اور زمینی مخلوق کا بھی وہی خدا ہے اور وہی علم وحکمت والا ہے۔یعنی وہ کمال علم وحکمت والا ہے کہ پوری کائنات کو بڑی حکمت سے بنایا اور وہی چلا بھی رہا ہے۔ یہ مرتبہ کسی اور کو حاصل نہیں۔ وہ ازل سے ابد تک کے تمام حالات کو جانتا ہے۔سب کچھ اس کے سامنے ہے کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔

وَتَبٰرَكَ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ

اور بابرکت ہے وہ ذات جس کی بادشاہی آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو ان کے درمیان ہے۔ اور اسی کے پاس

عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ

علم ہے قیامت کا اور اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ اور نہیں مالک وہ جنہیں پوجتے ہیں اس کے سوا

الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ

شفاعت کے مگر وہ جو گواہی دے حق بات کی اور وہ جانتے ہیں۔ اور اگر تو پوچھے ان سے کس نے

خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۙ ﴿۸۷﴾

ان سب کو پیدا کیا تو ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے تو پھر کہاں اوندھے ہو کر جاتے ہیں۔

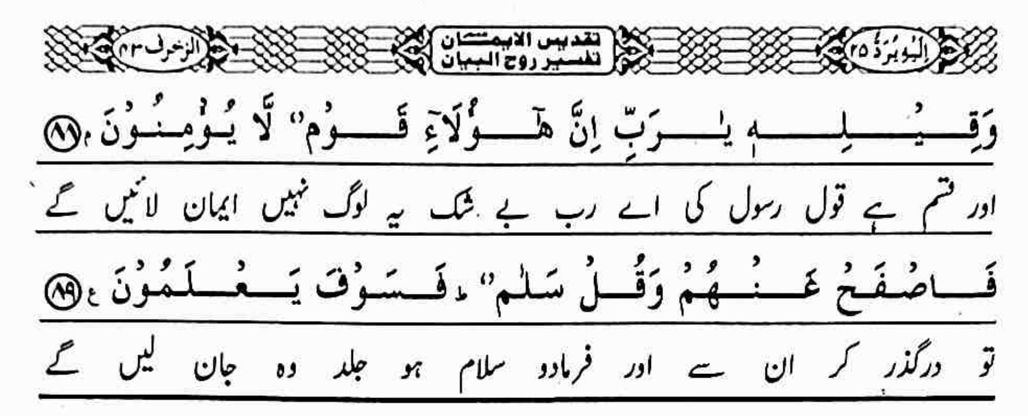
(آیت نمبر ۸۵) برکتوں والی ہے وہ ذات جس کی بادشاہی آسمانوں اور زمین میں ہے اور درمیان کی ہر چیز کا بھی وہی بادشاہ ہے۔ اور اسی کے پاس قیامت کا علم ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا اس ساعت کو کوئی نہیں جانتا اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ یعنی اس کے پاس حاضری کیلئے تیار رہو اور وہی اعمال کی جزا دے گا۔

فائدہ: بزرگ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اختیاراً یا اضطراراً سب لوٹیں گے۔ بد بخت اضطراراً یعنی زبردستی موت کے بعد لوٹائے جائیں گے اور نیک بخت شوق و محبت میں اختیاراً جائیں گے۔

(آیت نمبر ۸۶) اور نہیں قدرت رکھتے وہ شفاعت کرنے کی اللہ کے سوا جن جن کی یہ مشرک پوجا کرتے ہیں۔ یعنی بت اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کرنے پر قادر نہیں۔ جیسا کہ مشرکین کا عقیدہ ہے۔ مگر وہ شفاعت کر سکے گا۔ جو حق کے ساتھ گواہی دے۔ یعنی جو توحید کی گواہی دے۔ جیسے عیسیٰ اور عزیر علیہم السلام یا فرشتے جو توحید کو ماننے والے اور وہ یقین و اخلاص سے جانتے ہیں اور توحید پر گواہی دیتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کی گواہی دیں گے۔

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ وہ اقرار کرتے ہیں کہ بت سفارش کرنے کے اہل نہیں ہیں۔

(آیت نمبر ۸۷) اور اگر تو ان سے پوچھے یعنی بت پرستوں سے سوال کرے کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو ضرور وہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا کیونکہ وہ اس بات کا انکار کر سکتے ہی نہیں۔



(بقیہ آیت نمبر ۸۷) جب وہ اتنی بات مانتے ہیں۔تو یہ معاملہ بالکل واضح ہے کہ انسان معرفت تو رکھتا ہے۔ اور یہی اس کی فطرت ہے۔اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے اسے مکرم بنایا۔یہ تو سب کو معلوم ہے کہ صانع حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔اس بات کا انکار ملحدین دھریوں کے سوا کوئی نہیں کرتا۔تو جب یہ بات مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔پھر یہ مشرک کہاں پھیرے جارہے ہیں۔یعنی وہ کس دلیل کے تحت ان بتوں کو پوج رہے ہیں۔

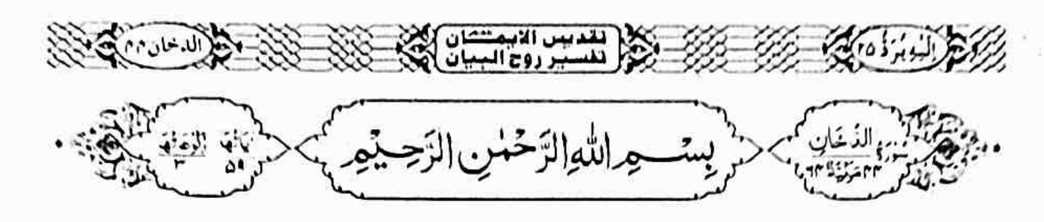
(آیت نمبر ۸۸) اور اس کا قول ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کو قیامت کا علم ہے اور حضور ﷺ کے قول کا بھی علم ہے کہ انہوں نے کہا کہ اے میرے رب بے شک یہ معاندین قریش مکہ کا جو گروہ ہے۔یہ اپنی سرکشی اور تکبر کی بناء پر ایمان نہیں لاتے اور وقیلہ میں واؤ قسمیہ اس لئے لگائی تاکہ حضور ﷺ کی رفعت شان کا اظہار ہو اور آپ کی دعا اور التجاء کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا یہ تفخیم شان کیلئے ہے کہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ ان کے دلوں پر مہر لگ گئی ہے۔اسی لئے جاننے کے باوجود وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

(آیت نمبر ۸۹) اے میرے محبوب ان سے درگذر کر یعنی ان سے منہ پھیر لیں۔ان کے ایمان کی اب امید نہ رکھیں اور انہیں کہیں میرا تمہیں دور سے سلام کیونکہ مجھے تمہارے دین سے بیزاری ہے۔

فائدہ: اس سے شرعی سلام مراد نہیں ہے بلکہ ان سے برات اور بیزاری مطلوب ہے۔جیسے ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو فرمایا۔"سلام علیک"۔آگے فرمایا کہ وہ عنقریب جان جائیں گے۔یعنی عنقریب وہ اپنے کفر کا انجام جان لیں گے۔جب انہیں اس دنیا میں ہی سزا ملے گی۔جیسے بدر میں ان کے ساتھ ہوا۔اصل عذاب آخرت میں ہوگا۔یعنی دوزخ میں جب دھکے دے کر ڈالے جائیں گے۔پھر انہیں سب کچھ معلوم ہو جائیگا۔

فائدہ: اس آیت میں کفار کیلئے وعید اور حضور ﷺ کیلئے تسلی ہے۔

اختتام : سورۃ ۴ جنوری ۲۰۱۷، بمطابق ۵ ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ بروز بدھ قبل از نماز فجر



حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا

قسم ہے کتاب روشن کی ۔ بے شک ہم نے اسے اتارا ایسی رات میں جو برکت والی ہے۔

كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿۳﴾

ہم ہی ہیں ڈرسنانے والے۔

(آیت نمبرا) حم۔ بحق حی القیوم۔ یہ دونوں اسم اسمِ اعظم ہیں۔ یا ح سے مراد وحی اور میم سے مراد محمد ﷺ۔ یا یہ حمد الٰہی سے مخفف ہے۔ (واللہ اعلم)۔ ان کی حقیقی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

(آیت نمبر۲) کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ یعنی وہ قرآن مجید جو حق و باطل میں فرق کو واضح کرنے والا ہے۔ اور اسے کھول کر بیان کرنے والا ہے۔ یعنی ہر ہر بات کو قرآن نے واضح طور پر بیان کر دیا۔

(آیت نمبر۳) بے شک ہم نے اسے نازل کیا ہے۔ ایسی رات میں جو برکتوں والی ہے۔ کیونکہ اس رات میں فرشتے اترتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ دعائیں اس رات میں مقبول ہوتی ہیں۔

اس امت کی بخشش کے اوقات ومقامات جیسے مسجد حرام اور عرفات وغیرہ۔ اسی طرح بخشش کے اوقات جیسے رمضان شریف محرم شریف۔ جمعہ یا ایام حج وغیرہ یہ سب بخشش کے اوقات ہیں۔ جن میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ بلکہ یہ بہانے رب تعالیٰ نے ہماری بخشش کے لئے بنائے ہیں۔

فائدہ: بعض مفسرین فرماتے ہیں اس لیلہ مبارکہ سے مراد شعبان کی پندرہ تاریخ ہے۔ اس کے چار نام ہیں: (۱) لیلہ مبارکہ۔ (۲) لیلۃ الرحمۃ۔ (۳) لیلۃ البرات۔ (۴) لیلۃ الصک۔ اس رات میں خیر و برکت عام ہوتی۔ دعائیں اور عبادتیں قبول ہوتی ہیں۔ آسمانوں اور جنتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ انبیاء و اولیاء اور شہداء کی ارواح اترتی ہیں اور فرشتے بندوں کی عبادات سے خوش ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت بخشش کیلئے پکارتی ہے۔

آگے فرمایا۔ بے شک ہم ہی جہنم کا ڈرسنانے والے ہیں۔

فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ﴿۴﴾ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۵﴾

اس میں بانٹ دیے جاتے ہیں سب کام حکمت والے۔ حکم ہے ہماری طرف سے بے شک ہم ہیں بھیجنے والے

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶﴾

رحمت ہے تیرے رب کی طرف سے۔ بے شک وہی سنتا جانتا ہے۔

(آیت نمبر۴) اس رات میں تمام محکم کام تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔ یعنی لوگوں کی قسمت کے مطابق ان کی روزیاں اور ان کے موت اور زندگی کے اوقات۔ و دیگر تمام امور جو اس سال میں ہونے ہیں۔ وہ سب کام اس رات فرشتوں کو دے دیے جاتے ہیں۔ رزق روزی کی کتاب میکائیل کو اور جنگیں۔ زلزلے وغیرہ کی کتاب جبریل کو اور موت و مصائب کی کتاب عزرائیل علیہ السلام کو دے دی جاتی ہیں۔

حدیث شریف: اس رات میں رحمت و بخشش اتنی عام ہوتی ہے کہ تمام مسلمان بخش دیے جاتے ہیں۔ سوائے چند بدنصیبوں کے: (۱) مشرک۔ (۲) والدین کا نافرمان۔ (۳) جادوگر۔ (۴) کینہ رکھنے والا۔ (۵) دائمی شرابی۔ (۶) زانی وغیرہ۔ (۷) اور وہ شخص جو مسلمان بھائیوں سے بغض وعداوت رکھتا ہے۔ (تفسیر کشاف)

شفاعت کا اذن عام: اس ماہ کی تیرہویں رات کو حضور ﷺ نے امت کی بخشش چاہی تو ایک تہائی حصہ کی اجازت ہوئی۔ پھر چودہویں رات کو پھر دعا مانگی تو دو تہائی امت کی شفاعت کا حق مل گیا۔ پندرویں رات بھی دعا مانگتے رہے۔ یہاں تک کہ پوری امت کی شفاعت کا اذن مل گیا۔ حضور ﷺ یہ مژدہ سن کر از حد خوش ہوئے۔

(آیت نمبر۵) بہ تقاضائے حکمت یہ امر ہماری ہی طرف سے ہے۔ بے شک ہم ہی بھیجنے والے ہیں۔ یعنی تمام رسولوں کو بھی ہم ہی نے بھیجا اور قرآن مجید کو بھی ہم نے ہی اتارا۔ اسی طرح محمد عربی ﷺ کو بھی ہم نے ہی بھیجا۔ شان رحمت للعالمین کے ساتھ اور ہدایت دینے والا بنا کر بھیجا۔ (لیلۃ مبارکہ پندرہویں شعبان کے مزید فضائل و مسائل دیکھنے کیلئے فیوض الرحمٰن کا مطالعہ کریں)۔

(آیت نمبر۶) یہ انبیاء اور کتاب بھیجنے کی غرض و غایت ہے۔ کہ ہم نے اپنے بندوں پر رحمت کرنے کیلئے ان کی طرف انبیاء کرام علیہم السلام اور کتابیں بھیجیں تا کہ وہ ظلمات سے نکل کر ہدایت پر آ جائیں۔ آگے فرمایا بے شک وہی سننے جاننے والا ہے کہ وہ ہر ایک کی ہر بات کو سنتا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔ کوئی بات اور کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے۔

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ ﴿۷﴾ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو ان کے درمیان ہے اگر ہو تم یقین والے۔ نہیں معبود سوا اس کے

یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ؕ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۸﴾ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ یَّلْعَبُوْنَ ﴿۹﴾

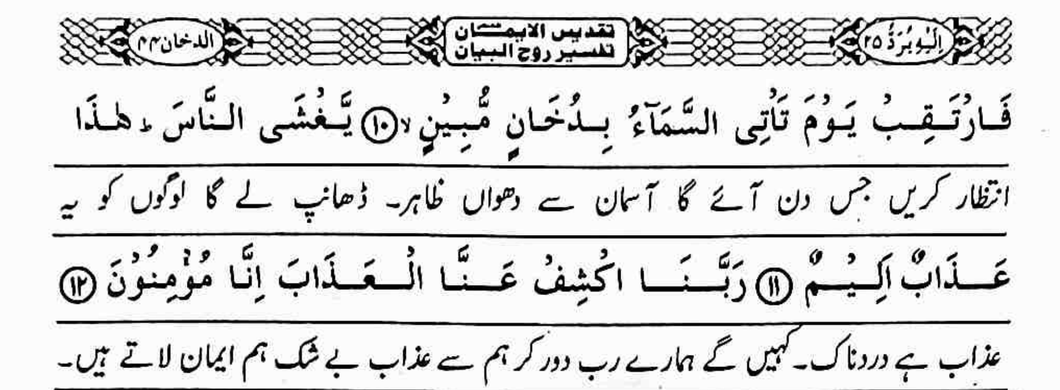
زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ رب ہے تمہارا اور تمہارے باپ دادا پہلوں کا۔ بلکہ وہ شک میں کھیل رہے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر۶) خصوصاً عشاق مخلصین کی آہ و درد کو بھی جانتا ہے۔ اس سے نہ بندوں کے اقوال پوشیدہ ہیں نہ افعال اور احوال اس سے چھپے ہوئے ہیں۔ رب کی صفات یہی ہیں۔ جس میں یہ صفات نہ پائی جائیں وہ رب ہونے کا اہل نہیں ہے۔ **فائدہ:** اس آیت میں لفظ رب کو حضور ﷺ کی طرف مضاف کرنا محض آپ کی شرافت اور بزرگی کے اظہار کیلئے ہے۔

(آیت نمبر۷) وہ جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا بھی رب ہے۔ یعنی وہ جمیع موجودات علوی اور سفلی خواہ کوئی اوپر سے اوپر ہو یا نیچے سے نیچے وہ سب کا پروردگار ہے۔ آگے فرمایا اگر تم یقین کرنے والے ہو۔ تو اس بات پر یقین کرلو۔ کہ اس کائنات کے اندر جو عبادت کے لائق ہے۔ وہ صرف رب کی ذات ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی رب ہے نہ معبود نہ الٰہ۔ نہ کسی طرح کی پوجا کے لائق کوئی ہے۔

(آیت نمبر۸) اس کے ''الٰہ'' ہونے کی دلیل یہ ہے۔ کہ وہی زندہ کرتا اور وہی مارتا ہے۔ یعنی زندگی اور موت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس چیز میں چاہے حیات ڈال دے (جیسے ابوجہل کی مٹھی میں کنکریاں تھیں ان میں جان ڈال کر ان سے کلمہ پڑھوا لیا)۔ آگے فرمایا وہ تمہارا بھی رب ہے یعنی خالق و رازق ہے۔ تم سے پہلے تمہارے آباء و اجداد کا بھی رب ہے۔ آدم علیہ السلام تک کا رب وہی ہے۔ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ ہمارے بابا آدم سے پہلے ہزاروں آدم گذرے۔ ابن عربی تو فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں۔ ان سے پہلے ایک لاکھ آدم گذرا ہے۔ (حقیقت حال تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے جو کچھ ہمیں نظر آتا ہے۔ یا نظر نہیں آتا۔ وہ سب اللہ تعالیٰ نے بنایا)۔

(آیت نمبر۹) بلکہ وہ شک میں ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی مذکورہ شانوں کے بارے میں اگرچہ وہ اقرار کرتے ہیں کہ وہی آسمانوں زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام اشیاء کا رب ہے۔ لیکن یہ بات وہ پختہ یقین سے نہیں کہتے بلکہ وہ شک کی بناء پر کہتے ہیں اور وہ اسی لہو و لعب میں زندگی گذار رہے ہیں کیونکہ ان کی ہر بات لہو و لعب سے بھرپور ہے اور وہ دنیوی مشاغل میں ہمہ وقت مشغول رہتے ہیں۔ (انہیں نہ رب کی پہچان نہ آخرت کا دھیان)



فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ﴿۱۰﴾ يَغْشَى النَّاسَ ۖ هَٰذَا

انتظار کریں جس دن آئے گا آسمان سے دھواں ظاہر۔ ڈھانپ لے گا لوگوں کو یہ

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۱﴾ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ﴿۱۲﴾

عذاب ہے دردناک۔ کہیں گے ہمارے رب دور کر ہم سے عذاب بے شک ہم ایمان لاتے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر۹) **فائدہ:** غفلت انسان کو شک کی طرف لے جاتی ہے اور شک والا آدمی حق وصواب سے دور نکل جاتا ہے۔ اویس قرنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جن دلوں میں شک کی ملاوٹ ہو ان پر افسوس ہی ہے۔

(آیت نمبر۱۰) اے محبوب ان کفار مکہ کیلئے انتظار کریں۔ جس دن آسمان سے کھل مکھلا دھواں آئے گا۔ وہ وہ دن ہے کہ جس دن میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ مراد یہ ہے کہ اس دن کا انتظار کریں۔ جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا ہے۔ یا دھواں کنایہ ہے۔ غلبہ بھوک سے۔ یعنی وہ شدت کے ایام اور بھوک کا انتظار کریں کہ جب انہیں سخت بھوک اور ضعف کی وجہ سے ان قحط کے ایام میں آسمان تک دھواں ہی نظر آئے گا اور کچھ بھی نظر نہیں آئے گا۔ گویا قحط سالی کو کہا گیا۔ (سَنَةُ الغُبَار)۔ یعنی بھوک کی وجہ سے آنکھوں پر دھواں چھا جائے گا۔

(آیت نمبر۱۱) لوگوں کو دھواں ڈھانپ لے گا۔ یعنی چاروں طرف سے گھیر لے گا تو وہ کہیں گے یہ دردناک عذاب ہے۔

قریش قحط کی زد میں: قریش کی ایذاء رسانیاں جب حد سے بڑھ گئیں تو نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کی کہ یا اللہ ان پر سختی فرما تو اس قدر ان پر قحط سالی ہوئی کہ انہوں نے مردار اور چمڑے، بلکہ گوبر تک سب کچھ کھالیا۔ بھوک کی وجہ سے آسمان پر دھواں ہی دھواں دیکھتے تھے۔ جب بولنا چاہتے تو بول بھی نہیں سکتے تھے۔

قریش کی عاجزی اور زاری: (آیت نمبر۱۲) قحط سالی سے تنگ آ کر ابوسفیان اور دیگر چند قریش کے لوگ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں آئے اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر کہا کہ آپ ہمارے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ یہ عذاب ٹال دے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ کیا تم ایمان لے آؤ گے تو انہوں نے وعدہ کیا کہ عذاب ہٹ جانے کے بعد ہم ایمان لے آئیں گے۔

اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ

کیسے ہے ان کا نصیحت ماننا حالانکہ تحقیق آئے ان کے پاس رسول صاف بیان والے پھر روگرداں ہوگر اس سے

وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿۱۵﴾

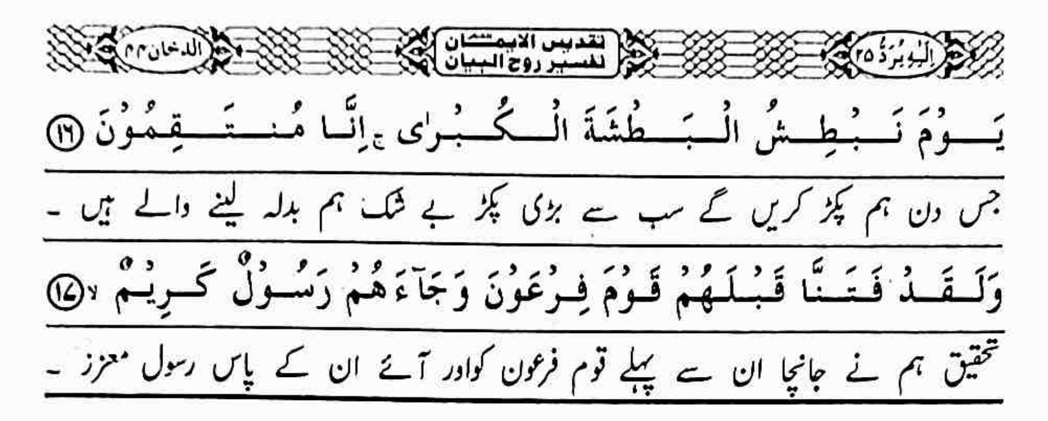
بولے یہ سکھایا ہوا دیوانہ ہے۔ بے شک ہم ہٹائیں عذاب کچھ تو تم لوٹ کر وہی کروگے۔

(آیت نمبر ۱۳) کہاں گیا ان کا وعدہ۔ یعنی انہوں نے جو وعدہ کیا تھا ایمان لانے کا۔ وہ انہوں نے دھوکا کیا۔ لوگ اب کہاں نصیحت قبول کریں گے۔ جو ایمان لانے کا وعدہ کر کے پھر گئے کہ ہم عذاب اٹھنے کے بعد ایمان لے آئیں گے۔ حالانکہ تحقیق ان کے پاس تو رسول مبین تشریف لائے ہیں۔ ایسی آیات ظاہرہ اور معجزات قاہرہ کے ساتھ جس نے ان کیلئے حق کا راستہ بھی واضح کیا اور انہوں نے نصیحت پذیری کے کئی اسباب دیکھے اور ایسے ان کے پاس موجبات تھے۔ اگر وہ چاہتے تو ضرور ہدایت حاصل کر سکتے تھے۔

(آیت نمبر ۱۴) وعدہ کے بعد وہ پھر گئے۔ یعنی اس وعدے سے روگردانی کی۔ حالانکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑے بڑے امور دیکھے جن کی وجہ سے وہ اطاعت کرنے پر آجاتے۔ (مثلاً ابھی ابھی حضور ﷺ دعا اگر نہ فرماتے تو وہ قحط سے مر جاتے۔ قحط انہیں مجبور کر رہا تھا) لیکن انہوں نے نہ صرف فرعونیوں کی طرح وعدہ خلافی کی بلکہ کہنے لگے۔ یہ تو کوئی سکھایا ہوا دیوانہ ہے۔ (معاذ اللہ) کبھی کہتے کوئی عجمی شخص ابوفکیہہ یا جبر یا یسار نامی آکر اسے پڑھا جاتا ہے جس قوم کا یہ حال ہو۔ ان سے کیسے امید کی جا سکتی ہے کہ وہ کوئی نصیحت قبول کریں گے۔ (فرعونیوں پر نو قسم کے عذاب آئے۔ ہر عذاب کے وقت موسیٰ علیہ السلام سے یہی کہتے کہ اب اگر تم نے رب تعالیٰ سے کہہ کر عذاب ٹال دیا تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ لیکن جب عذاب ٹل جاتا۔ تو اپنے قول سے پھر جاتے)۔

(آیت نمبر ۱۵) ہم اپنے نبی کی دعا سے عذاب تو کچھ دیر کیلئے ہٹالیں گے۔ لیکن تم پھر لوٹ کر وہی کام کروگے۔ یعنی یہ تمہارا اندرونی خبث ایسا ہے کہ تم اپنے کفر و شرک کو دل سے چھوڑنے والے نہیں ہو۔

فائدہ: جب تم سے تھوڑا عذاب ہٹ گیا تو تم کفر کی طرف لوٹ آئے اور اگر بالکل عذاب ختم کیا جائے تو پھر تمہاری سرکشی کا کیا حال ہو۔ **فائدہ**: یاد رکھو اگر تم اپنے کفر و شرک کی طرف لوٹ آئے تو پھر ہم بھی تمہیں اس سے بڑا عذاب دینے کی طرف پلٹ آئیں گے۔ اور کئی گنا سخت عذاب نازل کر دیں گے۔



(آیت نمبر ۱۶) وہ دن بھی یاد رکھو۔ جس دن ہم بڑی سخت گرفت کرنے والے ہیں۔ یعنی بروز قیامت سخت جھٹکے سے ہم پکڑ کر بدلہ لیں گے اور سخت عذاب میں مبتلا کریں گے۔ کیونکہ وہ دن ہی ایسا ہے کہ ہم اس دن میں تمام ظالموں، مشرکوں، کافروں سے بدلہ لینے والے ہیں۔

فائدہ: اس لئے کہ دنیا میں ان پر تھوڑی تھوڑی پکڑ آئی بھوک اور دھواں بھیجا۔ پھر بدر میں قتل اور قید میں گرفتار ہوئے۔ جو کم درجہ کے عذاب تھے۔ لیکن وہ اس سے نکلتے ہی پھر اپنے کفر و شرک پر لوٹ آئے۔

حدیث میں ہے۔ قیامت کی علامات میں پہلی علامت دھواں ہے جو شام سے نکلے گا۔ (رواہ ابن جریر) بعض مفسرین فرماتے ہیں۔ وہ دھواں آسمان سے آ کر کافروں کے کانوں میں داخل ہوگا۔ تو کافروں کے سر ایسے معلوم ہوں گے کہ کسی آگ کی بھٹی سے ابھی نکلے ہیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ وہ دھواں مشرق و مغرب کو بھر دے گا۔ وہ چالیس دن تک رہے گا۔ مومن کو زکام سا محسوس ہوگا۔ مگر کافر کے منہ ناک اور دبر سے آگ نکلے گی۔

(آیت نمبر ۱۷) اور بے شک ہم نے ان کفار مکہ سے پہلے بھی لوگوں کو آزمایا۔ یعنی قوم فرعون قبطیوں کی طرف موسیٰ علیہ السلام کو بھیج کر آزمایا تاکہ وہ ایمان لے آئیں تو انہوں نے کفر کو پسند کر لیا مگر وہ ایمان نہ لائے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہم نے انہیں مہلت دی اور مال و دولت دے کر فتنہ میں ڈالا۔ یہ فتنہ انکار اور نافرمانی کا تھا اور ان کے پاس بڑے مکرم و معظم اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ **فائدہ:** یاد رہے ہر نبی اپنے زمانہ کے لوگوں میں حسب و نسب کے لحاظ سے مکرم اور برگزیدہ ہوتا ہے اور وہ اپنے اندر محمودہ خصلتیں رکھتا ہے۔ قبطیوں کی قوم کو غرق کیا تاکہ محبوب کی امت کے لوگ ان کے حالات سن کر اس سے عبرت حاصل کریں۔ نافرمانیوں اور گناہوں پر اصرار نہ کریں۔ انہیں یہ معلوم ہو کہ فرعونی اگر کفر و شرک نہ کرتے تو غرق نہ ہوتے۔ تو یہ ہدایت پر آئیں اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت پر لبیک کہیں اور مسلمان ہو جائیں اور آپ جو احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے۔ ان پر عمل کریں تاکہ مصائب و آلام کا شکار نہ ہوں۔ اور آخرت کے عذاب سے بھی بچ جائیں۔

اَنْ اَدُّوْۤا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۙ﴿۱۸﴾ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا

کہ سپرد کر میرے بندے خدا کے۔ بے شک میں تمہارا رسول ہوں امانتدار۔ اور یہ کہ نہ سرکشی کرد

عَلَی اللّٰهِ ۚ اِنِّیْۤ اٰتِیْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۚ﴿۱۹﴾ وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ

اللہ کے مقابل۔ میں لایا تمہاری پاس دلیل واضح۔ بے شک پناہ مانگتا ہوں اپنے اور تمہارے رب کی

اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾

کہ تم مجھے سنگسار کرو۔

(آیت نمبر ۱۸) موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں سے مطالبہ کیا کہ اللہ کے بندوں (بنی اسرائیل) کو میرے حوالے کردو۔ تاکہ میں انہیں ان کے آباءواجداد کے وطن ملک شام میں لے جاؤں اور انہیں غلام نہ سمجھو نہ انہیں عذاب دو۔

بنی اسرائیل مصر میں: چونکہ یوسف علیہ السلام نے مصر میں پورے خاندان جو بیاسی افراد پر مشتمل تھا۔ والدین سمیت سب کو بلا لیا تھا۔ (کافی عرصہ خوش حالی میں گذارا لیکن آگے ان کی اولاد میں بگاڑ پیدا ہوگیا) تو فرعون ان پر مسلط ہوگیا اور اس نے بنی اسرائیل کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو ان کی عذاب سے جان چھوٹی۔ اور فرعونیوں کے ظلم وستم سے بچے۔

(آیت نمبر ۱۹) تو موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں کو سمجھایا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سامنے تکبر نہ کرو۔ نہ اس کے رسول کو گھٹیا سمجھو۔ نہ اس کے بندوں کو حقیر جانو۔ بے شک میں تمہارے پاس واضح اور روشن دلیل لے کر آیا ہوں۔ جس کا تم کبھی انکار نہیں کرسکتے۔ یعنی میں تمہارے پاس ایسے معجزات لے کر آیا ہوں۔ جو میری نبوت ورسالت کی صداقت پر واضح دلیل ہیں۔ **نکتہ:** "اَدُّوْ" کے بعد کہا میں تمہارے لئے رسول امین ہوں اور سلطان کے بعد مبین لاکر کلام بلیغ کو ظاہر فرمایا۔

(آیت نمبر ۲۰) بے شک میں پناہ مانگتا ہوں اس رب سے جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ یعنی میں اپنے اور تمہارے رب پر بھروسہ کرتا ہوں کہ جو تم نے مجھے سنگسار کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ وہی مجھے تمہارے شر سے بچائے گا کہ تم مجھے پتھر مارو۔ یا گالیاں بکواس کرو یا مجھے جادوگر وغیرہ کہو۔

فائدہ: چونکہ جب جناب موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سرکشی سے منع کیا تو فرعون نے قتل کرنے کی دھمکی دی۔

وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور اگر تم نہیں یقین کرتے مجھ پر تو مجھ سے دور ہو جاؤ۔ پھر دعا کی اپنے رب سے بے شک یہ ہے قوم مجرموں کی۔

فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾

لے چلیں میرے بندوں کو رات کے وقت ضرور تمہارا پیچھا کیا جائیگا۔

(آیت نمبر ۲۱) اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔ تو پھر مجھ سے دور ہو جاؤ۔

فائدہ: ایمان کے بعد لام متعدی آ جائے تو معنی یقین وقبول ہوتا ہے۔ اگر باء سے متعدی ہو تو معنی اعتراف کرنا ہوتا ہے۔ مومن کو اس لئے مومن کہتے ہیں کہ وہ تکذیب اور مخالفت اس کی نہیں کریگا جس پر ایمان لایا۔ یعنی اگر تم اپنے عقل کے پیش نظر تکبر کرو اور میری بات نہ مانو تو مجھ سے دور ہو جاؤ۔ اس دوری میں نہ میرا نقصان نہ نفع اور یاد رکھو تم مجھے نہ ضرر پہنچا سکتے ہو۔ نہ شر۔ نہ ہاتھ سے نہ زبان سے۔ اس لئے کہ میرا رب میرے ساتھ ہے۔ اور وہی میرا مددگار ہے۔ **سبق:** انسان پر لازم ہے۔ حق سے وابستہ رہے اور باطل سے دور رہے۔

(آیت نمبر ۲۲) تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا اس کے بعد کہ جب قبطیوں نے جھٹلا دیا کہ بے شک یہ قبطی قوم مجرم ہے۔ یعنی وہ اپنے کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں اور اپنی خواہشات نفسانیہ کی پیروی کرتے ہیں۔ اے اللہ تو تو انہیں اچھی طرح جانتا ہے۔ لہذا انہیں وہ سزا دے جس کے وہ مستحق ہیں۔

(آیت نمبر ۲۳) تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے رات ورات نکال کر لے جائیں کیونکہ اس وقت تمہارا دشمن نیند کے نشہ میں ہے۔ لیکن یاد رکھنا تمہارا پیچھا بھی کیا جائیگا۔ یعنی جب فرعون اور اس کی قوم کو معلوم ہوگا کہ تم چلے گئے ہو تو وہ ضرور تمہارا پیچھا کریں گے۔ کیونکہ ان کام کاج کرنے والا اور کوئی نہیں سوائے تمہاری قوم کے۔ اب وہ تمہارے پیچھے آئیں گے۔ تاکہ تمہیں قتل کریں یا (مزید ذلیل کریں) جب بحر قلزم کے کنارے پہنچو تو دریا میں لاٹھی مارنا۔ وہ تمہیں راستہ دے دے گا۔ لہذا تم بنی اسرائیل کو دریا کے پار لے جانا۔ اور فرعونی قوم کی موت ذلت کے ساتھ لکھ دی گئی ہے۔

وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ

اور چھوڑ دیں دریا کو کھلا ہوا۔ بے شک ان کا لشکر ڈبویا جائیگا۔ کتنے ہی چھوڑ گئے باغات

وَّعُيُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۲۶﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿۲۷﴾

اور چشمے۔ اور کھیت اور مکانات عمدہ۔ اور نعمتیں جن میں فارغ البال ہو کر کھاتے۔

(آیت نمبر۲۴) دریا کو کھلا ہوا چھوڑ جاؤ۔ فرعون اور اس کی قوم تم تک نہیں پہنچ سکے گی۔

فائدہ: راستہ کھلا چھوڑنے کا حکم اس لئے دیا کہ فرعون اپنے قوم کے ساتھ جب آئیگا اور راستے کھلے ہونگے تو وہ بھی دریا میں داخل ہو جائیں گے تو پھر پانی آپس میں مل جائے گا آج فرعون اور اس کی قوم سب غرق ہوں گے۔

فرعون کی غرقابی کی وجہ یہ ہے کہ اسے یہ بڑا نخرہ تھا کہ نہریں میرے محلات اور میرے باغات کے نیچے ہیں۔ اور میں ان کے اوپر ہوں۔ گویا اس نے دریاؤں کے متعلق کہا۔ کہ وہ سب میرے ماتحت ہیں۔

(آیت نمبر۲۵) کتنے ہی باغات وہ چھوڑ گئے۔ اتنے باغات کہ آدمی ایک طرف سے داخل ہوتو دوسری طرف کئی دن کے بعد ہی جا نکلے اور اسی طرح پانی کے چشمے۔ ممکن ہے اس سے مراد وہ نہریں ہوں جو دریائے نیل سے نکل کر باغات ومحلات میں جاتی ہوں کیونکہ مصر میں کنویں اور چشمے معروف نہیں ہیں۔

(آیت نمبر۲۶) اور وہ ہرے بھرے لہلہاتے کھیت بھی چھوڑ گئے۔ چونکہ وہ کھاتے پیتے خوش حال اور آسودہ حال لوگ تھے اور مقامات بڑی عزت وشہرت والے چھوڑ گئے۔ بہترین محل کوٹھیاں چوبارے جن میں بڑی بڑی بیٹھکیں سجائی ہوئی اور خوب رونقیں ہوتیں۔ نغمے اور سرور ہوتے۔

(آیت نمبر۲۷) اور ہر طرح کی نعمتیں اور ان نعمتوں کے کئی اسباب ہوتے۔ کئی لوگ مالدار ہوتے ہیں مگر انہیں تنعم نصیب نہیں ہوتیں۔ یعنی وہ ناز ونعمت کے ساتھ زندگی نہیں گذار سکتے تو فرمایا کہ فرعونی ان نعمتوں میں بڑے آسودہ حال تھے۔ یعنی نعمتوں سے بھرپور فائدے اور لذت حاصل کرنے والے تھے۔

كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۲۸﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ

اسی طرح ہوا۔ اور وارث بنایا ہم نے قوم دوسری کو۔ پھر نہ روئے ان پر آسمان اور زمین

وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۳۰﴾

اور نہ تھے مہلت دیئے گئے۔ تحقیق نجات دی ہم نے بنی اسرائیل کو عذاب ذلت والے سے

(آیت نمبر ۲۸) اور اسی طرح ہم نے ان سے نعمتیں چھین لیں اور وہ نعمتیں ہم نے اوروں کو عطا کر دیں اور ہم نے انہیں مال پر اس طرح تصرف عطا کیا۔ جس طرح وارث کو مال پر تصرف کی قدرت دی جاتی ہے اور ایسوں کو وارث بنایا۔ جو نہ ان کے رشتہ دار تھے۔ نہ کوئی قریبی تعلق والے یعنی ان کے مال کا وارث اور ان کے مکانات پر قبضہ بنی اسرائیل کو دے دیا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ بنی اسرائیل کو نہیں بلکہ کوئی تیسری قوم ہے۔ جنہیں وارث بنایا گیا۔ (غالباً یہ بات زیادہ صحیح ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام بمعہ بنی اسرائیل تیہ کے جنگل میں چالیس سے زیادہ سال رہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی وفات بھی وہیں ہوئی۔ اس وقت تک وہ وہیں رہے۔ (واللہ اعلم)

(آیت نمبر ۲۹) فرعونیوں کی ہلاکت پر کسی نے ماتم نہیں کیا۔ نہ آسمان رویا نہ زمین۔ گویا ان کا وجود اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی شمار میں ہی نہ تھا کیونکہ کسی معتبر چیز پر رویا جاتا ہے۔ آسمان و زمین کا رونا تخیل کے طور پر ہے۔ یعنی کوئی قدر و منزلت والی شخصیت مرے تو کہا جاتا ہے اس پر تو ہر چیز روئی ہے۔ **فائدہ**: یعنی کافر ایسا ذلیل و خوار ہے کہ اس پر کوئی بھی نہیں روتا۔ **حدیث**: مومن کے مرنے پر جس دروازے سے اس کا رزق آتا ہے اور آسمان کے جس دروازے سے اس کے اعمال جاتے تھے۔ وہ آسمانی دروازے بھی روتے ہیں (تفسیر در ماثور و تفسیر جلالین)۔ اس پر اور کئی شواہد ہیں۔ امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر آسمان کے کنارے ایک ماہ تک سرخ رہے۔ یعنی صرف روئے نہیں بلکہ خون کے آنسو روئے آگے فرمایا اور نہ وہ مہلت دیئے گئے۔ یعنی جب وہ غرق ہونے لگے تو بہت معافیاں مانگیں۔ مگر کوئی بات نہ سنی گئی۔

(آیت نمبر ۳۰) اور البتہ تحقیق ہم نے چھٹکارا دلا دیا بنی اسرائیل کو (یعنی قبطیوں کو غرق کر کے) بنی اسرائیلیوں کو رسوا کرنے والے عذاب سے نجات دلائی کہ اس ظالم نے انہیں غلام بنایا ہوا تھا۔ ان کے بچوں کو قتل کرتے۔ اور عورتوں کو خدمت کیلئے زندہ چھوڑتے تھے۔ باقیوں مردوں عورتوں سے خدمت اور پوجا کرواتے تھے۔

مِنْ فِرْعَوْنَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ

فرعون سے کہ بے شک وہ تھا متکبر حد سے بڑھنے والوں سے۔ تحقیق ہم نے چنا انہیں

عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿۳۳﴾

جان بوجھ کر جہاں والوں پر۔ اور دیں ہم نے ان کو وہ نشانیاں جن میں انعام تھے واضح۔

(آیت نمبر ۳۱) یعنی فرعون سے نجات دی کیونکہ وہ سراپا عذاب تھا۔ وہ لوگوں کو حد سے بڑھا کر عذاب دیتا تھا۔ یا معنی ہے کہ فرعون کے عذاب سے نجات دی کیونکہ وہ عذاب فرعون ظالم کے حکم سے دیا جاتا تھا۔ آگے فرمایا کہ بے شک وہ متکبر اور حد سے تجاوز کرنے والا تھا۔ یعنی کفر وظلم کی تمام حدیں اس نے عبور کیں۔

فائدہ: اس کے مسرف ہونے کی یہی بڑی دلیل ہے کہ انتہائی حقیر خسیس ہونے کے باوجود اس نے الوہیت کا دعویٰ کر دیا۔ **فائدہ**: اس آیت میں فرعون اور اس جیسے دوسرے کفار کی سخت مذمت ہے۔ جن کے مغز میں تکبر کا خمار تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو کسی مسلمان کی حقارت کرے۔ اللہ اسے ذلیل وخوار کر دیتا ہے۔

(آیت نمبر ۳۲) اور بنی اسرائیل کو ہم نے علم کیلئے فضیلت دی تمام جہانوں میں یا معنی ہے۔ اپنے علم ودانشمندی کے ساتھ انہیں فضیلت دی کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی تمام علم کا مالک ہے۔ یا معنی ہے کہ ہم نے انہیں منتخب کیا۔ علوم کیلئے۔ **فائدہ**: عالمین سے مراد ہے کہ اس زمانے کے تمام لوگوں پر بنی اسرائیل کو فضیلت دی کیونکہ ان میں ہزاروں انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے۔ ان کی وجہ سے بنی اسرائیل کو فضیلت دی۔ ان کا اپنا کوئی کمال نہیں۔

امت محمدیہ کی فضیلت تمام امتوں پر ہے کیونکہ للہ تعالیٰ نے فرمایا: "کنتم خیر امة" تم بہترین امت ہو۔

(آیت نمبر ۳۳) اور ہم نے انہیں اپنی بے شمار نشانیاں عطا کیں۔ مثلاً۔ دریا میں رستہ بنانا۔ بادلوں کا سایہ کرنا۔ من وسلویٰ کا ملنا۔ وغیرہ۔ جو اس سے پہلے کسی کو نصیب نہ ہوئیں۔ آگے فرمایا کہ اس میں ان کیلئے واضح انعام تھا۔ یا معنی ہے کہ انہیں خوش حالی اور بدحالی میں آزمایا۔ فرعون کے شکنجے میں بدحالی تھی۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے انصار کو دیکھ پوچھا تم مومن ہو تو انہوں نے عرض کی ہاں۔ فرمایا تمہارے ایمان کی علامت کیا ہے۔ عرض کی۔ نعمت پر شکر اور دکھ پر صبر کرتے ہیں تو فرمایا رب کعبہ کی قسم تم واقعی مومن ہو۔ (کشف الاسرار)

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَیَقُوْلُوْنَ ﴿۳۴﴾ اِنْ هِیَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰی وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِیْنَ ﴿۳۵﴾

بے شک یہ ضرور کہتے ہیں۔ نہیں ہے یہ مگر مرنا ہمارا ایک دفعہ اور نہیں ہم اٹھائے جائیں گے۔

فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۶﴾

تو لے آؤ ہمارے باپ دادا کو اگر ہو تم سچے۔

(آیت نمبر۳۴) بے شک یہ لوگ کفار مکہ کہتے ہیں۔ کفار مکہ کو فرعون کے ساتھ اس لئے جوڑا کہ وہ بھی کفر وضلالت پر اصرار کرتا تھا۔ یہ بھی اسی پر اصرار کرتے ہیں اور ان کو جیسے عذاب سے ڈرایا گیا۔ ایسے ہی انہیں بھی ڈرایا گیا۔ جو کچھ فرعونی کہتے تھے۔ وہی کچھ یہ بھی کہتے ہیں۔ زمانہ الگ الگ ہے۔ بولی ان کی ایک ہی ہے۔

(آیت نمبر۳۵) سب کفار نے یہی کہا نہیں ہے مگر مرنا پہلی ہی مرتبہ یعنی جب انہیں قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے کے بارے میں بتایا گیا تو انہوں نے اس بات کو بعید سمجھا۔ اور وہ اس بات کے سخت منکر ہو گئے کہ دوبارہ بھی زندہ ہونا ہے۔ اس لئے انہوں نے آگے کہا کہ ہم قیامت کے دن دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔

(آیت نمبر۳۶) کہنے لگے کہ اگر واقعی دوبارہ زندہ ہونا ہے تو پھر ہمارے آباء واجداد کو زندہ کر کے لے آؤ۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ یعنی انہوں نے حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ مطالبہ کیا کہ تم قصی بن کلاب کو جو ان کا سردار تھا اور ان کی مشکلات میں مدد کیا کرتا تھا۔ اس کو زندہ کر کے دکھادو۔

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کفار کا یہ مطالبہ جہالت پر مبنی تھا۔ اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ دوبارہ قیامت کے دن زندہ ہونا ہے اور انہوں نے دنیا میں ہی مطالبہ کر دیا۔ اگر چہ یہ دنیا میں بھی ہونا محال نہیں کیونکہ جناب عیسیٰ علیہ السلام نے نوح علیہ السلام کے بیٹے کو زندہ کیا۔ جسے مرے ہوئے چار ہزار سال گذر گئے تھے اور بھی کئی مردے زندہ کئے۔ حضور ﷺ نے والدین کو زندہ کیا اور وہ مسلمان ہوئے ایک روایت کے مطابق چچا کو بھی زندہ کیا۔ دادا عبد المطلب کو بھی زندہ کیا۔ اور وہ حضور ﷺ پر ایمان لائے۔ (اگر چہ اس میں علماء کا اختلاف بھی ہے)۔

فائدہ: جن کے زندہ کرنے کا کفار نے کہا۔ حضور کی دعا سے وہ بھی زندہ ہو جاتے۔ لیکن کافر سابقہ عادت کے مطابق پھر بدل جاتے۔

اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ ۫ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾

کیا وہ بہتر ہیں یا قوم تبع کی اور جو ان سے پہلے تھے۔ ہم نے انہیں ہلاک کیا بے شک وہ تھے مجرم۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾

اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے درمیان ہے کھیل تماشا۔

مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

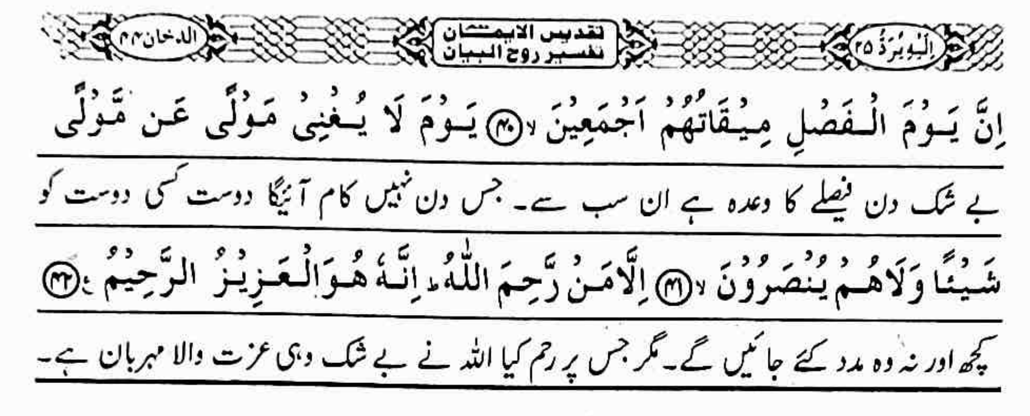
نہیں پیدا کیا ہم نے انہیں مگر حق کے ساتھ۔ لیکن اکثر ان میں نہیں جانتے۔

(آیت نمبر ۳۷) کیا یہ کفار قریش مال و دولت کے لحاظ سے بہتر ہیں یا تبع کی قوم اس سے مراد یمن کا بادشاہ ہے۔ جس سے قریش اچھی طرح واقف تھے۔ آگے فرمایا اور وہ لوگ جو ان سے پہلے ہوئے۔ یعنی قوم تبع سے پہلے قوم عاد قوم ثمود یا ان جیسے دوسرے کفار جو بڑے متکبر اور سرکش تھے۔ بڑی قوت والے جو دولت وقوت میں قریش مکہ سے بڑھ کر تھے۔ جب انہوں نے نافرمانی کی تو پھر ہم نے انہیں ہلاک کر کے نیست و نابود کر دیا۔ اس لئے کہ وہ بہت بڑے مجرم تھے۔ گناہوں اور نافرمانیوں میں حد سے گذرے ہوئے تھے۔ اور وہ تباہی اور ہلاکت کے ہی مستحق تھے۔ یہ کفار مکہ کو بتایا جا رہا ہے کہ تم ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہو۔ اپنے گناہوں اور جرموں کی وجہ سے تم بھی ہلاکت کے قریب پہنچ چکے ہو۔

(آیت نمبر ۳۸) اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمینوں کو مگر حق کے ساتھ۔ یعنی انہیں بے کار یا بے مقصد نہیں بنایا۔ یا کھیل تماشے کیلئے نہیں بنایا۔ جیسے بچے کھیل کر جب فارغ ہوں تو اس کھیل سے انہیں کوئی فائدہ وصولی نہیں ہوتا۔ زمین و آسمان اور اس کے درمیان کی تمام چیزیں ایک خاص مقصد کیلئے بنائی گئی ہیں۔ جس کا بیان اگلی آیت میں ہے۔

(آیت نمبر ۳۹) نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں زمینوں کو مگر حق کے ساتھ۔ بلکہ کائنات میں جو بھی ہم نے پیدا کیا اس کا تعلق حق کے ساتھ ہے۔ حق سے مراد ایمان طاعت بعثت اور جزاء پر ایمان ہے۔ آگے فرمایا لیکن اکثر ان اہل مکہ میں غافل ہیں۔ یا فکر نہ ہونے کی وجہ سے وہ بے علم ہیں۔ یعنی انہیں حقیقت حال کا علم نہیں۔

فائدہ :اس سے معلوم ہوا کہ بعثت و جزاء نہ ہو تو اس جہان کی تخلیق عبث ہوتی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایمان و طاعت کا مکلف بنایا ہے۔ پھر ایک دن رکھا ہے جس میں فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں امتیاز ہوگا۔ فرمانبردار پر فضل و احسان ہوگا اور نافرمانوں سے عدل و عتاب اور عذاب ہوگا۔



إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٠﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَن مَّوْلًى شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٤١﴾ إِلَّا مَن رَّحِمَ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٤٢﴾

بے شک دن فیصلے کا وعدہ ہے ان سب سے۔ جس دن نہیں کام آئیگا دوست کسی دوست کو کچھ اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے۔ مگر جس پر رحم کیا اللہ نے بے شک وہی عزت والا مہربان ہے۔

(آیت نمبر۴۰) بے شک فیصلے کا دن یعنی روز قیامت جب حق و باطل کا فیصلہ ہوگا۔ جہاں تمام حق داروں کو حق ملے گا۔ یا معنی ہے کہ ہر عمل والے کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ جس کا عمل صحیح اور ریاء وغیرہ سے خالص ہوگا وہ قبول کیا جائیگا اور اس کی جزاء بھی اچھی دی جائے گی اور برے عمل والے کو اس کا عمل منہ پر مار دیا جائیگا ان تمام اولین وآخرین کا ایک ہی وقت مقرر ہے۔ وہ اپنے اپنے حساب کیلئے جمع ہو جائیں گے۔

وقت اور میقات میں فرق یہ ہے کہ میقات مقررہ وقت کو اور وقت عام ہے غیر مقررہ وقت کو کہتے ہیں۔

(آیت نمبر۴۱) وہ دن کہ جس میں کوئی رشتہ دار کام نہ آئے نہ کسی دوست کی دوستی کام آئے کچھ بھی۔ یعنی نہ عذاب سے بچا سکیں نہ چھڑا سکیں۔ یہاں مولیٰ بمعنی دوست کے ہے۔

فائدہ : اغناء کا معنی ہے کسی سے مکروہ چیز ہٹانا۔ اور لفظ مولیٰ کے لغت کے لحاظ سے چھبیس معانی ہیں اور غلام سے لیکر اللہ تعالیٰ تک مولیٰ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ **قاعدہ**: جب ایک لفظ کے کئی معنی ہوں۔ تو کلام کے سیاق وسباق کو دیکھ کر اس کا اصل معنی نکالا جاتا ہے۔ اسی لحاظ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے جو مولا کا لفظ بولا گیا۔ اس کا معنی دوست ہے۔ **فائدہ**: یہ آیت کفار کے حق میں ہے کہ وہ کسی کام نہیں آئیں گے۔ اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے یعنی بروز قیامت ان کا اللہ کے بغیر کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

(آیت نمبر۴۲) مگر وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ رحم فرمادے۔ خود معاف فرمادے۔ یا شفاعت قبول فرمالے۔ اس سے مسلمان لوگ مراد ہیں کیونکہ کفار کیلئے شفاعت ہے ہی نہیں۔ آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ عزیز ہے۔ کہ جسے عذاب دینا چاہے کوئی اسے روک نہیں سکتا۔ جیسے وہ کافروں کو عذاب میں مبتلا کرے گا تو کوئی اسے روک نہیں سکے گا اور وہ رحیم بھی ایسا ہے کہ جس پر رحم فرمادے۔ جیسے ایمان داروں پر رحم فرمائے گا۔ سہل فرماتے ہیں پہلوں پر رحم ہوگا تو وہ پچھلوں کی سفارش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے سب مسلمانوں پر کرم فرمائے گا۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ يَغْلِىْ فِى الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾

بے شک درخت تھوہر کا۔ کھانا ہے گناہ گاروں کا۔ مثل گلے ہوئے تانبے کے جوش مارے گا پیٹوں میں۔

كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۴۷﴾

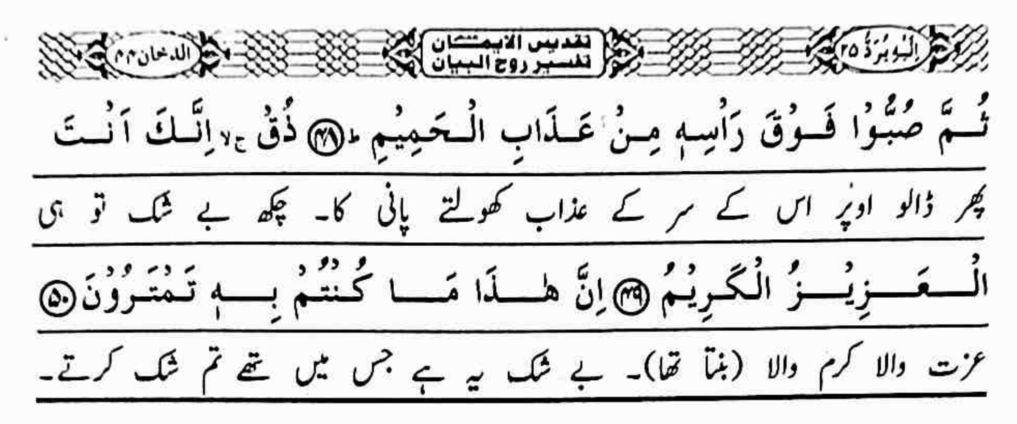
جیسے جوش مارے کھولتا پانی۔ اسے پکڑ کر گھسیٹو۔ لے جاؤ طرف درمیان جہنم کے۔

(آیت نمبر۴۳) بے شک تھوہر کا درخت۔ یہ جہنم میں آگ کے اندر ایک بڑا درخت ہوگا۔ جسے جہنم والے کھائیں گے۔ اس کے پتے اور پھل انتہائی کڑوا ہے بڑی مشکل اور ناگواری سے کھائیں گے۔ بڑی تکلیف کے ساتھ گلے سے اترے گا۔ شکل دنیاوی تھوہر کی طرح ہوگی۔ لیکن کڑواہٹ اس سے کئی گنا زیادہ ہوگی۔ (آیت نمبر۴۴) وہ گناہ گاروں کا کھانا ہوگا۔ جو سب سے بڑے گناہ گار یا کفار ہیں۔ اس گناہ گار سے مراد کفار ہیں۔ **حدیث شریف** میں آتا ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ لفظ اثیم نہیں کہہ سکتے تھے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا تم طعام الفاجر کہہ دیا کرو۔ **مسئلہ**: اس سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ ایک کلمہ قرآن کو ادا نہ کرسکنے کی صورت میں دوسرے اس کے ہم معنی کلمہ سے بدل جائز ہے۔

(آیت نمبر۴۵) تانبے کی طرح یعنی جب آگ میں جائے گا تو تانبے کی طرح پگھلے گا۔ جیسے گرم ترین پانی جوش مارتا ہے۔ وہ طعام اور پانی جب پیٹ میں جائیگا تو آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کردے گا اور پگھلنے کو تانبے کے ساتھ تشبیہ دی۔ اس لئے جب وہ آگ میں جائے تو ہر چیز سے زیادہ گرم ہوجاتا ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ لوگو اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسے ڈرنے کا حق ہے۔ اگر جہنم کے تھوہر درخت کا ایک قطرہ زمین پر ڈالا جائے تو زمین والوں کی زندگی ہی کڑوی ہوجائے تو پھر اس کا کیا حال ہوگا۔ جس کے پیٹ میں تھوہر جائے گا کیونکہ ان کیلئے اور کوئی کھانا ہی نہیں ہوگا۔ (ترمذی شریف)

(آیت نمبر۴۶) جہنم میں جہاں ہر طرف آگ ہی آگ ہوگی۔ وہاں پانی نے تو ابلنا ہی ہے۔ دنیا میں ہانڈی کے نیچے معمولی سی آگ ہوتی ہے۔ تو وہ تھوڑی دیر بعد ابلنے لگ جاتی ہے تو جہاں ہر طرف آگ ہی آگ ہوگی اس کے ابلنے کا کیا حال ہوگا۔

(آیت نمبر۴۷) پکڑو اسے یہ خطاب جہنم کے داروغوں زبانیہ سے ہوگا اور انہیں کہا جائیگا کہ اس مجرم کو پکڑلو۔ تو وہ اسے پیشانی کے بالوں سے اور پاؤں سے جکڑلیں گے اور حکم ہوگا کہ اسے گھسیٹتے ہوئے لے جاؤ۔ جہنم کے درمیان میں۔ یعنی ایسی جگہ جہاں سے ہر طرف کی مسافت برابر ہو۔ وہاں لے جاکر اسے گرادو۔



ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ

پھر ڈالو اوپر اس کے سر کے عذاب کھولتے پانی کا۔ چکھ بے شک تو ہی

الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

عزت والا کرم والا (بنتا تھا)۔ بے شک یہ ہے جس میں تھے تم شک کرتے۔

(آیت نمبر ۴۸) پھراس کے سر پر کھولتا ہوا پانی ڈالوتا کہ ان کے جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور یہ عذاب کا مزہ چکھیں کھولتے ہوئے پانی کا عذاب باہر سے جلائے گا اور تھوہر کی تکلیف اندر سے ہوگی اور وہ چلا رہا ہوگا۔

عذاب کا حال: مروی ہے کہ کافر کو دوزخ میں تھوہر کھلایا جائیگا۔ پھر فرشتہ اسے چابک مارے گا تو اس کا دماغ ریزہ ریزہ ہو کر اڑے گا۔ پھراس کے جسم پر گرم پانی ڈالا جائیگا تو اس کے پیٹ میں آنتیں بھی کٹ کر نکل جائیں گی۔

(آیت نمبر ۴۹) حکم ہوگا۔ چکھ ذلیل کرنے والا عذاب۔ بے شک تو دنیا میں اپنے آپ کو اپنی نظروں میں لوگوں کے سامنے بڑا عزت والا بناتا تھا۔ لوگوں میں اپنی ٹرنوٹ بناتا تھا۔ یعنی وہ اپنے گمان میں خود کو بڑی عزت و کرم والا سمجھتا تھا۔ **شان نزول** : ابوجہل نے ایک دفعہ حضور ﷺ سے کہا۔ ان دو پہاڑوں کے درمیان میرے برابر کوئی معزز و مکرم نہیں ہے تو اور تیرا خدا میرا ایک بال بھی بیگا نہیں کر سکتے۔ (نعوذ باللہ) تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ **حدیث شریف** : حضور ﷺ نے فرمایا کہ خرابی ہے۔ اس کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی ذات میں شک کرے۔ (لوامع الانوار)

(آیت نمبر ۵۰) بے شک یہ عذاب وہی ہے۔ جس میں تم شک کیا کرتے تھے کہ معلوم نہیں عذاب ہوگا یا نہیں۔ اور تم اپنے باطل عقائد کی وجہ سے مسلمانوں سے جھگڑتے تھے۔ اب تو یقین ہو گیا ہوگا۔ اب عذاب کا مزہ چکھو۔ **فائدہ** : یہ شکوک و شبہات انہیں شیطانوں نے وسوسوں کے ذریعے ڈالے تھے۔ **فائدہ** : اس سے مراد وہ لوگ بھی ہیں جو رسمی طور پر ایمان رکھتے ہیں۔ دل سے یقین نہیں رکھتے۔ جیسے منافقین وغیرہ۔

مسئلہ : جو اعمال و احکام الٰہی میں شک کرتا ہے اور نافرمانیوں میں لگا رہتا ہے اور انہیں برا بھی نہیں سمجھتا۔ مثلاً نماز وقت پر ادا نہ کی پھر اسے قضا کا بھی خیال نہیں آیا۔ نہ دل میں خوف خدا پیدا ہوا۔ یہ بھی کفر کے زمرے میں ہے۔ معلوم ہوا اپنے آپ کو مسلمان سمجھنا اور ہے۔ اور حقیقت میں مسلمان ہونا اور ہے۔ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿۵۱﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۲﴾ يَّلْبَسُوْنَ

بے شک پرہیزگار جگہ امن والی میں ہیں۔ باغات اور چشموں میں ہیں۔ پہنیں گے

مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۵۳﴾

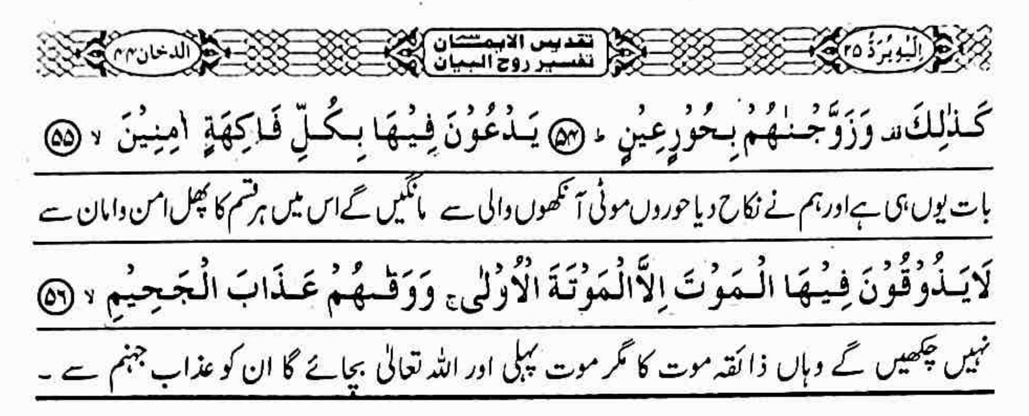
ریشمی کریب ۔ اور قنادیز آمنے سامنے بیٹھیں گے۔

(آیت نمبر ۵۱) بے شک جو لوگ کفر و نافرمانیوں سے بچتے رہے۔ یعنی مومن و متقی اور مطیع ہوئے وہ امن کے مقام میں ہوں گے۔ جہاں ہر طرح کی آفات و بلیات سے امن ہی امن ہوگا۔ جہاں مقیم کو کوئی غم و حزن نہ ہو۔ نہ کوئی ناگوار امر پیش آئے۔ نہ کوئی کسی طرح کی بیماری یا پریشانی ہوگی۔

فائدہ: بعض مشائخ فرماتے ہین۔ مقام امن سے انبیاء و اولیاء اور شہداء کی صحبت مراد ہے کیونکہ ان کا ہم مجلس کبھی بد بخت نہیں ہوتا۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر یہ بروز قیامت کی رفاقت مراد ہے پھر تو وہ لازماً امن کا مقام ہے کہ وہ عذاب سے ہر طرح محفوظ ہو جائیں گے۔ اور وہ صرف جنت میں ہی ہے۔

(آیت نمبر ۵۲) وہ باغات اور چشموں میں ہوں گے۔ یعنی جہاں ہر طرح کی پاکیزہ فضا ہوگی اور طرح طرح کے کھانے اور پینے کی اعلیٰ سے اعلیٰ چیزیں ہونگی اور عیون سے مراد وہ نہریں ہیں جو جنت میں جاری ہوں گی۔ (شہد۔ خالص پانی۔ دودھ۔ شراباً طہوراً کی)۔ جہاں ہر نعمت دوسری نعمت سے اعلیٰ ہوگی۔

(آیت نمبر ۵۳) وہ جنتی پہنیں گے سندس اور استبرق۔ کشف الاسرار میں ہے کہ یہ ریشم کی خاص قسم ہے۔ جو علامتی طور پر لباس کے اوپر پہنا جائیگا۔ جیسے عادۃً لباس کے اوپر کوئی خوبصورت چیز پہنی جاتی ہے۔ استبرق ریشم کے موٹے اور گاڑھے کپڑے کو کہتے ہیں۔ جو عام ریشم کے مقابلے میں اعلیٰ ہوتا ہے اور استبرق باریک اور نفیس ریشم کو کہتے ہیں۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میرا خیال ہے۔ سندس متقین کا اور استبرق ابرار کا لباس ہوگا اور وہ متقی جنت میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے متوجہ ہو کر بیٹھیں گے۔ جس طرح مہمان ایک دوسرے کے سامنے ہو کر بیٹھتے ہیں۔ اور خوب زمانہ ماضی کی یاد اور دنیا میں گذرے حالات پر گفتگو ہوگی اور خوب ہنسی مزاق ہوگی اور اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر کر رہے ہوں گے۔



كَذٰلِكَ قف وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۵۴﴾ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾

بات یوں ہی ہے اور ہم نے نکاح دیا حوروں موٹی آنکھوں والی سے مانگیں گے اس میں ہر قسم کا پھل امن وامان سے

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ج وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۵۶﴾

نہیں چکھیں گے وہاں ذائقہ موت کا مگر موت پہلی اور اللہ تعالیٰ بچائے گا ان کو عذاب جہنم سے ۔

(آیت نمبر۵۴) اسی طرح یعنی باقی نعمتوں کی طرح ہم ان کی شادی حورعین سے کریں گے جو کشادہ جسم والی موٹی آنکھوں والی ہوں گی اور حسن میں انتہائی خوبصورت ہونگی۔ جنہیں کسی جن یا انسان نے دیکھا بھی نہیں ہوگا۔

فائدہ: تزویج سے مراد ان سے ملانا ہے۔ یعنی ان کے ساتھ جوڑا بنایا جائیگا۔

حور کے ساتھ عقد میں مہر: حضور ﷺ پر دس مرتبہ درود پاک ہوگا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حوروں سے نکاح ایسے ہوگا جیسے اپنا نکاح پڑھا جاتا ہے۔ بلکہ حضور ﷺ پر درود صرف آپ کی تعظیم وتکریم کا اظہار ہے۔ اس سے مہر حقیقی مراد نہیں۔ (حضور ﷺ کے طفیل ہی تو یہ سارے کرم ہوئے)۔

(آیت نمبر۵۵) وہ ہر طرح کے پھل فروٹ طلب کریں گے۔ یعنی حکم دیں گے کہ فلاں میوہ لایا جائے۔ نہ مکان کی تخصیص کہ کہاں سے لاؤ نہ زمان یعنی موسم کی جیسے دنیا میں پھل موسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ یا ایک ملک کا میوہ دوسرے ملک میں نہیں پایا جاتا۔ تو ہر وقت ہر قسم کا پھل موجود ہوگا۔ وہ کھا کر امن والے ہوں گے۔ یعنی کسی قسم کی ناگوار بات پیش نہیں آئیگی۔ نہ اس کے ختم ہونے کا ڈر نہ کھانے کے بعد پیٹ میں کوئی تکلیف وغیرہ ہوگی ہر طرح کا امن ہے۔

(آیت نمبر۵۶) جنت میں موت کا ذائقہ بھی نہیں ہے۔ مگر وہ پہلی مرتبہ کی موت جو دنیا میں آچکی۔ جنت میں موت کا نام ونشان بھی نہیں ہوگا۔ یعنی قبر سے نکلنے کے بعد جنت میں چلے جائیں گے تو وہاں دائمی زندگی نصیب ہوگی۔ وہاں کی زندگی عیش وآرام سے گذرے گی۔ موت کو حشر کے میدان میں ہی ذبح کر دیا جائیگا۔

جنت میں دس چیزیں نہیں: (۱)۔ بڑھاپا۔ (۲)۔ نیند۔ (۳)۔ موت۔ (۴)۔ خوف۔ (۵)۔ رات۔ (۶)۔ غم۔ (۷)۔ اندھیرا۔ (۸)۔ گرمی۔ (۹)۔ سردی۔ (۱۰)۔ جنت سے خروج۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جہنم کے عذاب سے بچائے گا۔ (جہنم سے بچ جانا ہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ (اے اللہ ہم مسکینوں پر بھی کرم فرمانا۔ جنت ملے نہ ملے بس جہنم سے بچالینا۔ آمین (قاضی)

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۵۷﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ

فضل ہے تیرے رب کا یہی وہ کامیابی ہے بڑی۔ سوائے اس کے نہیں ہم نے آسان کیا قرآن کو

بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

آپ کی زبان میں تا کہ وہ سمجھیں۔ انتظار کیجئے بے شک وہ بھی انتظار میں ہیں۔

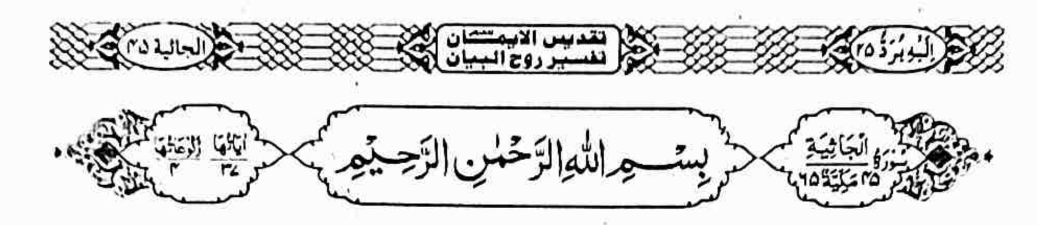
(آیت نمبر ۵۷) یہ محض تیرے رب کا فضل ہوگا۔ یعنی متقین کیلئے جنت کا اعزاز اور اس کی نعمتیں یا جہنم سے بچاؤ محض فضل الٰہی اور اس کی خاص عطا سے ہوگا نہ کہ اعمال کا بدلہ۔ (یعنی ہمارے اعمال اس قابل نہیں ہیں۔ یہ بھی اس کا کرم ہوگا۔ کہ وہ قبول فرمالے۔ **مسئلہ**: بندوں کو جو بھی بزرگی ملی محض فضل الٰہی سے۔ جیسے انسان کی پیدائش اس کے عمل کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ رب کے فضل سے پیدا ہوا۔ **حدیث** میں ہے کہ کوئی بھی اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائیگا۔ حتی کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں بھی جنت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جاؤنگا (بخاری کتاب الرقاق)۔ آگے فرمایا یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ یعنی عذاب سے بچ جانا اور جنت میں پہنچ جانا۔ جہاں ہر مطلب پورا ہوگا۔ کیونکہ دنیا کی قید سے اور مصائب سے بھی چھوٹ گیا۔ جہنم سے بھی بچ گیا یہ پہلی کامیابی پھر دائمی نعمتوں والے باغات میں پہنچ گیا۔ یہ دوسری کامیابی پھر سب سے بڑھ کر اور کامیابی اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔ کہ اس سے بڑی کوئی کامیابی نہیں۔

(آیت نمبر ۵۸) اے محبوب ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان عربی ہونے کی وجہ سے آسان کردیا۔ چونکہ جنت میں بھی عربی زبان ہی ہوگی۔ لہذا فرمایا کہ ہم نے کتاب مبین قرآن مجید کو آپ کی بولی میں اتار کر آسان بنادیا تا کہ یہ لوگ اسے یاد کریں۔ یا اس سے نصیحت حاصل کریں۔ اور آپ کی قوم بھی اسے جلد سمجھ سکیں اور اس پر عمل کریں۔

(آیت نمبر ۵۹) اے محبوب آپ انتظار کریں کہ کچھ مقرر کردہ امور ان پر آترنے والے ہیں کہ ان سے عارفین کو عبرت اور متقین کو نصیحت حاصل ہوگی۔ آگے فرمایا بے شک وہ کافر بھی انتظار کررہے ہیں کہ مسلمان حوادث کا شکار ہوجائیں گے۔ حالانکہ حوادث کا تو وہ خود شکار ہونے والے ہیں اور وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

فائدہ: عین المعانی میں ہے کہ اس کا مطلب ہے اے محبوب آپ ثواب کا انتظار کریں۔ جیسے کفار عذاب کا انتظار کرنے والے ہیں۔ ہر برے عمل والے کا براہی انجام ہوگا۔

اختتام سورۃ: آج مورخہ ۸ جنوری ۲۰۱۷ء بمطابق ۶ ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ بروز اتوار بوقت نماز صبح



حٰمٓ ۚ ① تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ② اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ

اترنا کتاب کا اللہ کی طرف سے ہے جو عزت وحکمت والا ہے۔ بے شک آسمانوں

وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ ③

اور زمین میں ضرور نشانیاں ہیں مومنوں کیلئے۔

(آیت نمبر۱) حٰم۔ یہ سورۃ کا نام ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں۔ حاء حیوۃ یعنی زندگی کی طرف اورم اس کے بعد موت کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(آیت نمبر۲) کتاب یعنی قرآن مجید کا نازل ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ بار بار یہ بات اس لئے کہی جارہی ہے۔ کہ کفار کے قول کا رد ہو جائے۔ وہ کہتے تھے۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے۔

فائدہ: قرآن مجید میں جہاں بھی کتاب کا لفظ استعمال ہو تو اس سے مراد قرآن ہی ہوتا ہے اور اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اترنا اس کی صدق کی دلیل ہے اور وہ غالب ہے کہ کسی سے وہ مغلوب نہیں ہوتا اور حکیم ہے کہ اس نے اس کتاب میں بے شمار حکمت کی باتیں درج کر دیں۔ یہ کتاب اب منسوخ نہیں ہو سکتی۔ نہ یہ شاعرانہ کلام ہے۔ نہ یہ قصے کہانیوں کی کتاب ہے۔ اس کتاب میں وعظ ونصیحت کی باتیں ہیں۔

(آیت نمبر۳) بے شک آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان آثار قدرت کے نشانات ہیں۔ مثلاً سورج۔ چاند۔ ستارے پہاڑ سمندر اور دریا و دیگر مخلوقات ایمان والوں کیلئے جو اپنے خالق پر ایمان لانا چاہیں۔ ان کی تصدیق کے شواہد اور دلائل موجود ہیں۔

فائدہ: مومنین کی تخصیص اس لئے کہ اس قسم کی آیات سے وہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دوسرے لوگ تو اس پر اعتراض ہی کرتے ہیں۔

وَفِیْ خَلْقِکُمْ وَمَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾

اور تمہارے پیدا کرنے میں اور جو پھیلے ہوئے جانوروں میں نشانیاں ہیں یقین والوں کیلئے ہیں۔

وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْیَا

اور بدلنے رات اور دن میں اور جو اتارا اللہ نے آسمان سے روزی کا سبب (بارش)۔ زندہ کیا

بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۵﴾

اس سے زمین کو بعد مرنے کے۔ اور پھرانا ہواؤں کا اس میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کیلئے۔

(آیت نمبر۴) تمہیں یعنی انسانوں کو پیدا کرنے میں کہ وہ نطفہ سے بچہ بننے تک کن مختلف اطوار سے گذرتا ہے جس کی تفصیل پارہ ۱۸ میں گذرگئی۔ آگے فرمایا کہ جو جانور اللہ تعالیٰ نے زمین میں پھیلائے۔ ان کے بھی پیدا کرنے میں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں۔ جو یقین رکھتے ہیں۔ **فائدہ:** ان دونوں آیات کا اختتام یقین پر فرمایا۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ ایقان والے بہ نسبت ایمان والوں کے کم ہیں۔ ایمان کو آفاق سے جوڑا اور یقین کو نفس یعنی انسانوں کی جانوں وغیرہ سے متعلق کیا۔ آفاق وہ ہے جو انسان کے علاوہ ہے اور انفس انسان سے متعلق ہے کیونکہ درجات ایمان کے ساتھ خاص ہیں، انسان کا مرتبہ آفاق میں غور وفکر کرکے اللہ تعالیٰ کو پہچاننے میں مکمل ہوتا ہے۔ پھر مرتبہ انفس کے مشاہدہ میں ترقی کرتا ہے اور یقین کا کمال اسی مرتبہ کے ساتھ خاص ہے۔

(آیت نمبر۵) رات اور دن کے بدلنے میں ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنے میں اور بڑا چھوٹا ہونے میں اور رات کی سیاہ اور دن کے روشن ہونے میں اور جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے رزق اتارا۔ ان میں نشانیاں ہیں۔ **فائدہ:** یہاں رزق سے مراد بارش ہے کیونکہ وہی رزق کا سبب ہے۔ پھر زندہ کیا زمین کو اس بارش کے سبب۔ یعنی کھیتیاں سرسبز وشاداب ہوئیں نباتات وشجرات پرثمرات (پھل اور پھول) لگے۔ تو زمین کو ایک نئی زندگی ملی اس کی مردگی کے بعد یعنی خشکی اور ویرانی کے بعد گویا زمین کی خشکی کو زوال روح سے تشبیہ دی گئی۔ جیسے روح جسم سے نکل جاتی ہے۔ تو جسم بے کار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح زمین سے آبی رطوبت ختم ہوئی تو وہ بے کار ہوگئی۔ آگے فرمایا کہ ہواؤں کا پھرنا یعنی ایک طرف سے دوسری طرف کہ مشرق والی مغرب اور شمال والی جنوب کی طرف یا اس کے برعکس یہ تمام نشانیاں ہیں عقل مند لوگوں کیلئے۔ عقل وہ قوت ہے جو علم قبول کرنے کیلئے تیار ہوئی۔ اسی لئے جس علم سے لوگوں کو نفع پہنچے اسے عقل کہا جاتا ہے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے عقل سے بڑھ کر مکرم کوئی چیز نہیں بنائی (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ) اور عقل سے بڑھ کر

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ

یہ آیات خداوندی ہیں پڑھتے ہیں آپ پر حق کے ساتھ۔ پھر کون سی بات پر چھوڑ کر اللہ کو

وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝۶

اوراس کی آیات کوایمان لاؤ گے۔

(بقیہ آیت نمبر ۵)۔ کوئی شی نہیں جو صحیح راستہ بتائے اور برائی سے روکے۔خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیات ایسی قوم کیلئے ہیں جو عقل کی آنکھ سے دیکھتے اور عبرت حاصل کرتے ہیں کیونکہ یہ صانع کے وجوداوراس کی عظیم قدرت پر واضح دلائل ہیں۔

(آیت نمبر ۶) یہ آیات قرآنی جو ہم ابھی تلاوت کررہے ہیں۔ جبریل امین کی وساطت سے اترنے والی حق کے ساتھ یعنی ان آیات میں صدق اور حق ہے۔ان کا باطل یا ہزل وغیرہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔**فائدہ**: نیز یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اشارہ دلائل مذکورہ کی طرف ہو یعنی یہ وہ واضح دلائل ہیں۔ جواللہ تعالیٰ کے وجوداوراس کی توحیداور قدرت۔علم وحکمت پر دلالت کرتے ہیں۔ہم بھی آپ کو وہی آیات پڑھ کر سنارہے ہیں تو وہ (منکرین) اللہ تعالیٰ کی ان آیات کے بعد کون سی باتوں اور خبروں پر ایمان لائیں گے۔**فائدہ**: یہاں اللہ تعالیٰ کا نام محض تعظیم کیلئے لایا گیا۔ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ قرآن پاک جیسی کتاب جو تمام آسمانی کتابوں میں اعلیٰ معجزہ ہے جو ہمہ وقت پڑھا جارہا ہے اس پر بھی اگر وہ ایمان نہیں لاتے۔تو پھر کون سی بات پر ایمان لائیں گے جبکہ یہ نبی بھی آخری اور یہ کتاب بھی آخری اس کے بعد نہ نیا نبی آئے گا اور نہ کوئی آسمان سے کتاب اترے گی۔ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے صحابہ سے پوچھا کہ سب سے اچھا ایمان کس کا ہے۔عرض کی گئی فرشتوں کا۔فرمایا فرشتوں کا ایمان تو اچھا ہونا ہی ہے کہ انہوں نے سب کچھ دیکھا ہوا ہے۔ پھر عرض کی انبیاء کرام علیہم السلام کا ہوگا۔تو فرمایا ان کا اچھا ہونا ہی ہے کہ فرشتہ ان پر وحی لاتا ہے۔پھر عرض کی گئی۔آپ کے صحابہ کا ایمان۔فرمایا میرے صحابہ نے تو مجھ سے بڑے بڑے معجزات دیکھے ہیں۔ پھر خود ہی فرمایا۔بہتر ایمان والے وہ ہیں۔ جو میرے بعد آئیں گے اور مجھ پر ایمان لائیں گے۔جبکہ انہوں نے دیکھا بھی نہیں وہ میرے اخوان (عزیزترین) ہیں۔

غلطی فہمی کا ازالہ: یہاں شیعہ یہ کہتے ہیں۔کہ صحابہ کے بعد آنے والوں کا مرتبہ صحابہ سے بڑا ہے۔کہاوت ہے۔اندھے کو اندھیرے میں بڑے دور کی سوجھی۔فتح مکہ سے بعد ایمان لانے والے پہلوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ سینکڑوں سال بعد آنے والے ان کا مقابلہ کیسے کرسکتے ہیں۔البتہ ثواب میں وہ زیادہ مرتبہ پائیں گے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۙ﴿۷﴾ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ

ہلاکت ہے ہر بہتان باندھنے والے گناہ گار کیلئے سنتا ہے آیتیں اللہ کی جو پڑھی جاتی ہیں اس پر پھر ڈٹا رہتا ہے

مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۸﴾

تکبر سے۔ گویا کہ اس نے سنا ہی نہیں۔ تو خوشخبری سناؤ اسے عذاب دردناک کی۔

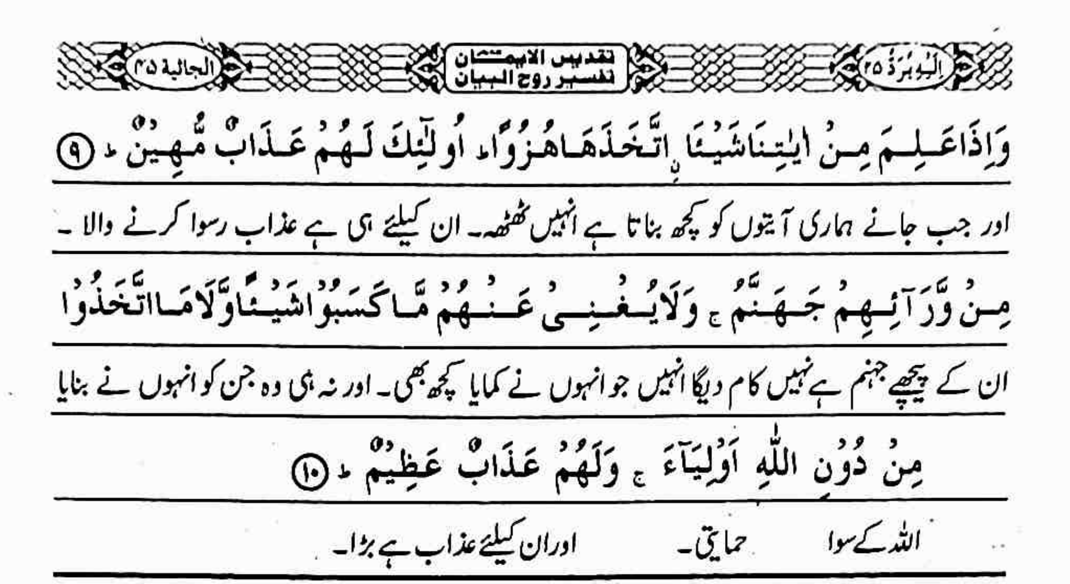
(آیت نمبر ۷) ہلاکت ہے عذاب میں ہر اس شخص کیلئے جو بہت بڑا جھوٹا اور گناہ گار ہے۔ یعنی جو حق سے پھرا ہوا اور جھوٹ سے ہر وقت جڑا ہوا ہے۔ اور دوسروں پر بہتان باندھتا ہے جو بہت بڑا جرم اور گناہ عظیم ہے۔

(آیت نمبر ۸) جو اللہ تعالیٰ کی آیات کو سنتا ہے۔ اس سے مراد قرآنی آیات ہیں کیونکہ سننے کا تعلق ان ہی کے ساتھ ہے۔ اسی طرح تلاوت کا تعلق بھی قرآن مجید کے ساتھ ہے کہ جب اس کے سامنے تلاوت کی جائے۔ پھر وہ کفر پر اصرار کرتا ہے۔ یعنی جان بوجھ کر وہ کفر پر ہی قائم و دائم رہنا چاہتا ہے۔ اس حال میں کہ وہ آیات الٰہی سن کر تکبر کرتا ہے اور وہ اپنے گمان کے مطابق باطل کو حق کے مقابلے میں صحیح جانتا ہے۔

شان نزول : یہ آیت نضر بن الحارث کے حق میں نازل ہوئی۔ وہ عجم وغیرہ سے اسفندیار اور رستم وغیرہ کے قصے ناول وغیرہ لے آتا اور لوگوں کی مجلس لگا کر انہیں سناتا تاکہ لوگ قرآن سننے نہ جائیں۔ یعنی اس طرح وہ لوگوں کو قصے کہانیاں سنانے میں مشغول رکھتا۔ تاکہ لوگ قرآن مجید سننے سے رک جائیں۔ (اور وہ بے ایمان لوگوں کو کہتا محمد بھی تمہیں قصے کہانیاں سناتا ہے میں بھی قصے کہانیاں سناتا ہوں) (ﷺ)

آگے فرمایا کہ گویا اس نے سنا ہی نہیں۔ یعنی جو نہ مانے اس نے گویا بات سنی ہی نہیں۔ لہٰذا اے محبوب تو اسے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دے۔ یعنی گناہوں پر اصرار اور تکبر پر انہیں دردناک عذاب ہوگا۔

فائدہ : عذاب کا لفظ اس کا قرینہ ہے کہ بشارت کا لفظ اپنے اصلی معنی میں نہیں ہے۔ بلکہ یہ مجازاً انذار کے بالمقابل ہے کیونکہ بشارۃ سرور والی خبر کیلئے ہوتی ہے۔ اصل میں یہاں تہکم اور استہزاء مراد ہے۔ بشارت کا اصل اور لغوی معنی یہ ہے کہ کسی کو ایسی خبر دینا کہ جس سے اس کا دل خوش ہو۔ اور اس خوشی سے اس کا چہرا تبدیل ہو جائے خواہ خوشی کی خبر مال کی ہو یا کسی اور چیز کی۔



(آیت نمبر ۹) اور جب اسے ہماری کسی آیت کا علم ہوتا ہے۔ یعنی ہماری آیات میں سے کوئی آیت اس تک پہنچتی ہے۔ تو وہ اسے ٹھٹھہ اور مخول بنالیتا ہے۔ گویا وہ ہر آیت کے ساتھ یہی عمل کرتا ہے اور وہ تمام آیات میں ایسی صورت اختیار کرتا ہے کہ جس سے حق و باطل میں تمیز نہ ہو سکے۔ بلکہ وہ لوگوں کو حق سے دور رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ جیسے نضر بن حارث نے آیات کے ساتھ یوں مزاق کیا کہ قرآن کے مقابلے میں کافروں کے قصے لے آیا۔ جن کی قرآن کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اور ابو جہل اس کی خوب تواضع کرتا اور اسے کھجور اور مکھن کھلاتا اور کہتا تو نے محمد (ﷺ) کے مقابلے میں خوب لوگوں کا دل بہلایا۔ اس لئے اس کی خاطر و مدارات کرتا تھا۔ اسی لئے جہنم میں ان کی خاطر تھوہر اور گرم پانی سے کی جائے گی اور ان کیلئے رسوا کرنے والا عذاب ہوگا تا کہ وہ سخت ذلیل ہوں۔

(آیت نمبر ۱۰) ان کیلئے ان کے آگے جہنم تیار ہے۔ یہ دن بدن اسی طرف اس کے قریب ہوتے جارہے ہیں اور یہ اس سے منہ پھیرے ہوئے ہیں اور پورے طور پر دنیا کی طرف متوجہ ہیں تو جو بھی انہوں نے دنیا میں مال و دولت کمایا ہے۔ وہ انہیں عذاب ہٹانے میں بالکل کام نہیں آئیگا۔ اور جن کو انہوں نے اللہ کے سوا اپنا کارساز بنایا ہوا ہے اور ان کی عبادت کرتے ہیں وہ بھی کام نہیں آئیں گے۔ یعنی ان کے بت بھی انہیں بروز قیامت کوئی نفع نہیں دیں گے اور ان کیلئے بہت بڑا عذاب ہے۔ یعنی جہنم کا دائمی عذاب جس کی سختی اور گہرائی کا کوئی انسان اندازہ نہیں لگا سکتا۔

هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۚ ﴿۱۱﴾

یہ ہدایت ہے اور جنہوں نے کفر کیا آیات ربانی سے ان کیلئے عذاب ہے عذاب دردناک

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا

اللہ وہ ہے جس نے بس میں کر دیا تمہارے دریا تا کہ چلیں کشتیاں اس میں اس کے حکم سے۔اور تم تلاش کرو

مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۚ ﴿۱۲﴾

اس کا فضل تا کہ تم شکر کرو۔

(آیت نمبر ۱۱) یہ ہدایت ہے۔یعنی یہ قرآن کامل ہدایت ہے۔گویا یہ اصل ہدایت ہے اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا۔یعنی اس کی طرف سے اترنے والی آیات کو نہیں مانا ان کیلئے سخت دردناک عذاب ہے۔ایسا دردناک جس کا درد پورے جسم کو ہمہ وقت لگا ہی رہے گا۔

فائدہ:بعض لوگ ظاہراً تو آیات قرانی سنتے ہیں لیکن دل سے نہیں سنتے نہ انکا باطن آیات کی طرف متوجہ ہوتا ہے ان کی ازلی بدبختی یہ ہے کہ ان پر غفلت چھا جاتی ہے اور ان کے کان آیات سننے سے بہرے ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ان کا تکبر کی وجہ سے اور قبول حق نہ کرنے اور اس پر عمل پیرا نہ ہونے کی وجہ سے ان کیلئے دردناک عذاب ہوگا۔

فائدہ :معلوم ہوا جو کلام الٰہی کو حق کے کانوں سے سنتا اور توحید کے نور سے دیکھتا ہے۔اور ان پر عمل کرتا ہے۔ اس نے گویا دونوں جہانوں کا سرمایہ جمع کر لیا اور دونوں جہانوں میں کامیاب ہوا۔

(آیت نمبر ۱۲) اللہ تعالیٰ کی ذات تو وہ ہے۔جس نے تمہارے لئے دریا کو مسخر کر دیا کہ اس کی سطح ہی ایسی بنائی کہ جو چیز ڈوبنے کے قابل تھی۔وہ اوپر ہی چلتی ہے کوئی موتی نکالنے کیلئے غوطہ لگائے یا دیگر منافع حاصل کرنا چاہے۔ وہ آسانی سے حاصل کر لیتا ہے۔یہ سب اللہ تعالیٰ کی ہی مہربانی ہے اور دریاؤں میں جو کشتیاں چلتی ہیں وہ بھی اسی کے حکم سے چلتی ہیں تا کہ تم ان پر سوار ہو کر اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔یعنی تجارت کرو۔مچھلیاں پکڑو۔موتی نکالو۔دیگر سونا وغیرہ نکال کر ہزاروں فوائد حاصل کرو۔پھر تم اللہ تعالیٰ کی حاصل کردہ نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرو۔یعنی اس کی توحید کو مانو۔**سبق**:بندے کو چاہئے کہ وہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے فضل کا طالب رہے اور اس کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرے۔تا کہ دونوں جہانوں میں کامیاب ہو۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ اِنَّ فِيْ

اور کام میں تمہارے لگادیئے جو آسمانوں میں اور زمین میں سب اس کے حکم سے۔ بے شک

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾

اس میں ضرور نشانیاں ہیں سوچنے والوں کیلئے۔

(آیت نمبر۱۳) اور آسمانوں وزمین میں جو بھی ہے وہ سب کا سب تمہارے لئے مسخر کردیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے دنیا میں سب کچھ تمہارے نفع کیلئے بنایا۔ **مسئلہ**: معلوم ہوا کہ ہر انعام اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اس نے ازراہ کرم اپنے بندوں پر انعام کیا لہذا بندوں کو بھی چاہئے کہ اس کی عبادت کر کے شکر بجالائیں۔

آگے فرمایا۔ ان تمام بڑے بڑے امور میں جن کا پیچھے ذکر ہوا۔ بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ جو صانع کی ذات اور صفات پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ ان لوگوں کیلئے ہیں جو ان عجائبات میں غور وفکر کرتے ہیں۔

حدیث شریف: حضور ﷺ کچھ لوگوں کے پاس سے گذرے جو غور وفکر کررہے تھے۔ انہیں دیکھ حضور ﷺ نے فرمایا۔ مخلوق میں غور وفکر کرنا۔ خالق کے متعلق غور وفکر نہ کرنا۔ (کیونکہ وہ تمہاری سوچ سے وراء الوراء ہے)۔ (ملتقی اہل الحدیث)

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی ایک کے پاس شیطان آکر کہتا ہے۔ آسمان کس نے بنائے۔ زمین اللہ تعالیٰ نے بنائی۔ اچھا تو پھر اللہ تعالیٰ کو کس نے بنایا تو جب یہ بات شیطان ذہن میں ڈالے تو فوراً "آمنت باللہ ورسولہ" کہنا چاہئے (مشکوۃ شریف)۔ **مسئلہ**: غور وفکر کر کے رب تعالیٰ کو پہچاننا افضل واعلیٰ عبادت ہے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک لمحے کیلئے بھی فکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے بلکہ ایک اور روایت میں ستر سال کی عبادت کا ذکر ہے۔ (العظمۃ: شیخ اصبہانی)

حضور ﷺ کے بعد امت کے سب سے بڑے مہربان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ جیسے حضور ﷺ امت کے لئے فکر مند رہتے اسی طرح وہ بھی فکر کرتے تھے۔ ایک دن دعا کی یا اللہ قیامت کے دن مجھے جہنم کے برابر موٹا کر کے جہنم میں ڈال دینا تاکہ میں ہی جہنم کو بھر دوں اور میرے آقا کے امتیوں کو جہنم سے بچالینا تو اس پر حضور ﷺ نے فرمایا تیری یہ فکر ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا

فرمادو ایمان والوں سے درگذر کریں ان کو جو نہیں امید رکھتے اللہ کے دنوں کی۔ تاکہ بدلہ دے اس قوم کو

بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

اس کا جو تھے وہ کماتے

(آیت نمبر۱۴) اے میرے محبوب میرے ان بندوں سے فرمادیں۔ جنہوں نے ایمان لایا وہ معاف اور درگذر کریں۔ ان لوگوں سے جو نہیں امید رکھتے اللہ تعالیٰ کے دنوں کی۔ جیسا کہ سابقہ امتوں میں گذرا۔ ایام حرب یعنی وہ ایام جن میں جنگیں ہوئیں۔ یا جیسے یوم بعاث۔ یہ مدینہ منورہ کے قریب ایک مقام ہے۔ جس جگہ جنگ ہوئی۔

فائدہ :بعض بزرگوں نے اس کا معنی کیا ہے کہ وہ ان اوقات کی امید نہیں رکھتے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ثواب دینے کیلئے مقرر کئے ہیں اور ان کی کامیابی کا وعدہ فرمایا ہے۔

فائدہ : آیت آیت قتال سے منسوخ ہوگئی۔

شان نزول : یہ آیت منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی کے بکواس کی وجہ سے نازل ہوئی۔ اس نے کنویں پر غلام بھیجا۔ وہ پانی سے لیکر آیا تو ابن ابی نے پوچھا کہ دیر کیوں کی تو غلام نے کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام نے اپنے تمام مشکیزے پہلے بھرے پھر مجھے موقع ملا تو اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں بکواس کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار اٹھائی کہ میں ابھی اسے قتل کروں گا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ آگے فرمایا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے عملوں کی انہیں جزاء دے۔ یعنی بروز قیامت ایمان والوں کو ان کے صبر پر اچھا اجر دے۔ اور منافقوں کو ان کے بکواسات پر انہیں سزا دے۔ **فائدہ**: ظاہراً تو اس سے کوئی مخصوص لوگ مراد نہیں۔ بلکہ جو بھی دنیا میں نیک کام کرتے ہیں۔ خصوصاً کفار اور منافقین کی ایذاؤں پر صبر کرتے ہیں اور ان کی ناگوار باتوں پر عفو و درگذر کرتے ہیں۔ انہیں اس قدر اجر و ثواب ملے گا کہ جس کا کوئی حساب نہیں گویا اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ آپ غلاموں کو فرمائیں کہ وہ کفار و منافقین کے بکواسات پر عفو و درگذر سے کام لیں۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ

جو عمل کرے گا نیک وہ اپنی ذات کیلئے۔ اور جو برا کرے تو وبال اسی پر۔ پھر طرف اپنے رب کے

تُرْجَعُوْنَ ⑮ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ

تم لوٹائے جاؤ گے۔ البتہ تحقیق دی ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور نبوۃ

وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۚ ⑯

اور رزق دیا انہیں پاکیزہ۔ اور فضیلت دی انہیں تمام جہانوں پر۔

(آیت نمبر ۱۵) اور جو بھی نیک عمل کرتا ہے۔ (وہ عمل نیک ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو) تو وہ عمل اپنی ذات کیلئے کرتا ہے۔ یعنی اس کے نیک عمل کا فائدہ اسی کو ملے گا اور جو کوئی برا عمل کرے تو اس کا وبال اس کی اپنی جان پر ہوگا۔ یعنی عذاب اسی کو ہوگا۔ کسی دوسرے کو نہیں ہوگا۔ پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ جو تمہارے سب امور کا مالک ہے۔ یعنی مرنے کے بعد اپنے اعمال کا بدلہ دیئے جاؤ گے اگر اچھے عمل ہوئے تو اچھا بدلہ ملے گا اور برے عمل ہوئے تو بری سزا۔

فائدہ: اس آیت میں اعمال صالحہ کی ترغیب دی گئی اور برے اعمال سے ڈرایا گیا۔

(آیت نمبر ۱۶) اور البتہ تحقیق دی ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکمت۔ یعنی دین کی سمجھ یا لوگوں کے درمیان جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کی صلاحیت اور استعداد اور نبوۃ بھی عطا کی۔ یہی وجہ ہے کہ بنی اسرائیل میں کثرت سے انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے۔ یہ بزرگی کسی اور قوم کو نہیں ملی۔ اسی لئے ابراہیم علیہ السلام ابوالانبیاء ہیں۔

آگے فرمایا کہ ہم نے انہیں پاکیزہ طیب اور لذیذ کھانے عطا کئے۔ یعنی من وسلویٰ وغیرہ اور ہم نے انہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی کہ ہم نے جو ان کو کمالات عطا کئے وہ دوسروں کو نہیں دیئے۔ ان کے لئے دریا کو چیرا ان پر بادلوں کا سایہ کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ **فائدہ** : بنی اسرائیل کی فضیلت اس زمانے کے لوگوں پر تھی۔ کلی فضیلت تو امت محمدیہ کو ہی حاصل ہے۔ (فضیلت کا تعلق اللہ تعالیٰ کی رضا سے ہے۔ مسلمانوں کے پکے دشمن ہیں۔ بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے باغی ہیں)۔ فضیلت کی وجہ پیچھے گذر گئی ہے۔ چونکہ یہودی اس وقت سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے باغی ہیں۔

وَاٰتَیْنٰهُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ

اور دیں ان کو واضح دلیلیں اس کام سے۔ تو نہیں اختلاف کیا مگر بعد اس کے کہ آیا

الْعِلْمُ ۙ بَغْیًاۢ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا

ان کے پاس علم حسد سے آپس میں۔ بے شک تیرا رب ہی فیصلہ کریگا ان میں بروز قیامت اس میں

كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ

کہ تھے جس میں اختلاف کرتے۔ پھر ہم نے تمہیں کیا اوپر عمدہ طریقے کے اس کام میں

فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾

تو اس پر چلو۔ اور نہ چلو خواہشوں پر ان کی جو بے علم ہیں۔

(آیت نمبر ۱۷) ہم نے انہیں دین کے واضح بیانات دیئے۔ یعنی دلائل ظاہرہ اور معجزات قاہرہ عطا کئے۔

شانِ محمد ﷺ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ یہاں پر رسول اکرم ﷺ کی بعثت کا بیان ہے اور وہ امور واضح کئے گئے کہ آپ تہامہ (مکہ مکرمہ) سے ہجرت فرما کر یثرب (مدینہ منورہ) میں قیام پذیر ہوں گے اور یثرب کے انصار آپ کے معاون ہوں گے۔ آگے فرمایا۔ کہ پھر انہوں نے اختلاف کیا اس امر میں۔ اس کے بعد کہ آ گیا ان کے پاس علم۔ اور اس کی حقانیت یعنی قرآن اور صاحب قرآن تشریف لائے۔ اور حقیقت کا علم جب ان کے پاس آیا تو پھر انہوں نے اس کی مخالفت کو اور زیادہ مضبوط کر دیا۔ آپس میں بغاوت کی وجہ سے اور یہ حسد و بغاوت بھی اس وجہ سے نہیں کہ انہیں حضور ﷺ کی رسالت میں شک تھا۔ بلکہ انہیں صرف حضور ﷺ سے بغض تھا۔ آگے فرمایا۔ بے شک تیرا رب ان میں قیامت کے دن فیصلہ فرمائے گا۔ یعنی ان کا مواخذہ ہوگا اور انہیں سزا دے گا۔ ان چیزوں کی جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ یعنی دینی معاملات میں۔

(آیت نمبر ۱۸) پھر بنی اسرائیل کے بعد تمہارے طریقے کو جاری فرمایا۔ جو سنت پر اور عظیم الشان طریقے پر ہے اور دین کے مطابق ہے۔ لہذا اس کی پیروی کریں۔ یعنی اس کے احکام پر عمل کریں اور دوسروں کو بھی اس پر چلائیں۔ اور اس میں کسی قسم کی کمی بیشی بھی نہ کریں۔

إِنَّهُمْ لَنْ يُغْنُوا عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ

پھر بے شک ہرگز نہیں کام دیں گے تمہیں اللہ کے مقابل کچھ۔ بے شک ظالم ایک

أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۖ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ﴿١٩﴾

دوسرے کے دوست ہیں۔ اور اللہ دوست ہے پرہیزگاروں کا۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۸) **فائدہ**: امام نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ اس کا معنی کرتے ہیں۔ اے محبوب ہم نے آپ کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے منفرد بنایا۔ اور خصوصی لطائف سے نوازا اور مخصوص باتوں سے خاص کیا۔ لہذا آپ انہیں حاصل کریں اور آپ کو مخصوص طریقہ اور شریعت عطا کی۔ تاکہ آپ اسی کی اتباع کریں۔ اگر موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام بھی آئیں تو وہ بھی اسی کی اتباع کریں گے۔ **فائدہ**: امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ شریعت امور شریعیہ کی محافظت کو کہتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ بے علم لوگوں کی خواہشات پر نہ چلیں۔ نہ ان کی رائیں دیکھو کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ اس سے مراد قریش مکہ ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رائے دیتے کہ اپنے باپ دادا کے دین کی طرف لوٹ آؤ۔ کیونکہ وہ تم سے بہتر تھے۔ (حالانکہ نبی سے بہتر غیر نبی کبھی بھی نہیں ہوسکتا۔)

(آیت نمبر ۱۹) بے شک وہ بت تمہیں نہیں بچا سکتے اللہ کے عذاب سے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دینے کا ارادہ کرے تو وہ نہیں بچا سکتے۔ یا یہ معنی ہے کہ اگر تم نے ان کی اتباع کی تو وہ تمہیں عذاب سے نہیں بچا سکتے۔ بعض بزرگوں نے یہ معنی کیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کسی نعمت کے دینے کا ارادہ فرمالے تو یہ کفار قدرت نہیں رکھتے کہ وہ اسے روک لیں۔ یا اگر اللہ تعالیٰ تمہاری آزمائش کا ارادہ کرلے تو انہیں یہ طاقت حاصل نہیں کہ اسے دفع کرسکیں۔

آگے فرمایا بے شک ظالم بعض بعض کے دوست ہیں۔ لہذا ان سے دوستی وہی کرے گا جو ان جیسا ظالم ہوگا۔ کیونکہ جنس جنس کی طرف مائل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کا دوست ہے۔ اے محبوب آپ ان متقیوں کے مقتداء ہیں۔ آپ اپنی راہ پر قائم رہیں۔ شریعت اور تقوی کو اپنائیں اور ماسوی اللہ سے کلی طور پر دور رہیں۔

فائدہ: ظلم کہتے ہیں کسی چیز کو غیر محل میں رکھنا۔ اور کفار کو ظالم اس لئے کیا گیا کہ انہوں نے ایمان کے بجائے کفر اختیار کیا اور ایمان والوں کو متقی اس لئے فرمایا کہ وہ کفر و شرک سے بچ گئے اور اپنے تمام معاملات کا کفیل اللہ تعالیٰ کو بنایا۔

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

یہ آنکھیں کھولنے کیلئے ہیں لوگوں کی اور ہدایت اور رحمت ہے یقین والوں کیلئے ۔

(آیت نمبر ۲۰) یہ قرآن لوگوں کی آنکھیں کھولنے اور انہیں سیدھی راہ دکھانے کیلئے کافی ہے۔ اس لئے کہ اس میں دین و شرائع کے ایسے مسائل ہیں۔ جیسے دلوں کی بینائی۔ گویا قرآن بمنزلہ روحِ حیات کے ہے۔

فائدہ :لہٰذا جو قرآنی تعلیمات سے خالی ہے وہ گویا کہ اندھا ہے۔ اسے کوئی بصیرت حاصل نہیں بلکہ وہ مردہ ہے۔ یا وہ اس پتھر کی طرح ہے۔ جس میں حس و حیات نہیں ہے۔

فائدہ :قرآن کو بصائر اجزاء کے اعتبار سے کہا گیا۔ دوسرے مقام پر فرمایا تمہارے پاس رب تعالیٰ کی طرف سے بصائر آ گئے۔ یعنی قرآن مجید اور اس کی آیات آ گئیں۔ جن میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر واضح دلائل ہیں۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو دی جانے والی نو نشانیوں کو بھی بصائر ہی کہا گیا۔

فائدہ :اس میں اشارہ ہے کہ شریعت ہی بصائر ہے۔ جس کی اتباع ضروری ہے۔

یہ قرآن لوگوں کو گمراہیوں سے نکال کر ہدایت کی طرف لے جانے والا ہے اور یہ بہت بڑی رحمت اور نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کی۔ اس لئے دنیا و آخرت کی تمام سعادتیں اسی سے ملتی ہیں اور یہ ان لوگوں کے لئے ہیں جو یقین والے ہیں۔ یعنی وہ صرف گمان میں نہیں رہتے۔ بلکہ اس سے گذر کر منزل یقین پر فائز ہوتے ہیں۔

فائدہ :امام نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایمان والے انوار بصیرت کی وجہ سے مقام یقین تک پہنچنے کی استعداد رکھتے ہیں کہ جب ان میں انوار بصیرت چمکتے ہیں تو ان پر حق و باطل واضح ہو جاتے ہیں۔ وہ پھر حق کو قبول کر لیتے ہیں۔ اور باطل کو چھوڑ دیتے ہیں۔

حدیث شریف :حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن بیماریوں کا تمہیں علاج بتاتا ہے اور تمہاری بیماریاں دراصل تمہارے گناہ ہیں۔ ان کی دوا استغفار ہے۔ سب گناہوں سے بڑا گناہ شرک ہے اس کا علاج توحید ہے۔ (اخرج البیہقی فی شعب الایمان)۔ اسی لئے قرآن کو لوگوں کیلئے شفا بھی کہا گیا ہے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

یا گمان کیا جو کرتے ہیں برائیاں کہ ہم کریں گے ان سے جیسے ایمان والوں سے کریں جنہوں نے عمل

الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ع ﴿۲۱﴾

نیک کئے۔ برابر ہے ان کی زندگی اور موت۔ برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔

(آیت نمبر ۲۱) کیا گمان کر لیا ان لوگوں نے جنہوں نے برائیاں کیں۔ یہاں سیئات سے مراد کفر اور نافرمانیاں ہیں۔ آگے فرمایا کیا ہم انہیں کر دیں گے۔ ان لوگوں کی طرح جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔ یعنی برے عملوں والے کے ساتھ وہی معاملہ کریں گے جو نیک اعمال والوں سے کریں گے ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ نیک اعمال والوں کو تو بزرگی اور بلند درجات دیں گے اور کفار کو جہنم کی سزا ہوگی۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ان دونوں گروہوں کے ساتھ ایک جیسا معاملہ ہو۔ کسی معاملہ میں بھی برابری نہیں ہوگی۔ جیسے زندگی اور موت برابر نہیں۔ اس لئے کہ مسلمان ایمان و طاعت میں زندگی گذارنے والا مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی رضا اور خوشنودی میں ہوگا۔ اور کفار نے زندگی کفر و نافرمانی میں گذاری اور مرنے کے بعد دائمی لعنت اور عذاب میں ہونگے برابری کیسی ہے۔

فائدہ : یعنی دونوں کا معاملہ الگ الگ ہے۔

شان نزول : کفار مکہ مسلمانوں سے کہتے تھے پہلے تو قیامت ہوگی ہی نہیں۔ اور اگر بالفرض قیامت کو تسلیم کر لیں تو بھی ہمارا حال تم سے اچھا ہوگا اور تم سے بہتر ہوگا۔ دنیا میں ہم معزز ہیں تو آخرت میں بھی ہماری عزت ہوگی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کیسے برے فیصلے کر رہے ہو کہ دنیا کا قیاس آخرت کے ساتھ کر رہے ہو۔ **فائدہ**: دنیا تو اللہ تعالیٰ نے کافر کیلئے جنت بنائی۔ اور اسے خوب مال و دولت دیا۔ جس کی بناء پر وہ سرکش ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے بغاوت کی۔ اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں سے دشمنی کی۔ اور ایمان والوں نے اسلام کی خاطر طرح طرح کے مصائب جھیلے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر عمل کیا۔ اور اسے راضی کیا۔ تو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا اور ناراض کرنے والا دونوں برابر کیسے ہوگئے۔

فائدہ : بزرگان دین اس آیت کو پڑھ کر بہت روتے کہ معلوم نہیں کس گروہ میں ہوں گے۔

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ

اور بنایا اللہ نے آسمانوں اور زمین کو ساتھ حق کے تاکہ بدلہ پائے ہر جان اس کا جو اس نے کمایا

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى

اور وہ نہیں ظلم کئے جائیں گے کیا تو نے اسے دیکھا جس نے بنایا اپنا خدا اپنی خواہش کو اور اسے گمراہ کردیا اللہ نے

عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ

علم کے باوجود۔ اور مہر کردی اوپر اس کے کان اور دل کے اور کیا اس کی آنکھ پر پردہ۔ پھر کون

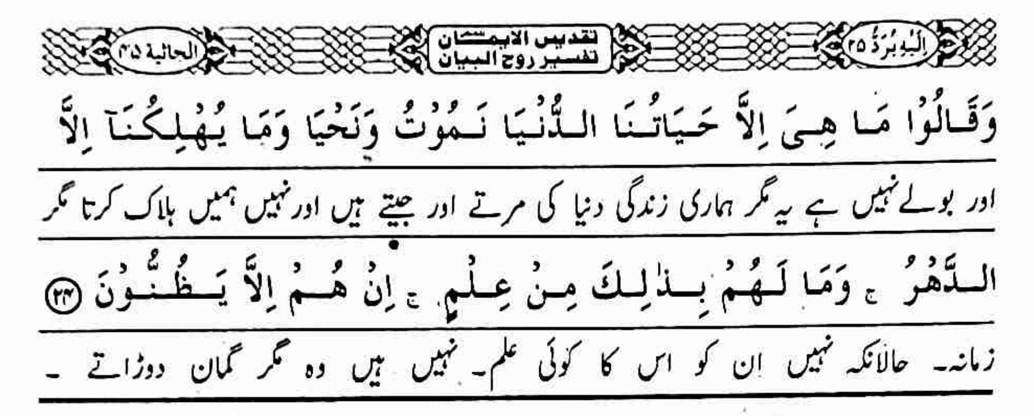
يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾

ہدایت دیگا اسے بعد اللہ کے کیا نہیں تم دھیان کروگے۔

(آیت نمبر ۲۲) اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان حق کے ساتھ بنائے۔ تاکہ حق اور اس کی حقیقت کا ظہور ہو۔ کیونکہ حق کے ظہور سے باطل خود ہی عدم ہوجاتا ہے۔ تاکہ ہر نفس کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے۔ اچھا کام کیا ہو تو بدلہ بھی خیر اور اگر شر کیا تو بدلہ بھی شر ہوگا آگے فرمایا کہ ان پر ظلم نہیں ہوگا۔ بلکہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزاء ملے گی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جہان کو حق کے ساتھ اس لئے پیدا فرمایا تاکہ اطاعت گذار اور گناہ گار کے درمیان امتیاز ہو۔ **سبق**: سالک پر لازم ہے کہ اعمال صالحہ میں وہ جلدی کرے۔ خصوصاً توحید پر پختہ اور ذکر الٰہی میں کثرت کرے۔

(آیت نمبر ۲۳) کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے کہ جس نے اپنی خواہش کو معبود بنالیا۔ چونکہ نفس خواہشات کا دیوانہ ہے۔ **فائدہ**: شعبی فرماتے ہیں کہ خواہش کو ہوا اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنے چاہنے والے کو جہنم کی طرف دھکیلتی ہے۔ **فائدہ**: اس میں تعجب کا بھی اظہار ہے کہ جو ہدایت کی اتباع چھوڑ کر خواہشات کی اتباع کرتا ہے۔ گویا وہ اس کی عبادت کرتا ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کردیا۔ یعنی جو ہدایت چھوڑ کر خواہشات پر چلا اس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کردیا اور یہ کام جاننے کے باوجود کیا کیونکہ جب اس کے پاس حق آیا تو اس نے عناد سے اسے قبول نہیں کیا تو گمراہ ہوا۔


وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا

اور بولے نہیں ہے یہ مگر ہماری زندگی دنیا کی مرتے اور جیتے ہیں اور نہیں ہمیں ہلاک کرتا مگر

الدَّهْرُ ج وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ج اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾

زمانہ۔ حالانکہ نہیں ان کو اس کا کوئی علم۔ نہیں ہیں وہ مگر گمان دوڑاتے ۔

(بقیہ آیت نمبر۲۳) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کانوں اور دلوں پر مہر ماردی۔ لہٰذا اب کوئی وعظ ونصیحت اس پر اثر نہیں کرتا۔ پھر وہ نہ حق کو سنتا ہے۔ نہ آیات میں غور وفکر کرتا ہے۔ نہ ڈر والی آیات میں سوچ و بچار کرتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اس لئے کہ وہ چیز کو دیکھ کر عبرت حاصل نہیں کرتا۔

فائدہ: مشائخ فرماتے ہیں۔ کانوں پر مہر لگی تو خطاب سننے سے محروم ہوا۔ دل پر مہر لگی تو خطاب کے فہم سے محروم ہوا اور آنکھوں پر مہر لگی تو آثار وقدرت کے مشاہدہ سے محروم ہو گیا۔

آگے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہی اسے گمراہ کر دیا تو پھر اسے ہدایت کون دے گا۔ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ یعنی ایسی باتیں دیکھنے سننے کے باوجود تم نصیحت نہیں پکڑتے اور متنبہ نہیں ہوتے۔

(آیت نمبر۲۴) منکرینِ قیامت اپنی گمراہی سے کہتے تھے۔ (یعنی قریش مکہ) یوں کہتے کہ نہیں ہے یہ مگر صرف دنیا کی زندگی۔ جس میں ہم رہ رہے ہیں۔ اسی میں مرتے جیتے ہیں۔ یعنی کوئی جی رہا ہے تو کوئی مر رہا ہے۔ اس کے بعد اور کوئی حیات نہیں یعنی دوبارہ نہیں زندہ ہوں گے۔ آگے کہا کہ ہمیں زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔

فائدہ: القاموس میں ہے۔ دہر ایک لمبے زمانہ کو کہا جاتا ہے۔ ایک ہزار سال کو بھی دہر کہا جاتا ہے تو وہ لوگ نہ روح کے امرِ الٰہی ہونے کے قائل ہیں نہ ملک الموت کے۔ اسی لئے وہ لوگ زمانے کو گال دیتے ہیں اور زمانے کو برا بھلا کہتے ہیں۔ حالانکہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا زمانے کو گالیاں نہ دو۔ زمانہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ (ریاض الصالحین)۔ **تنبیہ**: بعض دفع لوگ جوش خروش یا غمی خوشی کے وقت کہہ دیتے ہیں۔ زمانہ ہی برا ہے۔ یا ہم برے زمانے میں آئے اور بعض گالیاں تک نکال دیتے ہیں۔ اس لئے فرمایا۔ زمانہ بنانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ کیونکہ وہی حوادث کا مصرف ومدبر ہے۔ اس لئے زمانے کو کبھی گال نہیں دینی چاہئے۔

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا

اور جب پڑھی جائیں ان پر ہماری آیتیں واضح۔ تو نہیں ہوتی ان کی حجت مگر یہ کہتے ہیں کہ لے آؤ

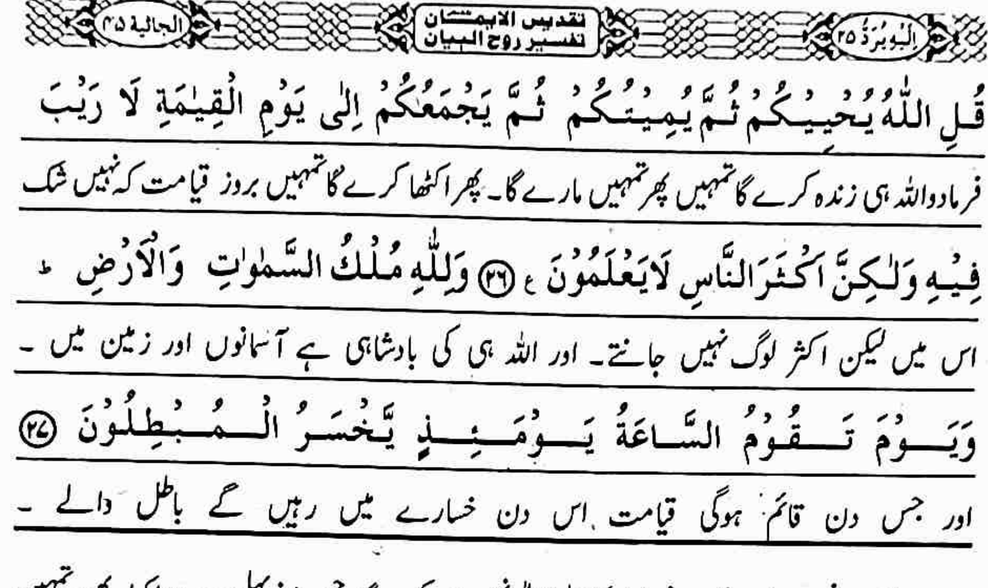
بِاٰبَآئِنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾

ہمارے باپ دادا کو اگر ہو تم سچے۔

(بقیہ آیت نمبر۲۴) آگے فرمایا کہ جو یہ کہتے ہیں کہ حیات صرف دنیوی ہے۔ زمانہ ہی موت وحیات دیتا ہے۔ وہ لوگ بے علم جاہل ہیں۔ ان کے پاس کوئی علمی دلیل بھی نہیں ہے کہ جسے عقل قبول کرے وہ تو صرف انکل پچو اور تخمینے سے باتیں کرتے ہیں۔ یا پچھلے لوگوں کی سنی سنائی باتیں ہیں۔ دلیل ان کے پاس بھی کوئی نہیں تھی۔ اسی کا نام عقیدہ فاسدہ ہے۔ اور اس قسم کے لوگ آج بھی دنیا میں ہیں۔ جنہیں دھریہ کہا جاتا ہے۔

مسلمانوں کا عقیدہ: سنی سنائی باتوں پر نہیں۔ بلکہ قرآن وحدیث سے ماخوذ ہے۔ اس لئے اہل سنت کو اپنے عقائد پر یقین ہے۔ جس میں نہ گمان ہے۔ نہ تخمینہ۔ لہذا جو اپنا عقیدہ قرآن وسنت کے مطابق رکھے وہی کامیاب ہے۔ اور جو اپنا عقیدہ اس کے خلاف رکھے وہ ہلاک اور تباہ ہوگا۔ مسلمان کیلئے لازمی عقیدہ توحید کا ہے اور وہ جانے کہ ہر چیز میں مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اسی لئے ہوا کو گالی دینے سے روکا گیا ہے۔ اس لئے کہ ہوا ایک فرشتے کے قبضے میں ہے اور فرشتہ اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔ اس لئے تمام تصرفات اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہوتے ہیں۔

(آیت نمبر۲۵) اور جب ان کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں۔ جن میں بعث وحشر کا بیان ہے اور وہ آیات بالکل واضح ہیں۔ جن میں یہ بیان ہے۔ کہ دوبارہ وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ ایک اور مقام پر فرمایا۔ بے شک وہ ذات جس نے اسے زندہ کیا وہ ہے جو مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ آگے فرمایا۔ ان کے پاس ہماری آیات کے مقابل کوئی حجت بھی نہ تھی۔ یعنی کوئی ایسے استدلال والی چیز جو اس کی معارض ہوتی۔ مگر انہوں نے عناد سے یہ بات کہی کہ ہمارے باپ دادا جو پہلے مر گئے ہیں تم انہیں قبروں سے زندہ کر کے لے لاؤ۔ اگر تم سچے ہو۔ یعنی اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ مرنے کے بعد پھر ایک دن زندہ ہوں گے تو اس دعوے کی سچائی میں یہ کام کر دو تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ اس کا تفصیلی بیان سورہ دخان میں ہو چکا ہے۔ واضح کیا ہے کہ ان کا یہ قول باطل اس لئے ہے اور قابل حجت نہیں ہے کہ ہم نے دعوی میں انہیں یہ بتایا تھا کہ یہ زندہ ہونا قیامت کے دن ہوگا۔ اور وہ دنیا میں ہی مانگ رہے ہیں۔ اور وہ بھی فقط ان کا قول ہے۔ اگر مردے زندہ ہو بھی جاتے انہوں نے پھر بھی انکار کرنا تھا۔



قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ

فرمادو اللہ ہی زندہ کرے گا تمہیں پھر تمہیں مارے گا۔ پھر اکٹھا کرے گا تمہیں بروز قیامت کہ نہیں شک

فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۶ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

اس میں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور اللہ ہی کی بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین میں ۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ۝۲۷

اور جس دن قائم ہوگی قیامت اس دن خسارے میں رہیں گے باطل والے ۔

(آیت نمبر ۲۶) اے محبوب فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں زندہ کرے گا۔ جس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ پھر وہ تمہیں مارے گا۔ جب تمہارا دنیا کا وقت پورا ہوگا۔ پھر وہ قبروں سے زندہ کر کے سب کو جمع کرے گا۔ اس دن جس میں کوئی شک وشبہ نہیں اور حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جزاء وسزا کیلئے مخلوق کو ایک جگہ جمع کیا جائے۔

فائدہ: یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے آباء واجداد کو دنیا میں دوبارہ پیدا کرنا مشکل نہیں۔ لیکن یہ حکمت تشریعیہ کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ (اس سے پہلے ہزاروں لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کے کہنے پر اللہ تعالیٰ نے زندہ کئے اس پر قرآن گواہ ہے موسیٰ علیہ السلام اور خزقیل علیہ السلام کی دعاؤں سے ہزاروں مردے زندہ ہوئے)۔ آگے فرمایا۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اس لئے کہ وہ غفلت اور بھول میں پڑے ہین۔

ایصال ثواب صحیح ہے: امام عزالدین بن سلام (ساری زندگی ایصال ثواب کے مخالف رہے) وفات کے بعد خواب میں ایک بزرگ سے ملے تو انہوں نے پوچھا۔ اب بتائیں مردوں کو قراۃ قرآن کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں۔ دنیا میں تو آپ فرماتے تھے ثواب نہیں پہنچتا۔ اب کیا خیال ہے۔ تو فرمایا۔ افسوس میں غلطی پر تھا۔ اب یقین ہوا کہ ثواب پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (دور حاضر میں بھی ایصال ثواب کے منکرین مرنے کے بعد پچھتائیں گے)۔

(آیت نمبر ۲۷) اللہ تعالیٰ کی ہی بادشاہی آسمانوں اور زمین میں ہے۔ ملکیت اور تصرف کلی سب اس کے پاس ہے۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی۔ اس دن باطل والے خسارے میں رہ جائیں گے۔

فائدہ: یہاں باطل سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو قیامت کے دن زندہ ہونے اور سزا جزا کے منکر ہیں۔ ان کیلئے وہاں گھاٹا ہی گھاٹا ہے کہ نہ انہوں نے ایمان لایا نہ کوئی نیکی کی تو وہ دھکیل کر جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ

اور تو دیکھے گا ہر امت گری ہوگی۔ زانو کے بل ہر گروہ بلایا جائیگا اعمالنامے کی طرف۔ آج

تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾

تم بدلہ دیئے جاؤ گے جو تھے تم عمل کرتے۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۷) انسان کا راس المال اور پونجی حیات، عقل اور صحت ہے۔ ان میں تصرف آخرت کی نیک بختی کو حاصل کرنا ہے تو جیسے تاجر مال کے تصرف سے نفع حاصل کرتا ہے۔ ایسے ہی انسان اپنی حیات عقل اور صحت کسے تصرف سے اخروی نفع حاصل کرتا ہے۔ چونکہ کفار نے راس المال ضائع کردیا۔ اس لئے وہ آخرت میں خائب وخاسر ہوں گے۔ (تفسیر کبیر) مقولہ ہے کہ جس نے عمر ضائع کی وہ اپنا ماتم کرے۔

(آیت نمبر ۲۸) تو دیکھے گا کہ ہر امت قیامت کے دن ہولنا کی کی وجہ سے گھٹنوں کے بل گری پڑی ہوگی اور وہ انتہائی خوفزدہ ہوں گے اور سوال وجواب اور حساب کی وجہ سے سخت مضطرب ہوں گے۔ کفار تو اپنے کفر کی وجہ سخت کرب میں ہونگے۔ جب تک حساب وکتاب نہیں ہوتا مسلمان گناہگار کا بھی یہی حال ہوگا۔

فائدہ: حضرت کعب اخبار نے جناب عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ بروز قیامت جہنم شور کرے گی تو اس کے خوف سے ہر ملک مقرب اور نبی مرسل بھی گھٹنوں کے بل گرا ہوگا۔ یہاں تک کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جیسے پیغمبر بھی نفسی نفسی پکار رہے ہوں گے۔ پھر ہر امت اپنے اعمالنامے کی طرف بلائی جائے گی۔

فائدہ: اس میں بندوں کے عجز کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی بندہ اتنا عاجز ہے۔ کہ وہاں کچھ بھی نہیں کر سکے گا۔

پھر فرمایا جائے گا۔ کہ آج تمہیں اس کی جزاء ملے گی جو جو تم عمل کرتے رہے۔ جس کا عمل مقبول ہوگا۔ اس کی جزاء جنت ہے اور جس نے کفر یا شرک کیا اس کی سزا جہنم ہوگی۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ قیامت کے دن ایمان اور شرک اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں گے۔ تو اللہ تعالیٰ ایمان سے فرمائے گا۔ تو اپنوں کو جنت میں لے جا اور شرک سے فرمائے گا تو اپنوں کو جہنم میں لے جا۔ (درمنثور تفسیر بالماثور)



هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٩﴾

یہ نوشتہ ہمارا بولتا ہے تم پر حق سے بے شک ہم لکھتے رہے تھے جو جو تھے تم کرتے ۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ

البتہ جو ایمان لائے اور عمل نیک کئے تو انہیں داخل فرمائے گا ان کا رب اپنی رحمت میں ۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿٣٠﴾

یہی کامیابی ہے واضح ۔

(آیت نمبر ۲۹) یہ ہماری کتاب ہے۔ یہ پچھلے جملے کا تکملہ ہے۔ یعنی یہ ایسی کتاب ہے جس میں تمام بندوں کے اعمال ہیں۔ اس میں تمام لکھا ہوا حکم الٰہی سے ہوگا۔ آگے فرمایا کہ ہماری کتاب تمہارے متعلق بول کر گواہی دے گی۔ حق کے ساتھ یعنی ٹھیک ٹھیک بغیر کسی کمی بیشی کے۔ بے شک ہم اس میں لکھتے رہے۔ یعنی فرشتوں کے ذریعے تمہارے اعمال لکھواتے رہے۔ وہ اعمال نیک یا برے بڑے تھے یا چھوٹے۔ ہمارے حکم سے فرشتوں نے اعمالنامے میں ثبت کر دیئے۔ اگر چہ وہ سب کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہوا تھا۔ کیونکہ قلم نے روز ازل میں وہ سب لکھ دیا جو انسان نے دنیا میں آ کر کرنا تھا۔

مسئلہ: معلوم ہوا انسان نے جو کچھ کرنا ہوتا ہے۔ وہ فرشتوں کو پہلے ہی بتا دیا جاتا ہے۔ گویا فرشتے انسانوں کے ساتھ بطور گواہ کے ساتھ رہتے ہیں۔ تاکہ حجت قائم ہو جائے۔ بعض علماء نے کہا کہ لوح محفوظ کا لکھا بھی ان کے پاس ہوتا ہے اور جو جو انسان کر رہا ہوتا ہے۔ اسے وہ لوح محفوظ والی تحریر سے ملاتے ہیں۔ تو بالکل اس کے مطابق پاتے ہیں۔ **سبق**: بندے پر لازم ہے کہ موت سے پہلے اپنے احوال کی اصلاح کرلے۔ بہت جلد عمر ختم ہو جائیگی۔

(آیت نمبر ۳۰) البتہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے تو اللہ تعالیٰ انہیں داخل فرمائے گا۔ اپنی رحمت میں یعنی جنت میں۔ جنت اور رحمت ایک ہی چیز ہے۔ جنت میں داخلہ بہت واضح کامیابی ہے کہ اس سے بڑی کوئی کامیابی نہیں۔ فوز عظیم آخرت میں لقائے خداوندی کو کہتے ہیں۔ لیکن یہ کامیابی عوام کے سامنے ظاہر نہیں ہے۔ انہیں تو جنت میں چلے جانا ہی بڑی کامیابی نظر آتی ہے۔ لیکن اصل کامیابی دیدار الٰہی ہے۔ اس لئے اس کامیابی کو فوز مبین کہا گیا ہے۔ اگر چہ دونوں کامیابیاں اصل میں ایک ہی ہیں۔ کیونکہ دیدار الٰہی بھی صرف جنتیوں کو ہی ہوگا۔

وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۗ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰى عَلَیْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ

البتہ جو کافر ہیں۔ کیا نہیں تمہیں میری آیتیں پڑھی گئیں تم پر۔ پھر تم نے تکبر کیا

وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ﴿۳۱﴾

اور تھے تم لوگ مجرم۔

(آیت نمبر ۳۱) البتہ جنہوں نے کفر کیا۔ ان سے کہا جائیگا کہ کیا تمہارے سامنے ہماری آیات نہیں پڑھی جاتی تھیں۔ یہ بات انہیں ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ کہی جائیگی۔ یعنی کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے تھے اور کیا انہوں نے تمہیں ہماری آیات پڑھ کر نہیں سنائی تھیں تو تم نے (ماننے کے بجائے) تکبر کیا اور تم تھے ہی مجرم یعنی جرائم پیشہ لوگ تھے۔

فائدہ: شیخ سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے بحر العلوم میں لکھا ہے کہ وہ لوگ جو آیات سے محروم رہے۔ جن تک آیات نہیں پہنچ سکیں۔ ان پر یہ حکم لاگو نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ لوگ معذور ہیں۔ ہوسکتا ہے وہ بخشے جائیں۔ رحمت خداوندی انہیں اپنی وسعت میں گھیر لے۔ اسی طرح جو لوگ دور فترت میں ہوئے۔ یا بے عقل یا گنگے ہوئے۔ ممکن ہے کہ وہ بھی رحمت بے پایاں سے حصہ پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑا رحیم وکریم ہے۔

حدیث شریف: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ چار قسم کے لوگ ایسے ہوں گے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں عذر سے بخشے جائیں گے۔ (۱) جو دور فترت میں فوت ہوا۔ (۲) جس نے بڑھاپے میں اسلام پایا۔ (۳) بہرہ۔ گونگا۔ (۴) مجنون اور احمق۔ (البدایہ والنہایہ۔ حافظ ابن کثیر)

رحمت الٰہی میں بہت وسعت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کو بندوں پر تنگ نہیں رکھا۔ اس لئے بندوں کو کافر بنانے اور گمراہ کہنے سے زبان کو روک رکھو۔ ان لوگوں کی طرح نہ ہو۔ جن کی پونجی چند کتابیں ہیں۔ جن سے وہ لوگوں کو کافر (مشرک بدعتی) بناتے رہتے ہیں۔ بعض متکلمین بھی ایسے ہیں جو وہابیوں کی طرح اہل اسلام کو کافر (مشرک وبدعتی) بنانے میں لگے رہتے ہیں۔ وہ کذاب دین کی روح سے ناواقف ہیں۔ بلکہ وہ کہتے ہیں جو ہمارے عقائد نہیں مانتا وہ کافر ہے۔ ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار اور لعنت ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو وسعت کے باوجود تنگ جانا اور جنت کو اپنی جاگیر سمجھ لیا۔ ان بے وقوفوں نے ایسے لوگوں کو کافر مشرک اور گمراہ کہنا شروع کردیا جو اہل اسلام کے نزدیک انتہائی نیک اور پارسا ہیں۔ اور بعض جہلاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھونکتے ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ

اور جب کہا گیا بے شک وعدہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور قیامت نہیں شک اس میں۔ تم نے کہا نہیں جانتے

مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿۳۲﴾

کہ کیا ہے قیامت۔ نہیں ہمیں خیال مگر ایک گمان ہے اور نہیں کوئی ہمیں یقین۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۱) انہیں حضور ﷺ کا یہ ارشاد معلوم نہیں کہ میری تمام امت جنت میں جائیگی سوا زندیقوں کے۔ زندیق وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ وہ کہتے ہیں۔ زمانہ یوں ہی چلتا ہی رہے گا اور وہ کسی چیز کو حرام بھی نہیں کہتے۔ (مزید تفصیلات فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں)۔

(آیت نمبر ۳۲) اور جب کہا جائے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے۔ ضرور پورا ہوگا۔ اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں۔ اس کے واقع ہونے کے متعلق جو مخبر صادق نے خبر دی ہے اور اس کے ہونے پر شواہد بھی قائم ہیں۔ لیکن تم نے اپنی سرکشی سے کہا کہ ہم تو نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے۔ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ یہ محض گمان ہی گمان ہے۔ ہمیں یقین نہیں ہے کہ قیامت قائم ہوگی۔

فائدہ: غالباً قیامت کے بارے میں کفار کے کئی گروہ تھے۔ کچھ کہتے۔ صرف یہ دنیا ہے۔ اس کے آگے کچھ نہیں۔ کچھ کہتے قیامت ہوئی تو ہماری عزت زیادہ ہوگی۔ اور کچھ کہتے ہیں۔ یہ گمان ہی ہے۔ یعنی شک ہی ہے۔ کیونکہ انہوں نے حضور ﷺ سے بہت دلائل سن لئے تھے۔

ظن اور یقین میں فرق: ظن وہ عقیدہ ہے۔ جس میں اس کے مخالف بات کا بھی احتمال ہو اور یقین کا مطلب ہے شک کو زائل کر کے علم کو پختہ کرنا۔ قیامت کے متعلق شک کرنے والا گویا اللہ ورسول پر بھی شک کرتا ہے۔

سبق: عقل والے پر لازم ہے کہ وہ ان امور پر یقین رکھے کہ جن کی اللہ (اور اس کے رسول) نے خبر دی ہے۔

یقین کے مراتب: ۱۔ علم الیقین: جو ادراک باطنی۔ درست فکر اور استدلال سے حاصل ہو۔ یہ علماء عاملین کو حاصل ہوتا ہے۔ (۲) عین الیقین: یہ اس وقت ملتا ہے۔ جب معلوم اشیاء کا مشاہدہ ہو۔ اس کی آنکھوں سے پردے ہٹ جائیں۔ یہ مرتبہ عین الیقین اولیاء کرام کو نصیب ہوتا ہے۔ (۳) اس سے اوپر کا درجہ حق الیقین کا ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کو نصیب ہوتا ہے۔

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور ظاہر ہوگئیں ان کی برائیاں جو انہوں نے کیں۔ اور گھیر لیا انہیں جو تھے اس سے مزاح کرتے

وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰكُمُ النَّارُ

اور کہا جائیگا آج ہم چھوڑتے ہیں تمہیں جیسا بھلایا تم نے ملنے اس دن کو اور ٹھکانہ تمہارا آگ ہے۔

وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

اور نہیں ہوگا تمہارا کوئی مددگار۔

(آیت نمبر۳۳) کفار کے برے اعمال جو بھی ہیں۔ قیامت کے دن ان کے سامنے آجائیں گے۔ ڈراؤنی اور بری شکلوں میں ظاہر ہوں گے۔ مثلاً حرام کام خنزیر کی شکل میں۔ نیند بھینس کی شکل میں۔ خود پسندی بندر کی شکل میں۔ لواطت ہاتھی کی شکل میں۔ مکر لومڑی کی شکل میں چوری رات کی شکل میں غرضیکہ تمام برے اعمال مختلف بری شکلوں اور صورتوں میں سامنے آئیں گے۔ اسی لئے دنیا کو کھیتی کہا گیا کہ اس میں جیسا کوئی بیج ڈالے گا ویسا ہی پھل کاٹے گا۔ لہذا برے اعمال کی بری سزا ہوگی۔ آگے فرمایا۔ جو وہ نبی کریم ﷺ یا قرآن مجید یا اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ انہیں ان کی برائیاں بری شکلوں میں آکر گھر لیں گی اور ایذائیں پہنچائیں گی۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوگا۔ جو دنیا میں وہ اللہ والوں سے ٹھٹھا مزاق کیا کرتے تھے۔

(آیت نمبر۳۴) اور انہیں کہا جائیگا۔ آج بروز قیامت ہم تمہیں بھلا دیں گے۔ یعنی عذاب میں داخل کرکے چھوڑ دیں گے۔ یہاں بھولنا بمعنی چھوڑ دینے کے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بھولنے سے پاک ہے۔ (استعارہ کے طور پر ہے)۔ یا چھوڑ لا پرواہ ہونے کے معنی میں ہے۔

جیسے تم آج قیامت کے دن کی ملاقات سے لا پرواہ ہوگئے تھے۔ یعنی تم نے دنیا میں آج کے دن کو کوئی وقعت نہیں دی کہ نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور نہ اس دن کیلئے کوئی نیک عمل کیا۔

فائدہ :اس میں اشارہ ہے کہ انہوں نے دنیا میں نسیان کا بیج ڈالا پھل بھی نسیان ہی ملا۔ آگے فرمایا کہ تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے۔ کیونکہ جو ہمیں یاد نہ کرے اور ہمیں بھلا دے۔ اس کا وہی ٹھکانہ ہے اور پھر تمہارا اس جہنم سے نکالنے یا نکلنے میں مددگار بھی کوئی نہیں ہوگا۔ جو تمہیں دوزخ سے چھٹکارا دلا دے۔

ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّ غَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ

یہ اس لئے کہ تم نے بنایا آیات خداوندی کو مزاح۔ اور دھوکہ میں رکھا تمہیں زندگی دنیا نے۔

فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾

تو آج وہ نہیں نکالے جائیں گے آگ سے۔ اور نہ وہ منائے جائیں گے۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾

پس اللہ کیلئے ہیں سب خوبیاں جو رب ہے آسمانوں اور رب ہے زمین کا رب ہے تمام جہانوں کا۔

(آیت نمبر ۳۵) وہ عذاب تمہیں اس وجہ سے ہوگا کہ بے شک تم نے آیات الٰہیہ کو ٹھٹھہ مذاق سمجھا۔ نہ ان میں غور وفکر کیا اور نہ انہوں نے اسے قبول کرنے کے بارے میں سوچا۔ تمہیں تو دنیا کی زندگی نے ایسا دھوکے میں رکھا۔ کہ تم نے یہی گمان کیا کہ اس کے آگے کوئی جہان ہی نہیں۔ نہ اس کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ لہذا آج کے دن جب تمام جہنمی جہنم میں چلے جائیں گے۔ تو پھر کبھی بھی وہ وہاں سے نہیں نکالے جائیں گے۔

فائدہ: اس سے ان کی اہانت اور حقارت مطلوب ہے۔ نیز یہ بھی اشارہ ہے کہ جب انہیں دوزخ میں ڈال دیا جائیگا تو پھر یہ کہا جائیگا کہ اب نہ وہ نکالے جائیں گے اور نہ انہیں معاف کیا جائے گا۔ یعنی ان کا کوئی مطالبہ پورا نہیں ہوگا۔ کہ اب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے اسے راضی کر سکیں کیونکہ انہیں جو موقع دیا گیا وہ ختم ہوگیا ہے۔

(آیت نمبر ۳۶) تمام حمد اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور وہ تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ یعنی تمام ارواح واجسام (وہ اجسام ذی روح یا غیر ذی روح) اور ان کی ذات وصفات سب کا مالک وہی ہے۔

حکایت: جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے چھینک مار کر کہا "الحمد للہ" تو جناب جنید بغدادی نے فرمایا کہ "الحمد للہ رب العالمین" کہنا چاہئے۔ تاکہ قرآن مجید کے موافق ہو جائے تو اس شخص نے پوچھا کہ کیا عالم کا کوئی وجود ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذکر کیا جائے۔ اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس سے بڑا ہے کہ اس کا حواس سے ادراک کیا جا سکے یا اس کے جلال کو عقل وقیاس سے سمجھا جا سکے۔ (غالباً آپ نے فرمایا) وہ اس سے بہت بلند ہے کہ کوئی اس کے جلال کا ادراک کر سکے یا اس کو کوئی پہچان سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو کوئی بھی نہیں پہچان سکتا۔

وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۪ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾

اور اسی کی بڑھائی ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہ عزت والا حکمت والا ہے ۔

(آیت نمبر ۳۷) آسمانوں اور زمینوں میں کبریائی یعنی عظمت وقدرت وسلطنت اور عزت اسی کے لئے ہے کیونکہ زمین وآسمان میں ہر جگہ اسی کے نشان ہیں اور وہ ایسا غالب ہے کہ اس پر کوئی غالب نہیں اور وہ معبود اپنی قضا وقدر میں حکیم ہے۔اس لئے حمد بھی اسی کا حق ہے۔اسی کی بڑھائی بیان کی جائے اور وہ مستحق ہے اس بات کا کہ اس کی اطاعت کی جائے کیونکہ وہ قادر مطلق ہے۔اس کی ہر صنعت میں ہزاروں حکمتیں ہیں۔

حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے جو کوئی مجھ سے ان میں سے ایک بھی چھینے گا میں اسے دوزخ میں ڈالوں گا۔(بخاری)

نکتہ:بعض مشائخ نے فرمایا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے رداء اور ازار کا اطلاق فرمایا لیکن قمیص وشلوار کا نام نہیں لیا۔اس لئے کہ وہ سلے ہوئے ہیں اور چادریں سلی ہوئی نہیں ہوتیں۔ سلے ہوئے کپڑے تنگ سے تنگ سلائی کئے جاتے ہیں اور چادریں کشادہ ہوتی ہیں۔

نکتہ :حمد کی کبریائی پر تقدیم میں اشارہ ہے کہ حمد کرنے والوں کیلئے لازم ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کریں تو ذہن میں یہ تصور رکھیں۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ اعلیٰ واکبر ہے۔اس بات سے کہ کوئی اس کی حمد کرے۔ بلکہ اس کی نعمتیں اتنی زیادہ ہیں کہ شکر کرنے والے کما حقہ ان کا شکر ہی ادا نہیں کر سکتے۔حتیٰ کہ فرشتے بھی عبادت کے بعد یہی کہتے ہیں کہ اے مالک ہم نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا۔

اختتام پارہ وسورۃ آ.جمورخہ ۱۲ جنوری ۲۰۱۷ء بمطابق ۱۰ ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ بروز جمعرات بعد نماز عشاء

سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ ۴۶ مَکِّیَّۃٌ ۶۶ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ | اٰیَاتُهَا ۳۵ رُکُوْعَاتُهَا ۴

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ﴿۲﴾ مَا خَلَقْنَا

اترنا کتاب کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو عزت وحکمت والا ہے۔ نہیں پیدا کیا

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا

آسمانوں اور زمین کواور جو ان میں ہے مگر حق کے ساتھ اور وقت مقررہ تک۔ اور جنہوں نے کفر کیا

عَمَّاۤ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾

جس چیز سے ڈرائے گئے اس سے روگرداں ہیں۔

(آیت نمبرا) حم سورۃ کا نام ہے۔ یہ دونوں حروف اسماء الٰہیہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ کیونکہ ابجد کے حساب سے ح اور م کے ابجد ننانوین بنتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کو نازل فرمایا ہے۔ اس کے اسماء حسنیٰ کو بھی یادرکھا جائے اور اس کی صفات کو بھی پہچانا جائے۔

(آیت نمبر۲) اس کتاب قرآن مجید کا اترنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے۔ اس کی سچائی میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوتا۔ اور وہ ہر ایک چیز پر غالب ہے اور حکیم ہے کہ وہ حکمت بالغہ کا مالک ہے۔ اور اس کے ہر کام میں بے شمار حکمتیں ہیں۔ اُن حکمتوں کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

(آیت نمبر۳) ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان مخلوق ہے۔ انسان وحیوان وغیرہ مگر حق کے ساتھ پیدا کیا۔ یعنی اس سے ایک غرض اور حکمت انسان کی ضروریات پوری کرنا۔ دوسری اس سے ایک غرض یہ ہے کہ لوگ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کریں اور اس کے احکام پر پابندی سے عمل کریں۔ تاکہ دنیا میں سکون ملے اور بروز قیامت ان کے اعمال پر انہیں اچھی جزاء ملے۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بے کار اور بے مقصد نہیں بنائی۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہر کلمے کا ایک معنیٰ ظاہر اور ایک باطن ہے۔ آگے فرمایا کہ ہر چیز کو ایک وقت مقرر تک کیلئے بنایا۔ جب وہ وقت مقرر آجائے تو وہ ختم ہو جاتی ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَا ذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ

فرمادو بھلا بتاؤ جن کو تم پوجتے ہو سوائے اللہ کے مجھے دکھاؤ کیا انہوں نے بنایا زمین میں ۔

اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ؕ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ

یا ان کا حصہ ہے آسمانوں میں۔ تو لاؤ میرے پاس کتاب اس سے پہلے کی۔ یا بچا کھچا

مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ④

کوئی علم اگر ہو تم سچے۔

(آیت نمبر۴) اے محبوب انہیں زجر وتوبیخ کے طور پر فرماؤ۔ بھلا بتاؤ تو کہ جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا۔ یعنی بت وغیرہ تم مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین میں کون سی چیز پیدا کی ہو۔ اگر وہ واقعی معبود ہیں۔ یعنی زمین کا کوئی ٹکڑا بنایا ہو یا کوئی زمین پر شیء پیدا کی ہو۔ یا ان کی کوئی کسی چیز میں شراکت ہے۔ آسمانوں میں یا زمین میں کوئی ملکیت ہوتا کہ پتہ چلے کہ انہیں کوئی عبودیت کا حق حاصل ہے۔ اگر ان میں سے کوئی بات نہیں ہے۔ تو پھر وہ کس طرح معبود ہونے کے مستحق ہیں۔ اگر انسان ہزاروں کمالات کے باوجود خدائی کا حق نہیں رکھتا۔ تو یہ محض پتھر جو بالکل عاجز محض ہے۔ نہ ان کا کسی چیز پر تصرف نہ طاقت پھر تم کیسے ان کی پرستش کرتے ہو۔

فائدہ: اگر تمہارے پاس کوئی عقلی دلیل نہیں ہے تو نقلی دلیل ہی لے آؤ۔ کوئی اللہ تعالیٰ کی کتاب جو اس کتاب قرآن سے پہلے اتری ہو۔ جس میں تمہارے دعوے کا ثبوت ہو۔ یا کوئی مضبوط دلیل ہو۔

سوال: یہ ہے کہ پوجا تو جناب عیسیٰ علیہ السلام کی بھی ہوتی رہی، اور انہوں نے مٹی کا پرندہ پیدا کیا۔ اس میں پھونکتے تو وہ اڑنے لگ جاتا، کئی مردے زندہ کئے وغیرہ اور بھی کئی کام کئے؟

جواب: علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بے شک کمالات دکھائے ، مگر ان کمالات کا خالق اللہ تعالیٰ تھا۔ اس کے اذن سے مٹی کا پرندہ بنا۔ اور اس کے اذن سے وہ اڑا اس سے تو عیسیٰ علیہ السلام خود اپنا عجز ظاہر کر کے فرماتے ہیں کہ بنایا میں نے اڑائے گا اللہ تعالیٰ۔ مردے زندہ کرنے کی میں نے دعا کی ہے۔ زندہ وہ خود کرے گا۔ اس لحاظ سے انہیں خالق نہیں کہا جائیگا۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

اور کون بڑا گمراہ ہے اس سے جو پوجے سوائے اللہ کے جو نہ سنیں اس کی تا روز قیامت ۔

وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۵﴾ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً

اور انہیں ان کے پوجنے کی خبر ہی نہ ہو۔ اور جب اکٹھے ہوں گے لوگ تو ہوں گے ان کے دشمن ۔

وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿٦﴾

اور ہوں گے ان کے پوجنے سے منکر۔

(بقیہ آیت نمبر۴) حالانکہ آسمانی جتنی بھی کتابیں ہیں۔ان میں تو توحید کا ہی بیان ہے اور شرک کا ابطال ہے۔ اگر کتاب بھی نہیں تو پھر کوئی علم کا ایسا نشان دکھادو۔جس میں ذکر ہو کہ تمہارے یہ معبود عبادت کے مستحق ہیں۔لے آؤ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔

(آیت نمبر۵) اور اس سے بڑا گمراہ کون ہوگا۔جو اللہ تعالیٰ کے سوا انہیں پوجتا ہے۔جسے قیامت تک پکارنے والا پکارتا رہے تو وہ بت اسے کوئی جواب نہ دے سکے۔**فائدہ:** ایسے لوگ اس لئے گمراہ ہیں کہ وہ اس کو چھوڑتے ہیں جو خالق رازق۔سمیع۔مجیب اور قادر ہے اور ان کی پوجا کرتے ہیں جو نہ سن سکے نہ بول سکے۔نہ جواب دے سکے۔خواہ پکارنے والا قیامت تک پکارتا رہے۔ **فائدہ:** ابن شیخ فرماتے ہیں کہ یہ مراد نہیں کہ بت قیامت تک نہیں بولتے تو قیامت کے بعد بول پڑیں گے۔ بلکہ وہ قیامت کے بعد بھی نہیں بول سکیں گے۔اگر بولے بھی تو قیامت کے دن اپنے پجاریوں کیلئے مزید مصیبت۔تکلیف اور عذاب کا موجب بنیں گے۔یعنی ان کے خلاف گواہی دیں گے۔آگے فرمایا اور وہ بت ان پجاریوں کی پکار سے ہی بے خبر ہیں۔اس لئے کہ وہ تو محض پتھر ہیں۔نہ وہ سنیں نہ سمجھیں تو جواب کیا دیں گے۔

(آیت نمبر۶) اور جب بروز قیامت لوگ جمع کئے جائیں گے تو یہی بت اپنے پجاریوں کے دشمن ہوں گے۔ انہیں کوئی نفع پہنچانے کے بجائے انہیں نقصان ہی پہنچائیں گے۔اس وقت ان پجاریوں کو سمجھ آجائیگا کہ ہم غلطی پر تھے۔ہم سمجھتے رہے کہ یہ سفارش کر کے ہمیں بخشوائیں گے۔انہوں نے تو الٹا ہمیں پھنسا دیا۔اور بت اپنے پجاریوں کی پوجا کا ہی انکار کردیں گے۔خواہ زبان سے خواہ حال سے بہر حال وہ اپنے پوجا کرنے والوں کے سخت خلاف ہو جائیں گے۔اس لئے کہ ان بتوں کے جہنم میں جانے کا سبب یہ پجاری بنے۔یہ نہ پوجتے تو وہ بھی جہنم میں نہ جاتے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ

اور جب پڑھی جائیں ان پر ہماری آیتیں واضح۔ تو کہا کافروں نے حق کیلئے جب آ گیا ان کے پاس

هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ؕ ⑦

کہ یہ ہے جادو کھلا۔

(بقیہ آیت نمبر۶) **فائدہ:** اللہ تعالیٰ بروز قیامت بتوں کو زندہ فرمائے گا۔ تو وہ اپنے پجاریوں کی پوجا سے اپنی بیزاری ظاہری کر دیں گے اور بول کر بتائیں گے کہ دراصل یہ ہمارے پجاری نہیں تھے۔ بلکہ یہ اپنی خواہشات کے پجاری تھے۔ ان کی خواہشات نے ہماری پوجا کا انہیں حکم دیا تھا اور سورۂ یونس میں فرمایا کہ بت کہیں گے کہ اے مشرکو تم ہماری پوجا نہیں کرتے تھے۔ تم سے تو شیطان اپنی پوجا کراتا رہا۔

(آیت نمبر۷) اور جب ان کافروں کے سامنے ہماری آیات بینات پڑھی جاتی ہیں۔

فائدہ: وہ آیات کہ جن میں حلال وحرام (جائز وناجائز) کے تمام امور کا بیان واضح الدلالۃ موجود ہے۔

تو کافروں نے حق کے متعلق کہا۔ یہاں حق سے مراد قرآن کی وہ آیات ہیں۔ جن کی تلاوت کی جاتی ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ ان آیات پر ایمان لانا واجب ہے تو جب وہ آیات ان کافروں نے سنیں تو چونکہ اس سے پہلے انہوں نے ایسی آیات نہیں سنی تھیں۔ پہلی ہی مرتبہ ایسی واضح آیات انہیں سننے کا اتفاق ہوا تھا تو انہوں نے بغیر سوچے سمجھے اور ان میں غور وفکر کئے بغیر ہی کہہ دیا کہ یہ تو ظاہر باہر جادو ہے۔

فائدہ: غالباً ان کے نزدیک بھی جادو بری چیز تھی اور باطل چیز تھی۔ جس کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔

فائدہ: یاد رہے کفار کا قرآن کو جادو کہنے میں صرف قرآن پاک کا انکار نہیں تھا۔ بلکہ جو کچھ قرآن پاک میں ہے۔ مثلاً قیامت اور قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونا۔ جزاء وسزا اور حساب کا ہونا وغیرہ ان تمام باتوں کا انکار اس میں شامل تھا۔ **فائدہ:** اس میں یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ جو لوگ حق کو دیکھنے سے ہی اندھے ہو گئے اور حق بات سننے سے ہی بہرے ہو گئے کہ قرآن جیسی واضح کتاب کو جادو کہہ دیا۔ ان کیلئے کیا ہے کہ وہ نبیوں یا دین داروں کو جادوگر کہہ دیں اور اولیاء اللہ کو جادوگر وغیرہ کہنا اور ان پر طعن وتشنیع وغیرہ کرنا یہ تو منکرین کا ہمیشہ محبوب مشغلہ رہا ہے۔ ایسے لوگ قرآن مجید پڑھنے کے باوجود کفر کے گھیرے میں ایسے گھرے ہوئے ہیں کہ مرتے دم تک اس سے نہیں نکل سکتے۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِیْ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ

یا کہتے ہیں کہ اس نے خود بنالیا اسے۔ فرمادو اگر میں نے خود بنایا ہے تو نہیں تمہیں اختیار میرا اللہ کے سامنے کچھ

هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِیْدًۢا بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ؕ

وہ خوب جانتا ہے جس میں تم پڑے ہو۔ کافی ہے وہ گواہ میرے اور تمہارے درمیان ۔

وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۸﴾

اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(آیت نمبر ۸) بلکہ وہ کافر تو یہ کہتے ہیں کہ محمد ﷺ نے یہ قرآن خود ہی گھڑا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ (اپنی جگہ تو وہ مانتے تھے، کہ یہ کلام کسی انسان کا نہیں ہے)۔

فائدہ: ان کا یہ دعویٰ انتہائی برا بلکہ تعجب خیز ہے۔ اس لئے کہ قرآن تو ایک معجزہ ہے اور ایسا کلام ہے۔ جس کی مثال انسانی امکان سے باہر ہے۔ اسی لئے اس سورۃ کی ابتداء میں ہی کفار کے اس خیال کا جواب دیا۔ کہ یہ قرآن کا اترنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

مسئلہ: جادو بھی کفر ہے اور نبی پر قرآن کے گھڑنے کا بہتان اس سے بھی بڑا کفر ہے اور اللہ تعالیٰ کے متعلق بدگمانی اس سے بھی برا کام ہے۔ آگے فرمایا اے محبوب فرمادو۔ اگر بالفرض میں نے قرآن گھڑ کر اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا ہے۔ تو تم مجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کے مالک نہیں۔ یعنی جو بھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑتا ہے۔ وہ عذاب الٰہی سے بچ نہیں سکتا۔ پہلی بات یہ ہے کہ میں ایسا کام کروں ہی کیوں جس سے نجات ناممکن ہو اور کوئی اس سے بچا بھی نہ سکے۔ اور یاد رکھو تم جو آیات الٰہی کے متعلق طعن و تشنیع کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے کہ تم کس کام میں پڑے ہو۔ کبھی جادو کہتے ہو کبھی شعر کہتے ہو۔ لہذا اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے گواہ میرے اور تمہارے درمیان وہی میرے تبلیغ حق اور صدق کی گواہی دے گا اور تمہارے جھوٹ اور انکار کی بھی گواہی دے گا اور وہ بخشنے والا مہربان ہے یعنی توبہ کرنے والے مومن کی مغفرت فرمائے گا۔ یہ اس کا وعدہ ہے لیکن جو اللہ تعالیٰ پر جرات کرتا ہے۔ ان پر عذاب میں جلدی نہیں فرماتا۔ اس لئے کہ وہ بردبار بھی ہے۔ مہربان بھی ہے۔ رحم والا بھی ہے۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِیْ مَا يُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ ط

فرمادو نہیں ہوں میں انوکھا رسول۔ اور نہیں جانتا کیا کیا جائیگا میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَیَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٩﴾

نہیں تابع مگر اس کا جو وحی کی جاتی ہے میری طرف اور نہیں میں مگر ڈرانے والا کھلا۔

(آیت نمبر ۹) اے محبوب فرمادو ان کفار سے جو اپنے عناد اور تکبر سے آیات بینات کے متعلق باتیں کرتے ہیں۔ کہ میں کوئی نیا رسول تو نہیں ہوں۔ مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بے شمار رسول مبعوث فرمائے۔ تمام انبیاء خالص توحید اور اللہ تعالیٰ سچے کی عبادت کیلئے دعوت دیتے رہے اور میں اس لئے بھیجا گیا ہوں تا کہ اخلاقی بزرگیوں کو مکمل کروں اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ جو کچھ وہ دیئے گئے وہی میں بھی دیا جاؤں۔ یعنی جو تم مانگتے جاؤ میں دیتا جاؤں۔ یا جو تم غیبی خبریں پوچھنا چاہو میں تمہیں بتاتا جاؤں۔ مجھ سے پہلے رسولان عظام وہی معجزات لاتے جو اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرماتا۔ وہ اپنی قوم کو انہی باتوں کی خبر دیتے۔ جن کا انہیں وحی کے ذریعے علم دیا جاتا تھا۔ تو پھر تم مجھ سے ایسی باتوں کا کیوں مطالبہ کرتے ہو۔ جن کا ابھی اللہ تعالیٰ نے علم نہیں دیا۔ آگے فرمایا کہ میں خود بخود نہیں جانتا کہ آئندہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور نہ ہی خود بخود میرے علم میں ہے کہ میرا انجام کیا ہوگا۔ نہ تمہارے متعلق کچھ کہہ سکتا ہوں۔ مجھ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام بھی امتحان میں آزمائے گئے۔ انہیں کئی قسم کے فتنوں میں مبتلا کیا گیا۔ تو جنہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کو پریشان کیا۔ ان میں کوئی زمین میں دھنسائے گئے۔ کچھ کی شکلیں مسخ ہوئیں اور کچھ پر پتھر برسے۔ کوئی پانی میں غرق ہوئے وغیرہ۔ یعنی منکرین انبیاء دنیا سے ذلت کے ساتھ مرے۔

وہم کا ازالہ: "ما ادری" کا معنی یہ ہے کہ استقلالاً اور ذاتی طور پر میں نہیں جانتا۔ ورنہ عطا اور تعلیم کے لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار علوم حاصل تھے۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ یہ تو ابتداء میں فرمایا۔ پھر تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو اپنے اور امت کے بارے میں اچھے خاتمے کی خبر دی (وللآخرة خير لك من الاولىٰ) یعنی اے محبوب آپ کا آنے والا وقت پہلے سے بہتر ہے جیسے ہجرت کا حکم۔ جہاد کا حکم۔ آپ کے دین کو تمام دینوں پر غلبہ۔ دوسری بات یہ کہ علامہ فرماتے ہیں۔ درایت یعنی یہاں تفصیلی علوم کی نفی ہے۔ اجمالی علم کی نفی نہیں ہے اجمالی طور پر آپ جانتے تھے۔

فائدہ: یاد رہے درایت کی نفی سے بالکلیہ علم کی نفی کرنا لاعلمی کی دلیل ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ

فرمادو بھلا دیکھو اگر ہوا قرآن اللہ کی طرف سے اور تم نے انکار کیا اس کا۔ اور گواہی دی ایک گواہ نے

مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی

بنی اسرائیل سے اس کی مثل پر۔ پھر ایمان لایا اور تم نے تکبر کیا۔ بے شک اللہ نہیں ہدایت دیتا

الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ع ⑩

ان لوگوں کو جو ظالم ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۹) آگے فرمایا۔ میں نہیں پیروی کرتا مگر وحی کی جو میری طرف کی جاتی ہے۔ معلوم ہوا حضور ﷺ کا ہر فعل وحی کے تابع تھا اور میں نہیں ہوں مگر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والا۔ اور ہدایت دینے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہی ہے۔

(آیت نمبر ۱۰) اے میری قوم بھلا بتاؤ تو اگر یہ قرآن من جانب اللہ تعالیٰ ہوا۔ اور تم اسے جادو۔ اور اپنی طرف سے گھڑا ہوا کہہ رہے ہو۔ (معاذ اللہ)۔ اور تم اسے جادو اور من گھڑت کہہ کر اس سے کفر کر رہے ہو۔ حالانکہ بنی اسرائیل کے عظیم الشان علم والے لوگوں نے اس کے برحق ہونے کی گواہی دی۔ جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو یہود کے بہت بڑے علماء میں سے تھے۔ ان کا یہودیت میں حصین نام تھا۔ حضور ﷺ نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔ حضور ﷺ جب مدینہ شریف میں تشریف لائے تو عبداللہ بن سلام بھی اور لوگوں کی طرح حاضر خدمت ہوئے۔ حضور ﷺ کا چہرہ اقدس دیکھتے ہی کہا۔ یہ چہرا جھوٹے کا نہیں ہوسکتا۔ فوراً کہا۔ یہ وہی نبی ہیں۔ جن کا ہمیں انتظار تھا۔ پھر نبی پاک سے تین سوال کئے: (۱) قیامت قائم ہونے کی پہلی نشانی۔ (۲) جنتیوں کا پہلا کھانا۔ (۳) اولاد کی شکل کبھی باپ اور کبھی ماں سے ملتی ہے۔

جواب: (۱) فرمایا قیامت سے پہلے ایک آگ ہوگی جو مشرق و مغرب کو بھر دے گی۔ (۲) جنت میں پہلا کھانا مچھلی ہوگی۔ (۳) جماع کے وقت جس کی منی پہلے نکلے بچے کی شکل اس کے مطابق ہوگی۔ تو فرمایا۔ جن خوش قسمت لوگوں نے حضور ﷺ کی صفات تورات میں پڑھیں تو وہ دیکھتے ہی مسلمان ہو گئے اور تم نے شک میں پڑ کر کفر کیا اور تکبر کیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اس لئے کہ انہوں نے واضح براہین دیکھیں۔ پھر ظلم وعناد اور سرکشی سے کفر پر ڈٹے رہے۔ تو پھر ایسے بدبختوں کو کیسے ہدایت مل سکتی ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ

اور کہا کافروں نے ایمان والوں سے اگر ہوتی بھلائی تو نہ آگے جاتے ہم سے اس تک

وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ⑪ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ

اور جب نہ ہدایت ہوئی اس کی تو اب کہیں گے یہ تو بہتان ہے پرانا۔اور اس سے پہلے کتاب

مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ

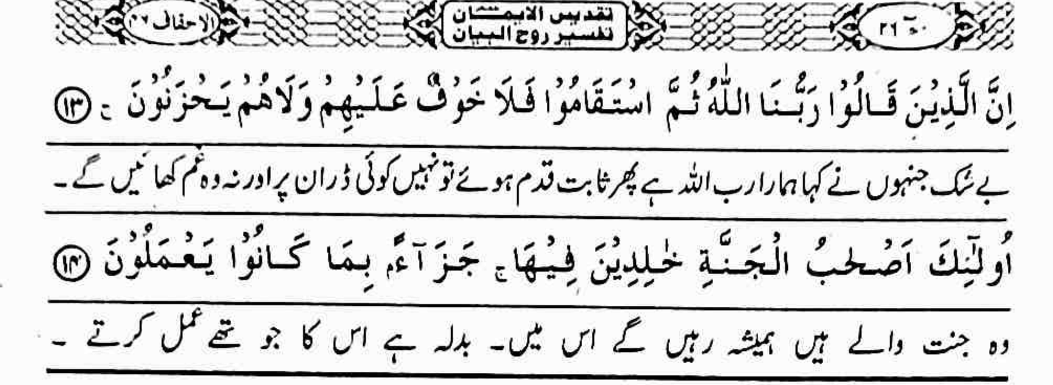
موسیٰ کی پیشوا اور رحمت تھی اور یہ کتاب تصدیق والی ہے زبان عربی میں تاکہ ڈر سنائے

ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ؗ ⑫

ظالموں کو اور نیک لوگوں کیلئے خوشخبری ہے

(آیت نمبر۱۱) کفار مکہ اپنے کفر و تکبر سے مسلمانوں کو کہنے لگے۔اگر رسول خدا کے لائے ہوئے قرآن یا احکام قران میں کوئی بہتری یا بھلائی ہوتی تو یہ لوگ ہم سے آگے نہ بڑھتے۔یعنی یہ فقیر لوگ ہم سے پہلے مسلمان نہ ہوتے۔ اس میں پہل کرنے کے مستحق تو ہم لوگ تھے کیونکہ ہمارے پاس زر و مال زیادہ ہماری بزرگی کی شہرت ہر طرف ہے لیکن وہ بے وقوف اس خیال میں سخت غلطی پر تھے۔اس لئے کہ مراتب دینی کا دار و مدار کمالات نفسانیہ پر نہیں ہے۔ بلکہ اس کا دار و مدار ملکات روحانیہ پر ہے اور یہ ۔ اتب دنیا کی زیب و زینت سے روگردانی سے اور آخرت کی طرف توجہ کرنے سے حاصل ہوتے ہیں بلکہ علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ درجات و مقامات فضل الٰہی سے حاصل ہوتے ہیں۔اسی لئے آگے فرمایا کہ ابھی تک انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوئی۔ان بے ایمانوں نے ایمان والوں سے افضل ہونے کے دعوے پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ وہ مزید کہنے لگے کہ قرآن میں تو پرانی منگھڑت اور جھوٹی باتیں ہیں۔(معاذ اللہ)۔جیسے کئی جگہ یہ کہا کہ یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں حالانکہ وہ ظالم روح قرآن سے ہی جاہل اور اس کے اسرار و رموز سے ہی بے خبر تھے۔

(آیت نمبر۱۲) اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تھی۔یہ یہودیوں کے قول کی تردید ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تورات کی قرآن تصدیق کرتا ہے اور اس کی حقیقت کو ثابت کرتا ہے۔



اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾

بے شک جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر ثابت قدم ہوئے تو نہیں کوئی ڈر ان پر اور نہ وہ غم کھائیں گے۔

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

وہ جنت والے ہیں ہمیشہ رہیں گے اس میں۔ بدلہ ہے اس کا جو تھے عمل کرتے۔

(بقیہ آیت نمبر۱۲) بلکہ قرآن تو تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ پھر یہ لوگ کیوں انکار کرتے ہیں تورات کو امام اس لئے کہا کہ جیسے امام کی اقتداء کی جاتی ہے۔ اس طرح بنی اسرائیل کو کہا گیا کہ تم اس کی پیروی کرو۔ اور تورات عمل کرنے والوں کیلئے رحمت ہے۔ اسی طرح قرآن بھی امام اور رحمت ہے یہ وہ کتاب ہے جو عربی زبان میں ہے۔ اس لئے کہ یہ عرب والوں پر نازل ہوئی۔ تاکہ ان میں سے جو ظالم ہیں۔ انہیں ڈر سنائے اور یہ کتاب احسان کرنے والوں کو خوشخبری سناتی ہے۔ **فائدہ**: یہاں ظالمین سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اور نبیوں کو خدا کا بیٹا کہا اور انہوں نے اپنی کتابوں میں ردوبدل کر دیا۔

(آیت نمبر۱۳) بے شک جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر اس پر پکے ہو گئے۔ یعنی توحید پر ثابت قدم رہے۔ کیونکہ ہدایت توحید پر موقوف ہے اور انہیں یقین ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی دنیا و آخرت میں نعمتیں دینے والا نہیں۔ اس لئے وہ کسی غیر کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کو کسی قسم کی تکلیف پہنچنے کا ڈر نہیں اور نہ وہ کسی پیاری چیز کے ضائع ہونے پر غمگین ہوتے ہیں۔ یعنی نہ انہیں دنیا کا غم نہ آخرت میں فکر ہوگی۔

سبق: عقلمند پر لازم ہے کہ وہ طریق حق پر قائم دائم رہے کسی مخالفت سے نہ ڈرے اور اس کیلئے اتنی جدوجہد کرے کہ اسے شہود حق کی سعادت مل جائے۔ یہی صالحین کا طریقہ ہے۔

(آیت نمبر۱۴) یہی لوگ جن کا اوپر بیان ہوا۔ وہ لوگ جنت والے ہیں۔ یعنی اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بدلہ ہے اس کا جو وہ عمل کرتے رہے۔ یعنی دنیا میں جو نماز روزہ و دیگر احکام الٰہی پر عمل کیا۔ اس کا بدلہ ہے۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ جو لوگ دلوں میں ایمان رکھتے ہیں، اور اس پر استقامت کے ساتھ برملا کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر ان کا ہر عضو ارکان شریعت پر پختہ ہے اور آداب طریقت پر اچھے اخلاق کے ساتھ تزکیہ نفوس کرنے میں استقامت رکھتے ہیں۔ اور کفر و شرک کی کوئی آندھی ان کے قدموں کو متزلزل نہیں کر سکتی۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ

اور ہم نے حکم دیا انسان کو کہ ماں باپ سے بھلائی کرے کہ پیٹ میں رکھا اسے ماں نے تکلیف سے اور جنا اسے

كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ

تکلیف سے اور اسے اٹھائے پھرنا اور دودھ چھڑانا تیس ماہ میں۔ یہاں تک کہ جب پہنچا طاقت کو اور پہنچا

اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ

چالیس سال کو تو عرض کی میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں شکر کروں تیری نعمت کا

عَلَیَّ وَعَلٰى وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِیْ

جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی۔ اور یہ کہ کام کروں نیک جو تجھے پسند آئے۔ اور اصلاح فرما میرے لئے

فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۵﴾

میری اولاد میں بے شک میں نے توبہ کی تیری طرف اور بے شک میں مسلمان ہوں

اولیاء کی شان: بزرگ فرماتے ہیں کہ جب انسان درجہ کمال کو پہنچتا ہے تو اس پر ذمہ داریوں کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ پھر ان پر جو برکات نازل ہوتی ہیں۔ اس کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔ اس لئے کہ کائنات میں وہ لوگ کامل و اکمل بلکہ تکمیل تر لوگ ہیں۔ ارض و سما کی ہر چیز حتی کہ دریاؤں میں مچھلیاں اور جنگلات کے وحشی جانور اور درختوں کے پتے بھی ان کیلئے استغفار کرتے ہیں۔

بے عمل عالم: حقیقت میں وہ جاہل ہے۔ جو عالم تو ہو لیکن علم کے مطابق عمل نہ کرے۔ ہزار ہزار ان پر افسوس ہے اور جنہوں نے علم بالکل حاصل نہیں کیا اس سے زیادہ افسوس اس پر ہے۔ جو عالم ہو کر جاہلوں والا کام کرے وہ حقیقت میں جاہل ہی ہے۔

(آیت نمبر ۱۵) اور ہم نے انسان کو حکم دیا کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ احسان کرے۔ اس لئے کہ اس کی ماں نے حمل کے دوران بھی مشقت اٹھائی اور جب جنا تو اس وقت بھی مشقت اٹھائی۔ یعنی اس نے حمل کے دوران

بھی بہت مشقت اٹھائی اور وضع حمل کے وقت بھی مشقت پر مشقت اٹھائی۔ اسی وجہ سے ماں کا حق باپ سے زیادہ رکھا۔

فائدہ: معلوم ہوا حمل کی مدت اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔ یعنی رضاع کی کل مدت اڑھائی سال ہے۔ احناف کی دلیل یہی آیت کریمہ ہے۔ احناف کے نزدیک حمل کی ادنیٰ مدت چھ ماہ ہے اور رضاعت کی مدت دو سال ہے۔ اطباء بھی یہی کہتے ہیں کہ مدت اڑھائی سال زیادہ بہتر ہے۔ اس سے احناف کا موقف اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے۔ فائدہ خلافیہ اصل میں مبنی بر حرمت رضاعت ہے (کہ جس نے اس عورت کا دودھ پیا۔ دو سال سے باہر تو صاحبین کے نزدیک حرمت ثابت نہیں ہوگی اور اڑھائی سال کے بعد امام ابوحنیفہ کے نزدیک ثابت نہیں ہوگی) اسی طرح کسی عورت نے بچے کو دودھ کئی سال پلایا (مثلاً) تو صاحبین کے نزدیک وہ دو سال کی اور امام اعظم کے نزدیک اڑھائی سال کی اجرت زیادہ سے زیادہ لے سکتی ہے۔ اس سے زیادہ اگر دودھ پلایا بھی ہے تو اس کو اجرت لینے کا استحقاق نہیں ہے۔ **فائدہ:** دودھ پلانے کی مدت کا شمار قمری مہینوں سے ہوگا۔ **فائدہ:** بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت میں حمل کی کم از کم اور رضاعت کی زیادہ سے زیادہ مدت بتائی گئی ہے۔ یعنی اگر کسی عورت نے نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ جن دیا تو وہ حلال ہوگا اور نسب ثابت ہوگا۔ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے اسی آیت سے اس مسئلے کو ثابت کیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص نے گواہی دی۔ کہ میری بیوی سے چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہو گیا۔

رضاعت کا ثبوت یہ ہے کہ مدت رضاعت میں کسی چھوٹی عمر کے بچے نے کسی عورت کا پستان منہ میں رکھ کر چوسا تو رضاعت ثابت ہو جائیگی۔ آگے فرمایا۔ یہاں تک کہ جب بچہ سن بلوغ کو پہنچا۔ یعنی پوری طاقت کی عمر کو جو تقریباً تیس سے چالیس سال تک کی عمر ہوتی ہے۔ اس عمر میں آدمی ہر لحاظ سے عروج پر ہوتا ہے۔

نبوت کیلئے چالیس سال کا ہونا ضروری نہیں:

بہت سارے انبیاء علیہم السلام کو بچپن میں ہی نبوت مل گئی۔ (اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اس وقت بھی نبی تھے۔ جب ابھی آدم علیہ السلام کا خمیر بن رہا تھا۔ (ترمذی)۔ آگے دعا ہے کہ اے پروردگار مجھے ہمت و توفیق عطا فرما کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکریہ ادا کروں جو تو نے مجھ پر کیں اور جو میرے ماں باپ پر کیں۔ یعنی تو نے ہمیں دین اسلام جیسی اعلیٰ نعمت عطا کی۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار نعمتیں عطا کیں۔ والدین کو اس لئے شامل کیا کہ ان پر احسان اولاد کو نعمتوں سے نوازتا ہے۔ آگے فرمایا کہ اے اللہ مجھے توفیق دے کہ میں ایسے عمل کروں جن سے تو راضی ہو جائے۔

فائدہ: بعض مشائخ فرماتے ہیں۔ اس سے مراد وہ اعمال صالحہ ہیں۔ جن سے رضاء الٰہی حاصل ہوتی ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ

یہ لوگ ہیں ہم قبول کرتے ہیں ان سے بہت اچھے جو انہوں نے عمل کئے۔ اور درگذر کرتے ہیں ان کی تقصیریں

فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۱۶﴾

جنت والوں میں۔ وعدہ سچا ہے جو ہیں وہ دیئے جاتے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۵) آگے فرمایا اور میری اولاد میں نیکی اور صلاحیت کو راسخ فرما۔ یعنی انہیں میرا سچا جانشین بنا کہ وہ تیرے ایسے سچے بندے بنیں کہ شیطان اور نفس اور خواہشات ان پر مسلط نہ ہوں۔

فائدہ: معلوم ہوا۔ آباءواجداد کا نیک ہونا اولاد پر اثر انداز ہوتا ہے۔

شان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ: اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیت شان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہے۔ اس لئے کہ آپ ۳۸ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے پھر تا قیامت حضور ﷺ کا قرب نہیں چھوڑا۔ یہ دعائیں آپ نے مانگیں۔ اس کا اثر تھا کہ آپ کی چار نسلیں صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئیں۔ خود۔ والد۔ بیٹا اور پوتا۔ آگے فرمایا میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔ یا جن امور سے تو راضی نہیں ان سے توبہ کرتا ہوں اور بے شک میں مسلمانوں سے ہوں۔ **فائدہ:** سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تمام اولاد نے اسلام قبول کیا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اپنی پیاری بیٹی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ کے عقد میں دیا۔

(آیت نمبر ۱۶) یہ وہ لوگ ہیں کہ ہم قبول کرتے ہیں ان سے وہ اعمال جو انہوں نے بہت اچھے اور خالص ہمارے لئے کئے۔ مثلاً فرائض، واجبات اور مستحبات کو ادا کرتے ہیں۔ **فائدہ:** اس سے مباحات مراد نہیں کیونکہ ان سے ثواب نہیں ملتا۔ لیکن شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ جس حرکت سے قربت حق کا ارادہ ہو۔ خواہ مباح کے درجہ میں ہو وہ احسن ہے۔ **فائدہ:** علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوئی عمل صالح ایسا ہے ہی نہیں جو احسن نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ اسے قبول نہ فرماتا ہو۔ آگے فرمایا۔ اگر عمل احسن ہو تو ہم ان کی برائیوں کو درگذر کر دیتے ہیں۔ یعنی ان پر سزا نہیں دیتے۔

فائدہ: حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسے ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ اس کی ہر برائی پر سزا دیتا ہے اور جسے وہ عزت دینا چاہتا ہے۔ اس کی برائیاں معاف کر کے جنت والوں میں شامل فرما دیتا ہے۔ یہ قبولیت اور گناہوں سے درگذر اور جنت کے داخلے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچا وعدہ ہے۔ جو اس کے رسولوں کی زبانی وعدہ دیا گیا۔

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِیْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ

اور وہ جس نے کہا اپنے ماں باپ سے اف ہے تم پر کیا تم مجھے وعدہ دیتے ہو کہ میں نکالا جاؤں گا حالانکہ گذر چکیں کئی سنگتیں

مِنْ قَبْلِیْ ج وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ ق صلے اِنَّ وَعْدَاللّٰهِ حَقٌّ ج صلے

مجھ سے پہلے۔ اور وہ دونوں فریاد کرتے ہیں اللہ سے خرابی ہو تیری ایمان لا۔ بے شک وعدۂ الٰہی برحق ہے

فَیَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۷﴾

تو کہتا ہے نہیں ہے یہ مگر کہانیاں پہلے لوگوں کی۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۶) **فائدہ**: بعض بزرگ فرماتے ہیں۔ ماں کا حق خدمت بہ نسبت باپ کے زیادہ ہے۔ اس لئے کہ یہاں والدین کا اکٹھا ذکر کرنے کے بعد پھر ماں کو الگ ذکر کیا اور اس کی مشقتوں کو بیان فرمایا کہ حمل کے دوران بھی اور جننے کے وقت اور بعد میں بھی بے شمار تکالیف اٹھاتی ہے۔ اس لئے اس کا حق خدمت تین گناہ زیادہ بیان ہوا۔

(آیت نمبر ۱۷) ایک وہ شخص جسے ماں باپ نے اسلام کی دعوت دی تو اس نے والدین کو کہا۔ تمہارے لئے اف ہے۔ اس سے کوئی خاص شخص مراد ہے۔ یا جو بھی ماں باپ اور اپنے رب کا نافرمان یوں جواب دے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ یہ آیت ایک کافر و فاجر کے متعلق نازل ہوئی۔ جو دوبارہ زندہ ہونے اور محشر میں جمع ہونے کا منکر تھا۔ وہ اپنے مسلمان ماں باپ سے کہتا تھا۔ کہ تم مجھے قیامت سے ڈراتے ہو۔ مجھ سے پہلے صدیوں سے لوگ مر رہے ہیں۔ ابھی تک کوئی زندہ نہیں ہوا۔ بعض لوگ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما پر یہ بات چسپاں کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کا سختی سے انکار کیا ہے (تبیان)۔ اف انسان کراہت اور ناگواری کے وقت زبان سے ادا کرتا ہے۔ تو اس نے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ تم مجھے ڈرا رہے ہو کہ میں مرنے کے بعد قبر سے زندہ کر کے نکالا جاؤں گا۔ حالانکہ مجھ سے پہلے کئی امتیں یکے بعد دیگر گذری ہیں۔ ان میں سے تو آج تک زندہ ہو کر کوئی قبر سے نہیں نکلا۔ اور اس کے ماں باپ دونوں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فریادیں کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے ایمان کی توفیق عطا کرے اور بیٹے کو کہتے ہیں تو مرے۔ ایمان لا۔ یعنی قیامت اور اس دن زندہ ہونے پر ایمان لا۔ اس لئے کہ قیامت اور دوبارہ زندہ کرنے کا وعدۂ الٰہی ہے جو برحق ہے اور ضرور پورا ہوگا۔ تو وہ ماں باپ کو جھٹلاتے ہوئے کہتا ہے کہ نہیں ہیں یہ مگر قصے پہلے لوگوں کے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ

وہی لوگ ہیں کہ ثابت ہو چکی ان پر بات گروہوں میں۔ تحقیق گذر چکے ان سے پہلے جنوں

وَالْاِنْسِ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ⑱ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ

اور انسانوں سے۔ بے شک وہ تھے نقصان والے۔ اور ہر ایک کیلئے درجے ہیں جو انہوں نے عمل کئے

وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ⑲

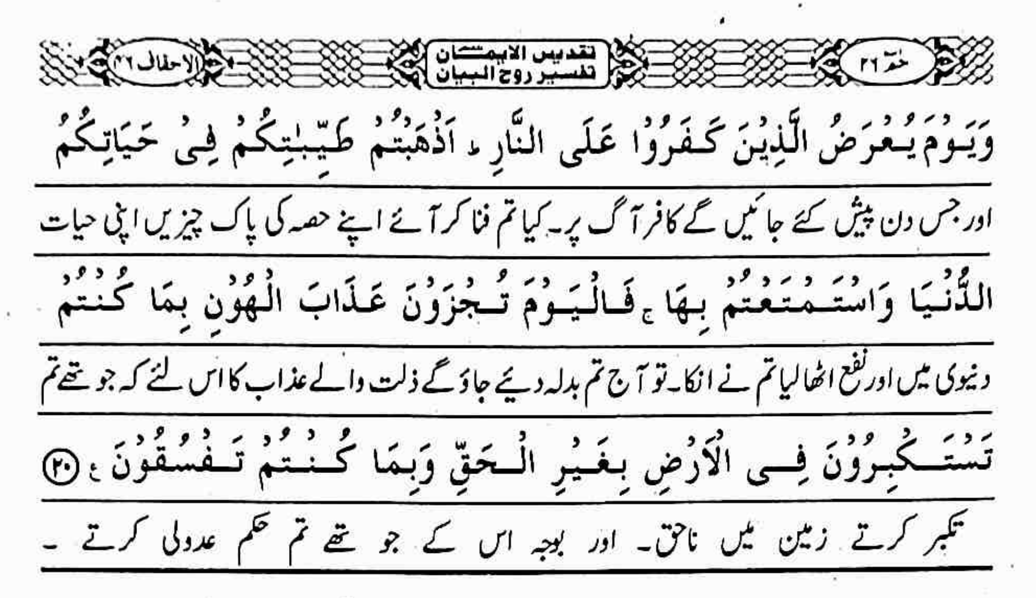
تا کہ پورے کردے ان کے عمل اور وہ نہیں ظلم کئے جائیں گے۔

(آیت نمبر ۱۸) یہ وہی لوگ ہیں کہ جن پر اللہ تعالیٰ کا حکم ثابت ہوگیا جو اللہ تعالیٰ نے شیطان کو ازل میں فرمادیا تھا کہ میں تجھ سے اور تیرے تابعداروں سے جہنم کو بھر دونگا۔ تو جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو جھٹلاتا ہے۔ وہ شیطان کا تابعدار ہے۔ پھر اسی کے ساتھ جہنم میں جائیگا۔ جیسے ان سے پہلے جنوں اور انسانوں کی امتیں گذری ہیں۔ بے شک وہ سب خسارے والے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنی فطرت اصلیہ جو ان کے پاس پونجی تھی اسے ضائع کر دیا۔

(آیت نمبر ۱۹) دونوں فریقوں میں سے ہر ایک کیلئے ان کے اعمال کے مطابق درجے ہیں۔ اگر اچھے اعمال ہوئے تو مراتب بھی اچھے ہوں گے۔ اور اگر عمل برے ہوئے تو درجے بھی برے ہونگے۔ تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ عطا فرمائے اور ان پر ظلم نہ ہو۔ یعنی نہ ثواب والے کو ثواب میں کمی ہوگی۔ نہ مجرم کو جرم سے زیادہ عذاب دیا جائیگا۔ **فائدہ**: ثواب کی جزاء کو درجات اور اعمال پر سزا کو درکات کہا جاتا ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ جو ماں باپ کو ناراض کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے مجرم بن جاتا ہے۔ خواہ صرف اف کرے۔ پھر اس بدقسمت کا کیا حال ہوگی۔ جو ان کی دل آزاری کرے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ماں باپ کا نافرمان خسران والوں میں سے ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے۔ جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سے آئے گی۔ (رواہ النسائی) مگر ماں باپ کے نافرمان اور قطع رحمی کرنے والے اس خوشبو سے محروم ہوں گے۔

مسئلہ: نفلی اور مستحب یا مباح کام ماں باپ کی اجازت کے بغیر نہ کرے۔ فرضی اعمال، مثلاً نماز، روزہ اور حج میں والدین کی اجازت ضروری نہیں ہے۔



وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ط اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ

اور جس دن پیش کیے جائیں گے کافر آگ پر۔ کیا تم فنا کر آئے اپنے حصہ کی پاک چیزیں اپنی حیات

الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ج فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ

دنیوی میں اور نفع اٹھالیا تم نے انکا۔ تو آج تم بدلہ دیئے جاؤ گے ذلت والے عذاب کا اس لئے کہ جو تھے تم

تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ع ﴿۲۰﴾

تکبر کرتے زمین میں ناحق۔ اور بوجہ اس کے جو تھے تم حکم عدولی کرتے ۔

(بقیہ آیت نمبر۱۹) **مسئلہ**: جس کے ماں باپ فوت ہو گئے اور وہ خدمت نہیں کر سکا۔ اسے چاہئے کہ ان کیلئے بخشش کی کثرت سے دعائیں کرے اور صدقہ خیرات کر کے انہیں ثواب بخشے تا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں احسان والوں میں لکھا جائے۔ ماں باپ کی زیارت کا حج کے برابر ثواب ہے۔

فائدہ: جو شخص دن رات میں پانچ دفعہ ماں باپ کی زیارت کرتا ہے۔ وہ حقوق ادا کرنے والوں میں لکھا جاتا ہے اور جو جمعہ کے دن والدین کی قبر پر حاضری دے۔ وہ فرمانبرداروں میں لکھا جاتا ہے۔

(آیت نمبر۲۰) جس دن کفار کو جہنم کے سامنے پیش کیا جائیگا۔ یعنی وہ وقت کہ جب جہنم کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے اور وہ بھڑکتی آگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں گے تو اس وقت بطور زجر و توبیخ کہا جائیگا کہ تم دنیا میں تمام لذتیں حاصل کر چکے ہو۔ جو تمہارے لئے لکھ دی گئیں تھیں اور تم نے ان سے خوب نفع حاصل کیا۔ یعنی تم دنیوی لذتوں کو خود ختم کر کے آئے ہو۔ لہٰذا اب تمہارے لئے آخرت میں کچھ بھی حصہ باقی نہیں۔ آج کے دن تم بدلہ دیئے جاؤ گے۔ ایسے عذاب کے ساتھ کہ جس میں ذلت خواری اور حقارت ہوگی۔ بہ سبب اس کے جو تم دنیا میں ناحق تکبر کرتے تھے۔

مسئلہ: معلوم ہوا تکبر دو قسم ہے: (۱) حق اور (۲) ناحق۔ حق یہ کہ اپنے آپ کو ظالموں۔ جابروں اور متکبروں کے سامنے بڑا ظاہر کرنا اور ناحق یہ ہے کہ اپنے برابر والوں سے اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور اپنے سے بڑوں کو اپنے سے چھوٹا جاننا۔ اس سے بھی زیادہ برا ہے۔ آگے فرمایا کہ یہ اس کا بھی بدلہ ہے جو تم اطاعت الٰہی سے نکل گئے۔ لہٰذا تمہیں عذاب ان دو وجہوں سے ہوگا: (۱) تکبر کی وجہ سے۔ (۲) اور اطاعت سے نکلنے کی وجہ سے۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ

اور یاد کرو عاد کے قومی بھائی کو جب ڈرایا اس نے اپنی قوم کو احقاف میں اور تحقیق گذر چکے ڈر سنانے والے

يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ

اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی کہ نہ پوجو تم سوا اللہ تعالیٰ کے۔ بے شک میں ڈرتا ہوں تم پر عذاب سے

يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٢١﴾

جو بڑے دن کا ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۰) **سبق**: عقل و شعور رکھنے والے ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ حضور ﷺ کی اطاعت اور سلف صالحین کی اتباع کرے اور شہوات و خواہشات کو ترک کر دے۔ اس لئے کہ انہوں نے بھی آخرت کی بہتری کیلئے دنیا کی لذتوں کو چھوڑا۔ تو پھر آخرت کی کامیابی حاصل ہے۔

(آیت نمبر ۲۱) اے محبوب ان کفار مکہ کو عاد قوم کے قومی بھائی حضرت ہود کا واقعہ بتائیں تاکہ یہ مکے والے اس سے عبرت حاصل کریں۔ قوم عاد نے بھی ان اہل مکہ کی طرح نافرمانی کی تو وہ نیست و نابود ہوئے۔ ان کی نسلیں بھی ختم ہوگئیں۔ **قوم عاد**: نوح علیہ السلام کے پوتے کے پوتے تھے اور ہود علیہ السلام عبداللہ بن رماح کے صاحبزادے تھے تو جب ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرایا۔ ان کے شہر احقاف میں۔ احقاف ایک ریتلی جگہ کا نام ہے جو یمن کے علاقہ میں حضر موت کے قریب واقع ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا۔ یہ خانہ بدوش لوگ تھے۔ خاص موسم میں وہ گھروں میں رہتے تھے۔ ورنہ باہر علاقوں میں ہی گھومتے رہتے۔

کفار کی ارواح: برہوت نامی کنویں میں ہیں جو اسی احقاف میں ہے۔ (مومنوں کی روحیں آب زمزم پر) آگے فرمایا کہ اس سے پہلے کئی ڈر سنانے والے انبیاء و رسل گذر گئے۔ کوئی ان سے پہلے گذرے اور کئی ان کے بعد۔ سب کا وعظ یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ مراد یہ کہ اے میرے محبوب آپ ہود علیہ السلام کی طرح اپنی قوم کو شرک کے برے انجام سے ڈرائیں اور عذاب عظیم کے متعلق انہیں آگاہ فرمائیں کیونکہ جناب ہود علیہ السلام سے پہلے اور ان کے بعد آنے والے رسولوں نے بھی اپنی اپنی قوموں کو ڈر سنائے۔

10

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ

بولے کیا تم آئے ہو کہ ہمیں پھرا دو ہمارے خداؤں سے۔تو لے آؤ جس کا ہمیں وعدہ دیتے ہو اگر ہو تم

مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ

سچوں سے۔فرمایا بے شک اس کی خبر تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ میں پہنچاتا ہوں تمہیں رب کا پیغام۔

وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم قوم ہو جاہلوں کی۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۱) لہٰذا آپ بھی اہل مکہ کو سنائیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ بے شک میں تمہارے توحید سے روگردانی کرنے اور شرک کرنے کی وجہ سے عذاب عظیم سے ڈرتا ہوں۔ یوم عظیم سے مراد عذاب آنے کا دن جس کی ہولناکی بہت بڑی ہوگی۔ اس لئے اس کو عظیم کہا گیا۔ یعنی بروز قیامت۔

(آیت نمبر ۲۲) کفار نے ہود علیہ السلام سے کہا کہ کیا آپ اسی لئے آئے ہیں کہ آپ ہمیں ہمارے خداؤں کی پوجا سے پھرادیں۔ اور اپنے دین کی طرف لے جائیں۔ یہ بات تو ہرگز نہیں ہوگی کہ ہم آپ کے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ آپ ایسا کریں کہ جس سخت عذاب سے ہمیں ڈراتے ہیں وہ لے آئیں۔ اگر آپ ان لوگوں سے ہیں جو وعدہ سچا کر دکھاتے ہیں۔

(آیت نمبر ۲۳) جناب ہود علیہ السلام نے فرمایا۔ عذاب آنے کا حقیقی علم تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اس کا مجھے علم نہیں۔ نہ مجھے عذاب لانے اور دینے کا اختیار ہے۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اور اسی کو کلی اختیار بھی ہے کہ وہ عذاب کس وقت لائیگا۔ میں تو تم تک وہ پیغام پہنچاتا ہوں جو میری رسالت کے متعلق ہے۔ اگر تم عذاب کو جان لینے کے باوجود شرک سے باز نہیں آؤ گے تو لازماً پھر تم پر عذاب آ جائیگا۔ لیکن میں تمہیں جاہل قوم دیکھتا ہوں کیونکہ تم مجھ سے ان چیزوں کا مطالبہ کر رہے ہو۔ جن کا رسالت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے کہ رسول عذاب کا ڈر سناتے ہیں۔ عذاب لے کر نہیں آتے۔ نہ وہ عذاب کا وقت بتاتے ہیں۔

فائدہ: بزرگ فرماتے ہیں۔ پہلے عرفان الٰہی حاصل کرو۔ پھر اس کی عبادت کرو۔ اس لئے کہ جو اسے پہچانتا ہی نہیں۔ نہ اس کی صفات و اسماء اور نہ اس کے حقوق واجبہ کو جانتا ہے تو وہ اس کی عبادت کس طرح کرے گا۔

10
10

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ

پھر جب دیکھا عذاب کو پھیلا ہوا آتا ہے ان کی وادیوں کی طرف۔ بولے یہ پھیلا ہوا بادل ہم پر برسے گا۔

بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ ﴿۲۴﴾

بلکہ یہ وہ ہے جس کی تم جلدی مچاتے ہو۔ وہ اندھی ہے جس میں ہے عذاب دردناک۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۳) بلکہ وہ ان امور کو بھی جانے جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ ورنہ سب عبادت ضائع جائیگی۔ **حکایت**: ایک شخص اپنے اوپر ایک روشنی دیکھ کر بیس سال اس کی عبادت کرتا رہا کہ شاید یہ تجلی حق ہے۔ بعد کو معلوم ہوا کہ یہ تو شیطان ہے پھر بیس سال کی نمازیں قضا کیں اور توبہ تائب ہوا۔ **مسئلہ**: اس لئے انسان پر لازم ہے کہ وہ واجبات شرعیہ کو جانے اور اس کے ساتھ ان امور کو بھی جانے جو حرام اور ناجائز ہیں تا کہ صحیح طریقہ اسلام پر قائم رہ سکے۔ **حکایت**: ایک شخص نے لاعلمی سے ایک جانور رکھا ہوا تھا۔ کسی نے پوچھا یہ کیوں رکھا ہوا ہے تو اس نے کہا میں اس سے وطی کر لیتا ہوں تا کہ زنا سے بچا رہوں تو اس نے کہا کہ یہ بھی تو زنا ہے پھر وہ نادم ہو کر تائب ہوا۔

سبق: حلال و حرام اور نیکی یا بدی وغیرہ کو جاننا مسلمان پر فرض ہے۔

(آیت نمبر ۲۴) پھر جب قوم عاد نے عذاب کو دیکھا کہ اس نے گھیر لیا ہے کہ سامنے آسمان کے کناروں پر بادل کی طرح ظاہر ہو رہا ہے اور ان کی وادیوں کی طرف متوجہ ہے۔

فائدہ: روایات میں آتا ہے کہ سیاہ بادل کی طرح اس کے سامنے نمودار ہوا۔ چونکہ ایک عرصہ سے وہ بادل سے محروم تھے۔ اس لئے سیاہ بادل دیکھ کر پہلے تو بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے۔ یہ بادل ہمیں خوب بارش دینے والا ہے تو جناب ہود علیہ السلام نے ان کی باتیں سن کر انہیں بتایا کہ اے میری قوم اس بادل کو دیکھ کر جو کچھ تم سمجھ رہے ہو وہ غلط ہے۔ بلکہ یہ وہ عذاب ہے۔ جس کی تم نے جلدی مچا رکھی تھی اور بار بار مطالبہ کر رہے تھے۔ یہ سامنے ایک ایسی ہوا ہے۔ جس میں تباہ کرنے والا دردناک عذاب ہے۔

عذاب کا نمونہ: منقول ہے کہ ہوا بھیجنے والے فرشتے کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس نافرمان قوم پر ہوا گائے کے ناک جتنی سوراخ کے برابر چھوڑ دے۔ تو فرشتوں نے عرض کی کہ اس سے تو تمام زمین پھٹ جائے گی اور زمین پر رہنے والے سب تباہ ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انگوٹھی کے حلقہ جتنی ہوا چھوڑ دو۔

تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ

تباہ کر دیا ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے۔ تو صبح کو نہیں دکھائی دیتے تھے مگر ان کے خالی گھر۔ اسی طرح

نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٢٥﴾

ہم سزا دیتے ہیں ان لوگوں کو جو مجرم ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ٢٤) فرشتوں نے حکم الٰہی کے مطابق مغرب کی طرف سے ان پر ہوا چھوڑ دی تو آناً فاناً اس یخ ہوا نے تباہی پھیر دی۔ اس ہوا نے جانوروں کو اٹھایا اور اوراتنے اوپر لے گئی کہ آسمان وزمین کے درمیان اڑتے ایسے نظر آ رہے تھے۔ جیسے چھوٹے چھوٹے پرندے ہیں اور بڑے بڑے پتھر اڑ اڑ کر اس قوم کے سروں پر ایسے لگ رہے تھے اور ان کے سروں سے بھیجے نکل رہے تھے۔ کچھ لوگ دوڑ کر گھروں میں داخل ہوئے اور دروازے بند کر دیئے تو ہوا نے ان کے دروازوں کو اکھیڑ کر باہر پھینک دیا۔ بلکہ کئی لوگوں کے گھروں کو ہی اڑا دیا۔ (اس نمونہ کی آج بھی امریکہ میں ایک ہوا چلتی ہے تو دیکھنے والے بتاتے ہیں کہ جو چیز اس کے آگے آتی ہے۔ خواہ گاڑی یا مکان سب کچھ اڑتا چلا جاتا ہے) اسی طرح قوم عاد پر وہ ہوا لگاتار آٹھ راتیں چلتی رہی۔

(آیت نمبر ٢٥) وہ ہوا جو دردناک عذاب تھا۔ اس نے تمام کفار کو ہلاک کر دیا بلکہ ہر چیز کو تباہ کر دیا۔ جس پر گذرتی خواہ انسان تھے یا ان کے اموال سب کچھ تباہ و برباد کر گئی۔ یہ سب کچھ حکم الٰہی سے ہوا کیونکہ ہر چیز کی حرکت اور سکون اللہ تعالیٰ کے حکم پر ہے کہ وہ ہر چیز کا رب ہے۔

فائدہ: اس آیت میں اشارہ ہے کہ ہوا کا چلنا یا رکنا حکم الٰہی سے ہے اور ہوا بھی اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے اس میں نہ ستاروں کی تاثیر کا عمل دخل ہے۔ نہ اور کسی چیز کا یہ سب امر الٰہی ہے۔ جب وہ چاہتا ہے۔ سرکشوں کیلئے اسے کھول دیتا ہے تو قوم عاد پر جب ہوا عذاب بن کر چلی تو اس عذاب سے وہ ایسے ہو گئے کہ ان کے مکان تو نظر آتے مگر مکین کہیں نظر نہیں آتے تھے۔ وہ سب نلیا میٹ ہو گئے تھے۔

آگے فرمایا۔ مجرم قوم کو ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ **فائدہ:** ان کے دماغوں میں یہ سمایا ہوا تھا کہ ان جیسا طاقتور کوئی بھی نہیں۔ ہوا ہمارا کیا بگاڑے گی۔ لیکن جب ہوا چلی تو اس نے ان کے پرخچے اڑا دیئے ان میں سے ایک مرد یا عورت یا بچہ بھی نہیں بچا۔ لہذا معلوم ہوا اصل طاقت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا

اور تحقیق ہم نے انہیں وہ ٹھکانے دیئے جو نہیں ٹھکانے دیئے تمہیں اس میں اور بنائے ہم نے ان کے کان اور آنکھیں

وَّاَفْئِدَةً ز صلے فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْئِدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ

اور دل۔ تو نہ کام آئے انہیں ان کے کان اور نہ آنکھیں اور نہ دل ان کے کچھ بھی ۔

اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ لا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ع ﴿۲۶﴾

جب تھے وہ منکر آیات الٰہی کے اور گھیر لیا انہیں اس عذاب نے کہ تھے اس کا مزاح کرتے ۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۵) **فائدہ**: یہ آیت اصل میں اہل مکہ کیلئے وعید ہے کہ اے مکہ والو۔ اگر تم شرک اور تکذیب پر ڈٹے رہے تو یہی حشر پھر تمہارا بھی ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔

حدیث شریف :حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تیز ہوا کو چلتا ہوا دیکھتے تو آپ کے چہرہ اقدس پر خوف کے آثار ظاہر ہو جاتے اور پریشان ہو کر فرماتے۔ کیا معلوم یہ وہی ہوا ہو جو قوم عاد پر آئی تھی۔ جس میں اس قوم کیلئے عذاب الیم تھا۔ (منہاج السلف)

(آیت نمبر ۲۶) اور تحقیق ہم نے قوم عاد کو قوت وقدرت بھی دی اور زمین ومکان کا مالک بھی بنایا۔ اے اہل مکہ ہم نے تمہیں اتنی قوت وقدرت نہیں دی جتنی ہم نے قوم عاد کو مالی وسعت اور جسمانی قوت وہمت دی تھی اور ان کی عمریں بھی بہت لمبی تھیں اور بھی کئی قسم کے تصرفات انہیں حاصل تھے اور ہم نے انہیں کان آنکھیں اور دل دیئے تھے تا کہ کانوں سے وحی سنیں اور مواعظ رسول کو سنیں۔ اور ان پر عمل کریں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے جو بھی نعمتیں عطا کی ہیں۔ ان سے مقصد تو معرفت الٰہی تھا اور لازمی تھا کہ نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کیا جاتا تا کہ نعمتوں میں اضافہ ہوتا۔ لیکن انہوں نے بجائے شکر کے ناشکری کی اور نعمتوں کا استعمال غلط کیا تو پھر عذاب الٰہی سے نہ کان بچا سکے نہ آنکھیں اور نہ دل کام آئے۔ اس لئے کہ اگر وہ انہیں صحیح استعمال کرتے۔ معرفت الٰہی حاصل کرتے اور توحید پر ایمان لاتے تو وہ عذاب سے بچ جاتے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھے۔ اس وجہ سے ان پر عذاب ایسا نازل ہوا کہ ان سب کو گھیرے میں لے لیا۔ اس وجہ سے بھی کہ وہ خدا اور اس کے رسول کے ساتھ اور وحی الٰہی سے ٹھٹھہ مزاق کرتے تھے۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور تحقیق ہم نے ہلاک کیا تمہارے اردگرد کی بستیوں کو اور پھرا کر ہم بیان کرتے ہیں آیات کو تاکہ وہ باز آ جائیں

فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا

تو کیوں نہ مدد کی ان کی جن کو انہوں نے بنایا سوائے اللہ کے قرب حاصل ہو خداؤں کا بلکہ وہ گم ہو گئے

عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾

ان سے۔اور یہ بہتان ہیں ان کے اور جو تھے افتراء باندھتے

(بقیہ آیت نمبر ۲۶) اور بار بار ہود علیہ السلام کو کہتے تھے کہ لائیں عذاب کو۔ وہ عذاب جس سے ہمیں ڈراتے ہو اگر تم سچے ہو تو لے آؤ۔ **فائدہ**: اس میں اشارہ ہے کہ سمع۔ بصر اور دل یہ توحید کے حاصل کرنے کیلئے اسباب ہیں۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ حق کو سنے پھر اس پر عمل کرنے کی پوری کوشش کرے اور اپنے اعضاء کو بھی اس کے مطابق عمل میں لائے۔ منہیات سے رکے اور حرام کے قریب بھی نہ جائے۔ مکروہات سے بھی پرہیز کرے۔ فضول مباحات میں بھی نہ پڑے۔

(آیت نمبر ۲۷) اے اہل مکہ ہم نے تمہارے اردگرد کے بہت لوگوں کو تباہ کیا۔ جیسے قوم عاد قوم ثمود۔ قوم لوط وغیرہ کی بستیاں تباہ ہوئیں۔ ان کے کھنڈرات موجود ہیں۔ جو عبرت کا نشان ہیں۔ ہم دلائل و براہین کیلئے اور عبرت حاصل کرنے کیلئے آیات کو بار بار دھراتے ہیں۔ یعنی گذشتہ قوموں کے واقعات دھرانے کا مقصد یہی ہے کہ لوگ اپنے گناہوں کفر و شرک وغیرہ سے باز آ جائیں۔ لیکن بہت کم لوگوں نے نصیحت حاصل کی۔ چونکہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے اور وہ اسی کو ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(آیت نمبر ۲۸) ان کے معبودوں نے (جن کو پوری زندگی پوجتے رہے) ان کی مدد کیوں نہ کی جنہیں وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا وسیلہ جانتے تھے۔ کبھی کہتے یہ ہمارے سفارشی ہیں۔ کبھی کہتے یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والے ہیں۔ جب ان پر عذاب آیا تو ان کے معبودان سے غائب ہی ہو گئے۔ (تو جو دنیا میں کام نہ آئے وہ آخرت میں کہاں کام آئیں گے)۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ سب ان کا جھوٹ اور بہتان ہے کہ وہ انہیں اللہ کے حکم سے معبود سمجھتے تھے اور ان کا یہ کہنا کہ یہ شرک اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرتے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ پر بہتان گھڑنا ہے۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ

اور جب پھیری ہم نے آپ کی طرف جماعت جنوں کی جو سنتے ہیں قرآن۔ جب حاضر ہوئے

قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾

تو بولے چپ رہو۔ پھر جب پڑھا جا چکا تو مڑے طرف اپنی قوم کے ڈر سناتے۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۸) **وسیلے کا جواز:** جن وسائل کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ جیسے "وابتغوا الیہ الوسیلة" یا "کونو مع الصادقین"۔ وغیرہ آیات سے معلوم ہوا کہ وسیلہ جائز ہے۔ انبیاء۔ اولیاء۔ شہداء۔ ضعفاء وغیرہ کا وسیلہ جائز ہے۔ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ ناجائز وسیلہ وہ ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔ جیسے بتوں کو وسیلہ بنانا وغیرہ۔

(آیت نمبر ۲۹) اور جب پھیرا ہم نے آپ کی طرف جنوں کی ایک جماعت کو۔ **فائدہ:** مروی ہے کہ حضور ﷺ ایک روایت کے مطابق آدھی رات کے وقت نفل پڑھ رہے تھے اور دوسری روایت کے مطابق صبح کی نماز ادا فرما رہے تھے اور تلاوت بالجہر تھی تو وہاں سے جنوں کی ایک جماعت کا گذر ہوا تو آپ اس وقت سورہ طٰہٰ تلاوت فرما رہے تھے۔ ان ہی دنوں آپ کو طائف والوں نے بہت زیادہ ایذائیں دیں اور آپ پر پتھر برسائے۔ **فائدہ:** "صرفنا" کا لفظ بتاتا ہے کہ یہ کئی بار ہوا۔ مشہور دو دفعہ ہے۔ ایک طائف سے واپسی پر مکہ مکرمہ میں۔ پہلی دفعہ جن بغیر اجازت آئے تھے۔ حضور ﷺ کو بذریعہ وحی مطلع کیا گیا۔ وہاں بھی انہوں نے حضور ﷺ سے تلاوت سنی۔ اور تلاوت کا ان پر ایسا اثر ہوا، کہ وہ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ **دوسری مرتبہ**: جنات کے سات نمائندے بطن نخلہ میں رہ کر چند دنوں بعد وہ اپنی قوم کے پاس چلے گئے۔ اور انہیں حضور ﷺ کے پیغامات سنائے تو ہزاروں کی تعداد جن آئے اور حجون میں آکر ٹھہرے۔ یعنی مکہ شریف کے قبرستان میں۔ ان میں سے ایک جن حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ہماری برادری حجون میں حاضر ہوئی۔ آپ بھی تشریف لائیں۔ المختصر۔ حضور عبد اللہ بن مسعود کو ساتھ لیکر حجون کے قریب پہنچے تو ایک دائرہ کھینچ کر عبداللہ بن مسعود کو فرمایا اس دائرے سے باہر نہ نکلنا۔ ورنہ بہت بڑا نقصان اٹھاؤ گے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے جنوں کے پاس جا کر قرآن پاک انہیں سنایا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ مجھے کبھی حضور نظر آتے اور کبھی نہ نظر آتے تھے اور جنوں کی جماعت مجھے سیاہ بادلوں کی طرح نظر آتے۔ ایک جماعت آتی دوسری چلی جاتی۔ کافی دیر کے بعد حضور ﷺ واپس تشریف لائے۔

قَالُوْا یٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ

بولے اے ہماری قوم ہم نے سنی ایک کتاب جو اتری ہے بعد موسیٰ کے۔ تصدیق کرنے والی ہے

یَدَیْهِ یَهْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۳۰﴾

اگلی کتاب کی۔ راہ دکھاتی ہے حق کی طرف اور راستے سیدھے کا۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۹) اس واقعہ کو قرآن پاک نے بیان فرمایا کہ جن قرآن سننے کیلئے۔ جب آپ کی بارگاہ اقدس میں میں حاضر ہوئے تو انہوں نے سب کو کہا۔ خاموش رہو۔ اور حضور ﷺ سے قرآن مجید سنو۔ پھر جب حضور ﷺ نے تلاوت مکمل فرمائی تو وہ اپنی قوم کے پاس لوٹ گئے اور قوم کو جا کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرایا۔

(آیت نمبر ۳۰) اپنی قوم والوں کے پاس جا کر کہا۔ اے ہماری قوم ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی۔ **فائدہ**: اگر چہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد دو کتابیں انجیل اور زبور نازل ہوئیں۔ حضرت عیسیٰ اور داؤد علیہما السلام پر۔ لیکن جن موسیٰ علیہ السلام کو ہی جانتے تھے۔ اس لئے ان کا ذکر کیا۔

فائدہ: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تو راۃ قرآن پاک کی طرح ایک جامع کتاب تھی اور انجیل یا زبور میں صرف عقائد کا بیان ہے۔ باقی احکام توراۃ والے تھے۔ قرآن مجید اور توراۃ میں عقائد کے ساتھ احکام اور شرائع۔ یعنی تمام مسائل کا ان میں بیان ہے۔ اس بناء پر انہوں نے خاص موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا۔ (سیرۃ حلبیہ) آگے کہا کہ یہ کتاب (قرآن مجید) تصدیق کرتی اس کی جو اس کے سامنے ہے۔ یعنی توراۃ۔ زبور اور انجیل کی تصدیق کرتی ہے اور یہ کتاب حق (عقائد صحیحہ) کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور سیدھا راہ دکھاتی ہے۔ ایسا راستہ کہ جس میں ٹیڑھا پن نہیں ہے۔ اس سے شرائع اور اعمال صالحہ مراد ہیں۔

فائدہ: ابن عطاء فرماتے ہیں کہ قرآن مجید باطنی لحاظ سے حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور ظاہراً یہ صراط مستقیم پر چلاتا ہے۔ **فائدہ**: ان آیات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ہمارے آقا جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے (غیبی مخلوقات میں سے) جنات کو دیکھا۔ چونکہ آپ ان کے بھی رسول ہیں۔

(۲) وہ حضور ﷺ پر ایمان بھی لائے اور آپ سے قرآن پاک سنا۔ (۳) آپ کی زیارت اور صحبت سے شرفیاب ہونے کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شامل ہوگئے۔ الحمد للہ۔ (۴) یہ بھی معلوم ہوا حضور ﷺ نہ صرف انسانوں اور جنوں کے رسول ہیں۔ بلکہ آپ "ارسلت الی الخلق کافۃ" (ساری مخلوق کے رسول ہیں)۔

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ

اے ہماری قوم مان جاؤ اللہ کی طرف بلانے والے کی بات اور ایمان لاؤ تم اس پر کہ وہ بخش دے تمہارے گناہ اور بچا لے تمہیں

مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ

عذاب دردناک سے۔ اور جو نہ مانے گا منادی خدا کی بات تو نہیں ہے قابو سے نکلنے والا زمین میں۔

وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾

اور نہیں ہے اس کا کوئی اس کے سوا مددگار۔ وہی ہیں گمراہی کھلی میں۔

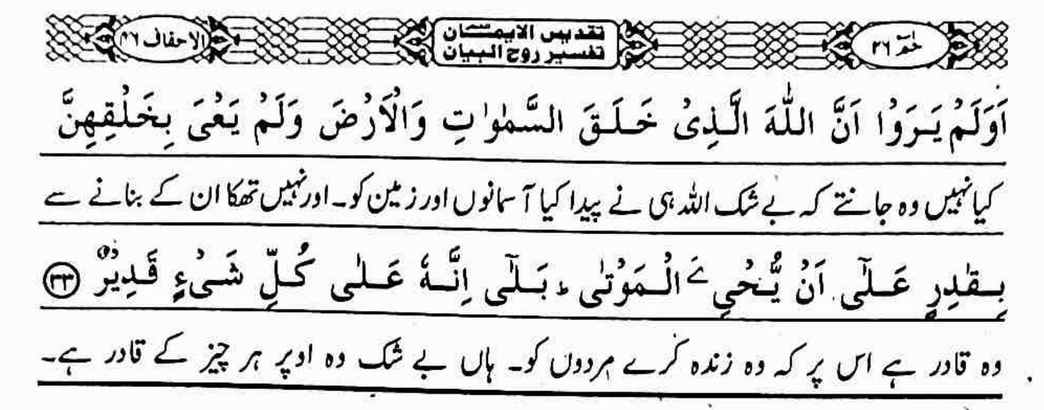
(آیت نمبر ۳۱) اے ہماری قوم اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کا فرمان سنو اور مانو یعنی حضور ﷺ کی بات مان جاؤ۔ یا اللہ تعالیٰ کے احکامات جو انہوں نے حضور ﷺ سے سنے۔ اس لحاظ سے قرآن داعی بھی ہے اور ہادی بھی۔ آگے کہا۔ اگر اس (اللہ تعالیٰ) پر ایمان لاؤ گے تو وہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے گا۔

فائدہ: یعنی جو تم نے حقوق اللہ تعالیٰ میں کمی بیشی کی وہ معاف ہوگی۔ حقوق العباد میں صاحب حق معاف کرے یا رب تعالیٰ کی مرضی۔ **مسئلہ**: کفر سے توبہ کرنے کے بعد بھی حقوق العباد معاف کرانا ضروری ہے۔

فائدہ: حقوق العباد والا معاملہ شدید ترین ہے۔ صاحب حق نے معاف نہ کیا تو بروز قیامت نیکیاں صاحب حق کے کھاتے میں چلی جائیں گی۔ یا صاحب حق کے گناہ اس کے سر پر ڈال دیئے جائیں گے۔

فائدہ: سر پر گناہ ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ جو اسے گناہوں کی سزا ملنا تھی۔ وہ اب اس کو ملے گی۔ آگے فرمایا کہ اگر تم ایمان لے آؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب سے بچالے گا۔ وہ عذاب جو کفار کیلئے تیار ہوا۔

(آیت نمبر ۳۲) اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو قبول نہیں کرتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کو زمین میں عاجز تو نہیں کر سکتا کہ وہ زمین میں گم ہو جائے۔ یا بھاگ جائے اور (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کو مل نہ سکے اور اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا کوئی حمایتی یا مددگار بھی کوئی نہیں ہوگا۔ نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نجات دینے والا ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہیں ہوگی۔ کوئی بھی انسان نجات نہیں پائے گا۔ لہٰذا جو لوگ داعی الی اللہ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے۔ وہ کھلی گمراہی میں ہیں۔ اس لئے کہ جو بھی داعی الی اللہ سے منہ پھیرے۔ اسے گمراہی کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔



اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ

کیا نہیں وہ جانتے کہ بے شک اللہ ہی نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو۔ اور نہیں تھکا ان کے بنانے سے

بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ يُّحْیِ َ الْمَوْتٰی ؕ بَلٰۤی اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۳﴾

وہ قادر ہے اس پر کہ وہ زندہ کرے مردوں کو۔ ہاں بے شک وہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے۔

(آیت نمبر ۳۳) کیا انہوں نے اس میں غور وفکر نہیں کیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے کہ جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور وہ انہیں بنا کر تھک تو نہیں گیا۔ نہ اسے ان کے بنانے میں کوئی تکلیف وغیرہ ہوئی۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ اتنی بڑی قدرت والا کیا وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے؟ اس کے جواب میں فرمایا۔ ہاں ہاں کیوں نہیں بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ گویا پہلے دعویٰ بیان کیا اور یہ اس کی دلیل ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو وہ مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

فائدہ: جیسے اس میں کوئی شک نہیں کہ موت ضرور واقع ہوگی۔ اسی طرح اس میں بھی شک نہیں ہونا چاہئے کہ مرنے کے بعد ایک دن ضرور زندہ ہونا ہے۔ منکرین کے انکار کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ گمراہ ہیں۔ وہ جو بھی بات کرتے ہیں۔ وہ اپنے خیال سے کرتے ہیں۔ جیسے نیند آتی ہے اور اس کے بعد آدمی نیند سے بیدار ہوجاتا ہے۔ اسی طرح موت آئے گی۔ اس کے بعد ضرور اللہ تعالیٰ زندہ فرمائے گا۔

حیات کی اقسام:

(۱) حیات فی الدنیا: جب انسان دنیا میں آتا ہے۔ (۲) حیات فی القبور: جب قبر میں فرشتہ دوبارہ روح ڈالتا ہے۔ (۳) قلبی حیات: یہ فیض روحانی سے حاصل ہوتی ہے۔ (۴) حیات ارواح: یہ سر ربانی سے ملتی ہے۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ ؕ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ؕ

اور جس دن پیش کیے جائیں گے کافر آگ پر۔ کیا نہیں ہے یہ برحق۔ کہیں گے ہاں اے ہمارے رب

قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۳۴﴾ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ

فرمائے گا چکھو عذاب بدلے اس کے جو تھے تم کفر کرتے۔ صبر کریں جیسے صبر کیا باہمت

مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ ؕ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوا

رسولوں نے اور نہ جلدی کریں ان کیلئے گویا وہ دن دیکھیں گے جس کا وعدہ دیئے جاتے ہیں کہ نہیں ٹھہرے وہ دنیا میں

إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ ؕ بَلَاغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۳۵﴾

مگر ایک گھڑی بھر دن میں۔ یہ پہنچانا ہے تو نہیں ہلاک کئے جائیں گے سوا فاسق لوگوں کے۔

(آیت نمبر ۳۴) جس دن کفار کو جہنم کی آگ کے سامنے لایا جائیگا۔ یعنی جہنم میں ڈالنے کیلئے اور عذاب کیلئے فرشتے لائیں گے۔ جیسا کہ پیچھے تفصیل سے بیان ہو چکا تو اس وقت انہیں کہا جائیگا کہ کیا یہ جسے تم دیکھ رہے ہو۔ یہ وہی برحق عذاب نہیں۔ جسے تم دنیا میں جھٹلاتے تھے اور ٹھٹھہ مخول سمجھتے رہے۔ اس میں انہیں زجر و توبیخ کی جائے گی کہ تم تو کہا کرتے تھے ہمیں کوئی عذاب وغیرہ نہیں ہوگا۔ تو اس وقت کفار اقرار کریں گے کہ واقعی یہ برحق ہے اے ہمارے رب کریم تیری قسم ہے کہ یہ تو حق ہے۔ اس امید پر وہ اقرار کریں گے کہ شاید خلاصی ہو جائے۔ جیسے دنیا میں جھوٹے اقرار کر کے نقصان سے بچ جاتے تھے۔ لیکن ایں خیال است و محال۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ داروغہ جہنم سے فرمائے گا۔ انہیں جہنم میں دھکیل دو۔ جہنم میں جانے کے بعد کفار سے کہا جائے گا۔ اب عذاب کا مزہ چکھو۔ یہ انہیں ذلیل کرنے کیلئے کہا جائیگا۔ جو وہ دنیا میں انکار کرتے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور قیامت کو جھٹلاتے تھے۔ یہ عذاب اس وجہ سے ملا کہ وہ دنیا میں کفر کیا کرتے تھے۔

(آیت نمبر ۳۵) اے محبوب صبر کیجئے۔ جیسے اولوالعزم رسولوں نے تکالیف پر صبر کیا۔ یعنی کفار کا بالآخر انجام تو وہی ہوگا۔ جس کا ابھی بیان ہوا۔ لہذا آپ ان کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر کریں۔ جیسے آپ سے پہلے

اولوالعزم رسولان گرامی نے مشکلات اور شدائد میں صبر کیا۔آپ بھی ان کی طرح اولوالعزم بلکہ ان سے اعلیٰ وافضل ہیں۔اولوالعزم رسول سے مراد وہ رسول ہیں۔جو اصحاب شرائع ہیں۔جو اللہ تعالیٰ سے نئی شریعت لیکر اپنی اپنی قوموں کے پاس تشریف لائے اور جنہوں نے احکام شرعیہ کو مضبوط کرنے میں پوری پوری کوشش کی۔مخالفین کی دشمنی پر صبر کیا ان میں (۱) نوح علیہ السلام۔(۲) ابراہیم علیہ السلام۔(۳) موسیٰ علیہ السلام۔(۴) عیسیٰ علیہ السلام۔(۵) محمد رسول اللہ ﷺ۔

فائدہ:جس پیغمبر نے جتنی زیادہ اسلام کی خاطر تکالیف برداشت کیں۔اس کا مرتبہ بھی اتنا ہی زیادہ ہوا۔ سب سے زیادہ تکلیف حضور ﷺ کو دی گئی۔اسی لئے آپ کا مرتبہ بھی سب سے بڑا ہے۔

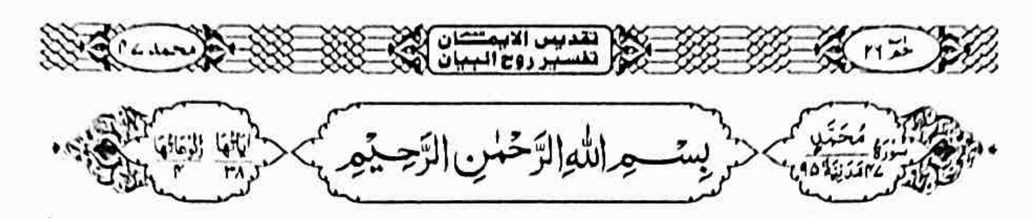
فائدہ:بعض مشائخ نے فرمایا کہ اولوالعزم رسول بارہ ہیں۔علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔جس نبی یا رسول پر وحی اتری وہی صاحب فضیلت ہے۔البتہ وہ ایک دوسرے پر بعض خصائص کی وجہ سے فضیلت رکھتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ کفار مکہ کے عذاب کیلئے جلدی نہ کریں۔اس لئے وہ خود ہی ایسے کرتوت کر کے عذاب کی طرف جارہے ہیں۔وہ لازماً قیامت کے دن عذاب الیم میں پڑیں گے۔

آگے فرمایا۔اس دن جب دیکھ لیں گے۔اس چیز کو جس کا وہ وعدہ دیئے جاتے ہیں۔یعنی جب عذاب کو دیکھ لیں گے تو کہیں گے کہ نہیں رہے ہم دنیا میں نفع اٹھانے کیلئے مگر دن کا تھوڑا سا حصہ۔شدت عذاب کیوجہ سے دنیا کا لمبا قیام بھی انہیں بہت چھوٹا سا نظر آئیگا۔

آگے فرمایا کہ اس عذاب سے نہیں تباہ و برباد ہوں گے مگر فاسق لوگ جو طاعت الٰہی سے دور رہے۔بعض بزرگ فرماتے ہیں۔فاسقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ماسوی اللہ کی طلب میں رہے۔یہ آیت بچے کی ولادت کی آسانی میں زود اثر ہے۔الحمد للہ رب العالمین

اختتام سورۃ:مورخہ ۱۸ جنوری بمطابق ۱۹ ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ بروز بدھ بعد نماز مغرب



سورۃ محمد ۴۷ مدنیۃ ۹۵ آیاتہا ۳۸ رکوعاتہا ۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعۡمَالَہُمۡ ﴿۱﴾

جنہوں نے کفر کیا اور روکا راہ خدا سے ضائع ہوئے ان کے عمل

وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ ہُوَ

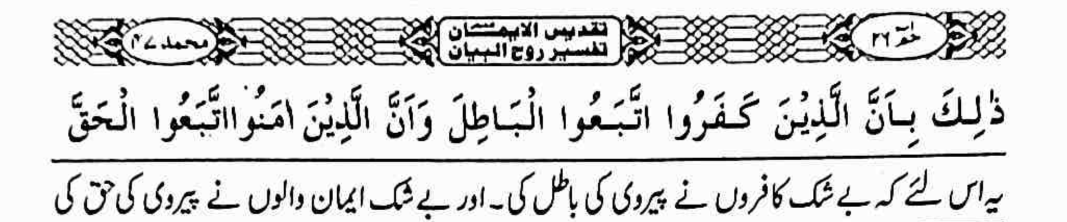
اور جو ایمان لائے اور عمل نیک کیے اور ایمان لائے اس پر جو اتارا گیا محمد پر۔ وہی

الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ۙ کَفَّرَ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ وَ اَصۡلَحَ بَالَہُمۡ ﴿۲﴾

حق ہے ان کے رب کی طرف سے دور کیں اللہ نے ان کی برائیاں اور درست کئے ان کے حالات۔

(آیت نمبر۱) جن لوگوں نے کفر کیا اور لوگوں کو روکا اللہ تعالیٰ کی راہ (دین اسلام اور طریق حق) سے اس سے مراد کفار مکہ ہیں۔ جنہوں نے لوگوں کو لالچ دے کر اور کچھ لوگوں کو ڈرا دھمکا کر حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف کیا اور دشمنی پر ابھارا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا۔ ان کے اچھے عمل تو تھے ہی نہیں۔ اگر کوئی تھے بھی۔ مثلاً خیرات یا صلہ رحمی کی یا مہمان نوازی یا قیدیوں کو چھڑانا جو اچھے کام تھے۔ وہ بھی ضائع ہو گئے یعنی ان اچھے کاموں پر بھی انہیں کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ جب تک وہ ایمان نہ لائیں اور انہیں ایمان اس وقت تک نصیب نہیں ہو سکتا جب تک حضور ﷺ اور صحابہ سے دشمنی ختم نہ کریں۔

(آیت نمبر۲) اور جو ایمان لائے اور پھر نیک اعمال بھی کئے۔ **فائدہ**: یہ ایمان عام ہے۔ اس میں مہاجرین وانصار۔ اور اہل کتاب سب شامل ہیں۔ جو بھی سابقہ کتابوں پر ایمان لائے۔ آگے فرمایا۔ اور وہ اس پر بھی ایمان لائے۔ جو اتارا گیا محمد ﷺ پر یعنی قرآن مجید پر بھی ایمان لائے۔ (قرآن مجید پر ایمان) سے اس کی عظمت کا اظہار مقصود و مطلوب ہے اور قرآن پر ایمان لانے کی تاکید اس لئے ہے کہ باقی آسمانی کتابیں منسوخ ہو گئیں۔ لہذا اب صرف اس پر ایمان ہونا اصل ایمان ہے اور قرآن برحق کتاب ہے۔ کیونکہ یہ حق تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آئی۔ تو جنہوں نے اس پر ایمان لایا اللہ تعالیٰ نے ان کی برائیوں کو ختم کر دیا اور ان کے دینی دنیوی امور کو سنوار دیا اور انہیں نیکی کی توفیق بخش دی۔



ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ

یہ اس لئے کہ بے شک کافروں نے پیروی کی باطل کی۔ اور بے شک ایمان والوں نے پیروی کی حق کی

مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ③

جوان کے رب کی طرف سے ہے۔ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ لوگوں سے ان کے احوال۔

(آیت نمبر۳) یہ اس لئے کہ بے شک کافروں نے باطل یعنی شیطان کی پیروی کر کے کفر کیا اور اہل اسلام کو راہ حق سے روکا۔ اس وجہ سے وہ گمراہ بھی ہو گئے۔ اور ان تمام باتوں میں اصل پیروی شیطان کی ہے۔

آگے فرمایا کہ بے شک ایمان والوں نے حق کی پیروی کی۔ جو انہیں اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے ملا۔ اس لئے وہ ایمان بھی لائے اور عمل صالح بھی کئے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان سے ان کے گناہ بھی دور کر دیئے اور ان کے حالات بھی سنوار دیئے۔ یعنی ان کے دنیوی اور اخروی حالات کو بہتر بنا دیا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے دونوں پہلوؤں کو بیان فرما کر بتا دیا۔ کہ اس طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کیلئے مثالیں بیان فرماتا ہے۔ **فائدہ**: مثال کا مطلب یہ ہے کہ کسی بات کو ایسے طریقے سے بیان کرنا۔ جس کا اثر اس کے غیر پر ظاہر ہو۔ اسی طرح یہاں ایمان و کفر دونوں فریقوں کے احوال اور اوصاف جو عجیب وغریب ہیں۔ انہیں بطور مثال بیان کیا گیا کہ پہلے گروہ نے باطل کی پیروی کر کے کس طرح خسارہ پایا اور دوسرے گروہ یعنی ایمان والوں نے حق کی اتباع کر کے کس طرح کامیابی حاصل کی۔ اور آنے والے لوگوں کیلئے مثال قائم کر دی۔

نبوی دعا: حضور ﷺ اکثر یہ دعا مانگتے۔ اے اللہ تعالیٰ ہمیں حق کی راہ دکھا اور اس کی اتباع بھی نصیب فرما اور باطل کا باطل ہونا بھی دکھا اور اس سے بچنے کی بھی توفیق عطا فرما۔ (مشکوٰۃ شریف)

حق کی تعریف: اللہ تعالیٰ کے ہر فعل اور ہر حکم کو حق کہا جاتا ہے۔ جیسے موت حق ہے۔ قیامت کے دن اٹھنا حق ہے۔ اس میں سب کائنات آجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بیکار نہیں بنائی۔ شیطان وغیرہ کا بنانا بھی حق تھا اب اس کا باطل ہونا ایک اضافی مسئلہ ہو گیا ہے۔ (۲) اس اعتقاد کو بھی حق کہتے ہیں۔ جو حقیقت کے مطابق ہو جیسے ہمارا عقیدہ ہے۔ جنت و دوزخ قیامت ثواب عذاب عقاب سب حق ہیں۔

فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ

تو جب آمنا سامنا ہو تمہارا کافروں سے تو مارنا گردنیں۔ یہاں تک کہ جب خوب قتل کر دو ان کو

فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ

پھر انہیں مضبوط باندھ لو خواہ احسان کے بعد چھوڑ دو خواہ فدیہ سے یہاں تک کہ رکھ دے لڑائی

اَوْزَارَهَا ۛۚ ذٰلِكَ ؕۛ وَ لَوْ یَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَ لٰكِنْ لِّیَبْلُوَاۡ

اپنے بوجھوں کو۔ بات یہی ہے اور اگر چاہتا اللہ تو خود بدلہ لیتا ان سے لیکن اس لئے تا کہ آزمائے تم میں

بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَلَنْ یُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ④

ایک دوسرے کو۔ اور جو مارے گئے راہ خدا میں تو ہرگز نہیں ضائع کریگا اللہ ان کے عملوں کو۔

(بقیہ آیت نمبر ۳) **دیدار مصطفےٰ ﷺ کیسے ہوتا ہے:** بشر حافی کو خواب میں دیدار نصیب ہوا تو حضور ﷺ نے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے۔ کیوں دیدار ملا۔ عرض کی حضور ہی جانتے ہیں تو فرمایا کہ تو میری سنت پر چلتا ہے۔ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرتا ہے۔ اسلام کی خیر خواہی چاہتا ہے۔ میرے اصحاب و اہل بیت سے محبت کرتا ہے۔ اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے تجھے یہ عظیم مرتبہ عطا فرمایا۔ (معلوم ہوا۔ صحابہ و اہل بیت کی محبت کے بغیر دیدار رسول نہیں ہوتا)۔

(آیت نمبر ۴) اے مسلمانو۔ جب تم کافروں سے جنگ کرو تو اپنی تلواروں سے کافروں کی گردنیں اڑا دو۔ یعنی انہیں خوب قتل کرو۔ تا کہ وہ خوب ذلیل ہوں۔ یہاں تک کہ جب ان کا قتل خوب ہو جائے۔ ان میں پھر لڑنے کی سکت نہ رہے تو جو زندہ ہیں۔ انہیں خوب کس کے باندھ دو تا کہ بھاگ نہ سکیں اور انہیں قید میں رکھو۔ پھر تمہاری اپنی صوابدید پر ہے۔ مناسب سمجھو تو ان پر احسان رکھ کر انہیں چھوڑ دو۔ یا فدیہ کوئی نقدی وغیرہ لے کر آزاد کر دو۔ یا مسلمان قیدی کافروں کے پاس ہوں تو ان سے تبادلہ کر لو۔

چار طریقے ہیں: (۱) قتل کرنا۔ (۲) غلام بنانا۔ (۳) مفت چھوڑنا۔ (۴) قید میں ہی رکھنا۔ ان چاروں میں سے کوئی طریقہ اختیار کر لیں۔ حاکم وقت جیسے مناسب سمجھے۔ یا جس میں مسلمانوں کی مصلحت ہو۔ وہی طریقہ اختیار کر لے اسے اختیار ہے۔

سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۚ ⑤

جلد انہیں راہ دیگا اور ان کا کام بنا دے گا۔

(بقیہ آیت نمبر۴) **فائدہ** :فدیہ لے کر چھوڑنے اور دارالحرب یعنی واپس کافروں کے پاس بھیجنے سے بعض فقہاء نے منع کیا ہے۔اس لئے کہ اس سے ان کی طاقت میں اضافہ کرنا ہے۔**فائدہ** :امام مجاہد مرحوم فرماتے ہیں۔ صرف دو کاموں میں ایک ہی کیا جائے۔یا وہ مسلمان ہوں اور یا انہیں قتل کیا جائے۔آگے فرمایا۔کفار کو اس قدر قتل کرو کہ ان کا غلبہ اور ان کی شان وشوکت ختم ہو جائے۔ویسے نہ چھوڑیں اس لئے کہ وہ شرپسندوں سے مل کر تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔**فائدہ**: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حربیوں کے ہتھیار بھی ختم کر دیئے جائیں تا کہ آئندہ وہ جنگ وجدال کا سوچیں بھی نہیں۔آگے فرمایا۔اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو جنگ کے بغیر بھی ان سے بدلا لے سکتا تھا کہ بغیر کسی ظاہر سبب کے وہ پہلی قوموں کی طرح ہلاک وتباہ ہو جاتے۔یا قارون کی طرح زمین میں دھنس جاتے۔یا زلزلہ سے تباہ وبرباد ہو جاتے۔لیکن اللہ تعالیٰ تم میں سے بعض کو بعض سے آزماتا ہے۔اس لئے کافروں سے جنگ کرنے کا حکم دیا تا کہ زندہ رہو تو غازی بنو اور فوت ہو جاؤ تو شہید ہو جاؤ (ایک اللہ کے ولی دعا کرتے یا اللہ ان کافروں کو سلامت رکھ۔ غلاموں نے کہا۔کیوں۔فرمایا۔اگر وہ نہ ہوں تو نہ کوئی غازی ہو نہ کوئی شہادت کا مرتبہ پائے)۔آگے فرمایا۔وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے۔یعنی بدر یا احد میں شہید ہوئے۔ان کے اعمال ہرگز ضائع نہیں ہونگے۔یعنی اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں بہت بلند درجات عطا فرمائے گا۔**حدیث شریف** :حضور ﷺ نے فرمایا کہ جہاد جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ میری امت کا آخری شخص دجال کے ساتھ برسرپیکار ہوگا۔اس کے بعد امن ہوگا۔اس وقت امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہو جائیگا اور عیسیٰ علیہ السلام بھی آسمان سے زمین پر تشریف لے آئیں گے۔ان کا جہاد آخری جہاد ہوگا۔(مشکوٰۃ)

(آیت نمبر۵) اللہ تعالیٰ ان کی راہنمائی فرمائے گا۔دنیا میں اچھے کاموں کی طرف اور آخرت میں ثواب کی طرف۔**فائدہ**:حسن بن زیاد نے فرمایا۔قبر میں اللہ تعالیٰ منکر نکیر کے سوالات پر صحیح جواب دینے کی ہمت عطا فرمائے گا۔یاد رہے شہداء سے قبر میں سوال ہوگا ہی نہیں ہوگا۔آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے احوال کو درست فرماتا ہے۔گناہوں سے بچاتا ہے اور نیکی کی توفیق عطا فرماتا ہے۔اور انہیں آخرت کے مقاصد کی طرف ہدایت دیتا ہے۔یہاں تک مخاصمین کو راضی کر کے ان کے حالات کو اچھا کرے گا۔اس لئے کہ جہاد اور شہادت کا درجہ پانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں شرف وبزرگی حاصل ہوگی۔

وَيُدۡخِلُهُمُ الۡجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمۡ ﴿٦﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰهَ

اور داخل فرمائے گا انہیں جنت میں پہچان کرادی اس کی انہیں ۔ اے ایمان والو اگر تم مدد کرو گے دین خدا کی

يَنۡصُرۡكُمۡ وَيُثَبِّتۡ اَقۡدَامَكُمۡ ﴿٧﴾ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَتَعۡسًا لَّهُمۡ وَاَضَلَّ اَعۡمَالَهُمۡ ﴿٨﴾

تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور ثابت قدم رکھے گا تم کو اور جنہوں نے کفر کیا تباہی پھیر دے گا ان کی اور برباد کریگا ان کے عمل

(آیت نمبر ۶) چونکہ دنیا میں ان کے اچھے اوصاف چیک ہو جائیں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں جلد ہی داخل فرمائے گا تو لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کا تعارف فرمائے گا۔ یا لوگ ان کی زیارت کے مشتاق ہوں گے۔

حدیث شریف : جنت میں جنتی کا مکان اس کے دنیوی مکان سے زیادہ مشہور ہوگا۔ یا عرف بمعنی خوشبو کہ شہید کے محل کی خوشبو دور سے ہی آ رہی ہوگی۔ (صحیح بخاری، کتاب الرقاق)

فائدہ : اس آیت میں جہاد کی ترغیب دی گئی ہے۔ شہداء کے فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شہید سے تمام حقوق معاف کر دیئے جائیں گے اور جنت میں شہداء کو بہت بڑے مراتب سے نوازا جائیگا۔

(آیت نمبر ۷) اے ایمان والو اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد یعنی اس کے دین کی مدد یا اس کے رسول پاک کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرما کر تمہیں دشمنوں پر غلبہ دے گا اور جنگوں میں یا دین اسلام کی حجت قائم کرنے پر تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔ (یاد رہے اللہ تعالیٰ کی مدد کرنے کا مطلب اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرنا)۔

اللہ تعالیٰ کی مدد دو قسم : (۱)۔۔۔۔ دین میں مدد یوں کہ دین سیکھنے اور سکھانے والوں کی مالی مدد کرنا۔ یا دین کے مخالف کو دلائل سے اس پر واضح کرے۔ یا شبہات دور کئے جائیں یا احکام کی شرح کو واضح کر دے۔ یا فرضوں۔ سنتوں یا حلال و حرام کا علم حاصل ہو۔ یا علم کے مطابق عمل کو آسان کر دیا جائے یا جہاد اکبر کی توفیق دے کر نفس پر غلبہ عطا کر دے۔ (۲)۔۔۔۔ دوسری مدد یہ کہ جہاد میں شریک ہو کر مسلمانوں کی مدد کر کے دین کے دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنا۔ **سبق**: عقلمند پر لازم ہے کہ حسب استطاعت دین متین کے ہر شعبے کی مدد کرے۔

(آیت نمبر ۸) اور وہ جنہوں نے کفر کیا۔ ان کے لئے ذلت و خواری رسوائی اور ہلاکت ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں منہ کے بل گرا دے گا۔ تعس کا معنی ہلاک کرنا اور منہ کے بل گرا دینا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال گم کر دیئے۔ یعنی باطل اور نیست و نابود کر دیئے۔ اور گویا وہ ذلیل ہو کر منہ کے بل گر گئے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ⑨ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا

یہ اس لئے کہ انہیں ناگوار ہوا جو اتارا اللہ نے تو ضائع کئے اللہ نے ان کے عمل کیا نہیں پھرے وہ

فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ

زمین میں پھر دیکھتے کیسے ہوا انجام ان کا جو ان سے پہلے ہوئے تباہی ڈال دی

اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ⑩

اللہ نے ان پر اور کافروں کی ایسی کتنی مثالیں ہیں

(آیت نمبر۹) یہ ذلت خواری اور منہ کے بل گرنا۔ یا گمراہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول سے اس چیز سے نفرت کی جو اللہ تعالیٰ نے اتاری۔ یعنی قرآن سے اور اس کے بیان کردہ احکام جو ان کی مرضی کے خلاف تھے۔ وہ انہیں ناگوار تھے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ضائع کردیئے۔ اس لئے کہ قرآنی احکام سے نفرت کرنا تو کفر ہے۔ **فائدہ:** یعنی جو بھی انہوں نے اعمال کئے۔ مسجد حرام بنائی یا کعبے کا طواف کیا۔ یا غریبوں کی مدد کی یا حاجیوں کی خدمت کی۔ یا یتیموں کی خبرگیری کی یا کوئی اور نیک کام کیا۔ وہ تو سب اکارت گیا۔

فائدہ: یہ بات کفار مکہ سے خاص نہیں بلکہ دنیا کا کوئی کافر اور دین کا منکر قرآن سے نفرت کرے گا۔ تو اس کا یہی حکم ہے۔ کہ ان کے سارے اچھے عمل ضائع ہو جائیں گے۔

(آیت نمبر۱۰) کیا یہ کفار مکہ زمین پر چل پھر کر نہیں دیکھتے کیا یہ گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں۔ حالانکہ یہ شام عراق یمن کی طرف تجارت وغیرہ کی غرض سے جاتے ہیں۔ وہاں انہوں نے دیکھا ہوگا کہ کیسا ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے ہو گذرے۔ یعنی جن قوموں نے اپنے انبیاء و مرسلین کو جھٹلایا تھا۔ جیسے قوم عاد۔ قوم ثمود اور سبا والے۔ ان کے نشانات آج بھی کھنڈرات کی شکل میں موجود ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ نے تباہ و برباد کیا۔ جب انہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلایا۔ تو پھر نہ وہ رہے۔ نہ اہل و عیال رہے۔ نہ ان کے اموال و اسباب رہے۔ سب پر تباہی پھر گئی اور کافروں کا حال ایک جیسا ہے یعنی ان کے اعمال بھی ایک جیسے اور ان کی سزائیں بھی تقریباً ایک ہی جیسی (اگرچہ سزائیں تو الگ الگ گناہوں کے مطابق ہیں۔ ایک جیسی نہیں لیکن تباہی بربادی اور ذلت و رسوائی ایک ہی جیسی ہوئی)۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِیْنَ لَامَوْلٰى لَهُمْ ۝۱۱ اِنَّ اللّٰهَ

یہ اس لئے کہ بے شک اللہ مولیٰ ہے مسلمانوں کا اور بے شک کافروں کیلئے نہیں کوئی مولیٰ۔ بے شک اللہ

یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ

داخل فرمائے گا ان کو جو ایمان لائے اور عمل نیک کئے ایسے باغات میں جاری ہیں اس کے نیچے نہریں

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝۱۲

اور جنہوں نے کفر کیا نفع اٹھاتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے کہ کھاتے ہیں جانور اور آگ ہے ٹھکانہ ان کا

(آیت نمبر۱۱) یہ کفار کیلئے عذاب یا اہل ایمان کی فتح یابی اس لئے ہے کہ بے شک مومنوں کا مولیٰ اللہ تعالیٰ ہے۔ جو ایمان والوں کو کفار پر فتح عطا فرماتا ہے۔ ان کی مدد فرماتا ہے اور کفار کو مغلوب اور نیست و نابود کرتا ہے۔ اس لئے کہ کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں۔ یعنی ان کا کوئی حامی و ناصر نہیں جو انہیں کامیاب بنائے یا جہنم سے بچائے۔

فائدہ: کافر اگرچہ مخلوق تو اللہ تعالیٰ کی ہی ہیں۔ کفار نے اپنے اعتقاد کے مطابق بتوں کو اپنا مولیٰ بنایا۔ اسی لئے وہ ان کی پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ اور ایمان والوں نے اپنے رب کو مولانا بنایا۔

فائدہ: علماء کرام فرماتے ہیں قرآن مجید میں یہ آیت مومنوں کیلئے بہت بڑی امید گاہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ میں سب مومنوں کا مولیٰ ہوں۔ صرف عابدوں اور زاہدوں کی تخصیص نہیں ہے۔ نہ اوراد و وظائف یا اجتہاد والوں کی۔ مومن خواہ گناہ گار ہے تب بھی اللہ تعالیٰ اس کا مولیٰ ہے۔ **حدیث شریف**: جو اللہ کا بنے۔ اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ **سبق**: اس سے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کا مولیٰ ہے۔ اس لئے ان کی مدد فرماتا ہے۔ خصوصاً جب حالت جنگ میں ہوتے ہیں اور جبریل علیہ السلام بھی ساتھ ہوتے ہیں۔

(آیت نمبر۱۲) بے شک اللہ تعالیٰ ان مومنوں کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ جنہوں نے نیک اعمال کئے۔ یعنی آخرت میں ان کے اعمال کا انہیں ثمرہ ملے گا۔ اور وہ ایسے باغات میں جائیں گے جن میں نہریں جاری ہیں۔ لہذا جنت کا داخلہ اور اس کی نعمتیں صرف نیک اعمال والوں کو ملیں گی اور جن لوگوں نے کفر کیا۔ وہ دنیا میں چند دن ضرور اپنے مال متاع سے نفع اٹھائیں۔ وہ کھانے کے ایسے حریص ہیں۔ ایسے کھاتے ہیں جیسے جانور کھاتے ہیں اور چونکہ آخرت سے وہ بے خبر ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ایسے غافل لوگوں کو اپنے انجام کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ

اور کتنے ہی شہروں والے جو زیادہ سخت تھے طاقت میں تمہارے شہروں والوں سے جنہوں نے آپ کو نکالا۔

اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾

ہم نے انہیں ہلاک کیا تو کوئی مددگار نہ تھا ان کا۔

(بقیہ آیت نمبر۱۲) آگے فرمایا کہ جہنم ہی ان کا ٹھکانہ ہے۔ **فائدہ**: امام قشیری فرماتے ہیں۔ کافر کے کھانے کو جانور سے تشبیہ اس لئے دی کہ جس طرح جانور حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتا۔ اسی طرح کافر بھی اس تمیز کے بغیر کھاتا ہے اور جو انسان کھاتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتا ہے۔ اور کھا کر اس کا شکر ادا نہ کرے۔ اس میں اور جانور میں کوئی فرق نہیں۔ جانور بھی کھڑے کھڑے اور چلتے پھرتے کھاتا۔ یہ بھی اسی طرح کھاتے ہیں۔

فائدہ: امام حدادی فرماتے ہیں۔ انسان کو کھاتے وقت تین چیزیں مدنظر ہوتی ہیں: (۱) حرص وہوا کے ساتھ کھاتا ہے۔ (۲) شہوت کیلئے۔ (۳) غفلت اور عیش کیلئے۔ **سبق**: مومن پر لازم ہے کہ کھانا صرف زندگی بسر کرنے کیلئے کھائے۔ اتنا کھائے کہ قوی مضبوط رہیں تاکہ عبادت صحیح طریقے سے ادا کر سکے۔ اور کھا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ **حدیث شریف** میں فرمایا۔ بھوک اور پیاس سے اپنے نفسوں کے ساتھ جہاد کرو۔ اس سے مجاہد فی سبیل اللہ کے برابر ثواب ملے گا (احیاء العلوم)۔ جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ بھوک دل کا نور ہے۔ یعنی اس سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔ اور زیادہ کھانے سے دل سخت ہوتا ہے۔

(آیت نمبر۱۳) کتنی ہی بڑی بڑی بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا۔ جو اس بستی (مکہ) سے بڑی تھیں۔ ان بستیوں میں رہنے والے بھی بڑے طاقتور تھے۔ یعنی اے محبوب جس بستی والوں نے آپ کو نکلنے پر مجبور کیا۔ ان سے وہ بڑی بستیاں تھیں جنہیں ہم نے ہلاک کیا۔

شان نزول: حضرت ابن عباس اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے وقت منہ خانہ کعبہ اور مکہ کی طرف کر کے فرمایا۔ اے مکہ مکرمہ تو مجھے اور میرے رب کو تمام شہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ اگر مشرکین یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کرتے تو میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ مکہ والے کفار کی کیا حیثیت ہے۔ کیا ان سے پہلے ان سے بھی بڑی طاقتوں والے ملیا میٹ نہیں ہو گئے۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ

کیا جو ہو دلیل پر اپنے رب کی طرف سے مثل اس کے ہوسکتا ہے کہ خوبصورت دکھایا گیا اسے اس کا برا عمل

وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾

اور پیروی کرے اپنی خواہشوں کی۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۳) ان کا بھی حال وہی ہونا تھا۔ لیکن پھر بھی یہ بچ نہیں سکتے۔ نہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات پاسکتے ہیں۔ جب عذاب کے شکنجے میں آئیں گے تو کوئی ان کی مدد کرنے والا نہیں ہوگا۔ دنیا میں جتنے مرضی ہے مددگار حامی بنالیں۔ آخرت میں کوئی ان کا مددگار نہیں ہوگا۔

(آیت نمبر ۱۴) کیا پس وہ شخص جس نے دین اسلام کا دامن مضبوطی سے پکڑا ہو۔ یعنی وہ مضبوط دلیل پر ہو سوچ سمجھ کر اسلام قبول کیا ہو۔ بلکہ حق پر قائم ہو کہ قرآن جیسی کتاب اسے ملی ہو اور معجزات دیکھے ہوں۔ کیا وہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے۔ جس کیلئے برے اعمال خوبصورت بنادیئے گئے ہوں۔ برے اعمال سے مراد ہر قسم کے گناہ اور نافرمانی والے کام جو نفس امارہ اور شیطان انسان کیلئے سنوارتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ہدایت والا اور گمراہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔ پھر جو لوگ اپنی خواہشات کی اتباع کرتے ہیں۔ یعنی سیدھی راہ سے منہ پھرا کر مختلف گمراہیوں میں پڑتے ہیں۔ شیطان ان کے برے اعمال کو بھی انہیں خوبصورت کرکے دکھاتا ہے۔ جیسے کفار کو ننگے بدن طواف پر لگالیا۔

فائدہ: ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "بینہ" سے مراد وہ نور ہے جو انسان کو الہام اور وسوسہ میں فرق بتاتا ہے۔ یہ نور ہر ایک کو نہیں ملتا۔ صرف اہل حقائق کو ملتا ہے۔ جس سے ان کا شرح صدر ہوجاتا ہے۔

شانِ مصطفےٰ ﷺ: مشائخ فرماتے ہیں۔ جتنے علوم حضور ﷺ کو ملے ہیں۔ اتنے کسی نبی علیہ السلام کو نصیب نہیں ہوئے۔ اس لئے کہ آپ اسم رحمٰن کے مظہر ہیں اور تمام معلومات کو اسم رحمٰن حاوی ہے۔ یعنی تمام علوم اس اسم کے گرد گھومتے ہیں۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ

مثال جنت کی جس کا وعدہ دیئے گئے پرہیزگار۔ اس میں نہریں ہیں پانی کی جو نہ خراب ہوں ۔

وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ

اور نہریں ہیں دودھ کی جو نہ بدلے اپنے مزہ اور نہریں شراب کی لذت دے پینے والوں کو ۔

وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی ؕ وَلَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ

اور نہریں شہد خالص کی ۔اوران کے لئے اس میں ہر قسم کے پھل ہیں اور بخشش ہے ان کے رب کی طرف سے ۔

كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾

کیا یہ اس جیسے ہیں جو ہمیشہ رہے گا آگ میں اور پلائے جائیں گے پانی کھولتا ہوا کہ ٹکڑے کردے ان کی آنتوں کے

(آیت نمبر ۱۵) اس جنت کی مثال جس کا متقیوں کو وعدہ دیا گیا ہے۔

فائدہ: ایمان والے متقی اس لئے ہیں کہ تقویٰ اور عمل صالح ایمان کے ابواب ہیں۔تقویٰ سے مراد ادائے واجبات اور ترک سیئات ہے (یعنی ہر فرض کو پورا کرنا اور ہر گناہ سے بچنا)

آگے فرمایا کہ جس جنت کا وعدہ دیا گیا ہے۔اس میں نہریں ہیں۔ان میں ایک نہر ایسے پانی کی ہے۔جس کا رنگ ۔ بو اور ذائقہ باوجود ایک لمبی مدت تک رہنے کی کبھی متغیر نہیں ہوگا۔جیسے دنیا کا پانی ایک مدت تک ایک جگہ کھڑا رہنے سے متغیر ہو جاتا ہے۔دوسری نہر دودھ کی ہے۔جس کا ذائقہ دنیا کے دودھ سے زیادہ ہوگا۔نہ زیادہ گاڑھا ہوگا دہی کی طرح اور نہ وہ کھٹا ہوگا۔الغرض وہ تمام خرابیوں سے پاک صاف ہوگا۔تیسری نہر شراب کی ہوگی۔

فائدہ :ہر نشہ والی شیء کو خمر یعنی شراب کہا جاتا ہے۔لیکن جنت والا شراب انتہائی لذیذ ہوگا۔نہ اس سے کراہت آئیگی۔نہ ذائقہ خراب ہوگا۔نہ وہ بدبودار ہوگا۔نہ نشہ آور ہوگا کہ (بدمست کرے) نہ سر کو ثقیل کرے گا۔ سراسر وہ لذت ہی لذت والا ہوگا۔چوتھی نہر شہد کی ہوگی وہ بھی ایسی جو بالکل صاف وشفاف ہو۔جسے اللہ تعالیٰ نے صاف کیا ہے اس کی صفائی کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔جس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہیں ہوگی۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

اوران میں ہے جوکان لگاتا ہے آپ کی طرف یہاں تک کہ جب نکلیں آپ کے پاس سے تو کہتے ہیں اہل علم سے

مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۟ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾

کیا فرمایا انہوں نے ابھی یہی لوگ ہیں کہ مہر کردی اللہ نے ان کے دلوں پر اور انہوں نے پیروی کی اپنی خواہشوں کی

(بقیہ آیت نمبر ۱۵) اصل بات یہ ہے کہ بلاد عرب میں پانی کی سخت قلت تھی اور وہاں لوگوں کی اشد ضرورت پانی کا ہونا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے پانی کی نہروں کا ذکر کیا۔ پھر فرمایا کہ دودھ کی بھی نہریں ہونگی اسی طرح شراب اور شہد بھی وہاں نعمتیں ہیں اور چاروں ان کے نزدیک بہت بڑی نعمتیں ہیں۔ **فائدہ**: جنت میں اتنی اعلیٰ چیزوں کا نہروں کی شکل میں جاری ہونا ایک عجیب وغریب ہی منظر ہوگا۔ دنیا میں ان چاروں نعمتوں کو لوگ ترستے ہیں اور پھر اتنی اعلیٰ اور قیمتی اشیاء وافر مقدار میں اور مفت بڑا ہی عجیب امر ہے۔ **فائدہ**: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ جنت کی نہروں کے یہ تو صرف نام ہیں۔ ان کی حقیقت دنیا کی اشیاء سے بہت اعلیٰ ہوگی اور ہر نہر ہر محل اور ہر مکان کے پاس سے گذرے گی۔ اور پھر اس سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت وبخشش ہے، یہ اس کا خاص احسان وکرم ہوگا۔ یعنی گناہ معاف فرمائے گا۔ پھر نہ یاد کرائے گا نہ عتاب کرے گا۔ نہ جنت کی نعمتوں میں کمی کرے گا۔ **فائدہ**: یادرہے یہ مغفرت جنت میں جانے سے پہلے ہوگی۔ جنت کی نعمتیں دینے کا مطلب ہے۔ کہ اب رب تعالیٰ بندے سے راضی ہوگیا ہے۔ آگے فرمایا۔ کیا جو ہمیشہ کیلئے ایسی جنت اور اس کی نعمتوں میں جائے اس کی طرح ہوسکتا ہے جو ہمیشہ کیلئے جہنم میں رہے گا۔ جہاں کھولتا ہوا پانی جب پلایا جائیگا۔ تو وہ جہنمی کی آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردے گا۔ جب وہ پانی منہ کے قریب آئے گا تو منہ جل جائیگا۔ **سبق**: اے غافل انسان اس بات سے عبرت حاصل کر۔ اللہ واحد قہار کا خوف دل میں رکھ۔ غور کر۔ گرم حمام میں چند منٹ ٹھہرنا مشکل ہے۔ جہنم میں بند ہونے والے کا کیا حال ہوگا۔

(آیت نمبر ۱۶) ان میں بعض وہ بھی ہیں۔ میرے محبوب جو قرآن اور آپ کا بیان سننے کیلئے آپ کی طرف کان لگاتے ہیں۔ لیکن غور سے نہیں سنتے۔ یہاں تک کہ جب وہ آپ کے پاس سے نکل کر جاتے ہیں تو باہر جاکر اہل علم حضرات سے پوچھتے ہیں۔ ان اہل علم سے مراد خلفاء راشدین ابن مسعود، ابن عباس، ابوالدرداء رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان حضرات سے پوچھتے ہیں کہ ابھی ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تھا۔ اصل میں وہ بے ایمان یہ بات مزاقاً کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اصل میں وہی لوگ ہیں کہ جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگادی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ

اور جنہوں نے ہدایت پائی اللہ نے زیادہ کی ان کی ہدایت اور دی ان کو پرہیز گاری تو نہیں وہ منتظر مگر قیامت کے

اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾

قیامت کے کہ آئے ان پر اچانک۔ تحقیق آ چکیں اس کی علامتیں تو پھر کہاں وہ جب آ گئی ان پر تو ان کا سمجھنا۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۶) اس لئے ان کے دل خیر کی باتوں میں توجہ نہیں کرتے۔ خاتم اور طابع ایک ہی چیز کو کہتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ ان کے دلوں پر مہر لگانے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے باطل خواہشات کی پیروی کی اور وہ ہی کام کئے جو انہیں جہنم میں لے جانے والے تھے۔ کبھی بھی وہ نیکی اور بھلائی کے کاموں کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔

(آیت نمبر ۱۷) اور وہ لوگ جنہوں نے ہدایت پائی۔ یعنی ایمان والوں کی ہدایت کو اللہ تعالیٰ نے اور بھی بڑھا دیا کہ ان کے دلوں میں نیکی اور بھلائی کرنے کے جذبے کو اور زیادہ بڑھا دیا اور ہر قسم کی نیکیاں حاصل کرنے کی انہیں توفیق بخشی تقوے اور طہارت کے تمام طریقے ان پر واضح فرما دیئے تا کہ وہ آسانی سے ان پر عمل پیرا ہو سکیں۔

فائدہ: اس سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو ہدایت کی طلب میں سچے تھے۔ پھر ہم نے انہیں ہدایت کے اعلیٰ مرتبے پر پہنچایا اور ہادی تک پہنچنے کیلئے ان کی راہنمائی فرمائی۔

(آیت نمبر ۱۸) پس یہ منافقین اور کفار نہیں انتظار کر رہے مگر قیامت کا اور وہ آئیگی ان کے پاس اچانک۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ لوگ گذشتہ امتوں کے حالات سے نصیحت نہیں حاصل کرتے۔ یعنی اس طرف دھیان ہی نہیں کرتے اس کا مطلب یہی ہے کہ اب وہ قیامت کے ہی منتظر ہیں کہ وہ آ جائے اور ہم اسے دیکھ لیں کہ وہ کیسی ہے۔ حالانکہ تحقیق ان کے پاس اس کی نشانیاں آ چکی ہیں۔ حضور ﷺ کی تشریف آوری بھی قیامت کی علامات سے پہلی بڑی علامت ہے۔ (اسی طرح چاند کا دو ٹکڑے ہونا دوسری بڑی علامت ہے) اور حضور ﷺ کی امت بھی سب امتوں سے آخر میں آئی۔ یہ بھی قیامت کی علامات سے ہے۔ آگے فرمایا۔ اب اگر قیامت آ گئی۔ اس وقت انہوں نے نصیحت حاصل کی تو اس وقت نصیحت کیا کام دے گی۔ دوسرے مقام پر فرمایا کہ انسان قیامت کے دن نصیحت تو پکڑے گا۔ مگر پھر کیا فائدہ اس کا۔ نصیحت حاصل کرنے کا وقت تو دنیا میں ہے۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ

تو جان لو بے شک نہیں کوئی معبود مگر اللہ اور بخشش مانگیں اپنوں اور مومنوں مردوں اور مومنہ عورتوں کے گناہوں کی

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ع ﴿۱۹﴾

اور اللہ جانتا ہے تمہارا پھرنا دن کا اور تمہارا آرام کرنا رات کا

(بقیہ آیت نمبر ۱۸) **علامات قیامت:** حضور ﷺ نے قیامت کی علامات بیان فرمائیں: (۱) مہنگائی بہت زیادہ۔ (۲) بارش بہت لیکن بے وقت ہوگی۔ (۳) فتنے عام ہونگے۔ (۴) زنا کی اولاد عام ہوگی۔ (۵) مال و دولت والے کی عزت ہوگی۔ (۶) مسجدوں میں آوازیں بلند ہوں گی۔ (۷) بروں کو حق والوں پر غلبہ ہوگا۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب امانت میں خیانت عام ہو تو سمجھ لو قیامت قریب ہے۔ عرض کی گئی۔ امانت میں خیانت یا ضائع ہونا کیا ہے تو فرمایا۔ جب کام نااہلوں کے ہاتھ (سپرد) کردیا جائے۔ (بخاری ۶۱۳۱)

امام کلبی نے قیامت کی علامات لکھیں: (۱) مال کی کثرت۔ (۲) تجارت عام۔ (۳) جھوٹی گواہیاں۔ (۴) قطع رحمی۔ (۵) باعزت لوگوں کی قلت۔ (۶) بدمعاشوں کی کثرت۔

(آیت نمبر ۱۹) اچھی طرح جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ **فائدہ:** نیک بختی کا حصول توحید میں ہے۔ شرک اور معصیت میں بدبختی ہے۔ توحید کا عقیدہ تمام عقائد کا اصل ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی عقیدہ صحیح نہ عمل مقبول ہے۔ آگے فرمایا۔ اپنوں کے گناہوں کی بخشش طلب کریں۔ **فائدہ:** چونکہ حضور ﷺ تو گناہوں سے معصوم ہیں۔ اس لئے یا تو وہ معنیٰ ہے۔ جو اوپر مذکور ہوا۔ یا مراد ہے کہ سفلی مرتبہ سے استغفار کر کے عالی مرتبہ پر فائز ہو جائیں کیونکہ ابرار کی نیکیاں مقربین کے سیئات ہیں۔ یا اس میں آپ کو تواضع کی تعلیم دی گئی اور کسر نفسی کا درس ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ آپ تمام مومن مردوں اور عورتوں کیلئے استغفار کریں۔ یعنی تمام امت کیلئے گناہوں سے بخشش کی دعا کریں اور انہیں ترغیب دیں کہ وہ ایسے نیک اعمال کریں۔ جن پر انہیں اجر و ثواب ملے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ تمہارا دن کو پھرنا۔ یعنی کاروبار یا امور معاش کیلئے نکلنا۔ جن کے لئے کئی مراحل سے گذرنا پڑتا ہے اور وہ تمہارے رات کے قیام کو بھی جانتا ہے۔ یا مراد ہے کہ وہ ٹھکانہ سب کا جانتا ہے کہ کہاں ہوگا۔ جنت میں یا جہنم میں۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ج فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ

اور کہتے ہیں ایمان والے کیوں نہ اتاری گئی سورۃ۔ پھر جب اتری سورۃ

مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ لا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

پختہ اور ذکر ہوا اس میں جہاد کا تو تو نے دیکھا انہیں جن کے دلوں میں بیماری ہے۔

يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ط فَاَوْلٰى لَهُمْ ج ﴿۲۰﴾

دیکھتے ہیں آپ کی طرف جیسے دیکھتا ہے وہ کہ غشی ہو جس پر موت کی۔ تو یہی بہتر ہے ان کے لئے۔

(بقیہ آیت نمبر۱۹) **فائدہ**: معالم التنزیل میں ہے۔ حضور ﷺ کو استغفار کا حکم تعلیم امت کیلئے تھا تا کہ وہ ہمیشہ اپنے گناہوں سے توبہ استغفار کرتے رہا کریں۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ میں ہر روز ستر بار استغفار کرتا ہوں (رواہ البخاری)۔ ایک حدیث میں سو بار کا بھی ذکر ہے۔ ہر استغفار پر آپ کا مرتبہ بڑھتا تھا۔

(آیت نمبر۲۰) ایمان والے کہتے ہیں کہ سورۃ کیوں نازل نہیں ہوتی۔ یعنی ایسی سورۃ کا نزول کیوں نہیں ہوتا۔ جس میں جہاد کا حکم ہو پھر جب وہ سورۃ نازل ہوئی جو محکم ہے کہ جس میں جہاد اور لڑائی کا حکم تھا۔

فائدہ: حضرت قتادہ فرماتے ہیں۔ جس سورت میں جنگ یا لڑائی کا ذکر ہو۔ وہ محکم ہوتی ہے۔ وہ منسوخ نہیں ہوتی۔ آگے فرمایا۔ اے محبوب آپ دیکھو گے ان لوگوں کو جن کے دلوں میں مرض ہے۔ یعنی جو لوگ ضعیف الاعتقاد اور منافق قسم کے ہیں وہ دیکھتے ہیں آپ کی طرف ایسے جیسے کسی پر موت طاری ہوتی ہے۔ وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں دیکھ رہا ہو یا جس پر سکرات موت طاری ہوں اور وہ آنکھیں اٹھا کر دیکھتا ہے۔ جیسا کہ وہ روح نکالنے والے فرشتوں کو دیکھ رہا ہو تو اس وقت اس کی عجیب کیفیت ہوتی ہے۔

مومن ومنافق کی پہچان: دیدار الٰہی کے شوق میں موت اور جہاد کا شوق صرف مومن کو نصیب ہوتا ہے۔ جہاد اور موت سے نفرت منافقت کی علامت ہے۔ آگے فرمایا خرابی ہے ان کیلئے یعنی انہیں جہنم نصیب ہو۔ جو جہاد سے نفرت کرتے ہیں۔ **فائدہ**: امام راغب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ کلمہ تہدیدی ہے۔ ڈرانے دھمکانے کیلئے بولا جاتا ہے۔ یا جو ہلاکت وتباہی کے کنارے پر ہو۔ اسے بچنے کیلئے کہا جائے تا کہ وہ ہلاکت سے بچ جائے۔

طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾

فرمانبرداری کرتے اور بات اچھی کہتے ہوئے پھر جب پختہ ہو چکا حکم تو اگر سچے رہتے اللہ سے تو ضرور ہوتا بھلا ان کا

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾

تو کیا قریب ہے کہ اگر تم والی بنتے تو تم فساد کرتے زمین میں اور توڑتے اپنے رشتے

(آیت نمبر ۲۱) فرمانبرداری اور نیکی کی بات کرتے۔ یعنی انہیں تو یہ چاہئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرتے اور ان کے حکم کو مانتے۔ اگر جہاد کا حکم دیں تو قبول کرتے۔ آگے فرمایا کہ جب حکم پکا ہو جائے۔ یعنی جب جہاد کا معاملہ پکا ہوا اور جہاد کرنا فرض ہو گیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی جہاد کا پختہ ارادہ کر لیا تو اس وقت ان منافقوں نے مخالفت کی اور عورتوں کی طرح گھروں میں بیٹھ رہے۔ آگے فرمایا کہ پس اگر وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچ بولتے تو ان کیلئے صدق کذب سے بہتر ہوتا اور جہاد پر جانا گھر میں بیٹھنے سے بہتر ہوتا۔

نزول احکام کی ترتیب: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے توحید کا درس دیا۔ جب دیکھا کہ لوگ توحید پر پختہ ہو گئے۔ پھر نماز کے احکام بتائے۔ پھر زکوٰۃ کا حکم آ گیا۔ اس کے بعد حج کا پھر جہاد کا۔ اس طرح کرتے کرتے دین مکمل ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان والوں کا نزول احکام و شرائع جوں جوں بڑھتا رہا۔ تو ان کا ایمان بھی قوی سے قوی تر ہوتا رہا۔ اگرچہ ایمان گھٹتا بڑھتا نہیں۔ لیکن اس کے نور میں نیک اعمال کرنے سے اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ **حدیث:** اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا اپنے ایمان کو تازہ کرتے رہا کرو (طبرانی)۔ جو قرآن مجید میں یا احادیث میں ایمان کے گھٹنے یا بڑھنے کا ذکر ہے۔ اس کا یہی مطلب ہے۔

(آیت نمبر ۲۲) تو کیا قریب ہے۔ یعنی کیا تم سے توقع کی جا سکتی ہے۔ اے منافقو۔ اگر تمہیں لوگوں کے امور پر متولی بنایا جائے تو تم ان پر مسلط ہو کر زمین میں فساد مچاؤ۔ اور قطع رحمی کرنے لگو۔ یعنی ملک گیری کی ہوس اور دنیا کی حرص میں تم فساد کر دو۔ اس لئے کہ جب تمہیں جہاد کا حکم ہوا۔ جس میں ہر طرح کی خیر و صلاح تھی اور جو ہر شر و فساد کو ختم کرتا ہے تو تمہیں چاہئے تھا کہ تم اطاعت بھی کرتے اور اچھی بات کرتے لیکن تم نے اس کے خلاف کیا۔ اس لئے یہ کوئی بعید بات نہیں کہ اگر تمہیں کھلا چھوڑ دیا جاتا تو تم زمین میں فساد کرتے اور رشتہ داریوں میں قطع رحمی کرتے۔

فائدہ: مولا علی کرم اللہ وجہہ نے معنیٰ کیا کہ تم حاکم بن کر ظالموں کے ساتھ ملکر ظلم و ستم کرو۔ فتنہ و فساد میں تم ان کافروں کی مدد کرو۔ یہ کوئی تم سے بعید بات نہیں ہے۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓی اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾

یہ لوگ ہیں لعنت کی ان پر اللہ نے تو حق نے انہیں بہرا اور آنکھوں سے اندھا کیا

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾

کیا نہیں وہ غور کرتے قرآن میں یا ان کے دلوں پر تالے ہیں۔

(آیت نمبر۲۳) یہ وہی لوگ ہیں۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی۔ انہیں بہرا اور آنکھوں سے اندھا کیا کہ وہ آیات کا مشاہدہ نہیں کر سکتیں۔ نہ دیکھ سکیں نہ سن سکیں۔

محبوب خدا کے بے ادب: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس پر حاضر ہوا۔ سر اقدس کی طرف بیٹھا مشاغل میں رہا۔ دیکھا کہ کچھ لوگوں کی بے ادبی اور گستاخی سے میرے آنسو نکل آئے۔ اسی اثنا میں میرے کانوں میں ایک آواز آئی۔ یہی لوگ ہیں۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی۔ یعنی کچھ لوگ مزار پاک کے نزدیک بے ادبی کر کے لعنت کے مستحق ہو رہے ہیں۔ (دوسرے مقام پر فرمایا جو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دیتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں لعنت ہے)۔

(آیت نمبر۲۴) تو کیا وہ قرآن مجید میں غور و فکر نہیں کرتے۔ یعنی قرآن مجید میں جو مواعظ (وعظ و نصیحت کی باتیں) ہیں۔ یا زواجر (عذاب سے ڈرانے والی آیات) ہیں۔ ان میں اگر غور و فکر کریں تو ہلاک کرنے والے گناہوں اور نافرمانیوں میں نہ پڑیں۔ یا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں کہ ان کے دلوں تک کوئی نصیحت والی بات پہنچتی ہی نہیں۔ یا ان کے دل ہی تالے بن گئے یا ان پر مہر لگ گئی ہے۔

فائدہ: الارشاد میں ہے کہ ان کے دل ہی ایسے تالے بن گئے کہ وہ تدبر کو قبول ہی نہیں کرتے۔

فائدہ: دلوں پر تالے لگنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ فساد و جہالت میں اور قساوت میں انتہاء کو پہنچے ہوئے ہیں۔

سبق: دلوں سے تالوں کا کھلنا اللہ تعالیٰ جو علام الغیوب ہے۔ اس کے فضل و کرم سے ہی ممکن ہے۔ قرآن مجید میں غور و فکر نہ کرنا رسوائی کی علامت ہے۔ **فائدہ:** غور و فکر کرنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا اور اس کا مطلب سمجھنا۔ اور اس کے مطابق عمل کرنا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ

بے شک جو مڑے اپنے پیچھے کی طرف بعد اس کے جو کھل گئی ان پر ہدایت

الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا

شیطان نے فریب دیا ان کو اور لمبی امید دلائی انہیں۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا ان سے جنہیں ناپسند ہوا

مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾

جو اتارا اللہ نے ،ہم مانیں گے تمہارے بعض کام۔ حالانکہ اللہ جانتا ہے ان کے اسرار کو۔

(آیت نمبر ۲۵) بے شک جولوگ پیچھے کی طرف پلٹ گئے۔ یعنی سیدھی راہ سے کفر کی طرف لوٹے۔ اس سے مراد منافقین ہیں۔ جو مردہ دلوں سے موصوف ہیں۔ جن کے افعال بھی برے اور احوال بھی برے ہیں۔ کیونکہ نہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول کو مانتے ہیں نہ صحیح طور پر ان کا آخرت پر ایمان ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وماھم بمؤمنین) وہ مومن ہیں ہی نہیں۔ کیونکہ ایمان دلی تصدیق سے ملتا ہے۔ اور ان کے دلوں میں تکذیب ہے۔ ع: خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل۔۔۔۔ دل ونگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ آگے فرمایا وہ پھر گئے اس کے بعد کہ ان پر ہدایت بھی واضح ہوگئی۔ یعنی واضح دلائل اور معجزات دیکھنے کے باوجود پھر گئے۔ اصل بات بھی بتادی کہ شیطان نے ان کیلئے برائی کو ایسا سنوارا اور ایسا فریب دیا کیونکہ اس کا طریقہ واردات ہی ایسا ہے کہ وہ بری سے بری چیز کو بھی بڑی خوبصورت بنا کر دکھاتا ہے اور انہیں لمبی لمبی امیدیں اور آرزوئیں دلاتا ہے۔

(آیت نمبر ۲۶) یہ مرتد ہونا انہیں اس لئے نصیب ہوا کہ انہوں نے خفیہ طور پر ان لوگوں سے جا کر کہا جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب قرآن مجید سے نفرت کرتے ہیں۔ یعنی یہودیوں سے ساز باز رکھی جو قرآن کے سخت مخالف ہیں۔ حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بن کر آئے۔ چونکہ یہودیوں کو نبی کریم ﷺ سے حسد ہے اس بات کا کہ قرآن ہم پر کیوں نازل نہیں ہوا اور نبی بھی یہود سے کیوں نہیں آیا۔ اس لئے انہوں نے یہودیوں سے جا کر کہا کہ ہم بعض امور میں تمہاری اطاعت کریں گے۔ **فائدہ:** یہ دراصل ان کے کفر کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ان کے مخفی رازوں کو جانتا ہے۔ یعنی وہ باتیں جو ان منافقوں نے کافروں سے جا کر پوشیدہ طور پر کہیں اور اپنے طور پر یہ سمجھا کہ ان کی اس خباثت کا کسی کو علم نہیں۔ حالانکہ ان کو اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے۔

فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿٢٧﴾

تو کیسا ہوگا جب روح نکالیں گے ان کے فرشتے۔ مارتے ہوئے ان کے موہوں اور پیٹھوں پر۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿٢٨﴾ ع

یہ اس لئے کہ انہوں نے پیروی کی جس پر ناراض ہوا اللہ تعالیٰ اور ناپسند کیا اس کی رضا کو تو اس نے ضائع کر دیئے ان کے عمل

(آیت نمبر ۲۷) پھر وہ کیسا وقت ہوگا کہ جب فرشتے ان کی جان نکالیں گے۔ یعنی دنیا میں تو ان کے مکر وفریب چل جاتے ہیں لیکن جب عزرائیل علیہ السلام اپنے ساتھیوں سمیت جان نکالنے کیلئے آ جائیں گے تو مکر وفریب نہیں چلے گا۔ وہ روح نکالتے وقت ان کے موہوں پیٹھوں پر کوڑے ماریں گے۔ منہ پر اس لئے کہ وہ حق سے منہ پھراتے تھے اور پیٹھوں پر اس لئے کہ وہ اہل حق کو پیٹھ دکھا کر چل دیتے تھے۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ جو بھی گناہ کرتے ہوئے مرے۔ اس کا بھی فرشتے یہی حال کرتے ہیں کہ فرشتے اسے مارتے پیٹتے لیکر جاتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں۔ کہ تم اب تک کیا کرتے رہے۔

(آیت نمبر ۲۸) یہ خوفناک موت یعنی ان کی روحیں ایسی خوفناک حالت میں اس لئے قبض کرتے ہیں کہ بے شک وہ ان لوگوں کی اتباع کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ کو غضب دلانے والے ہیں۔ یعنی انہوں نے کفر اور نافرمانیوں کا ارتکاب کیا۔ اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنے اور وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی والے کاموں سے نفرت کرتے تھے۔ مسلمانوں سے کہتے کہ ہم ایمان لائے دل میں لیکن ایمان وطاعت سے کراہت کی۔ گویا انہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور یہودیوں سے ساز باز کر کے وہ دائرہ اسلام سے نکل گئے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اعمال ضائع کر دیئے۔ یعنی بحالت ایمان جو بھی طاعات وعبادات کیں وہ سب ضائع گئیں۔

فاسق وفاجر کی موت کے متعلق امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ موت کے وقت وہ گویا دو پہاڑوں میں پھنسا ہوا ہے۔ کعب اخبار نے فرمایا کہ گویا کانٹے دار ٹہنی مردے کے پیٹ میں ڈال کر زور سے کھینچی جا رہی ہے۔ اتنی تکلیف ایسے لوگوں کو ہوتی ہے موت کے وقت۔ **حدیث شریف**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سکرات الموت کا ایک جھٹکا تین سو تلوار کی کاٹ کے برابر ہے۔ (احیاء العلوم)

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾

یا اس خیال میں ہیں وہ جن کے دلوں میں مرض ہے۔ کہ ہرگز نہیں ظاہر کرے گا اللہ ان کی دشمنی کو

وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ

اور اگر ہم چاہیں تو ہم آپ کو وہ دکھادیں تو پہچان لیں آپ ان کے چہروں سے اور ضرور انہیں پہچان لو بات کے لہجے سے

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾

اور اللہ جانتا ہے تمہارے اعمال کو۔

(آیت نمبر ۲۹) کیا گمان کیا ان لوگوں نے جن کے دلوں میں مرض ہے۔ یعنی منافقت ہے اور مسلمان کے متعلق ان کے دل میں کینہ ہے اور دشمنی ہے تو کیا یہ کینہ ان کے دلوں میں یوں ہی رہے گا اور ان کے حالات یوں ہی پوشیدہ رہیں گے۔ **فائدہ:** بعض روایات میں آتا ہے کہ دوسرے کے متعلق دل میں کینہ رکھنے والا اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ وہ دنیا میں ذلت اور رسوائی نہیں اٹھالیتا۔

مومن کی موت کا خوش منظر: مومن نیک عمل والے کا حال مختلف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق میمون بن مہران فرماتے ہیں۔ جب ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نماز جنازہ پڑھی گئی تو ایک پرندہ آ کر ان کے کفن میں داخل ہو گیا۔ ہم نے ان کے کفن میں تلاش کیا۔ مگر وہ کہیں نہ ملا جب قبر مبارک پر مٹی ڈال دی گئی تو قبر سے آواز آئی۔ اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف لوٹ خوشی کے ساتھ اور میرے بندوں میں شامل ہو کر جنت میں داخل ہو جا۔ (الفجر)

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ موت کی تیاری ایمان وطاعت کے ساتھ کرے اور ہر وقت اس کیلئے تیار رہے۔

(آیت نمبر ۳۰) اے محبوب اگر ہم آپ کو دکھانا چاہیں کہ منافق کون کون ہیں ہم دکھا دیتے ہیں بلکہ آپ تو ان میں سے خاص لوگوں کو پہلے ہی جانتے ہیں۔ یعنی انہیں دیکھتے ہی آپ جان جائیں گے کہ یہ وہی بے ایمان ہیں۔ آپ ضرور جانتے ہوں گے ان کی شکلوں سے (لعنت برس رہی ہے رخ نامراد پر)۔ یا جب وہ بات کرتے تو اسی سے حضور ﷺ ان کو پہچان جاتے تھے۔

حضور ﷺ منافقوں کو جانتے تھے: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ پر اس آیت کے اترنے کے بعد منافقوں کا حال مخفی نہ رہا۔ آپ منافقوں کو شکلوں سے ہی پہچان لیتے تھے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾

اور ضرور تمہیں آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم دیکھ لیں مجاہدین کو تم سے اور صبر والوں کو اور آزمائیں تمہاری خبروں کو

(بقیہ آیت نمبر ۳۰) **پردہ چاک ہوگیا:** حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں۔ایک غزوہ میں ہمارے ساتھ نو منافق تھے۔صبح جاگے تو سب کے چہروں پر (ھذا منافق) لکھا ہوا تھا۔(عین المعانی میں ہے۔ان کی پیشانی پر لکھا تھا کہ یہ منافق ہے۔) آگے فرمایا۔آپ ضرور انہیں پہچان لیں گے۔گفتگو کے طرز طریق میں (یعنی دونوں طریقوں سے آپ ضرور پہچان لیں گے چہروں اور باتوں سے لیکن بعض لوگوں کو ابھی بھی شک ہے کہ نہیں پہچانتے تھے حضور منافقوں کو) آگے فرمایا۔کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو جانتا ہے۔لہذا جیسے تمہارے عمل ہوں گے۔جیسا حال اور خیال ہوا۔ایسا ہی بدلہ ملے گا۔ایمان والوں کا حال اچھا ہے تو ان کی جزاء بھی اچھی۔منافقین کا حال وخیال برا تو بدلہ بھی برا ہے۔یہ تو دنیا کا حال ہے،آخرت میں تو سیاہ چہروں سے پہچانے جائیں گے۔

(آیت نمبر ۳۱) ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے۔جنگ میں یا دیگر تکالیف کے موقعوں پر۔

فائدہ: یہ امتحان ان کے انجام کو ظاہر کرنے کے لئے ہے نہ کہ علم حاصل کرنے کیلئے آگے فرمایا کہ یہاں تک کہ ہم دیکھیں گے کہ کون کون مجاہدین صابر ہیں۔یعنی مشقتوں میں صبر کرنے والے ہیں۔تاکہ انہیں اس قسم کی جزائے خیر دی جائے۔

آگے فرمایا تاکہ ہم تمہاری خبروں کو بھی آزمائیں۔یعنی تمہاری خبریں کیسی ہم تک پہنچتی ہیں۔کیوں کہ خبر سے بھی آدمی کی پہچان ہوتی ہے۔اس کی اچھائی یا برائی معلوم ہوتی ہے۔

فائدہ: علامہ کاشفی فرماتے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ بندے تو اپنے آپ کو ایمان دار کہتے ہیں۔اب ہم چیک کریں گے کہ واقعی تم سچ کہتے ہو۔یا جھوٹ کہتے ہو۔کیونکہ منافقین مسلمانوں کے متعلق جھوٹی خبریں بھی اڑا دیتے تھے۔

فائدہ: امتحان وآزمائش میں ہی بندوں کے جوہر کھلتے ہیں۔اس سے مومن اور منافق کی پہچان ہوتی ہے۔امتحان سے ہی آدمی عزت پاتا ہے۔یا ذلیل ہوتا ہے۔ورنہ اللہ تعالیٰ تو ازل سے ابد تک سب کچھ جانتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ

بے شک جنہوں نے کفر کیا اور روکا راہ خدا سے۔ اور مخالفت کی رسول کی اس کے بعد

مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدٰىۙ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْــٴًـاؕ وَسَیُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾

جب واضح ہوئی انہیں ہدایت۔ وہ ہرگز نہیں بگاڑ سکتے اللہ کا کچھ۔ اور جلد اللہ ضائع کردے گا ان کے اعمال

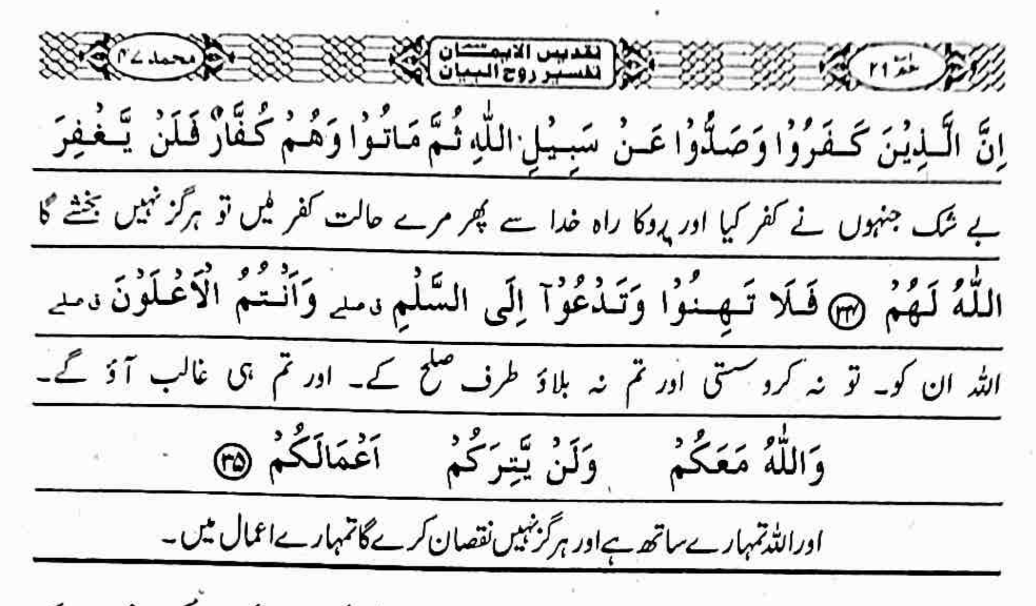
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾

اے ایمان والواطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اور نہ باطل کرو اپنے عمل۔

(آیت نمبر۳۲) بے شک جنہوں نے کفر کیا۔ اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ (دین اسلام) سے روکا۔ جو لوگوں کو رضائے الٰہی تک پہنچاتا ہے اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی۔ دین اسلام کی مخالفت کی۔ اس کے بعد کہ ان پر ہدایت بھی واضح ہوگئی اور انہوں نے توراۃ میں حضور ﷺ کے اوصاف کا مشاہدہ کیا۔ پھر آپ کے معجزات بھی دیکھے اور آپ کی شان میں جو آیات اتریں وہ پڑھیں اور سنیں۔

فائدہ: اس سے مراد بنو قریضہ اور بنو نظیر ہیں۔ جو کافروں کے ساتھ مل کر اس لئے آئے تاکہ مسلمانوں کو کچل کے رکھ دیں گے۔ تو فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے بلکہ ان کا شر اور ضرر ان پر ہی پلٹا۔ کہ خائب وخاسر ہو کر لوٹے۔ **فائدہ:** یا یہاں رسول مضاف کو حذف کردیا۔ یعنی وہ رسول اللہ ﷺ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے۔ یہاں حضور ﷺ کی تعظیم وتکریم ظاہر فرمائی گئی۔ آگے فرمایا۔ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے سب اعمال کو ضائع فرمادے گا۔

(آیت نمبر۳۳) اے اہل ایمان۔ اللہ تعالیٰ کی بھی اطاعت کرو اور اس کے رسول ﷺ کی بھی اطاعت کرو۔ یعنی عقائد اور اعمال میں بلکہ شرعی کسی بات میں بھی ان کی مخالفت نہ کرو۔ اور اپنے اعمال بھی ضائع نہ کرو۔ جیسے کفر ونفاق سے اعمال ضائع ہوجاتے ہیں۔ یا ریاء کاری کرکے یا خود پسندی یا اعمال میں اپنی مرضی کرکے انہیں ضائع مت کرو۔ مراد یہ ہے کہ ہر عمل اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کرو۔ **فائدہ:** اس آیت میں اشارہ ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک ﷺ کے حکم اور سنت کے خلاف کام کیا تو وہ عمل باطل ہے۔ اسے اس کا کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ خواہ وہ اسے نیکی سمجھ کرلے۔ ثواب کا ملنا تب ہی ہوگا جب وہ عمل شرع کے مطابق ہوگا۔ اگر شرع کے مطابق نہیں۔ تو قابل قبول بھی نہیں ہے۔



اِنَّ الَّـذِیْنَ کَـفَرُوْا وَصَدُّوْا عَـنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ مَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یَّـغْفِرَ

بے شک جنہوں نے کفر کیا اور روکا راہ خدا سے پھر مرے حالت کفر میں تو ہرگز نہیں بخشے گا

اللّٰہُ لَھُمْ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَـھِـنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَی السَّلْمِ ۖ وَاَنْـتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ

اللہ ان کو۔ تو نہ کرو سستی اور تم نہ بلاؤ طرف صلح کے۔ اور تم ہی غالب آؤ گے۔

وَاللّٰہُ مَعَکُمْ وَلَنْ یَّتِرَکُمْ اَعْمَالَکُمْ ﴿۳۵﴾

اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور ہرگز نہیں نقصان کرے گا تمہارے اعمال میں۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۳) **سبق:** لہذا اے عزیز اللہ اور اس کے رسول پاک کی اطاعت کو لازم پکڑ اور شریعت کے ہر حکم کو پورا کر اور ان کی مخالفت سے بچ۔

(آیت نمبر ۳۴) بے شک جنہوں نے کفر کیا اور لوگوں کو راہ خدا سے روکا۔ یعنی جس راہ پر چل کر اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور پھر وہ کفر کی حالت میں ہی مر گئے تو ہرگز اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخشے گا چونکہ وہ کفر پر مرے۔ اس لئے وہ اسی کفر کی حالت میں بروز قیامت اٹھیں گے۔

حدیث شریف میں ہے۔ قیامت میں ایسے اٹھو گے۔ جیسے مرو گے۔ ایسے مرو گے جیسے زندگی گذارو گے۔ (مشکوٰۃ شریف) یہ حکم عام ہے۔ جو بھی جس حال میں مرے گا اس کا اسی طرح کا حشر ہوگا۔ **فائدہ:** اس آیت کا نزول اگر چہ خاص ہے۔ یعنی بدر کے گڑھے میں جن کفار کو گرایا گیا تھا وہ کفر پر مرے تو اسی حالت میں یعنی قیامت کے دن وہ کفر کی حالت میں اٹھیں گے۔

(آیت نمبر ۳۵) پس تم سستی نہ کرو۔ یعنی کفار نے اپنے اعمال ضائع کر لئے۔ لہذا تم نہ سستی کرو۔ نہ کمزوری دکھاؤ اس لئے کہ جس پر غضب الٰہی ہو گیا وہ کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔ آگے فرمایا اور کافروں کو تم جلدی سے صلح کی طرف نہ بلاؤ کیونکہ اس میں تمہاری طرف سے ہلکا پن ہوگا اور تمہاری کمزوری کی نشانی ہوگی۔ حالانکہ تم سربلند ہو۔

فائدہ: کلبی لکھتے ہیں۔ بالآخر غلبہ تمہارا ہی ہوگا۔ اگر چہ کبھی کبھار کافروں کی وقتی کامیابی ہوگی۔ لیکن اصل کامیابی تمہاری ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جو تمہارے ساتھ ہے اور وہ دونوں جہانوں میں تمہارا مددگار ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے اعمال پر پورا پورا اجر وثواب دے گا۔ آگے فرمایا وہ تمہارے اعمال میں کوئی کمی نہیں کریگا۔

اِنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا یُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ

بے شک زندگی دنیا کی کھیل اور تماشا ہے اور اگر ایمان لاؤ پرہیزگار ہو تو وہ دیگا تمہیں ثواب تمہارا

وَلَا یَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾ اِنْ یَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَیُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَیُخْرِجْ

اور نہیں مانگے گا تمہارے مال اگر تم سے وہ مانگے پھر زیادہ مانگے تو تم بخل کرو۔ اور ظاہر کردے

اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾

تمہارے دلوں کی میل۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۵) **حدیث قدسی**: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تمہارے اعمال میرے پاس محفوظ ہیں۔ میں تمہیں ان کی پوری جزاء دونگا (مسلم شریف)۔ **حدیث قدسی**: بہ روایت ابوذر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں نے اپنی ذات پر ظلم حرام کیا تو بندوں پر بھی ظلم کرنا حرام کردیا ہے۔ لہذا اے میرے بندو۔ ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ (مسلم شریف)

(آیت نمبر ۳۶) بے شک دنیا کی زندگی کھیل اور تماشا ہے۔ بالکل باطل اور دھوکا ہے۔ نہ اس کا اعتبار نہ اس کو ثبات۔ لہذا اس میں مشغول رہنا بالکل بے کار ہے۔ آگے فرمایا۔ اے لوگو۔ اگر تم ایمان لے آؤ اس ذات پر جس پر ایمان لانا ضروری ہے اور کفر و نافرمانی سے بچ جاؤ تو وہ تمہارے ایمان اور تقوے پر اجر دے گا۔ وہ باقیات صالحات ہیں جن میں للچانے والے للچاتے ہیں۔ **فائدہ**: اس آیت میں آخرت کے بلند اور باقی رہنے والے مراتب کی طلب پر برانگیختہ کیا گیا ہے اور دنیا کمینی اور فانی سے نفرت دلائی گئی ہے۔ البتہ اس دنیا کا یہ فائدہ ہے کہ اس کے ذریعے سے آخرت سنواری جاسکتی ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم سے مال نہیں مانگتا۔ مال سے تمام مال مراد ہے کہ جس سے تمہاری معاش ہے بلکہ بہت کم مال کا اس نے مطالبہ کیا ہے۔ یعنی زکوٰۃ میں بھی چالیسواں حصہ فرض ہے۔ یا عشر یعنی دسواں حصہ ہے۔

(آیت نمبر ۳۷) اگر اللہ تعالیٰ تم سے کل مال مانگ لے تو تمہیں تکلیف اور دکھ ہوگا اور تم بخل کرتے یعنی راہ خدا میں سارا مال نہ دیتے اور اس نے تمہارے کینے کو نکال دیا۔ **فائدہ**: عین المعانی میں ہے کہ تمہارے مال روکنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے کینے کو ظاہر کردیتا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ابن آدم سے جب مال کا مطالبہ ہوگا تو وہ مخالفت کرے گا اور جو اس سے مال مانگے گا۔

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ ۚ

تم وہی ہو جب بلائے جاؤ کہ خرچ کرو تم راہ خدا میں۔تو تم میں کوئی بخل کرتا ہے اور جو بخل کرے گا۔

وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ

تو بے شک وہ بخل کریگا اپنی جان پر۔ اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۚ ﴿۳۸﴾

اور اگر تم منہ پھیرو تو بدل دے گا لوگ تمہارے علاوہ۔ پھر نہ ہوں وہ تمہاری طرح۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۷) اس کا مقابلہ کرے گا۔اب معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں سے مال کی محبت نکال دے گا۔لیکن یہ بلند مرتبہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بخل سے بچایا اور کونین کے گرد وغبار سے پاک کیا اور طلب حق میں ان کا مرتبہ اونچا کیا۔

(آیت نمبر ۳۸) تم وہی ہو جو بلائے جاتے ہو تا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرو۔

فائدہ: انفاق سے مراد عام ہے۔خواہ زکوۃ ہو۔یا جنگ میں خرچ کرنا ہے (یا ایصال ثواب کیلئے خیرات وصدقات دینا ہے)۔

آگے فرمایا تم میں بعض وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں۔یعنی جو زکوۃ کے مال کا چالیسواں حصہ ہے وہ بھی دیتے وقت انتہائی بخل سے کام لیتے ہیں۔لہذا انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جو مال دینے میں بخل کرتا ہے تو سوا اس کے نہیں وہ بخل اپنی ذات کیلئے کرتا ہے۔اس لئے کہ جو خرچ کرے گا اللہ تعالیٰ کی راہ میں تو اس کا نفع آخرت میں اس کی ذات کو ہوگا اور جو بخل کرے گا تو اس کے بخل کا نقصان اس کی اپنی ذات کو پہنچے گا۔اس لئے جو بخل کرتا ہے وہ خیر وبھلائی کو اور اس کے فوائد کو اپنی ذات سے روک رہا ہے۔لہذا عقل مند کو چاہئے۔کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لے۔آگے فرمایا۔اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ہے تم سے بھی اور تمہارے مالوں سے بھی اور تم سب اس کے محتاج فقیر ہو۔تمہارا فائدہ اسی میں ہے کہ تم اس کا حکم مانو۔ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔اور آخرت میں پچھتاؤ گے۔

فائدہ :نجم الدین کبری فرماتے ہیں۔اللہ تعالیٰ غنی بذاتہ ہے کہ وہ جس کو دے جتنا دے اس سے کچھ بدلہ نہیں لیتا۔ بندہ خواہ کتنا ہی غنی ہے۔دیتے وقت سوچتا ہے۔ مجھے اس سے واپس کیا ملے گا۔ہم اول سے آخر تک اس ذات کے محتاج اور وہ ہمارے اول سے آخر تک ہم سے بے پرواہ ہے۔

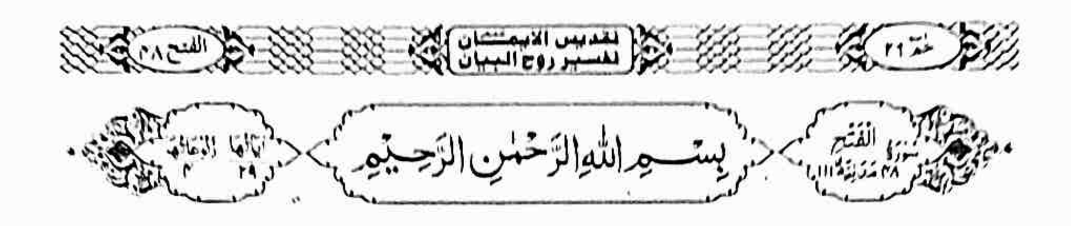
آگے فرمایا۔اگر تم ایمان لانے سے گریز کرو گے اور ایمان نہیں لاؤ گے۔ یا انفاق فی سبیل اللہ سے روگردانی کرو گے تو اس سے اللہ تعالیٰ کا کیا بگڑے گا۔ یہ نقصان پھر بھی تمہارا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بدلے دوسری قوم لے آئے گا۔یعنی تمہیں اٹھائے گا اور تمہارے بجائے دوسروں کو لے آئیگا۔ جو تم جیسے نہیں ہوں گے۔یعنی وہ ایمان تقوی اور انفاق فی سبیل اللہ میں تم سے زیادہ رغبت رکھنے والے ہوں گے۔

فائدہ:یہ ڈائریکٹ خطاب قریش مکہ کو ہے پھر عجم وعرب وغیرہ سب اس میں شامل ہیں۔

فائدہ :اس سے ثابت ہوا کہ تبدیلی کفار کی مومنین کے ساتھ ہوگی اور بعض حضرات نے یہ معنی کیا ہے کہ اگر ساری دنیا کافر ہو جائے (خدانخواستہ) تو اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ ایک لمحے میں انہیں ختم کر کے دوسرے لوگ لے آئے جو مسلمان ہوں۔

اختتام سورۃ مورخہ ۲۳ جنوری ۲۰۱۷ء

بمطابق ۲۲ ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ بروز سوموار صبح کی نماز کے وقت



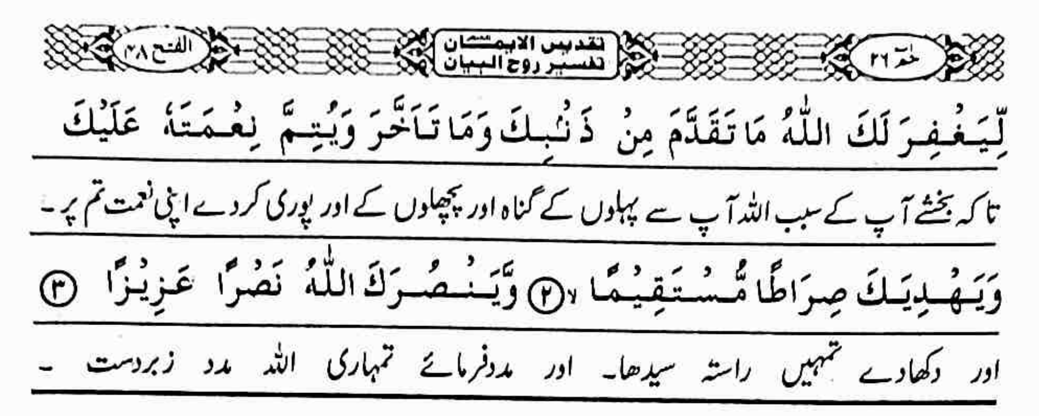
اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۙ‏ ①

بے شک ہم نے فتح دی آپ کو فتح واضح۔

(آیت نمبر۱) بے شک اے محبوب ہم نے آپ کو ایک واضح اور بڑی فتح عطا کر دی۔

شان نزول : یہ سورۃ مکہ مکرمہ سے واپسی پر جب حضور ﷺ ضجنان پہاڑ کے پاس (جو عسفان سے تین میل کے فاصلے پر ہے) پہنچے تو وہاں نازل ہوئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حدیبیہ سے واپسی کے وقت فتح مکہ کی بشارت سنائی گئی۔ اکثریت علماء کا خیال یہی ہے کہ اس فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس سے مراد حدیبیہ والی صلح ہے۔ حدیبیہ ایک کیکر کا ٹیڑھا سا درخت تھا جس کے نیچے بیعت ہوئی۔

قصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ ادا فرما رہے ہیں۔ کوئی حلق اور کوئی قصر کرا رہا ہے تو آپ نے صحابہ کو بشارت سنائی۔ وہ بھی بہت خوش ہوئے اور سب نے سفر کی تیاری کر لی اور ذوالحلیفہ پہنچے وہاں سے عمرے کا احرام باندھا۔ المختصر جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو وہاں بدیل بن ورقاء (جو اپنی برادری میں سردار تھا)۔ نے آپ سے پوچھا کہ کیسے تشریف لائے تو آپ نے فرمایا ہم جنگ کیلئے نہیں ہم صرف عمرہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے کہا۔ ابھی آپ یہیں ٹھہریں۔ میں مکہ والوں سے بات کرتا ہوں۔ تو اس نے قریش کو بتایا کہ مسلمان صرف عمرہ ادا کریں گے۔ پھر واپس چلے جائیں گے لیکن وہ نہ مانے اور بھی لوگوں نے کوشش کی۔ بالآخر اہل مکہ نے طائف کے رئیس اعظم عروہ بن مسعود کو بھیجا۔ اس نے صحابہ کی جان نثاری اور ادب کو دیکھا تو حیران ہی رہ گیا۔ اس نے واپس جا کر انہیں بتایا کہ اب تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ محمد ﷺ کے غلام تو ان کا لعاب زمین پر نہیں گرنے دیتے۔ وہ اپنی جانیں ان پر قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ (مزید صلح کے واقعات اور مزید تفصیلات فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں)۔

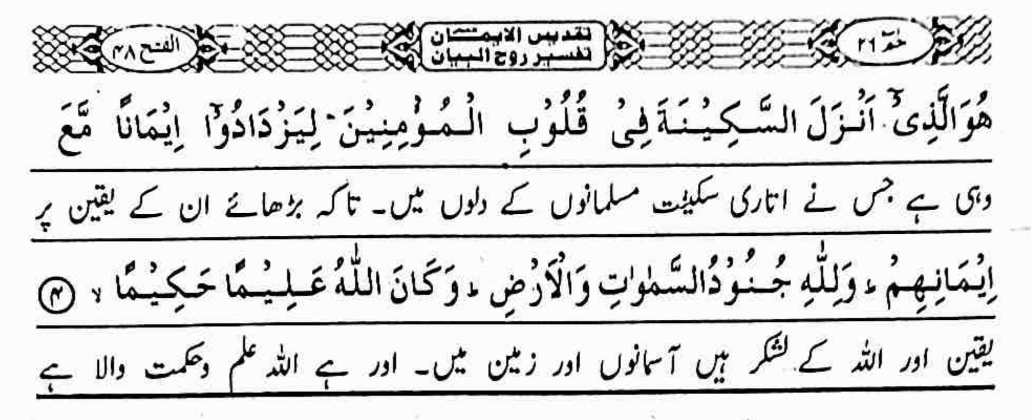


(آیت نمبر۲) تا کہ آپ کیلئے بخش دے جو آپ سے ترک اولیٰ کی کوتاہیاں پہلے ہوئیں یا بعد کو۔ یہ بھی۔ (حسنات الابرار سیئات المقربین) کے قبیل سے ہے۔ چونکہ ذنب آپ کی شان کے لائق نہیں ہے۔ اس لئے ترکِ اولیٰ اس کا معنی کیا گیا۔ **مسئلہ**: اہل کلام کا قول ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اعلان نبوت سے پہلے بھی اور بعد بھی معصوم ہوتے ہیں۔ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ سہواً ہو تو معاف ہے۔

فائدہ: عطا خراسانی فرماتے ہیں۔ ماتقدم سے مراد آدم وحوا کی خطا ہے۔ جسے حضور ﷺ کے طفیل معاف فرمادیا۔ (واقع بیہقی میں ہے نہ ملے تو تبلیغی نصاب فضائل ذکر میں پڑھ لیں) اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر تمام نعمت مکمل فرمادی۔ یعنی سلسلہ نبوت اور وحی کا نزول آپ پر ختم ہے۔ یا دینی اور دنیوی بے شمار نعمتیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرما کر آپ پر مکمل فرمادیں۔ ابن عربی فتوحات میں فرماتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا گناہوں سے معافی مانگنا۔ حقیقتاً نہیں ہے۔ جیسے ہم اپنے گناہوں سے معافی مانگتے ہیں۔ بلکہ ان کا ایک ایسا امر ہے جو ہماری سمجھ سے کوسوں دور ہے ہم اسے سمجھ ہی نہیں سکتے اور نہ ہمارے لائق ہے کہ ہم ان کے کسی عمل کو اپنے گناہوں کی طرح سمجھیں۔

(آیت نمبر۳) تا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ایسی مدد فرمائے۔ جس میں عزت وغلبہ ہو۔ **فائدہ**: نصر عزیز وہ ہے جس میں دشمنوں پر غلبہ اور ان پر فتح ونصرت ہو۔ یا اس سے قوی اور مضبوط نصرت مراد ہے۔ جیسے فتح مکہ کے وقت اللہ تعالیٰ نے نصرت فرمائی۔ یا جیسے ہوازن کی جنگ میں فتح ملی یا آپ کے غلاموں کو قیصر وکسریٰ پر فتوحات حاصل ہوئیں۔

نکتہ: ابن عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اپنے حبیب ﷺ پر مختلف نعمتوں کا ذکر فرمایا۔ یعنی بے شمار فتوحات کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور فتح مبین کی بھی کئی اقسام بیان فرمائیں۔ ان سب کو اس ایک آیت میں پرو دیا۔ اجابت۔ محبت۔ اتمام نعمت۔ ہدایت۔ فتح ونصرت، غلبہ، مال، غنیمت، قوت اور ہدایت سے مشاہدہ اور نصرت سے "رویۃ الکل من الحق" مراد ہیں۔ یعنی وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی نصیب ہو۔ کسی غیر کو اس میں دخل نہ ہو۔ اسے نصر عزیز کہا جاتا ہے۔



(آیت نمبر۴) اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے کہ جس نے سکینت نازل فرمائی۔ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تسکین اور اطمینان اور ثابت قدمی عطا کی اور ایمان والوں کے دلوں پر سکینت نازل فرمائی۔ صلح حدیبیہ میں فتح کا پہلا نشان یہ ملا کہ خوف ختم ہوا اور امن نصیب ہوا۔ خصوصاً ان مسلمانوں کو جو مکہ مکرمہ میں مقیم تھے۔

کاشفی مرحوم فرماتے ہیں۔ صلح سے پہلے مسلمانوں میں سخت بے چینی تھی۔ ہمہ وقت خوف رہتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے طمانیت وتسکین سے بدل دیا۔ ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو کفار سے دو دو ہاتھ کرنے کیلئے سخت بے چین تھے۔ اس لئے کہ انہیں غصہ تھا کہ انہوں نے ہمیں عمرہ سے کیوں روکا۔ ہم عمرہ کئے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے کرم کیا۔ کفار نے خود ہی کہہ دیا۔ اگلے سال امن کے ساتھ عمرہ کر لینا۔

آگے فرمایا یہ اس لئے تاکہ ایمان والوں کا ایمان اور زیادہ مضبوط ہو جائے۔ آگے فرمایا۔ آسمان اور زمین سمیت ہر چیز اللہ تعالیٰ کا لشکر ہیں۔ علامہ کاشفی فرماتے ہیں۔ وہ لشکر فرشتے ہیں اور زمین پر لشکر اہل ایمان ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو دشمنوں پر فتح دیتا ہے۔

فائدہ: آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ چاہتی تھی کہ عمرہ بھی پرامن ہو۔ بلکہ ایمان والوں کیلئے مکمل امن ہو جائے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے پاس لشکروں کی کوئی کمی نہ تھی۔ مشرکوں کی کیا جرات تھی کہ وہ روکتے۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ علم وحکمت والا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر اس بندے کو جانتا ہے۔ جو فتح یابی کے لائق ہے اور اپنی حکمت بالغہ سے اس نے جو کیا بالکل صحیح کیا۔

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

تا کہ داخل فرمائے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو باغات میں۔ جاری ہیں ان کے نیچے نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَاللّٰهِ

ہمیشہ رہیں گے ان میں۔ اور دور کرے ان سے ان کی برائیاں۔ اور ہے یہ نزدیک اللہ کے

فَوْزًا عَظِيْمًا ۙ ﴿۵﴾

کامیابی بڑی

(آیت نمبر ۵) تا کہ اللہ تعالیٰ داخل فرمائے ایمان والے مردوں اور عورتوں کو ایسے باغات میں جن میں نہریں جاری ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس سے مراد جنت کا قیام ہے۔ جہاں ہمیشہ رہنا ہے۔

فائدہ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مومنوں کو کافروں پر اس لئے غلبہ دیا تا کہ ایمان والے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچانیں۔ اور ان کی قدر کریں اور ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر کریں تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں داخل فرما کر مزید انہیں اعلیٰ نعمتوں سے نوازے۔

آگے فرمایا ان کے گناہوں کو ختم فرمادے تا کہ "لیغفرلك الله" کا مظاہرہ ہو۔ یعنی پہلے ان کے گناہ مٹائے پھر جنت میں داخل فرمائے تا کہ بالکل پاک صاف ہو کر وہ جنت میں جائیں۔ آگے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی کامیابی ہے۔ لیکن ہر بندہ اس کامیابی کی قدر و منزلت کو نہیں جانتا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کامیابی اللہ تعالیٰ کے علم وقضا سے ہے۔ بندے کے علم و ہنر کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ یہ محض فضل ربی ہوگا۔

وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ

اور عذاب دے منافق مردوں اور عورتوں کواور مشرک مردوں اور عورتوں کو جو گمان کرتے ہیں

بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ

اللہ کے متعلق گمان برا۔ ان پر ہی ہے گردش ہے بری۔ اور غضب کیا اللہ نے ان پر اور لعنت کی ان پر

وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿٦﴾

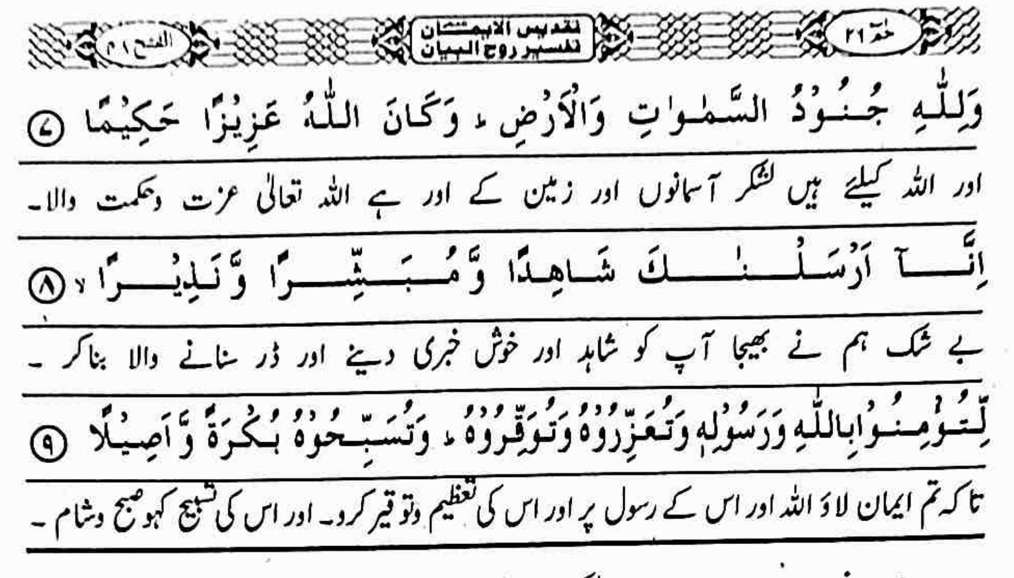
اور تیار کیا ان کے لئے جہنم کو۔ اور برا ہے ٹھکانہ۔

(آیت نمبر ٦) اور عذاب دے منافق مردوں اور عورتوں کو جو مدینے میں رہتے ہیں اور مشرک مردوں اور عورتوں کو جو مکہ میں رہتے ہیں۔ عذاب سے مراد ان کی ذلت کے ساتھ شکست ہے۔ ایمان والوں کی مدد بھی ان کیلئے غیظ وغضب کا باعث ہے۔ یہ بھی گویا ان کیلئے عذاب ہے۔

نکتہ: مشرکوں سے پہلے منافقوں کا نام لیا۔ اس لئے کہ وہ عذاب کے زیادہ مستحق ہیں۔ انہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ بہت دھوکے کئے۔ بے ادبیاں کیں۔ چھپے ہوئے دشمن تھے۔ باہر سے کچھ اور اندر سے کچھ اور ظاہرا بڑے سچے حقیقتاً بڑے جھوٹے۔ (ظاہری دشمن سے خفیہ دشمن زیادہ خطرناک ہوتا ہے)۔

آگے فرمایا کہ مذکورہ دونوں گروہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی رکھنے والے ہیں۔ یعنی ان دونوں گروہوں کی بدگمانی یہ تھی۔ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مدد نہیں کرے گا اور نہ ہی انہیں مکہ کی فتح حاصل ہوگی۔ اور نہ یہ بچ کر مدینہ واپس آئیں گے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے وفات سے تین دن پہلے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان رکھنا پھر موت بھی تمہاری گمان کے مطابق ہوگی (رواہ مسلم)۔ **حدیث قدسی**: اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میں بندے کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں۔ (جیسا کہ وہ گمان کرے میں ایسا ہی کر دیتا ہوں)۔ رواہ احمد

آگے فرمایا کہ ان ہی پر گردش بری آنے والی ہیں۔ وہ مسلمانوں کی گردش کا انتظار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے معاملہ الٹ دیا۔ وہ خود الٹی گردش میں مبتلا ہوئے اور اہل ایمان کو کامیابی ملی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا ان پر غضب بھی ہوا۔ اور ان پر لعنت بھی ہوئی اور ان کیلئے جہنم تیار کی۔ یعنی جس پر بھی اللہ تعالیٰ کا غضب ولعنت ہوا۔ وہ جہنم میں جائیگا اور جہنم کا ٹھکانہ بہت ہی برا ہے۔



وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۷﴾

اور اللہ کیلئے ہیں لشکر آسمانوں اور زمین کے اور ہے اللہ تعالیٰ عزت وحکمت والا۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ ﴿۸﴾

بے شک ہم نے بھیجا آپ کو شاہد اور خوش خبری دینے اور ڈر سنانے والا بنا کر۔

لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۹﴾

تا کہ تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس کی تعظیم وتوقیر کرو۔ اور اس کی تسبیح کہو صبح وشام۔

(آیت نمبر ۷) آسمان وزمین کے تمام لشکر اللہ تعالیٰ کے ہی ہیں اور ہے اللہ تعالیٰ بڑی عزت والا حکمت والا۔ وہ جو کرتا ہے حکمت کے تقاضے پر کرتا ہے۔

شان نزول: منافقوں کا سردار ابن ابی کہنے لگا کہ محمد ﷺ چھوٹے گروہوں سے لڑ کر کامیابی حاصل کر لیتے ہیں۔ روم اور فارس سے لڑتے تو پتا چلے گا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فارس وروم کے لشکروں سے اللہ تعالیٰ کے لشکر بڑے ہیں جن کا مقابلہ کوئی بھی نہیں کر سکتا۔

(آیت نمبر ۸) اے محبوب بے شک ہم نے آپ کو شاہد بنایا۔ یعنی آپ پوری دنیا کے نبی اور رسول ہیں۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا (ارسلت الی الخلق کافۃ) (مسلم)۔ یعنی تمام مخلوق کے رسول ہیں۔ لہذا شاہد بھی ساری خلق کے ہیں۔ ایمان وطاعت والوں کو جنت کی خوشخبری سنانے والے اور گناہ ونافرمانی کرنے والوں کو عذاب کا ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا۔ (اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے خطاب کے بعد ایمان والوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ اتنی بڑی شان والا نبی دیا)۔

(آیت نمبر ۹) تا کہ تم ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر اور اس کی تعظیم کرو۔ یعنی رسول ﷺ اور ان کے دین کی مدد کر کے اسے تقویت پہنچاؤ اور اس رسول کی عزت کرو۔ یعنی اس کی تمام صفات کمالیہ سے موصوف سمجھو اور تمام وجوہ نقصان سے منزہ جانو اور صبح وشام اس کی تسبیح وتنزیہ کہو۔ یعنی ہمہ وقت میراذکر کرو۔ **فائدہ:** ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے صبح وظہر وعصر کی نمازیں مراد ہیں۔ **فائدہ:** اس آیت میں نبی ﷺ کی تعظیم وتوقیر کا بھی بیان ہے اور اللہ تعالیٰ کی تعریف وتقدیس کا بھی بیان ہے۔ (گویا جب دل میں نبی کی تعظیم ہوگی۔ تو پھر ہر عبادت مقبول ہوگی۔)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ

بے شک جنہوں نے بیعت کی آپ کی بے شک وہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے۔ اللہ کا ہاتھ اوپر ان کے ہاتھوں کے

فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ

تو جس نے توڑا وعدہ سوائے اس کے نہیں وعدہ توڑا اپنی ذات پر۔ اور جس نے پورا کیا جو اللہ سے وعدہ کیا

فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۚ ﴿۱۰﴾

تو جلد اسے دیگا اللہ ثواب بڑا۔

(بقیہ آیت نمبر۹) **فائدہ**: حضور ﷺ کی اصل تعظیم وتوقیر آپ کی سنتوں پر عمل ہے۔

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ حضور ﷺ کی تعظیم وتوقیر اس لئے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب خاص ہیں۔ باقی سب نبی آپ کے طفیلی ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو شاہد بنایا کہ آپ نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر شہادت دی چونکہ آپ اول الخلوق ہیں۔ اس کے بعد آپ نے ہر چیز کا مشاہدہ کیا اس لئے بھی آپ شاہد ہیں۔ (علم ما کان ومایکون) سے بھی آپ اسی لئے موصوف ہیں کہ آپ نے اول وآخر دیکھ کر فرمایا (علمت ما فی السموات والارض) اور آپ نے فرمایا۔ میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم کا خمیر بن رہا تھا۔ یعنی آدم علیہ السلام بھی میرے سامنے بنے اور مجھے یہ بھی علم تھا کہ میں نبی بنایا گیا ہے۔ آپ کے نور میں اضافہ کیا گیا اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے علوم آپ کے علوم میں سے ہیں۔ تمام انبیاء واسطہ ہیں خالق ومخلوق کے درمیان۔ جس رسول کی جتنی امت زیادہ اس کی اتنی فضیلت زیادہ ہے۔ حضور ﷺ "نور من نور اللہ" ہیں یعنی اللہ کے فیض نور سے ہیں۔ اس لئے کہ آپ نے جہاں کو منور فرمایا۔ آپ کی امت تمام امتوں سے زیادہ ہے۔ قیامت کے دن جنت میں جانے والی ایک سو بیس صفیں ہوں گی۔ جن میں سے اسی صفیں حضور ﷺ کی امت سے اور چالیس باقی امتوں سے ہوں گی۔

(آیت نمبر۱۰) بے شک اے محبوب جو آپ کی بیعت کرتے ہیں۔

فائدہ: یعنی جن لوگوں نے قریش سے جنگ کرنے کا ایک درخت کے نیچے آپ سے وعدہ کیا کہ وہ مشرکین کے ساتھ جنگ میں ثابت قدم ہوں گے اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں ثواب اور خدا کی رضا کا وعدہ دیا۔ انہوں نے درحقیقت وہ بیعت اور وعدہ اللہ تعالیٰ سے کیا ہے۔

بیت کا قصہ یہ ہے کہ قریش سے گفتگو کرنے کیلئے جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا تا کہ مکہ والوں کو بتائیں کہ ہم لڑنے نہیں آئے۔ بلکہ صرف عمرہ کریں گے۔ پھر واپس چلے جائیں گے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے ابان بن سعید سے ملاقات ہوئی۔ اسے بھی ساتھ لیکر رؤسائے مکہ سے جا ملے اور انہیں حضور ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ انہوں نے کہا محمد (ﷺ) تو مکہ میں نہیں آ سکتے۔ البتہ تم نے عمرہ ادا کرنا ہے تو تمہیں کھلی اجازت ہے تو جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کو جواب میں فرمایا۔

جب تک کہ آقا نہیں آئیں گے عثمان طواف نہیں کرے گا۔ اس گفت وشنید میں تین دن گذر گئے۔ ادھر یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے۔ اس وقت سب مسلمانوں نے حضور ﷺ سے عرض کی کہ ہم خون عثمان کا بدلہ لئے بغیر واپس نہیں جائیں گے تو حضور ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے آؤ میرے ہاتھ پر بیعت کرو کہ مشرکین کے ساتھ جنگ میں ثابت قدمی دکھاؤ گے تو سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیعت کی۔ اس بیعت کو بیعت رضوان کہا گیا۔ آخر میں حضور ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی بیعت کی۔ (اس کا مطلب ہے حضور ﷺ کو علم دیا گیا۔ کہ حضرت عثمان زندہ ہیں)۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی واپسی تین دن کے بعد ہوئی اور آتے ہی تجدید بیعت کر لی۔ سب سے پہلے سنان اسدی نے بیعت کی۔ جب سب نے بیعت کر لی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ یعنی ان تمام کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ حفاظت رحمت اور احسان کا ہاتھ ہے۔

آگے فرمایا کہ اب جو اس وعدے کو توڑے گا تو اس توڑنے کا نقصان اسی کو ہوگا اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کو پورا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے پورا پورا اجر عطا فرمائے گا۔ (بیعت مرشد کے متعلق مسائل وفضائل فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں)۔

کیونکہ مرشد کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا ثبوت بھی اسی آیت کریمہ سے ملا۔ لیکن ہر شخص مرشد ہونے کا اہل نہیں۔ مرشد ہونے کا اہل صرف وہی شخص ہے۔ جو قرآن وسنت پر صحیح طور پر عمل پیرا ہو۔ متقی۔ خوش اخلاق۔ حلیم الطبع ہو۔ عالم باعمل ہو۔ سچے عقیدے والا ہو۔ سلاسل اولیاء میں کسی کامل کا مرید ہو۔ اس کا سلسلہ نبی کریم ﷺ تک پہنچتا ہو۔ (اضافہ از قاضی محمد لطیف)

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا

عنقریب کہیں گے آپ سے پیچھے رہ جانے والے اعرابی مشغول کر دیا ہمیں مالوں

وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْلَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ

اور ہمارے گھر والوں نے ہمارے لئے مغفرت مانگیں۔ کہتے ہیں اپنی زبانوں سے جو نہیں ہے

فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ

ان کے دلوں میں۔ فرمادو کس کا اختیار ہے تم میں اللہ کے سامنے کچھ۔ اگر چاہے وہ تمہارا

ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۭ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ⑪

برا یا چاہے تمہارا فائدہ۔ بلکہ ہے اللہ تمہارے کاموں سے خبردار

(آیت نمبر۱۱) عنقریب دیہاتی لوگ پیچھے رہنے والے کہیں گے۔

فائدہ: مکہ مکرمہ کی طرف روانگی سے قبل نبی پاک ﷺ نے مدینہ شریف کے گردونواح میں رہنے والے دیہاتیوں کو بلایا اور فرمایا کہ ہم عمرہ کرنے جارہے ہیں۔ لڑائی وغیرہ کا کوئی پروگرام نہیں تم سب لوگ چلو تو انہوں نے کہا جو ہمیں یہاں گھر میں آ کر مار گئے ہیں۔ ہم ان کے گھر گئے تو ہمیں کب چھوڑیں گے۔ ان کو تسلیاں تو بہت دی گئیں۔ لیکن وہ تیار نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی واپسی سے پہلے ہی بذریعہ وحی آپ کو مطلع فرمادیا کہ وہ دیہاتی لوگ عذر معذرت کر کے کہیں گے کہ ہمیں مال اور اہل وعیال نے ایسا مشغول رکھا کہ ہم آپ کے ساتھ نہیں جا سکے لہذا آپ ہماری کوتاہی پر بخشش کی دعا فرمادیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ جھوٹے ہیں۔ جو کچھ زبانوں سے کہہ رہے ہیں وہ بات ان کے دلوں میں نہیں یعنی جو اپنے پکے مسلمان ہونے کا اظہار کر رہے ہیں یہ جھوٹے ہیں۔ اے محبوب ان باطل عذر کرنے والوں سے کہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں نقصان یا نفع پہنچانے کا ارادہ کرے تو پھر کون ایسا مالک ہوگا تمہارا جو تمہیں نقصان سے بچائے گا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے تمہاری ہر کارروائی کو دیکھ رہا ہے۔ ضروری نہیں وہ جنگ میں ہی نقصان پہنچائے۔ وہ جنگ کے بغیر بھی نقصان پہنچا سکتا ہے۔

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ

بلکہ تم تو سمجھ رہے تھے کہ ہرگز نہیں واپس آئیں گے رسول اور مسلمان اپنے گھروں کو

اَبَدًا وَّ زُيِّنَ ذٰلِكَ فِىْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ صلے

کبھی بھی۔ اور بھلی لگی یہ بات تمہارے دلوں کو۔ اور تم نے بہت برا گمان کیا۔

وَكُنْتُمْ قَوْمًاۢ بُوْرًا ﴿۱۲﴾

اور ہو تم لوگ ہلاک ہونے والے۔

(آیت نمبر۱۲) بلکہ تم نے تو یہ گمان کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمان بھی اب واپس گھر میں کبھی بھی لوٹ کر نہیں آئیں گے۔اور یہ ہی بات تمہارے دلوں کو پسند بھی تھی۔شیطان نے یہ بات خوبصورت بنا کر تمہارے دلوں میں ڈالی تھی اور تم نے بہت ہی برا گمان کیا اور تم ہلاک ہونے والی قوم ہو۔اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کے مستحق ہو۔

فائدہ: جو یہ گمان کرے کہ اس جنگ میں نقصان ہوگا۔یا تو قتل ہوگا۔یا زخمی ہوگا۔یا کسی بڑی مصیبت میں وہ ضرور مبتلا ہوگا۔(کیونکہ حدیث قدسی میں ہے۔بندہ جیسا مجھ پہ گمان کرتا ہے۔میں ایسا ہی کرتا ہوں)لہذا ایسے موقع پر اس کے ساتھ شیطان لگا دیا جاتا ہے۔جو اس کے سامنے دنیا کو سنوارتا ہے۔اس لئے وہ دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے۔

صلح کے اسباب: کفار مکہ نے شرارت کیلئے چالیس آدمی بھیجے تا کہ مسلمانوں کو پریشان کریں۔اگر کوئی اکا دکا آدمی مل جائے تو اسے گرفتار کر کے لے آئیں۔اس وقت حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے گرد پہرہ دے رہے تھے۔اور ان کفار مکہ کی لیڈ مکرز بن حفص کر رہا تھا۔کفار مکہ کو دیکھ کر مسلمان بھی ہوشیار ہو گئے۔اور ان کے بارہ آدمی مسلمانوں نے پکڑ لئے۔باقی بھاگ گئے۔جب قریش کو علم ہوا کہ ہمارے آدمی گرفتار ہو گئے تو انہوں نے مسلمانوں کی طرف سہیل بن عمرو کو صلح کرنے کیلئے بھیجا۔حضور ﷺ نے سہیل کو دیکھتے ہی فال نکالی کہ کام آسان ہو گیا ہے۔

صلح کی پیش کش: سہیل نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ ہمارے چند بے وقوفوں نے یہاں آ کر اپنے طور پر کارروائی کی۔جس کا ہمیں کوئی علم نہیں تھا۔آپ برائے مہربانی ہمارے قیدیوں کو رہا کر دیں تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ہم تمہارے قیدیوں کو چھوڑتے ہیں تم ہمارے قیدیوں کو چھوڑ دو۔

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾

اور جو نہ رکھے ایمان اللہ اور اس کے رسول پر تو بے شک ہم نے تیار کی کافروں کیلئے بھڑکتی آگ

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

اور اللہ کی بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین میں بخشتا ہے جسے چاہے اور عذاب دیتا ہے جسے چاہے

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾

اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

(بقیہ آیت نمبر۱۲) چنانچہ دونوں طرف سے قیدیوں کو رہا کر دیا گیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ قریش کو جب علم ہوا کہ مسلمانوں نے حملہ کرنے کیلئے بیعت کر لی تو انہیں اس بات کا سخت خطرہ لاحق ہوا۔ کہ مسلمان اب جنگ کے بغیر نہیں جائیں گے۔ تو انہوں نے سہیل۔ مکرز اور خویطہ تینوں کو صلح کیلئے بھیجا۔

کفار سے صلح مسلمانوں کو ناپسند تھی: حضور ﷺ نے دوبارہ سہیل کو آتے ہوئے دیکھ کر فرمایا۔ کفار نے صلح کا پروگرام بنالیا۔ مسلمان اس صلح کے خلاف تھے کہ ہم نے بیعت جہاد کیلئے کی صلح کیلئے نہیں کی۔ مگر حضور ﷺ کے سامنے سرِ تسلیم خم رہے۔ حضور ﷺ نے ان کی بات کو غور سے سنا۔ اور صلح پر رضامندی ظاہر فرمادی۔

(آیت نمبر۱۳) اور جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو بے شک ہم نے کافروں کیلئے بھڑکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ یعنی وہ آگ کہ جس کے شعلے نکل رہے ہوں گے۔ جس کی حقیقت اور کنہہ کو کوئی نہیں جانتا۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ یاد رہے۔ جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے ستر گنا زیادہ سخت ہے۔

(آیت نمبر۱۴) آسمانوں اور زمینوں میں جو بھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ہی ملک میں ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے۔ ان میں تصرف کرنے کی اجازت فرماتا ہے۔ وہ جسے چاہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔ اس میں کسی کو کسی قسم کا دخل نہیں۔ لہذا وہ لوگ جو جھوٹے بہانے بنا کر اپنے لئے استغفار کراتے ہیں اور بخشش کی طمع رکھنے والوں کے لئے اس میں لمحہ فکریہ ہے اللہ تعالیٰ تو سچے مسلمانوں کی مغفرت کرنے والا مہربان ہے۔ لیکن مغفرت اسی کی فرماتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہو۔ اور بے ایمان عذاب کے مستحق ہیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ توبہ بھی ان لوگوں کی قبول کرتا ہے جو سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا

اب کہیں گے پیچھے رہنے والے جب تم چلو طرف غنیمتوں کے کہ تم انہیں حاصل کرو۔ ہمیں چھوڑ دو

نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ

کہ ہم تمہارے پیچھے آئیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ بدل دیں کلام الٰہی کو۔ فرمادو ہرگز نہ ہمارے پیچھے آؤ۔ اسی طرح

قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ۖ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ

فرمادیا اللہ نے پہلے سے۔ تو اب وہ کہیں گے بلکہ تم ہم سے جلتے ہو۔ بلکہ نہ تھے کہ سمجھتے بات

إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱۵﴾

مگر تھوڑی۔

(بقیہ آیت نمبر۱۴) **حدیث شریف**: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ مومن بندے کی توبہ سے اتنا خوش ہوتا ہے۔ جیسے کسی کو گمشدہ چیز مل جائے یا پیاسے کو پانی مل جائے یا جیسے بانجھ عورت کو بچہ مل جائے۔ تو وہ خوش ہوتا ہے (بخاری ۶۳۰۸، مسلم ۲۷۴۷)۔ **فائدہ**: جس نے خالص توبہ کی۔ اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین کو اس کے گناہ بھلا دیتا ہے اور اعمال کے رجسٹر سے گناہ کو بھی مٹا دیتا ہے۔ جس زمین پر گناہ ہوا۔ وہاں سے بھی مٹا دیتا ہے۔

(آیت نمبر۱۵) عنقریب آپ سے کہیں گے وہ لوگ جو پیچھے رہ گئے۔ اب جب تم لوٹو گے غنیموں کی طرف تاکہ تم انہیں حاصل کرو تو ہم تمہاری اتباع کریں گے۔ **فائدہ**: ان کا خیبر کے مال غنیمت کی طرف اشارہ ہے۔ مکہ والوں سے تم صلح کر کے خالی واپس لوٹے۔ تمہیں کچھ نہیں ملا۔ لہٰذا اب جب تم خیبر کی طرف جاؤ گے تو اس میں ہم بھی تمہارے ساتھ جائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بات کو بدل دیں۔ **فائدہ**: چونکہ نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ والوں سے وعدہ فرمایا تھا کہ خیبر سے ملنے والا مال غنیمت تمہیں دیا جائیگا۔ حدیبیہ سے واپسی ذوالحج ۶ ہجری کو ہوئی۔ ۷ ہجری صفر میں خیبر فتح ہوا۔ جہاں سے بے شمار مال غنیمت ملا۔ وعدۂ الٰہی کے مطابق وہ تمام حدیبیہ میں شامل ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرمادیا۔ (لہٰذا ان لالچی لوگوں سے) کہا گیا۔ اے محبوب انہیں ناامید کر کے فرمادیں۔ تم ہرگز ہمارے ساتھ مت چلو۔

13

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ

فرمادو پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے جلد تم بلائے جاؤ گے طرف اس قوم کے جو سخت

تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ

لڑائی والے ہیں۔تم لڑو ان سے یا وہ مسلمان ہو جائیں پس اگر تم مانو تو دے گا تمہیں اللہ ثواب اچھا

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ⑯

اور اگر پھر جاؤ جیسے پھر گئے تم اس سے پہلے تو وہ عذاب دیگا تمہیں عذاب دردناک

(بقیہ آیت نمبر ۱۵) اب کبھی بھی ہم تمہیں اپنے ساتھ لیکر نہیں جائیں گے۔لیکن اگر تم ہمارے ساتھ چلے بھی تو تمہیں مال غنیمت ہرگز نہیں ملے گا۔آ گے فرمایا۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تو پہلے ہی فرمادیا تھا تو اس رکنے کی بات کون کروہ ایمان والوں سے کہیں گے۔بلکہ تم ہمارے ساتھ حسد کرتے ہو تا کہ تم ہمیں غنیمت میں اپنے ساتھ شریک نہ کرو۔حالانکہ حسد منافق کرتا ہے۔**حدیث شریف** میں ہے۔مومن غبطہ کرتا ہے۔منافق حسد کرتا ہے (احیاء العلوم)۔آ گے فرمایا بلکہ وہ نہیں سمجھتے مگر تھوڑا۔فقہ کا معنی سمجھ کر جاننا ہے۔(ہر فقہ علم ہے مگر ہر علم فقہ نہیں) اور فقہ علم شریعت کے احکام کو کہا جاتا ہے۔فقہ فہم فقہاء کو بھی کہا جاتا ہے۔مولا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔جس کے پاس علم کم ہے۔اس کی قیمت بھی کم ہے۔
فائدہ: اہل علم کی صحبت سے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔باعمل عالم کی صحبت اختیار کی جائے۔تا کہ ان کے علم سے نفع حاصل ہو۔**حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا علم حاصل کرو۔خواہ چین جانا پڑے۔(التحفۃ الکریمہ)

(آیت نمبر ۱۶) اے محبوب پیچھے رہے ہوئے اعراب سے فرمادیں۔(بار بار انکا ذکر کرنا انہیں ذلیل کرنے کے لئے ہے۔) تا کہ وہ سمجھیں کہ حضور ﷺ کی صحبت سے محرومی کتنی بری چیز ہے۔آ گے فرمایا عنقریب تم ایک قوم کی طرف بلائے جاؤ گے جو بڑے سخت جنگجو ہیں۔اس سے مراد بنوحنیفہ یا یمامہ میں مسیلمہ کا لشکر ہے جو بہت بڑا کذاب تھا۔تم ان سے لڑو یا وہ مسلمان ہو جائیں۔یعنی اب عرب میں جن کے ساتھ جنگ ہونی ہے۔یا مرتدین ہیں یا مشرکین۔ان کے علاوہ لوگوں سے جزیہ لیکر جنگ ختم ہوگی۔اہل کتاب اور مجوس سے جنگ ضروری نہیں۔ان سے جزیہ بھی لیا جا سکتا ہے۔لیکن مرتدین یا مشرکین سے یا جنگ ہے یا وہ مسلمان ہو جائیں۔ان سے جزیہ نہیں لیا جائیگا۔

ربع

13
13

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ط

نہیں ہے اوپر اندھے کے کوئی کی حرج۔ اور نہ اوپر لنگڑے کے اور نہ اوپر بیمار کے کوئی حرج ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ج

اور جو حکم مانے گا اللہ اور اس کے رسول کا تو وہ داخل کرے گا ایسے باغات میں جاری ہیں ان کے نیچے نہریں۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيْمًا ع ﴿١٧﴾

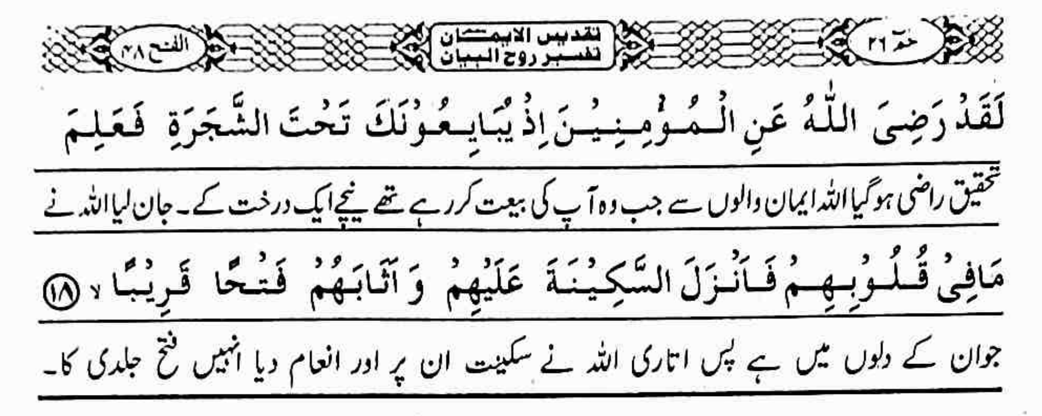
اور جو منہ پھیرے گا اسے عذاب دیگا عذاب دردناک۔

شان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوئی کیونکہ یہ جنگ یمامہ ان کے دور خلافت میں ہوئی جس میں ہزاروں قاری شہید ہوئے۔ آگے فرمایا اگر تم نے حکم مانا۔ معلوم ہوا امام برحق کی اطاعت واجب ہے۔ اس لحاظ سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امام برحق ہوئے۔ آگے فرمایا کہ اگر تم اطاعت کرو جو تمہیں سخت جنگجوؤں سے لڑنے کا کہا گیا ہے۔ تم ان سے لڑو۔ تو اللہ تعالیٰ تمہیں بہت اچھا اجر دے گا۔ یعنی دنیا میں مال غنیمت اور آخرت میں جنت۔ اور اگر تم پھر گئے اور بلانے والے سے دغا کیا اور پیٹھ پھیر دی جیسے تم اس سے پہلے بھی حدیبیہ کے موقع پر روگردانی کر چکے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔ چونکہ تمہارا جرم بھی ڈبل ہے۔ لہذا سزا بھی ڈبل ہوگی۔

فائدہ: اگر یہ ان کا امتحان نہ ہوتا تو پھر وہ دائمی منافق ہی رہتے۔ جیسے ثعلبہ زکوٰۃ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے منافقین میں ہو گیا۔ بعد میں وہ زکوٰۃ لے کر آیا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمائی۔ اسی طرح خلفاء راشدین میں سے بھی کسی نے قبول نہیں کی۔ **فائدہ**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نگاہ نبوت سے دیکھ لیا تھا کہ اس کی حالت نہیں بدلے گی۔ اس لئے اس کی قبولیت توبہ کیلئے کوئی شرط نہیں رکھی۔

(آیت نمبر ۱۷) اندھے آدمی پر کوئی حرج نہیں ہے۔

فائدہ: جب حدیبیہ سے پیچھے رہ جانے والوں کی مذمت کی گئی تو ان پیچھے رہ جانے والوں میں ضعیف اور معذور لوگ بھی تھے تو ان کو ان سے مستثنیٰ کر دیا کہ اندھا چونکہ جنگ میں نہ حملہ کر سکتا ہے۔ نہ حملہ روک سکتا ہے اور تکلیف شرعی کا دارومدار استطاعت پر ہے۔ جو استطاعت ہی نہیں رکھتا، اللہ نے اسے معاف رکھا۔



لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ

تحقیق راضی ہوگیا اللہ ایمان والوں سے جب وہ آپ کی بیعت کررہے تھے نیچے ایک درخت کے۔ جان لیا اللہ نے

مَافِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۙ﴿۱۸﴾

جوان کے دلوں میں ہے پس اتاری اللہ نے سکینت ان پر اور انعام دیا انہیں فتح جلدی کا۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۷) آگے فرمایا کہ اندھے کی طرح لنگڑے پر بھی نہ جانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اعرج وہ ہے جس کے پاؤں یا ٹانگ میں ایسا عارضہ ہو کہ جس سے وہ صحیح طریقے سے چل نہ سکے۔ چلے تو لنگڑا ہو کر چلے۔ خواہ اس کا لنگڑا پن پیدائشی ہو۔ یا بعد میں عارضہ لاحق ہوا ور نہ ہی مریض پر کوئی حرج ہے۔ یعنی ایسی مرض کہ جس کی وجہ سے اتنا کمزور ہوگیا ہو کہ وہ چل ہی نہ سکتا ہو تو اس کے بھی جنگ میں شریک نہ ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ **معذور** لوگوں کو جہاد یا مسجد میں باجماعت نماز میں نہ حاضر ہونے کے باوجود نبی کریم ﷺ نے انہیں پورا ثواب ملنے کی خوش خبر سنائی۔

فائدہ: ان مذکورہ تینوں حضرات سے نفی فرما کر عذر کے لحاظ سے رخصت کے دائرہ کو وسیع کر دیا گیا ہے۔ آگے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مذکورہ اوامر یا نواہی میں اطاعت کی تو اللہ تعالیٰ اسے ایسے باغات میں داخل فرمائے گا جن میں نہریں جاری ہوں گی۔ **سبق**: جب تک انسان میں خودی کا تصور ہے اس وقت تک دیدار الٰہی بھی مشکل ہے۔ آگے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور احکام سے منہ پھیرے گا اللہ تعالیٰ اسے انتہائی سخت دردناک عذاب دے گا۔ جس عذاب کا کوئی اندازا نہیں لگا سکتا اور وہ نہ ختم ہونے والا عذاب ہے۔ **سبق**: اللہ تعالیٰ کا دیدار پانے کیلئے ضروری ہے کہ انسان اپنے اندر کو تمام قسم کی کدورتوں سے پاک صاف کردے۔

(آیت نمبر ۱۸) البتہ تحقیق راضی ہوگیا اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے۔ **فائدہ**: بندے کا اللہ تعالیٰ سے راضی ہونے کا مطلب ہے کہ اس کی قضاء وقدر پر خوش ہے اور اللہ تعالیٰ کا بندے سے راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو اپنے خاص لوگوں میں شامل کرلیا ہے۔ بیعت رضوان اس لئے کہا گیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ سے بیعت اس شرط پر کی کہ جب تک فتح مبین نہیں ہوگی۔ اس وقت تک ہم لڑیں گے۔ یا شہید ہو جائیں گے یہ جنگ بغیر بڑی لڑائی کے لڑی گئی۔ اس لئے اسے فتح مبین کہا گیا۔

وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۱۹

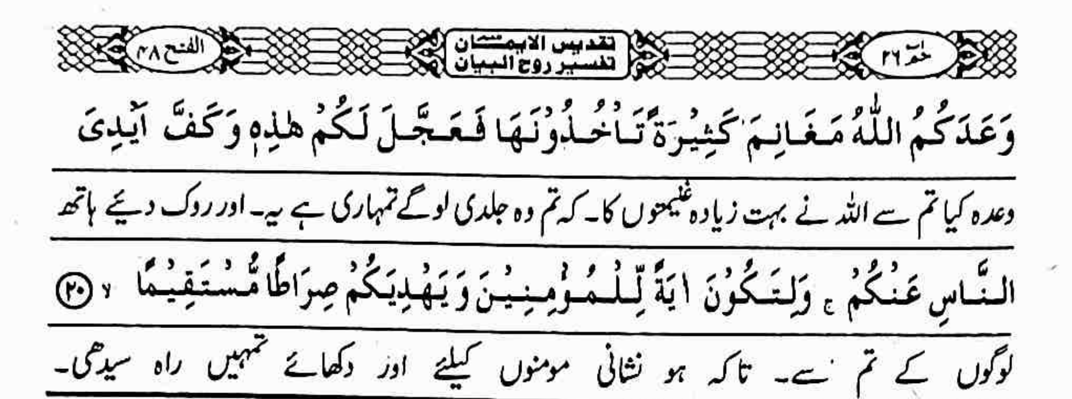
اور مال غنیمت بہت سارا وہ حاصل کریں گے۔ اور ہے اللہ عزت والا حکمت والا۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۸) **فرمان رسول** : اصحاب بیعت رضوان کے تمام افراد جنت میں جائیں گے۔ (مسند الفردوس)۔ اس وقت صحابہ کی تعداد ایک ہزار چار سو تھی۔ جنہوں نے حضور ﷺ کے ہاتھ مبارک پر بیعت کی ان سے اللہ تعالیٰ ہمیشہ کیلئے راضی ہوگیا۔ کہ جب انہوں نے آپ سے درخت کے نیچے بیعت کی۔ اسی لئے ان بیعت کرنے والوں کو اصحاب شجرہ بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے ان کی بیعت کو فخر سے یاد فرمایا۔

سب سے افضل: بیعت کے بعد حضور ﷺ نے انہیں فرمایا کہ روئے زمین پر سب سے افضل (انبیاء علیہم السلام کے بعد) تم ہی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رضا کا سٹیفکیٹ دے دیا۔ (اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ان پر جو ان کے خلاف بکتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے تو صحابہ پر سکینت نازل فرمائی۔ (شیعہ حضرات کے خدشات اور جوابات فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں) تو اللہ تعالیٰ نے جان لیا جو ان کے دلوں میں تھا۔ یعنی رضا کا ترتب علم پر ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ان کا حضور ﷺ کے ساتھ صدق اور اخلاص تھا۔ ہے (اور رہے گا) کیونکہ انکے دلوں کا حال اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے۔ ان کے اخلاص کی ہی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر سکینت نازل فرمائی۔ تا کہ ان کے دل اور زیادہ مربوط اور مضبوط ہوں۔

آگے فرمایا کہ انہیں فتح جلدی کا بدلہ عطا فرمایا۔ اس سے مراد فتح خیبر ہے۔ یا فتح مکہ ہے۔

(آیت نمبر ۱۹) اور بہت زیادہ غنیمتیں جو وہ حاصل کریں گے۔ **فائدہ**: پھر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد خیبر کی جنگ میں فتح اور کامیابی بھی اور بے شمار مال غنیمت بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ جس میں بہت ساری زمین اور باغات وغیرہ بھی تھے۔ دیگر مال و دولت بھی بہت تھا جو اصحاب شجرہ میں تقسیم کیا گیا۔ آگے فرمایا کہ ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا۔ یعنی جو وہ چاہتا ہے کر گذرتا ہے اور اس کے ہر کام میں اور ہر فیصلے میں بے شمار حکمتیں ہیں۔ وہ اپنی حکمت کے تقاضوں کی رعایت کرنے والا ہے۔ **وہم کا ازالہ**: بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو کاٹ دیا۔ جس کے نیچے بیعت رضوان ہوئی۔ حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں۔ کہ جب ہم آٹھ ہجری کو عمرہ کیلئے گئے۔ تو وہ درخت وہاں موجود نہیں تھا۔ تو جب وہ درخت ہی نہ تھا۔ تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کاٹا کس کو۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ لوگوں نے اس کے علاوہ ایک درخت کو دیکھ کر اس سے تبرک حاصل کرنے کیلئے اس کے پاس جاتے تھے تو آپ نے اس وجہ سے اسے کٹوا دیا۔ کہ جب اصل درخت رہا ہی نہیں اور لوگ نقلی درخت کو اصل سمجھ رہے ہیں۔



وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ

وعدہ کیا تم سے اللہ نے بہت زیادہ غنیمتوں کا۔ کہ تم وہ جلدی لوگے تمہاری ہے یہ۔ اور روک دیئے ہاتھ

النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ ﴿۲۰﴾

لوگوں کے تم سے۔ تاکہ ہو نشانی مومنوں کیلئے اور دکھائے تمہیں راہ سیدھی۔

(آیت نمبر ۲۰) اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ بہت زیادہ غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے۔ یعنی جو قیامت تک ایمان والوں کے پاس آئیں گی۔ **فائدہ** : سعدی مفتی مرحوم نے فرمایا۔ اگر چہ اس آیت کا نزول فتح خیبر کے بعد ہوا۔ جیسے کہ ظاہر ہو رہا ہے تو پھر یہ ساری سورت حضور ﷺ کے حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد نازل نہیں ہوئی۔ بلکہ کچھ حصہ پہلے نازل ہوا حدیبیہ سے پہلے جو آیات اتریں وہ اخبار عن الغیب کے قبیل سے ہے۔ اور کچھ آیات اس کے بعد نازل ہوئیں۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے ہاتھ تم تک پہنچنے سے روکے۔

فائدہ : حالانکہ خیبر والے یہودیوں کا لشکر ستر ہزار سے زائد تھا۔ بنو اسد اور غطفان ان کے خلیف بن کر آئے تھے۔ تاکہ ان کی مدد کریں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر رعب ڈال دیا اور جنگ کے بغیر ہی واپس چلے گئے اور بعض مفسرین نے "ایدی الناس" سے کفار مکہ مراد لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے صلح کرادی۔ تاکہ ایمان والوں کیلئے یہ نشانی یا دلیل ہو کہ وہ رسول خدا ﷺ کی بات کو سچا جانیں کہ انہوں نے جس سے وہ وعدہ کیا وہ پورا ہوا۔

فائدہ : کیونکہ آپ نے حدیبیہ سے واپسی پر فرمایا کہ تمہیں اللہ تعالیٰ بہت بڑی فتح بے شمار غنیمتیں عطا فرمائے گا اور مکہ مکرمہ میں پر امن داخلہ ہوگا۔ جن جن باتوں کا ایمان والوں سے وعدہ فرمایا تھا تو وہ سب باتیں بہت جلد پوری ہوئیں۔ آگے فرمایا اور وہ تمہیں سیدھی راہ کی ہدایت دے گا۔ **فائدہ**: ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ پر توکل اور اس کے حکموں پر عمل اور نواہی سے پرہیز ضروری ہے اور مسلمان کا مطمع نظر فضل الٰہی ہونا چاہئے۔

خیبر اور یثرب: انسان العیون میں ہے یہ دو بھائی تھے۔ یثرب نے یثرب کو اور خیبر نے خیبر کو آباد کیا۔ خیبر کا قلعہ بہت مشہور ہے۔ یہ مدینہ شریف سے ۳۲ فرسخ دور ہے۔ یعنی ۸۴ میل ہے۔ حضور ﷺ نے اعلان فرمایا کہ خیبر کی جنگ میں صرف وہ لوگ جائیں گے جو حدیبیہ میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ ان کے علاوہ جانیوالوں کو مال غنیمت میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ (۲) اس جنگ میں کوئی کمزور آدمی نہ جائے۔ (۳) سرکش سواری لیکر بھی کوئی نہ جائے۔

وَّاُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا ﴿۲۱﴾

اور دوسری کہ نہیں قادر تھے تم اس پر تحقیق گھیر لیا اللہ نے اسے اور ہے اللہ ہر چیز پر قادر

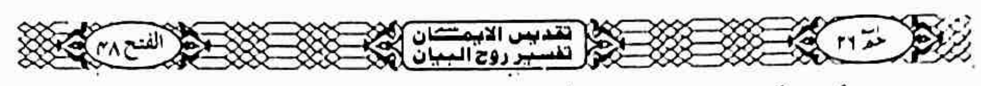
(بقیہ آیت نمبر ۲۰) **نافرمانی کی سزا:** ایک آدمی سرکش سواری پر سوار ہوگیا۔ سواری بھاگنے سے گرا تو وہیں مرگیا۔ **فائدہ:** صبح کے وقت خیبر میں پہنچے۔ لوگ ابھی اپنی زمینوں کی طرف کام کاج کیلئے نکلے تھے۔ کہ مسلمانوں کا لشکر جرار دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے اور قلعوں میں گھس گئے۔

خیبر میں کئی قلعے تھے:

اسی لئے خیبر مکمل فتح کرنے کیلئے کافی وقت لگ گیا۔ ایک ان میں سے سب سے بڑا قلعہ تھا۔ جسے فتح کرنے کیلئے سات دن تک کئی افراد کو بھیجا گیا۔ لیکن فتح نہ ہو سکا۔ بالآخر نبی پاک ﷺ نے فرمایا کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دونگا جس کے ہاتھوں قلعہ فتح ہو جائیگا۔ (اس سے اللہ رسول محبت کرتے ہیں اور وہ اللہ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے) پوری رات لوگ سوچتے رہے۔ کہ وہ کون ہے۔ تو اگلی صبح فرمایا علی کہاں ہیں۔ بتایا گیا کہ آپ کی آنکھیں دکھتی ہیں۔ آپ نے انہیں بلا کر اپنا لعاب دھن مبارک لگایا تو ان کی آنکھیں بالکل ٹھیک ہوگئیں۔ تو انہیں حضور ﷺ نے جھنڈا بھی دیا۔ اور چند نصیحتوں کے ساتھ روانہ کیا۔

فاتح خیبر علی: المختصر وہ قلعہ حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھوں فتح ہوگیا۔ اس کے بعد ان کے کئی اور بھی قلعے تھے سب فتح ہوئے۔ دو قلعہ والوں نے جزیہ کے بدلے صلح کر لی۔ (باقی تفصیلات فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں)۔ **فائدہ:** خیبر قلعے کا بڑا دروازہ مولیٰ علی نے ایک ہی دھکے سے گرا بھی لیا۔ اور اسے پوری جنگ میں ایک ہاتھ میں اٹھا بھی رکھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں۔ کہ جنگ کے بعد ہم چالیس آدمیوں نے آٹھانا چاہا مگر اسے ہلا بھی نہ سکے۔

(آیت نمبر ۲۱) تمہارے لئے فتوحات اور غنیمتیں اور بھی ہیں۔ جن پر ابھی تم قابض نہیں ہوئے۔ **فائدہ:** اس سے جنگ حنین و ہوازن سے ملنے والی غنیمتیں مراد ہیں۔ جو فتوحات فتح مکہ کے بعد حاصل ہوئیں۔ آگے فرمایا۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے انہیں گھیر لیا۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غنیمتیں مسلمانوں کیلئے محفوظ رکھیں اور انہیں اسلام کے غالب ہونے تک ان فتوحات کو روک رکھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یہی معنی کیا۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے کیوں کہ اس کی قدرت ذاتی ہے۔ اور اتنی بڑی فتوحات اس کی عطا کردہ قوت سے حاصل ہوئیں۔



وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾

اور اگر لڑیں تم سے کافر تو ضرور مڑ جائیں گے پیٹھ پھیر کر۔ پھر نہ پائیں گے کوئی حمایتی اور نہ مددگار

(آیت نمبر۲۲) اگر تمہارے ساتھ کفار مکہ جنگ کرتے اور صلح نہ ہوئی ہوتی تو پیٹھ دے کر بھاگ جاتے۔ یعنی جنگ کے بغیر بھی بری طرح شکست کھا جاتے۔ پھر اپنا نہ حمایتی پاتے اور نہ مددگار۔

غزوہ حنین کے اسباب: فتح مکہ سے فارغ ہونے کے بعد جب تمام قبائل نے اطاعت قبول کر لی تو ہوازن اور حنین اور ثقیف والے چونکہ پیدائشی باغی اور سرکش تھے۔ انہوں نے بغاوت کر دی۔ اور اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حضور ﷺ نے سن کر فرمایا چلو یہ غنیمت کل مسلمانوں کو ملے گی۔ لہذا اگلے دن بارہ ہزار کا لشکر لیکر آپ ہوازن کی طرف چل پڑے۔ راستے میں حنین پڑتا تھا وہ لوگ چھپ کر تاک میں بیٹھے تھے۔ اس وقت اندھیرا ابھی تھا تو حنین والوں نے مسلمانوں پر تیر چلانے شروع کر دیئے چونکہ ایک تو رات کا اندھیرا۔ دوسرا دشمن چھپے بیٹھے تھے۔ اور مسلمان تیاری میں بھی نہ تھے اور وہ (حرام زادے غضب کے تیر انداز بھی تھے) مسلمان سخت گھبرائے اور پیچھے کی طرف دوڑ گئے۔ نبی ﷺ بمعہ چند حضرات کے ایک اوٹ میں کھڑے ہوئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو فرمایا۔ لوگوں کو واپس بلاؤ ان کی آواز بلند تھی۔ انہوں نے یوں پکارا۔ اے مہاجرین۔ اے انصار۔ اے حدیبیہ والو تمہیں اللہ کے رسول بلاتے ہیں تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے پھر لشکر اسلام جمع ہو گیا۔ پھر جنگ شروع ہوئی تو حضور ﷺ نے گھوڑے سے نیچے اتر کر مٹھی بھر مٹی لی۔ جس میں سنگریزے بھی تھے۔ وہ دشمنوں کی طرف پھینکی اور فرمایا۔ (شاهت الوجوه ولاينصرون) پھر فرمایا (انهزموا ورب محمد) تو کفار شکست کھا کر بھاگ پڑے۔ پھر مسلمانوں نے پیچھا کیا اور بہت بڑی تعداد ان کی قتل ہوئی اور جو بچے وہ قید ہوئے۔ کچھ ان میں سے اوطاس میں گئے۔ وہاں کے کافروں کو اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ **فائدہ:** نبی کریم ﷺ خالد بن ولید کی بیمار پرسی کرنے گئے تو ان کے پاؤں پر بہت سخت زخم آیا تھا۔ ان کو سخت تکلیف تھی۔ لعاب دہن سے فوراً صحیح ہو گئے۔ اس کے بعد حنین سے ملنے والا مال بھی بہت زیادہ تھا۔ آپ نے مکہ کے نئے ہونے والے مسلمانوں میں وہ تقسیم فرما دیا۔

عمرہ کی ادائیگی: تیرہ دن جعرانہ میں رہنے کے بعد عمرہ کا وہاں سے ہی احرام باندھا اور ارشاد فرمایا۔ جعرانہ سے ستر نبیوں نے عمرہ کا احرام باندھا۔ معلوم ہوا کہ جعرانہ بہت پرانا میقات ہے اور حضور ﷺ نے ہجرت کے بعد چار عمرے ادا فرمائے۔ اور چاروں شوال کے مہینے میں ادا فرمائے۔

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ﴿۲۳﴾

دستور ہے اللہ کا تحقیق چلا آرہا ہے پہلے سے۔ اور ہرگز نہیں تو پائے گا دستور الٰہی میں تبدیلی۔

وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ

اور وہی ہے جس نے روک دیئے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے وادیء مکہ میں۔ بعد

اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ﴿۲۴﴾

اس کے کہ تمہیں قابو دے دیا ان پر۔ اور ہے اللہ تمہارے کام دیکھنے والا۔

(آیت نمبر۲۳) اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے۔ جو شروع سے چلا آرہا ہے کہ وہ اپنے انبیاء کو دشمنوں پر غلبہ عطا فرماتا ہے اور تم اللہ تعالیٰ کے طریقے میں ہرگز تبدیلی نہیں پاؤ گے۔

فائدہ :یعنی جو کچھ ازل میں مقرر ہو گیا۔ اس کے خلاف ہونا محال ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اٹل ہے۔ اس میں تغیر و تبدل نہیں ہے۔ **سبق**: اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ اپنے اولیاء کی مدد فرماتا ہے۔ ان کی صفائی اعمال کے باوجود لوگ ان کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔ تاکہ ان کے درجات بلند ہوں اور اللہ تعالیٰ برے اخلاق سے ان کے نفوس کو پاک وصاف رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے خوش اخلاق، نیک نیت اور پرہیزگار ہوتے ہیں۔

(آیت نمبر۲۴) اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے کفار کے ہاتھ تم سے روکے۔ حالانکہ وہ تعداد میں بھی زیادہ تھے اور تم اس وقت کم بھی تھے اور ان کے شہر میں بھی تھے۔ آگے فرمایا اور تمہارے ہاتھ ان سے روکے۔ مکہ کے داخلی راستے پر جب انہوں نے تم پر حملہ کر دیا، اس کے بعد کہ تم فتح مند ہو چکے تھے ان پر۔

قصہ :عکرمہ بن ابوجہل پانچ سو کا لشکر لیکر حدیبیہ کی طرف چل پڑا۔ اس کے مقابلہ میں نبی کریم ﷺ نے ایک لشکر عباد بن بشر کو دیکر روانہ فرمایا۔ تو عکرمہ کا لشکر ان کا مقابلہ نہ کر سکا اور شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اس جنگ میں دونوں طرف سے پتھر مارے گئے کافر بھاگ گئے۔ (طبرانی) یا اس سے مراد وہ اسی کفار تھے جو تنعیم کے راستے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی غرض سے ایک جگہ چھپے ہوئے تھے۔ لیکن مسلمانوں نے ان کو پکڑ لیا تھا۔ پھر حضور ﷺ کے حکم پر انہیں چھوڑ دیا۔ اس لئے کہ وہ جگہ حرم میں ہے۔

آگے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔ یعنی تمہارا جنگ کرنا۔ کفار کو شکست دینا اور میرے رسول ﷺ کی اطاعت کرنا وغیرہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ **فائدہ:** بعض علماء نے فرمایا۔ ان آیات سے مراد فتح مکہ ہے۔

فتح مکہ کا مختصر قصہ:

فتح مکہ ۸ ہجری رمضان میں ہوا۔ صلح حدیبیہ سے جو امن قائم ہوا۔ اسے اہل مکہ زیادہ دیر قائم نہ رکھ سکے۔ اس عہد کی خلاف ورزی کردی۔ بنی بکر کے ایک شخص نے حضور علیہ السلام کے متعلق شعروں میں بکواس لکھ کر ہر طرف جا کر لوگوں کو سنانے لگا۔ بنی خزاعہ کے اکثر لوگ مسلمان تھے۔ ان کے ایک غلام عاشق رسول نے اس کی پٹائی کردی۔ جس پر دونوں قبیلوں میں خوب لڑائی اور فساد ہوا۔ بنی بکر کے لوگوں نے رات کو بنی خزاعہ پر حملہ کردیا۔ بہت نوجوانوں کو قتل کردیا۔ ابوسفیان رئیس قریش اس واقعہ سے بے خبر تھے۔ انہوں نے بتایا کہ میری بیوی نے خواب میں بہت بڑا خون کا سیلاب دیکھا۔ ابوسفیان نے کہا حضرت محمد ﷺ ہم سے ضرور جنگ کریں گے۔ لیکن قریش جنگ کی پوزیشن میں نہ تھے۔ عمر بن سالم خزاعی نے مدینہ شریف میں جا کر حضور ﷺ کو حالات سے باخبر کردیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم کامیاب ہوگئے۔ اور فرمایا۔ بنوخزاعہ مجھ سے اور میں ان سے ہوں۔

قریش پشیمان ہوگئے: مذکورہ واقعہ بہت بڑی عہد شکنی تھی۔ کفار مکہ کو ندامت ہوئی اور یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ مسلمانوں نے چاروں طرف سے ہمارا گھیرا تنگ کردیا۔ اب ہماری بھی خیر نہیں ہے۔ انہوں نے ابوسفیان کو بھیجا تا کہ وہ نبی کریم ﷺ سے معاہدہ کو مضبوط کریں اور مزید کچھ مدت دیں۔ لیکن حضور ﷺ نے انکار کردیا۔ اس کے بعد آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اور فتح مکہ کیلئے تیاری شروع کردی اور گردونواح کے تمام مسلمانوں کو جمع ہونیکا حکم دیدیا۔ دس ہجری ماہ رمضان میں دس ہزار کا لشکر لیکر مدینہ شریف سے نکل پڑے۔ کدید کے مقام سے سب کو روزہ رکھنے سے منع فرمادیا۔ جحفہ کے مقام پر حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی۔ ان سے فرمایا۔ سامان اور اہل وعیال مدینہ میں بھیج دو تم آخر الہجرت ہو۔ مرالظہر ان میں ابوسفیان بھی وہاں آگئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہما انہیں لیکر حضور ﷺ کی بارگاہ میں آگئے۔ اور انہیں کہا کہ کلمہ پڑھ لے ورنہ تیری خیر نہیں۔ تو انہوں نے اسی وقت کلمہ پڑھ لیا اور مسلمان ہوگئے اور عرض کی اگر قریش لڑائی نہ کریں تو کیا امان ہے۔ فرمایا جو ہم سے نہ لڑے جو گھر میں بیٹھ رہے جو تیرے گھر میں آجائے جو مسجد حرام میں آجائے سب کیلئے امان ہے۔ چونکہ امان والے بہت زیادہ تھے۔ کسی ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے تھے۔ اس لئے ان کے کئی مقام مقرر فرمادیئے۔ (مزید فتح مکہ کی تفصیلات فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں)۔

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ

وہی ہیں جنہوں نے کفر کیا اور روکا تمہیں مسجد حرام سے اور قربانی کے جانور

مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ

رکے رہے کہ پہنچتے قربان گاہ میں۔ اور اگر نہ ہوتا کہ کچھ مسلمان مرد اور مومنہ عورتیں

لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَئُوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ

جن کی نہیں خبر تھی تمہیں کہ تم روند ڈالو انہیں تو پہنچتی تمہیں ان سے مکروہ بات لاعلمی میں ۔

لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ

کہ داخل کرے اللہ اپنی رحمت میں جسے چاہے۔ اگر وہ جدا ہو جاتے تو ہم ضرور عذاب دیتے

كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾

کافروں کو ان میں سے عذاب دردناک۔

(آیت نمبر ۲۵) یہ وہی کفار مکہ ہیں۔ جنہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا یعنی تمہیں عمرہ نہیں کرنے دیا۔ اور نہ یہاں قربانی کرنے دی کہ وہ قربان گاہ تک پہنچ جائے۔ حضور ﷺ اپنے ساتھ ستر اونٹ لیکر آئے تھے۔ انہیں منی میں ذبح کرنا تھا۔ لیکن کفار نے اس کی اجازت نہ دی۔ تو وہ وہیں پر ذبح کر دیئے۔

کفار تین وجہ سے سزا کے مستحق ہوئے: (۱) کفر۔ (۲) عہد شکنی۔ (۳) مسلمانوں کو عمرہ اور قربانی سے روکنا۔ ان کی سزا تو قتل ہی تھی۔ مگر نبی کریم ﷺ نے حرم میں خون خرابا پسند نہیں فرمایا۔ المحل وہ جگہ جہاں قربانی کی جاتی ہے۔ **فائدہ:** حضور ﷺ کے خیمے حل میں تھے اور مصلی حرم میں۔ آگے فرمایا۔ اگر نہ ہوتے مسلمان مرد اور عورتیں جنہیں تم نہیں جانتے اس لئے کہ وہ کافروں کے پاس رہتے ہیں مکہ مکرمہ میں جن کی تعداد تقریباً بہتر تھی۔ ایمان دل میں چھپا رکھا تھا۔ یعنی اگر جنگ کی اجازت ہوتی تو تم ان کا بھی رگڑا نکال دیتے کیونکہ تم انہیں جانتے ہی نہ تھے۔ پھر تمہیں اس سے ناگواری ہوتی۔ یعنی افسوس ہوتا اور کافر بھی تمہیں عار دلاتے کہ انہوں نے اپنے ہی بھائی مار دیئے اور تم پر ان کا کفارہ دینا بھی لازم ہوتا۔ اگر چہ تم نے بے علمی سے کام کیا ہوتا۔

إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ

جب رکھی کافروں نے اپنے دلوں میں اڑ (ضد) اڑ جاہلیت والی ۔

فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ

پھر اتاری اللہ نے سکینت اپنے رسول پر اور مومنوں پر اور لازم کردیا ان پر کلمہ

التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٢٦﴾

تقوے کا۔ اور تھے زیادہ حق دار اس کے اور اس کے اہل تھے۔ اور ہے اللہ ہر چیز کو جاننے والا۔

(بقیہ آیت نمبر۲۵) **فائدہ**: اب ایک طرف اللہ تعالیٰ کا کفار مکہ پرغضب بھی تھا۔ دوسری طرف اہل ایمان کو بچانا بھی تھا۔ آگے فرمایا۔ تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں داخل فرمائے جسے چاہے۔ اگر دونوں فریق جدا جدا ہوتے تو ہم عذاب دیتے ان میں سے کافروں کو دردناک۔ یعنی سب کفار کو قتل کرتے اور بچوں کو قید کر کے غلام بناتے ہمارے حکم سے۔ **فائدہ**: امام بقلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کس قدر مومنوں پر مہربان ہے کہ ان کی وجہ سے کافروں کو بھی عذاب سے بچالیا۔ (بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم) اللہ تعالیٰ نیکیوں کے طفیل بروں کو بھی بخش دیتا ہے۔

(آیت نمبر۲۶) وہ وقت یاد کریں کہ جب مکہ کے کفار نے اپنے دلوں میں تکبر اور نفرت کی۔ یعنی بعثت مبارکہ کے ابتدائی دور میں ان کی وہ جاہلیت والی حمیت۔ یعنی رسالت کا انکار اور اللہ کے نام سے سخت تکلیف تھی۔ یا مسلمانوں کے مکہ مکرمہ میں رہنے اور عمرہ کیلئے واپس آنے پر اعتراض تھا اور تکبر سے کہا کہ اگر مسلمان یوں ہی داخل ہو جائیں تو ہم پر افسوس ہے۔ ہم انہیں زندگی بھر داخل نہیں ہونے دیں گے۔ یعنی ایسی جاہلیت کی حمیت ان میں گھسی ہوئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور مومنوں پر کرم کیا کہ ان پر سکینت نازل فرمادی کہ کفار خود ہی صلح پر آمادہ ہو گئے۔ (اس میں بھی مسلمانوں کی فتح تھی)۔ آگے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر لازم کردیا کلمہ تقویٰ کا۔ یعنی کلمہ شہادت جو تقوے کا سبب ہے۔ **فائدہ**: حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کلمہ تقویٰ سے مراد وعدے کی وفاء ہے۔ جس کو ایمان والوں نے پورا کیا اور مشرکوں نے توڑ دیا۔ اور مسلمان اسی کے زیادہ مستحق تھے اور اس کے اہل تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ کلمہ ان کیلئے ہی مخصوص کیا تھا۔ یا انہیں اس کلمہ کیلئے مخصوص کیا تھا۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ

تحقیق سچ کر دیا اللہ نے اپنے رسول کا خواب سچائی کے ساتھ۔ کہ تم ضرور داخل ہوگے مسجد حرام میں اگر

شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ

چاہا اللہ نے امن وامان سے۔ بال منڈواتے اپنے سروں کے اور ترشواتے بے خوف ہو کر۔

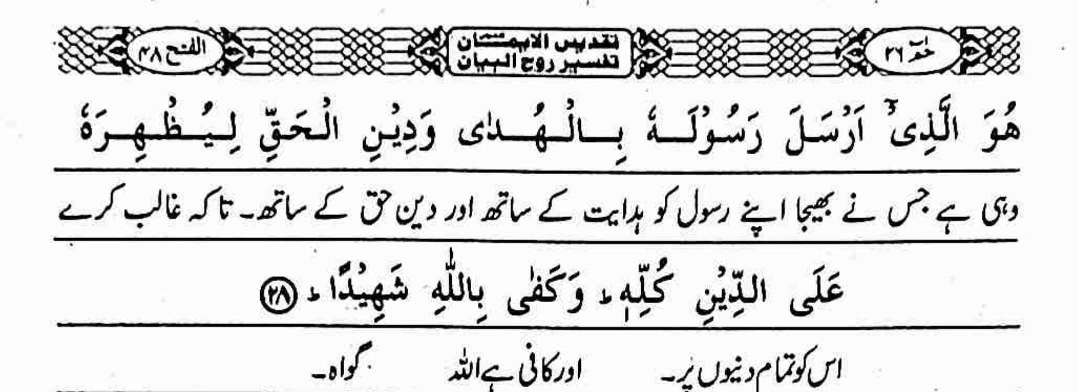
فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾

تو اس نے جانا جو نہیں تمہیں معلوم۔ تو کردی اس کے پہلے ایک فتح نزدیک آنے والی۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۶) **حدیث شریف** میں ہے کہ جس نے کلمات الٰہیہ کا ورد کیا۔ وہ جنت میں جائیگا اور دوسری **حدیث** میں ہے کہ افضل ذکر وہی ہے۔ جو میں پڑھتا ہوں اور تمام انبیاء علیہم السلام نے جسے پڑھا۔ یعنی لا الہ الا اللہ۔ (تفسیر طبری وقرطبی)۔ کلمہ شریف کا ورد سچے دل سے جو بھی کرے۔ وہ کامیاب ہے۔

(آیت نمبر ۲۷) تحقیق سچ کر دکھایا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا خواب۔ جس کا ابتداء میں ذکر ہو چکا۔

منافقین کا شعور: جب نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سال عمرہ نہ کر سکے تو منافقین کو موقع مل گیا اور وہ طرح طرح کے ٹھٹھے مذاق کرتے تھے اور نبی کریم ﷺ کی خواب پر اعتراض کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید میں فرمایا کہ خواب تو برحق ثابت ہوئی اور نبی ﷺ کی خواب ہوتی ہی برحق ہے بلکہ وحی الٰہی ہوتی ہے چونکہ خواب میں آپ نے یہی دیکھا کہ مسجد حرام میں ضرور داخل ہو رہے ہیں۔ تو وہ بات اللہ تعالیٰ نے پوری فرمادی۔ اس سال نہیں تو دوسرے سال پوری ہوگئی۔ دوسرا خواب میں یہ دیکھا کہ کچھ حلق (سر منڈاہوا) کرار ہے ہیں۔ کچھ قصر (بال چھوٹے) کررہے وہ بھی پوری ہوئی کہ نبی پاک ﷺ نے حلق کرادیا اور بال مبارک حضرت طلحہ کو دیئے اور انہوں نے صحابہ میں تقسیم کر دیئے۔ **فائدہ:** حلق چونکہ قصر سے افضل ہے اس لئے اس کا پہلے ذکر کیا۔ آگے فرمایا کہ تم بے خوف ہو کر عمرہ کروگے۔ یہ بات بھی پوری ہوگئی۔ اگر پہلے سال زبردستی مکہ مکرمہ میں آتے تو فتنہ فساد ہوتا۔ اگلے سال کیلئے کفار نے خود ہی موقع دے دیا۔ یعنی جو ہوا خواب کے مطابق ہوا اور پرامن ہو۔ آگے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے جان لیا جو تم نے نہیں جانا۔ یعنی خواب کے بعد والے معاملات کیا ہوئے تمہیں معلوم نہیں۔ وہ سب اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق ہوا۔ آگے فرمایا۔ پس کردی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فتح جلدی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ ہی مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔



(بقیہ آیت نمبر۲۷) **فائدہ**: اس خواب میں ایمان والوں اور منافقین کا امتحان تھا۔ (اور اس کے بعد فتوحات کا سلسلہ ایسا شروع ہوا کہ تیس سال تک بڑھتا اور اسلامی ملک پھیلتا ہی چلا گیا)۔ اور مسلمان قوت پکڑتے گئے یہ سب اس مبارک خواب کا کرشمہ ہے۔ اور بہت بڑی فتح ہے۔

(آیت نمبر۲۸) اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے کہ جس نے اپنے رسول کو اپنے فضل وکرم سے بھیجا۔ اس جیسا کوئی رسول نہیں اور اسے ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا۔ ہدایت سے مراد کلمہ توحید اور دین حق سے مراد یہ ہے کہ جو سارے دینوں کو منسوخ اور انہیں باطل کر کے سب دینوں پر غالب آ جائے۔ یعنی ہر طرف مسلمانوں کا ہی غلبہ ہو جائے اور ہر ملک میں اسلام کا جھنڈا لہرائے۔ چنانچہ یہ وعدۂ الٰہی بھی پورا ہوا۔

آگے فرمایا۔ کافی ہے اللہ تعالیٰ اس پر گواہ۔ اپنے رسول کی نبوت پر سب سے بڑی گواہی یہی ہے۔ کفار اس کو رسول مانیں یا نہ مانیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی رسالت کا اعلان کر دیا۔ اور پوری دنیا میں یہ اعلان پہنچ گیا۔

صلح کی ایک عجیب شرط: کفار نے صلح حدیبیہ کی شرائط میں ایک یہ شرط لگائی۔ کہ کوئی کافر مسلمان ہونے تمہارے پاس جائیگا۔ تو تمہیں واپس کرنا پڑے گا۔ اور کوئی مسلمان (معاذ اللہ) مرتد ہو کر ہمارے ہاں آئے گا۔ تو ہم اسے واپس نہیں کریں گے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ یہ شرط بھی ہمیں منظور ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے پریشان ہوئے۔ کہ یہ کیسی شرط ہے۔ حضور ﷺ نے انہیں بتایا کہ تم نہیں سمجھے۔ دیکھو جو بندہ مسلمان ہوگا۔ اسے ہم واپس مکہ مکرمہ بھیجیں گے۔ وہ یہاں آ کر اوروں کو بھی مسلمانی کیلئے تیار کرے گا۔ اور مسلمان پہلی بات تو یہ ہے کہ کوئی اسلام سے پھرے گا ہی نہیں۔ اور اگر خدانخواستہ کوئی اسلام سے پھرا۔ تو ہم نے ایسا گندا انڈا ضرور اپنے پاس رکھنا ہے۔ کہ باقیوں کو بھی خراب کرے، اسے ہم باقی گندے انڈوں میں ڈال دیں گے۔ اور دوسری خاص بات یہ ہے۔ کہ انہوں نے مردوں کا کہا۔ عورتوں کا نہیں کہا۔ وہ اللہ نے ان کے ذہنوں سے ہی نکال دیا۔ اگر عورت مسلمان ہونے آئے گی۔ تو ہم واپس نہیں کریں گے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ

محمد رسول ہیں اللہ کے اور ان کے ساتھی سخت ہیں کافروں پر اور مہربان ہیں آپس میں۔ تو دیکھے گا انہیں

رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ز سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ

رکوع سجدہ کرتے چاہتے ہیں فضل اللہ کا اور اس کی رضا۔ نشانی ان کی ان کے چہروں میں ہے

مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ج صلے وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ق ج

سجدوں کے نشان سے یہ ان کی صفت توراۃ میں ہے اور یہی ان کی صفت انجیل میں ہے۔

كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ یُعْجِبُ

جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا پھر طاقت دی اسے پھر موٹی ہوئی پھر سیدھی کھڑی ہوئی اپنی پنڈلی پر۔ بھلی معلوم ہوتی ہے

الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

کسانوں کو تاکہ دل جلیں ان سے کفار کے وعدہ کیا اللہ نے ان سے جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک

مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ع ﴿۲۹﴾

ان سے بخشش اور ثواب بڑا

(آیت نمبر ۲۹) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ گواہی دی (محمد رسول اللہ) محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور وہی دین حق بھی ہیں۔

عظمت مصطفےٰ ﷺ: علامہ حقی مرحوم نے تلقیح الاذہان کے حوالے سے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو بتایا کہ میں نے تمام موجودات تیرے لئے بنائے۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کائنات کی ہر چیز جانتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ سوائے سرکش جنوں اور انسانوں کے۔ یعنی ہر چیز میری رسالت کی گواہی دے گی۔ حتیٰ کہ جانوروں، درختوں اور پتھروں نے یہ کلمہ پڑھا۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور ﷺ کی رسالت پر گواہی دی۔ باقی

ماننا یا نہ ماننا یہ نصیب کی بات ہے۔

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ ازل سے نبی ہیں۔ بے شک دنیوی زندگی میں چالیس سال کے بعد اعلان نبوت فرمایا ہے۔ لیکن نبوت ازلی ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے خود فرمایا۔ میں اس وقت نبی تھا۔ جب آدم کا پتلہ تیار ہو رہا تھا۔ میں اللہ کے نور سے ہوں اور سب ایمان والے میرے نور کے فیض سے ہیں۔ (ترمذی شریف)

دو نام ذاتی ہیں: حضور ﷺ نے فرمایا۔ میں محمد بھی ہوں اور احمد بھی ہوں (خصائص کبریٰ)۔ محمد کا معنی زمین وآسمانوں میں بہت سے زیادہ تعریف کیا ہوا۔ احمد کا معنی بہت تعریف کرنے والا۔ ایک حدیث میں ہے۔ میرا نام آسمانوں میں احمد زمینوں میں محمد ہے۔ (احمد۔ قیام۔ رکوع۔ سجدہ اور قعدہ کا نقشہ اور محمد پورے سجدہ کا نقشہ ہے)۔

میلاد کرنا در حقیقت حضور ﷺ کی تعظیم کرنا ہے۔ (امام سیوطی)۔ آگے فرمایا۔ وہ لوگ جو حضور ﷺ کے ساتھی ہیں۔ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں بہت ہی مہربان ہیں۔ لیکن دین کے معاملے میں انتہائی سخت ہیں کہ دین کے خلاف وہ کوئی بات برداشت نہیں کرتے۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔ مومنوں کیلئے نرم اور کافروں پر غالب ہیں۔ کفار سے سختی کا یہ عالم کہ اپنے کپڑوں کو کفار کے کپڑوں سے مس نہیں ہونے دیتے۔ (آج کیسے مسلمان ہیں جو انہیں گلے لگاتے ہیں)۔

آگے فرمایا۔ تم جب بھی دیکھو گے تو ان کو رکوع اور سجدہ ہی کرتے دیکھو گے۔ یعنی نماز پر قیام اور دوام ہوگا۔ عبادت اور اطاعت میں اپنے اللہ جل شانہ کا فضل وہ تلاش کرتے ہیں اور ثواب کے طالب ہیں اور فرمایا۔ ان کی نشانی یہ ہے کہ ان کے چہرے سجدوں کے اثر سے چمکتے ہیں۔ اس سے مراد چہروں کا روشن ہونا ہے۔ ماتھے کو کالا کرنا نہیں۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ جن کے رات کے وقت سجدے زیادہ ان کے چہرے دن کے وقت نورانی ہوتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں یہ نور عطا فرماتا ہے۔ (مجموعۃ التفاسیر)

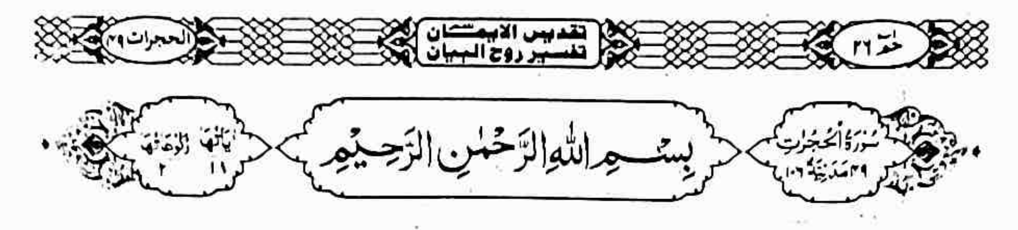
آگے فرمایا۔ یہ ان کی صفات تورات اور انجیل میں ہیں۔ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء کرام علیہم کی شان اللہ تعالیٰ نے پہلی امتوں کو بتائی۔ تاکہ انہیں امت محمدیہ کی شان معلوم ہو۔ جیسے کھیتی میں پودے نکلیں اور ان کی شاخیں اور ٹہنیاں مضبوط ہوں اور خوب موٹی ہوں اور وہ جڑیں اور پودا اپنی پنڈلی پر کھڑا ہو تو زمیندار خوش ہوتے ہیں۔ یہ مثال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیلئے بیان فرمائی جو ابتداء میں بہت تھوڑے تھے۔ پھر وہ مضبوط اور مستحکم ہوتے گئے اور بڑھتے ہی چلے گئے۔ جیسے زمین دار اپنے فصل کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ اسی طرح اسلام کے پودے پھلتے پھولتے دیکھ کر اللہ تعالیٰ بھی خوش اور اس کے رسول بھی خوش ہوئے۔ آگے فرمایا کہ اس سے کفار کو سخت غیظ وغضب جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے

مسلمان ہونے پر انہیں بہت زیادہ غصہ آیا۔ (حقیقت میں اسی دن کفار کی کمر ٹوٹ گئی۔ جس دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام کو قبول کیا)۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت: حضور ﷺ نے فرمایا۔ میری امت میں سب سے بڑا رحمدل ابوبکر۔ سب سے بڑا دین خدا میں سخت عمر فاروق اور حیاء میں سچا عثمان غنی۔ اعلیٰ فیصلے والا علی المرتضیٰ۔ بڑا قاری ابی بن کعب۔ علم میراث میں ماہر زید بن ثابت۔ حلال وحرام کو سمجھنے والا معاذ بن جبل۔ سچی گفتگو والا ابوذر اور امت کا امین ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ کے گناہ معاف کرنے اور بڑے درجے دینے کا وعدہ فرمایا۔ ان کی نجاۃ اور کامیابی کا وعدہ کیا ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار اور مزار کے ساتھی بنے اور حضرت عمر فاروق نے اسلام کو دار ارقم سے نکال کر کعبہ میں پہنچایا۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسا رقیق، رحیم بہت بڑے حیاء والے اور علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ داماد مصطفےٰ، خاوند زہراء تاجدار ھل اتی، درخیبر اکھاڑنے والے ان کا مقابلہ کون کر سکتا ہے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ میرے صحابہ کو گال مت دینا۔ جو بھی میرے کسی صحابہ کو گال دے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ اگر تم میں کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے۔ وہ کسی صحابی کے نصف صاع گندم جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کی۔ اس کے برابر نہیں ہے۔ یعنی وہ فضیلت اور درجہ نہیں پا سکتا۔ **حدیث:** میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ انہیں میرے بعد نشانہ نہ بنانا۔ جو ان سے محبت کرے گا۔ وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرے گا۔ اور جو ان سے بغض کرے گا۔ وہ میرے ساتھ بغض رکھ کر ان سے بغض کرے گا۔ جس نے انہیں تکلیف دی اس نے مجھے اذیت پہنچائی۔ اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کو اذیت دی۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ عذاب میں پکڑے گا۔

آگے فرمایا۔ ان میں سے جو ایمان لائے اور عمل صالحہ کئے ان سے اللہ تعالیٰ نے بخشش اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔ مومن دنیا میں بھی عزت پا گیا اور آخرت میں بھی عزت پائے گا۔ ان شاء اللہ۔ کافر دنیا میں بھی غیظ وغضب کی آگ میں جلتا رہا اور آخرت میں جہنم کی آگ میں جلے گا۔ بلکہ اہل ایمان کے مراتب دیکھ کر اور بھی جلیں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کے جو قائل نہیں۔ انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جلن ہے وہ بھی اپنا ٹھکانہ سوچ لیں۔ جو صبح وشام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً خلفاء ثلثہ پر طعن وتشنیع کرتے اور طرح طرح کے بکواسات کرتے ہیں۔ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ اس وقت وہ ریاض الجنۃ میں یا جنت البقیع میں آرام فرما ہیں۔

اختتام سورۃ فتح: مورخہ ۲۹ جنوری ۲۰۱۷ء بمطابق یکم جمادی الاول بروز اتوار



14

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

اے ایمان والو نہ آگے بڑھو اللہ اور اس کے رسول سے اور ڈرو اللہ سے ۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ①

بے شک اللہ سننے جاننے والا ہے۔

(آیت نمبر۱) اے ایمان والو کسی معاملے میں اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو یعنی ہر کام میں اپنے رسول ﷺ سے پیچھے رہا کرو۔ تاکہ پوری طرح اتباع ہو۔ (خواہ دینی معاملات ہوں یا دنیوی میرے نبی کے پیچھے پیچھے رہو)۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نبی کا ادب سکھایا ہے کیونکہ نبی کا ادب ایمان ہے اور بے ادبی کفر ہے۔

شان نزول : کچھ لوگوں نے نماز عید سے پہلے قربانی کردی تو نبی کریم ﷺ نے دوبارہ قربانی کا حکم دیا۔ یہی احناف کی دلیل ہے۔ آگے فرمایا۔ تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ جو کام کرنے کے لائق ہیں وہ کرو۔ اور جن سے بچنا چاہئے ان سے بچو۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے۔ اس لئے حق بنتا ہے کہ اس سے ڈرا جائے یعنی اس کے تمام احکام کی تعمیل پابندی کے ساتھ کی جائے۔ **فائدہ**: اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا نام تعظیماً لیا گیا ہے اور بتایا گیا کہ رسول کے آگے چلنا گویا اللہ تعالیٰ کے آگے چلنا ہے۔ (یعنی رسول ﷺ کی بے ادبی حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی بے ادبی ہے)۔ اسی لئے اسے کفر کہا گیا ہے۔

تین مقاموں پر آگے چلنا جائز ہے: یعنی بزرگوں کے آگے مندرجہ ذیل مواقع پر چلنا جائز ہے: (۱) رات کے سفر میں۔ (۲) لشکر کے مقابلے میں۔ (۳) گہرے پانی کو دیکھنے کیلئے۔ علاوہ ازیں بزرگوں کے آگے چلنا۔ یعنی علماء یا مشائخ (جو انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں) کے آگے چلنا سخت منع ہے۔ **حکایت** : ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے آگے چلتا دیکھ کر فرمایا تو اس کے آگے چلتا ہے جو دنیا آخرت میں تجھ سے بہتر ہے۔ انبیاء و مرسلین کے بعد ابوبکر سے افضل کوئی نہیں جس پر سورج طلوع کرتا ہو یا غروب ہوتا ہو۔ اس حدیث سے افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ معلوم ہوئی۔

جلد ۹

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا

اے ایمان والو نہ اونچی کرو اپنی آوازیں اوپر آواز نبی کے۔ اور نہ چلا کر

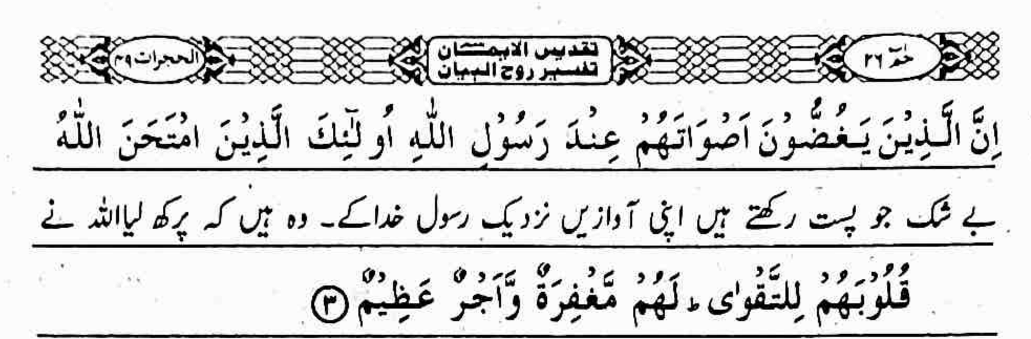
لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۲﴾

ان کے سامنے بات کرو جیسے چلاتے ہو ایک دوسرے سے کہ ضائع ہو جائیں گے عمل تمہارے اور تمہیں خبر تک نہ ہوگی

(آیت نمبر۲) اے ایمان والو اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو۔ یعنی اپنی آواز کو اس حد تک نہ پہنچاؤ۔ جس حد تک نبی کریم ﷺ کی آواز جاتی ہے اور نہ ان کے سامنے زور سے بولو۔ جب وہ بول رہے ہوں۔ تو تم بالکل خاموش ہو جاؤ۔ **فائدہ**: معلوم ہوا کہ ہر اونچی آواز مراد نہیں بلکہ مخصوص جہر ہے۔ جو ان کے درمیان عادتاً جہر ہوتا تھا اور اس دوسری نہی سے مراد یہ ہے کہ جب میرا نبی بول رہا ہو تو اس وقت تم بولنا بند کر دو۔ یعنی ان دونوں باتوں کا خیال رکھو (۱) نبی کی آواز سے آواز بلند بھی نہ ہو اور دوسرا یہ کہ نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں خاموش رہو۔ ورنہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ **فائدہ**: نہی کا ریزلٹ بھی بتا دیا گیا کہ آواز اونچی ہوئی تو عمر بھر کا سرمایہ ضائع ہو گیا اور تمہیں معلوم بھی نہیں ہوگا۔ **فائدہ**: چونکہ حضور ﷺ کی موجودگی میں عموماً گفتگو کرتے وقت مسلمانوں کی آپس میں آواز قدرے اونچی ہو جاتی تھی۔ اتنی بات بھی اللہ تعالیٰ گوارہ نہ ہوئی۔ اس لئے مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ آئندہ آواز میرے محبوب کی موجودگی میں پست رکھو۔ اونچی آواز گستاخی شمار ہوگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تمہارے عمل ضائع ہو جائیں گے۔ اور تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔

شان نزول: یہ آیت ثابت بن قیس کے حق میں نازل ہوئی۔ کیونکہ آپ کے کان بہرے تھے اور وہ جب بھی بات کرتے تو ان کی آواز اونچی ہو جاتی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ گھر میں جا کر بیٹھ گئے تا کہ میرے اونچا بولنے سے حضور ﷺ کو تکلیف نہ پہنچے اور میں گستاخوں میں سے نہ ہو جاؤں۔ حضور ﷺ نے انہیں بلا کر فرمایا تو اس آیت کا مصداق نہیں۔ تیری زندگی بھی بھلائی کے ساتھ موت بھی بھلائی کے ساتھ اور تم جنتی ہو۔

تخصیص: اس سے وہ جہر بھی مراد نہیں جس کے اونچا کرنے کا حکم خود نبی کریم ﷺ نے دیا۔ جیسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو جنگ حنین کے موقع پر فرمایا۔ صحابہ کو واپس بلاؤ۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز آٹھ میل تک سنائی دیتی تھی۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے فرمایا۔ ان لوگوں کو اونچی آواز لگاؤ۔ جوں ہی آواز دی تو ان لوگوں نے حضرت عباس کی آواز سن لی اور فوراً واپس آ گئے۔ حالانکہ وہ کافی دور جا چکے تھے۔ سب تک ان کی آواز پہنچ گئی۔



اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ

بے شک جو پست رکھتے ہیں اپنی آوازیں نزدیک رسول خداکے۔ وہ ہیں کہ پرکھ لیااللہ نے

قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۳﴾

ان کے دلوں کوتقوے کیلئے۔ ان کیلئے بخشش اورثواب ہے بڑا۔

(بقیہ آیت نمبر۲) **فائدہ** :اس آیت میں عموم کا ذکر ہے۔جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا گیا کہ آواز پست رکھو ورنہ عمل ضائع ہوں گے اور تمہیں شعور بھی نہیں ہوگا۔**مسئلہ**:اسی لئے بعض علماء نے روضہ رسول کے باہر اونچی آواز کے ساتھ گفتگو سے منع فرمایا ہے۔بلکہ صلوٰۃ وسلام کے وقت بھی آواز آہستہ رکھیں۔

(آیت نمبر۳) بے شک وہ لوگ جو اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے سامنے یعنی اللہ تعالیٰ کے منع کرنے اور ادب اور مخالفت ہو جانے کے خوف کی وجہ سے وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں اونچی آواز نہیں نکالتے۔یہ وہ لوگ ہیں۔جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے خاص کر دیا ہے۔فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔اس کا معنی یہ ہے کہ دلوں سے خواہشات نفسانی کے تصورات ہٹا دیئے اور برے اخلاق نکال کر مکارم اخلاق سے سنوار دیا۔

آگے فرمایا۔ان کیلئے آخرت میں گناہوں سے بخشش کی امید بھی ہے اور بہت بڑا اجر بھی۔جس بخشش اور اجر عظیم کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔**فائدہ**:اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ مرید اپنے شیخ کے سامنے آواز پست رکھے کیونکہ شیخ رسول اللہ کا نائب ہے۔**فائدہ**:حضرت حسین نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے تقوے کیلئے خالص کیا۔اس کا کام تلاوت قرآن۔باطن میں ایمان۔اس کا چراغ غور وفکر اس کی خوشبو تقویٰ۔اس کی طہارت توبہ اور نظافت رزق حلال۔اس کی زیب وزینت پرہیزگاری اس کا علم آخرت والا۔اس کا روزہ موت اور افطار جنت اس کا جمعہ حسنات اور اس کا خزانہ اخلاص۔اس کی خاموشی اس کا مراقبہ اور اس کی نظر مشاہدات میں۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابن آدم کا دل ہمیشہ حرص میں رہتا ہے۔سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقوے کیلئے خالص کر دیا ہے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا ادب تقوے کی جان ہے۔

فائدہ:یعنی ابن آدم کا دل کسی نہ کسی چیز کی محبت میں ہمیشہ لگا رہتا ہے۔اگرچہ اس کی عمر بڑھاپے کی آخری حد تک پہنچ جائے۔سوائے ان لوگوں کے جن کے دل اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے خالص کر دیئے۔لیکن وہ بہت تھوڑے ہیں۔**فائدہ**: لہٰذا اس آیت میں حضور ﷺ کے سامنے آہستہ بولنے والوں کی مدح کی گئی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۴﴾

بے شک جو پکارتے ہیں آپ کو باہر سے حجروں کے اکثر ان میں سے بے عقل ہیں۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵﴾

اوراگروہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود نکلتے ان کی طرف۔تو ہوتا بہتر ان کیلئے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(آیت نمبر۴) بے شک جولوگ حجروں کے باہر سے آپ کواونچی آواز سے پکارتے ہیں۔

امہات المؤمنین کے حجرات: اس وقت حضور ﷺ کی نو بیویاں تھیں۔ ہر اہلیہ کیلئے الگ حجرہ مبارک تھا۔

فائدہ: حجرات کے باہر سے پکارنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حجروں کے آگے یا پیچھے سے اونچے آواز سے پکار رہے تھے۔ یا تو مختلف ٹولیوں میں تھے۔ انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ حضور ﷺ کس حجرے میں آرام فرما ہیں۔

پکارنے والے: بعض نے کہا کہ یہ جرات۔ بے ادبی اور گستاخی کرنے والا عینیہ بن حصن فرازی اپنے ساتھ برادری کے کچھ لوگ لایا۔ لیکن وہ خود ایک بے وقوف آدمی تھا اور دوسرا اقرع بن حابس بنو تمیم کا شاعر تھا۔ جو ستر آدمیوں کو لے کر آیا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ حضور ﷺ قیلولہ فرمارہے تھے۔ انہوں نے باہر زور زور سے آواز دینا شروع کردی۔ اے محمد جلدی باہر آؤ۔ حضور ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا۔ یہ کیا شور مچا رکھا ہے۔ تو انہوں نے کہا ہم اپنے قبیلے کے سردار ہیں۔ ہماری مدح زینت اور ہماری مذمت عیب ہے۔ تو ان کی اس بے ادبی کی وجہ سے ان کی سرزنش کے طور پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور یہ فرمایا۔ (اکثرھم لایعقلون) کہ ان کی اکثریت بے عقل تھے۔ (بے ادب بے عقل ہی ہوتے ہیں) اور ان کی یہ مذمت قیامت تک ہوتی رہے گی اور وہ سارے ہی بے عقل تھے۔ اگر ان میں عقل ہوتی تو یہ جرات نہ کرتے۔ ان کی اتنی بڑی بے ادبی کے باوجود حضور ﷺ نے انہیں کچھ نہیں کہا۔

(آیت نمبر۵) اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود باہر ان کے پاس تشریف لاتے۔ یعنی اپنی مرضی سے باہر آتے۔ آپ ان سے بات فرماتے۔ نہ کہ وہ خود بات شروع کر دیتے۔ کیونکہ یہ بھی بے ادبی ہے تو یہ بات ان کیلئے بہتر ہوتی۔ یعنی ان کی جلد بازی سے یہ بات بہتر تھی۔ اس میں حسن ادب بھی تھا اور تعظیم رسول بھی۔ آگے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ یعنی یہ بے ادب اگر توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کریں تو ان کے لئے مغفرت و رحمت بے حساب ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا

اے ایمان والو اگر لائے تمہارے پاس فاسق کوئی خبر تو تحقیق کر لو۔ کہ کہیں ایذا پہنچاؤ کسی قوم کو

بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ﴿٦﴾

نادانی سے پھر ہو جاؤ اپنے کئے پر پشیمان۔

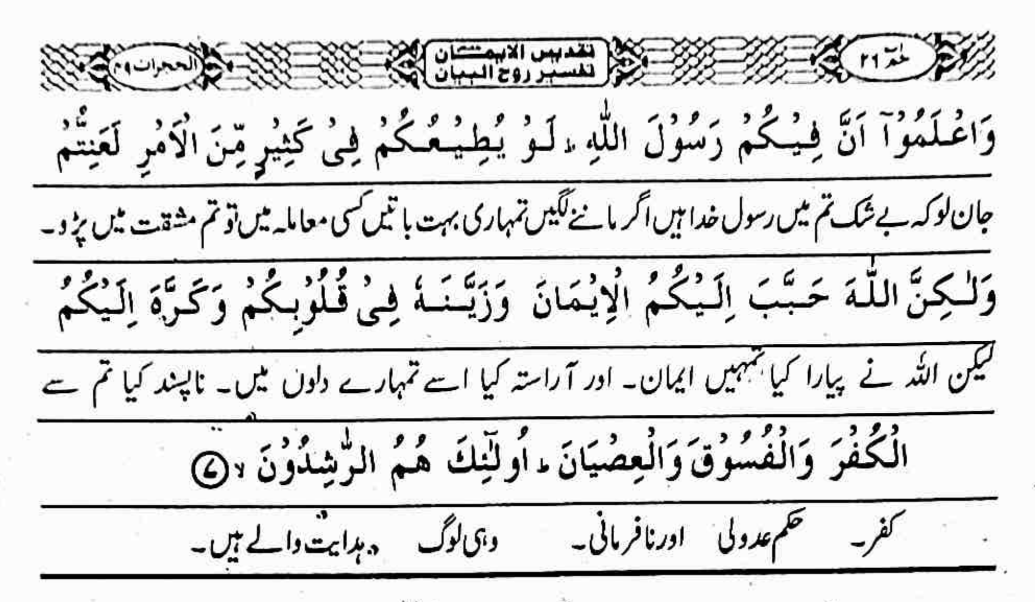
(بقیہ آیت نمبر ۵) **فائدہ**: کاشفی مرحوم نے معنی کیا کہ بے ادبی کے بعد توبہ کرنے والوں کیلئے غفور ہے اور ادب وتعظیم کرنے والوں پر بڑا مہربان ہے۔ **فائدہ**: معلوم ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں نبی کریم ﷺ کی بہت بڑی قدر ومنزلت ہے۔ لہذا ان کا ادب ہر وقت دل میں ہونا ضروری ہے۔

(آیت نمبر ٦) اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لائے۔ جو خبر وحشتناک ہو دل دکھانے والی۔

فائدہ: معلوم ہوا فاسق کی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس سے بچنا از حد ضروری ہے۔ اس سے کسی قسم کا طمع بھی نہ کرے۔ لہذا اس کی خبر کی خوب چھان بین اور تحقیق کرو۔ تاکہ سچ اور جھوٹ واضح ہو جائے کیونکہ فاسق آدمی جھوٹ بولنے سے ذرا دریغ نہیں کرتا۔

شان نزول: ولید بن عقبہ کو نبی کریم ﷺ نے بنی مصطلق کے ہاں صدقات جمع کرنے کیلئے بھیجا۔ اس کی جاہلیت کے دور میں ان سے دشمنی تھی۔ جب یہ ان کے گاؤں کے قریب پہنچا اور وہ لوگ نبی کریم ﷺ کا ایلچی سمجھ کر استقبال کرنے کیلئے آگے آئے۔ تو یہ ان سے ڈر کر واپس بھاگ گیا کہ شاید وہ قتل کرنے آرہے ہیں۔ اس لئے کہ اس نے پہلے ان کا ایک آدمی قتل کیا تھا۔ تو یہ دوڑ کر حضور ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ وہ لوگ تو مرتد ہو گئے اور انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا بلکہ مجھے قتل کرنے لگے تھے۔

ایک روایت یوں ہے کہ اس کی بات سن کر نبی کریم ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ تم خفیہ طور پر جاؤ اور دیکھو اگر وہ شعائر اسلامی ادا کرتے ہوں تو ان سے زکوٰۃ کا مطالبہ کرنا۔ ورنہ ان سے کافروں جیسا معاملہ کرنا۔ انہوں نے جا کر دیکھا کہ وہ اذانیں نمازیں پوری کوشش سے پڑھتے ہیں۔ احکام شرعی میں پوری دلچسپی لیتے ہیں اور زکوٰۃ بھی پوری ادا کی۔ پھر انہوں نے آ کر تمام حالات سے آگاہ کیا تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ آگے فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو تم پہنچاؤ کسی قوم کو نادانی میں کوئی مصیبت پھر ہو جاؤ تم پشیمان اس پر جو تم نے کیا۔



وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ

جان لو کہ بے شک تم میں رسول خدا ہیں اگر ماننے لگیں تمہاری بہت باتیں کسی معاملہ میں تو تم مشقت میں پڑو۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَیْكُمُ

لیکن اللہ نے پیارا کیا تمہیں ایمان۔ اور آراستہ کیا اسے تمہارے دلوں میں۔ ناپسند کیا تم سے

الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ ﴿۷﴾

کفر۔ حکم عدولی اور نافرمانی۔ وہی لوگ ہدایت والے ہیں۔

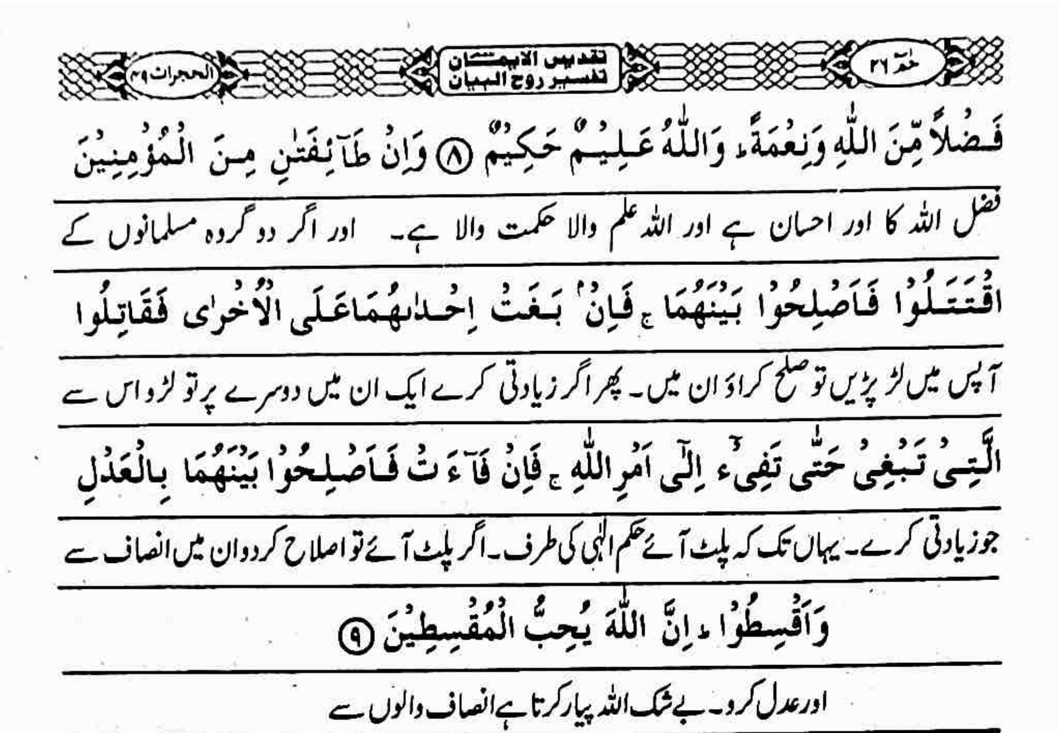
(بقیہ آیت نمبر ۶) **فائدہ**: معلوم ہوا کہ جھگڑا اڑانے والے چغلخور وغیرہ کی باتوں پر اعتبار نہیں کرنا چاہئے۔
مسئلہ: حضور ﷺ نے جھوٹے آدمی کی گواہی قبول نہیں کی اور فرمایا جھوٹا گواہ عشار کے ساتھ جہنم میں ہوگا۔

(آیت نمبر ۷) اور جان لو بے شک اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول ﷺ تم میں موجود ہیں اور تمہارا یہ حال ہے کہ تم چاہتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ تمہارے تمام کاموں میں تمہاری ہی باتیں مانتے رہیں۔ اگر وہ تمہاری بہت ساری باتیں مانیں تو تم ہلاکت میں پڑ جاؤ گے۔ **فائدہ**: جیسے ولید کی باتیں سن کر جنگ کی تیاری کر دی گئی (لیکن تحقیق سے بات اس کے خلاف نکلی)۔ اگر اس کی بات مان لی جاتی تو خواہ مخواہ دو قبیلوں میں جنگ ہو جاتی۔

آگے فرمایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایمان کو بہت پسند فرمایا اور اسے تمہارے دلوں میں خوبصورت کیا۔ **فائدہ**: معلوم ہوا ایمان کا مقام دل ہے۔ زبان نہیں جیسے کرامیہ فرقے کا خیال ہے اور نہ اعمال صالحہ کا نام ایمان ہے۔ جیسے شفعویہ فرقے کا خیال ہے۔ ایمان کا مرکز دل ہے۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ناپسند فرمایا تمہارے لئے کفر وفسق (نافرمانیوں کو)۔

فائدہ: یہ پسند اور ناپسند جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے لطف وامداد کی توفیق بخشی اور ان کو مذکورہ کبیرہ گناہوں سے بچایا اور اچھے اعمال کی توفیق عطا فرمائی۔ آگے فرمایا۔ وہی لوگ سیدھی راہ پر چلنے والے ہیں جو راہ موصل الی الحق ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والی ہے۔



فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑧ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

فضل اللہ کا اور احسان ہے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔ اور اگر دو گروہ مسلمانوں کے

اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا

آپس میں لڑ پڑیں تو صلح کراؤ ان میں۔ پھر اگر زیادتی کرے ایک ان میں دوسرے پر تو لڑو اس سے

الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ

جو زیادتی کرے۔ یہاں تک کہ پلٹ آئے حکم الٰہی کی طرف۔ اگر پلٹ آئے تو اصلاح کردو ان میں انصاف سے

وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ⑨

اور عدل کرو۔ بے شک اللہ پیار کرتا ہے انصاف والوں سے

(آیت نمبر ۸) یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا انعام ہے۔ یعنی یہ اللہ کی پسند و ناپسند کی علت ہے۔ یہ فضل و انعام اور رشد ایک ہی چیز کا نام ہے۔ فرق یہ ہے کہ فضل و انعام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور رشد کی نسبت لوگوں کی طرف۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے علم والا ہے۔ وہی مومنوں کے احوال کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اس لئے اس نے اپنی حکمت سے ان پر فضل و کرم کر کے دوسروں سے ممتاز فرما دیا اور وہ حکیم ہے یعنی وہ جو بھی کرتا ہے۔ اپنی حکمت کے تقاضے کے تحت کرتا ہے۔ **فائدہ**: کاشفی مرحوم فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ صدق و کذب کو جانتا ہے اور اس کے سب کام بندوں کے حق میں مستحکم ہیں۔ وہ حکمتوں والا ہے۔ پختہ اور مضبوط خبریں دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ جہنم کا عذاب بندوں کے اپنے فتنے اور شامت اعمال کی وجہ سے ہے۔

سبق: انسان کو گناہ کے اصرار سے بچنا چاہئے بلکہ ہر حال میں توبہ کر کے حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہئے اگر کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کر لینی چاہئے۔

(آیت نمبر ۹) اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان کے درمیان صلح کرادو۔ یعنی انہیں حکم الٰہی سنا کر یا نصیحت کر دو یا دعا کرو تا کہ وہ صحیح راہ پر آ جائیں۔ بلکہ پوری کوشش کرو کہ ان میں اتفاق ہو جائے۔

مسئلہ: جب لوگوں میں فساد برپا ہو تو ان کی اصلاح کرنا افضل عبادت ہے۔ اسی طرح مظلوم کی مدد کرنا

بھی افضل عبادت ہے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ کیا میں تمہیں وہ کام نہ بتاؤں۔ جس کا درجہ نماز روزے اور صدقہ خیرات سے بھی افضل ہے۔ عرض کی گئی۔ ہاں یارسول اللہ تو آپ نے فرمایا۔ جھگڑنے والوں میں صلح کراوو (سنن ابوداؤد)۔ **فائدہ**: مطرف فرماتے ہیں۔ ہمارے سب سے بڑے خیرخواہ فرشتے ہیں اور سب سے بڑا دھوکہ باز شیطان ہے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرتا ہے۔ نہ رسوا کرتا ہے۔ نہ اسے عیب لگاتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

شان نزول: یہ آیت اوس اور خزرج کی لڑائی ہو جانے پر نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ یعفور پر سوار انصار کی جماعت کے پاس سے گذرے تو ان میں ابن ابی منافق بھی تھا۔ آپ رک گئے آپ کے گدھے نے وہاں پیشاب کیا تو اس منافق نے ناک پہ ہاتھ رکھ لیا اور کہا کہ آپ جائیں۔ آپ کے گدھے نے بدبو سے تکلیف دی۔ آپ تشریف لے گئے۔ عبداللہ بن رواحہ نے اس منافق سے فرمایا۔ حضور ﷺ کے گدھے کا پیشاب تجھ سے اچھی خوشبو والا ہے۔ دونوں میں سخت کلامی پھر بدکلامی پھر دونوں قبیلوں میں لڑائی ہوگئی۔ پھر حضور ﷺ واپس تشریف لائے اور ان میں صلح کرادی۔

فائدہ: منافق اگرچہ مومن نہیں ہیں۔ چونکہ وہ اپنے منہ سے ایمان کو ظاہر کرتے ہیں اس لئے انہیں بھی مومن کہا گیا۔

فائدہ: یاد رہے یہ حکم قیامت تک آنے والے مسلمانوں کیلئے ہے کہ مسلمانوں میں صلح کرائی جائے۔

آگے فرمایا کہ اگر ان دونوں گروہوں میں سے کوئی بغاوت یا حد سے تجاوز کرے۔ پہلے تو اس بغاوت کرنے والے کو نصیحت کی جائے۔ اگر وہ نصیحت کو بھی نہیں مانتا تو پھر لڑو اس سے یعنی باغی گروہ کا مقابلہ کرو۔ یہاں تک کہ وہ باغی گروہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے کہ وہ دشمنی مکمل ختم کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا مطیع بن جائے۔

آگے فرمایا۔ پس اگر وہ گروہ باز آجائے لڑائی سے یا جنگ کرنے سے تو ان میں حکم الٰہی کے مطابق اصلاح کردو۔ ان سے بائیکاٹ بھی ختم کرو۔ لیکن اتنی ڈھیل بھی نہ دو کہ وہ پھر کسی وقت لڑ پڑیں اور ان میں انصاف بھی کرو کیونکہ جنگ چھڑ جانے سے انصاف ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ اس لئے انصاف کی تائید کی گئی۔ اس لئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف والوں سے محبت فرماتا ہے۔ یعنی جو حقدار کو حق دیتے ہیں۔ انہیں اعلیٰ جزائے خیر دے گا۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع

بے شک مومن سب بھائی بھائی ہیں تو صلح کرو درمیان دو بھائیوں کے اور ڈرو اللہ سے تا کہ تم پر رحمت ہو

(آیت نمبر ۱۰) سوائے اس کے نہیں سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ خواہ ولادت یا رضاعت یا قبیلہ کے لحاظ سے یا دینی یا کاروباری لحاظ سے یا دیگر مناسبات سے وہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ آگے فرمایا کہ جب دو بھائیوں میں اصلاح کی ضرورت پڑے۔ یا ان میں کوئی ضرر رساں اختلاف ہو جائے۔ جو فساد کا موجب ہو تو ان کی جلد ہی آپس میں صلح کرادو۔ خواہ اخوۃ نسبی ہے یا اخوت دینی۔

اخوت دینی اخوت نسبی سے زیادہ افضل ہے، کیونکہ اخوت نسبی تغیر پذیر ہے۔ مثلا ایک بھائی مسلمان ہے دوسرا کافر ہے تو وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ یعنی اخوت نسبی اگر اخوت اسلامی سے خالی ہے تو وہ اخوت ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن اخوت اسلامی دنیا اور آخرت میں کبھی ختم نہیں ہوتی۔

اخوت دینی کے حقوق:

جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں مشغول ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کی تمام ضروریات پوری کرتا اور جو کسی مسلمان سے مصیبت دور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بروز قیامت اس کی تمام مصیبتیں دور کرے گا۔ جو کسی مسلمان کا پردہ رکھے اللہ تعالیٰ بروز قیامت اس کا پردہ رکھے گا۔ (صحیح بخاری) جو اپنے لئے پسند کرتا ہے وہ دوسرے بھائی کیلئے بھی پسند کرے۔ جس چیز کو اپنے لئے برا سمجھے وہ بھائی کیلئے بھی بری سمجھے۔

حدیث شریف: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ خود اس پر ظلم کرتا ہے۔ نہ اسے کسی ظالم کے حوالے کرتا ہے۔ جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے۔ جو اپنے بھائی کا دکھ دور کرے۔ اللہ تعالیٰ بروز قیامت اس کے دکھ دور کرے گا۔ (بخاری ۲۴۴۲)

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کیلئے دیوار کی طرح ہے۔ کہ جس کے اجزاء ایک دوسرے میں پیوست ہوتے ہیں۔ (صحیح بخاری: ۶۰۲۶)۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم ایمان والوں کو دیکھو گے۔ کہ وہ ایک دوسرے پر رحم اور محبت کرنے اور دوستی نبھانے میں ایک جسم کی طرح ہیں۔ جب جسم کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے۔ تو سارا جسم بخار اور درد محسوس کرتا ہے۔ (صحیح بخاری ۶۰۱۱))

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ

اے ایمان والو نہ ہنسیں مرد دوسرے مردوں سے ہو سکتا ہے کہ ہوں وہ بہتر ان سے۔

وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ

اور نہ عورتیں عورتوں سے ہو سکتا ہے کہ ہوں وہ بہتر ان سے اور نہ طعنے دو تم آپس میں

وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ

اور نہ آپس میں ایک دوسرے کے نام رکھو۔ کیا ہی برا نام ہے فاسق کہلانا بعد مسلمان ہونے کے اور جو نہ

يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑪

توبہ کریں تو وہی ظالم ہیں۔

(آیت نمبر ۱۱) اے ایمان والو۔ کوئی بھی ایک دوسرے سے ٹھٹھہ مخول نہ کرے۔

فائدہ: قوم کہہ کر افراد مراد لئے ہیں کہ کوئی ایک فرد بھی دوسرے کسی فرد سے بھی مذاق نہ کرے۔ ہو سکتا وہ ان سے بہتر ہوں۔ اس لئے کہ دارومدار خاتمے پر ہے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ بہت پراگندہ بالوں والے غبار آلود پھٹے پرانے کپڑے والے جن پر کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ لیکن ان کا حال یہ ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی بات پوری کر دیتا ہے (ریاض الصالحین)۔ آگے فرمایا نہ عورتیں عورتوں سے ہنسی مذاق کریں۔

شان نزول: بعض بزرگوں نے فرمایا۔ عکرمہ بن ابوجہل مدینہ شریف گئے۔ تو کچھ لوگوں نے انہیں فرعون کا بیٹا کہا تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔ زندوں کو مردوں کی وجہ سے ایذا نہ دو۔

شان نزول: مروی ہے کہ یہ ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی۔ کسی بی بی صاحبہ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو چھوٹے قد والی کہا تو اللہ تعالیٰ نے اس بات سے منع فرما دیا۔ **مسئلہ**: ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ مصیبت باتوں کے ساتھ لگا دی گئیں۔ میں کتے سے بھی مذاق نہیں کرتا مجھے ڈر ہے کہ کہیں کتا ہی نہ بن جاؤں۔ **نکتہ**: مخلوق کو بنانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ لہذا مخلوق پر قبح وحسن ذاتی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ

اے ایمان والوں بچو بہت سارے گمانوں سے بے شک بعض گمان گناہ ہیں ۔

وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ

اور نہ جاسوسی کرو اور نہ غیبت کرے کوئی ایک دوسرے کی۔ کیا پسند کرے گا کوئی تم میں کہ کھائے

لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

گوشت اپنے بھائی مردہ کا تمہیں ناپسند ہوگا وہ اور ڈرو اللہ سے بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے

(بقیہ آیت نمبر۱۱) **حکایت**: لقمان رضی اللہ عنہ کو کسی نے کہا او کالے تو فرمایا تم نقش پر نہیں۔ نقاش پر عیب لگا رہے ہو۔ ہم اللہ تعالیٰ کے قہر وجلال سے پناہ مانگتے ہیں۔ آگے فرمایا اپنوں پر عیب نہ لگاؤ یعنی ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ۔ مسلمان چونکہ سب نفس واحدہ ہیں۔ ایک کی مصیبت سب کی مصیبت ہے۔ ایک پر عیب سب پر عیب ہے۔

ازالہ وہم : اس آیت میں وہ شخص داخل نہیں جو فاسق وفاجر کا فسق ظاہر کرے۔ یا چور کی چوری کو ظاہر کرے۔

حدیث میں ہے قابل مبارک ہے وہ جو لوگوں کے عیب دیکھنے کے بجائے اپنے عیبوں کو دیکھے (اخرجہ البزاز والبیہقی)۔ آگے فرمایا ایک دوسرے کو (برے) القاب نہ دو۔ البتہ اچھے القاب سے پکارنے میں کوئی حرج نہیں۔

حدیث شریف :مسلمان کے حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ اسے اچھے نام سے یاد کرے۔

آگے فرمایا۔ ایمان قبول کرنے کے بعد بہت برا کام ہے مومن کو اسے فسق سے پکارنا یعنی فاسق کہہ کر، یا یزید کہنا، یا کہنا او برے، یہ سخت گناہ ہے۔ اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔

(آیت نمبر۱۲) اے ایمان والو بہت سے گمان کرنے سے بچو۔ **فائدہ**:ظن طاقتور ہو جائے تو اسے علم کہا جاتا ہے۔ جب کمزور ہو جائے تو اسے وہم کہا جاتا ہے۔ ہر ظن میں غور وفکر ضروری ہے۔ جب تک اس کی قسم واضح نہ ہو جائے یعنی مکلف کو ہمہ وقت محتاط رہنا ضروری ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے۔ مومنوں پر اچھا گمان کرو۔ (ابوداؤد)

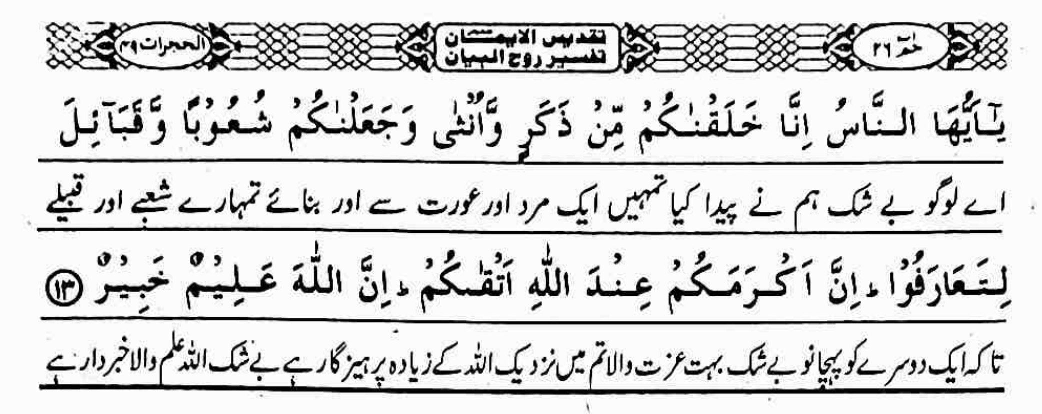
مسئلہ: بعض ظن کفر ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق الٹی سوچ جو اس کی شایان شان نہیں۔ یا نبی کے متعلق اس قسم کا خیال آتے ہی فوراً کہے میں سب انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لاتا ہوں۔

ختم نبوت: پر شک ہو تو بھی کافر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کے اجماعی اور قطعی فیصلے کا انکار جیسے حسنین کریمین کا اولاد رسول ہونے سے انکار کرنا یا خلفاء راشدین کا انکار۔ **مسئلہ**: قطعی احکام میں بھی انکار کرنا کفر ہے۔ **فائدہ**: معلوم ہوا بعض گمان مباح ہیں۔ جیسے دنیوی معاملات میں گمان کرنا۔

مسئلہ: کشف الاسرار میں ہے۔ مباح گمان جیسے نماز صحیح پڑھی یا نہیں یا گمان قبلہ کے بارے میں کہ کس طرف ہے جس کا سوچنا بھی ضروری ہے۔ کاشفی مرحوم فرماتے ہیں قبلہ کے بارے میں سوچنا امور اجتہادی سے ہے۔ بلکہ تمام شرعی عبادات میں سوچ کر غالب رائے پر عمل کرنا چاہئے۔ آگے فرمایا۔ بعض گمان گناہ ہیں۔ جس سے وہ سزا کا مستحق ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اثم وہ ہے۔ جس کے ارتکاب سے بندہ سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔ **فائدہ**: آیت ہذا سے معلوم ہوا کہ اکثر گمان گناہ کی طرف لے جاتے ہیں کیونکہ زیادہ تر گمان جو دل پر آتے ہیں۔ وہ شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔ پھر نفس اس گمان کو مزید خراب کرتا ہے۔ **فائدہ**: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض گمان گناہ نہیں ہوتے یعنی جو نفس کی طرف سے نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ فراست صحیحہ سے ہوتے ہیں اور وہ عالم غیب سے دل میں آتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ لوگوں کی جاسوسی کر کے ان کے عیب نہ نکالو۔ نہ ان کے نقائص تلاش کرو اور نہ تم میں بعض بعض کی غیبت کرے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ سے پوچھا گیا غیبت کیا ہے۔ فرمایا کہ بھائی کی عدم موجودگی میں ایسی بات کرنا۔ جو اسے ناگوار گذرے۔ پوچھا گیا۔ اگر وہ بات اس میں پائی جائے تب بھی۔ فرمایا۔ تب ہی تو غیبت ہے ورنہ تو بہتان ہے (مسلم، ترمذی، ابوداؤد)۔ آگے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی چاہتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ **فائدہ**: یہ طبعاً اور عقلاً انتہائی فحش اور شرعاً نہایت قبیح ہے۔ اور تم ضرور اس کو کھانے سے کراہت کرو گے۔

شان نزول: دو مسلمانوں نے سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ کی عدم موجودگی میں غیبت کی۔ پھر وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ کیا وجہ ہے میں تمہارے منہ کے ساتھ گوشت کی سیاہی دیکھ رہا ہوں (اہل عرب سیاہی کو اسود کہہ دیتے ہیں)۔ گویا حضور ﷺ نے ان کی غیبت کو گوشت کی سیاہی سے تمثیل دی ہے کیونکہ گوشت پرانا ہو کر سیاہ ہو جاتا ہے۔ انہوں نے عرض کی ہم نے تو آج گوشت نہیں کھایا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم نے سلیمان فارسی اور اسامہ کی غیبت کی ہے۔ گویا ان کا گوشت کھایا ہے ایک حدیث شریف میں ہے۔ غیبت زنا سے بھی بدتر ہے۔ اس لئے کہ زنا توبہ سے معاف ہو جائیگا۔ غیبت تب معاف ہوگی جب جس کی غیبت کی وہ معاف کرے گا۔

آگے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔



يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ

اے لوگو بے شک ہم نے پیدا کیا تمہیں ایک مرد اور عورت سے اور بنائے تمہارے شعبے اور قبیلے

لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

تا کہ ایک دوسرے کو پہچانو بے شک بہت عزت والا تم میں نزدیک اللہ کے زیادہ پرہیزگار ہے بے شک اللہ علم والا خبردار ہے

(آیت نمبر ۱۳) اے لوگو۔ بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ یعنی لفظ انسان ہونے میں تم سب برابر ہو۔ لہذا نسب پر کبھی فخر نہیں کرنا چاہئے۔

شان نزول : فتح مکہ کے دن حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا۔ تو انہوں نے کعبے کی چھت پر چڑھ کر اذان دی تو حارث بن ہشام نے کہا کیا رسول اللہ ﷺ کو اس کے علاوہ کوئی اور نہیں ملا۔ اور بھی لوگوں نے اس پر تعجب کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اور بتا دیا۔ کہ عزت کا معیار تقویٰ ہے۔

مسئلہ: ثابت ہوا۔ اصل کفو دینی ہے۔ اسی لئے مرد مبتدع (بدعقیدہ) سنی عورت کا کفو نہیں ہوسکتا۔

آگے فرمایا اور ہم نے تمہیں شاخ شاخ اور قبیلہ درقبیلہ بنایا۔ تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو اور انساب میں کوئی اپنے باپ کے بغیر کسی اور کی طرف اپنے آپ کو منسوب نہ کرے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ جو اپنے آپ کو اپنے اصلی باپ کے علاوہ کسی اور کے ساتھ منسوب کرے گا۔ اسے جنت کی ہوا بھی نہیں لگے گی۔ (مشکوٰۃ) اس سے وہ لوگ عبرت حاصل کریں۔ جو سید نہیں۔ اور سید کہلواتے ہیں۔

فائدہ: اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی اپنے آباء پر یا قبیلے پر فخر کرے۔ قبیلہ صرف پہچان کی وجہ سے بنایا گیا۔

فائدہ: کاشفی فرماتے ہیں۔ دو شخص ہم نام ہوں تو پھر پہچان تمیز قبیلہ سے ہوسکتی ہے۔

آگے فرمایا۔ بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا سب سے زیادہ تقوے والا ہے خواہ وہ کالا حبشی غلام ہو۔ قابل فخر چیز تقویٰ ہے۔ فضل الٰہی اور اس کی رحمت ہے۔

حدیث میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا بروز قیامت میں ساری اولاد آدم کا سردار ہوں مگر میں فخر نہیں کرتا۔ (مسلم شریف) میں تو اپنی عبودیت پر فخر وناز کرتا ہوں۔ اور ایک اور **حدیث** میں فرمایا، فقر میرا فخر ہے۔ (مقاصد الحسنۃ)۔ آگے فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ علم والا خبردار ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ

اعراب نے کہا ہم ایمان لائے۔ فرمادو تم ایمان نہیں لائے لیکن کہو ہم مطیع ہوئے۔ ابھی نہیں داخل ہوا

الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ

ایمان تمہارے دلوں میں اور اگر تم اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی تو نہیں نقصان دیگا تمہیں تمہارا کوئی عمل

شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾

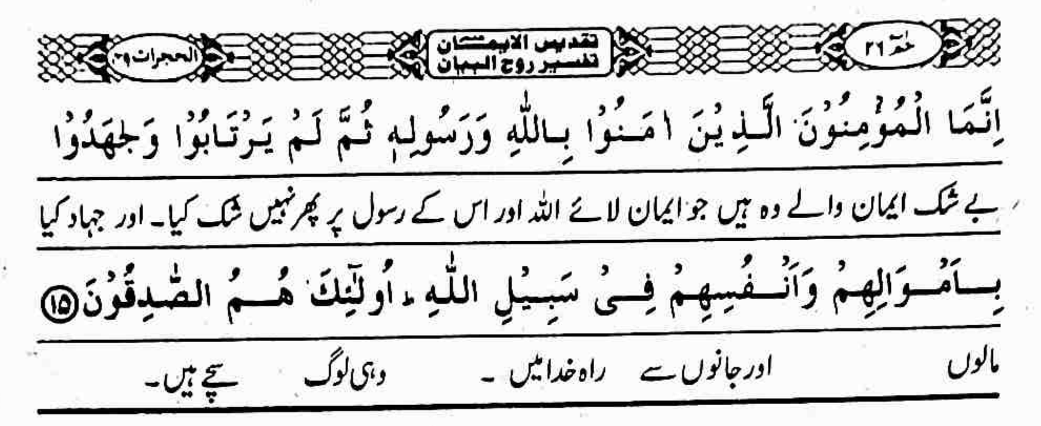
کچھ بھی۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(آیت نمبر ۱۴) اعراب نے کہا ہم ایمان لائے۔ اعراب دیہاتی لوگوں کو کہا جاتا ہے۔

شانِ نزول: بنی اسد کے چند لوگ قحط کے سال مدینے شریف میں بچے اور اہل وعیال کو لے کر حاضر ہوئے اور کہا اور لوگ آپ سے جنگ کرنے آتے ہیں اور ہم ایمان لانے آئے ہیں۔ گویا وہ احسان جتا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ محبوب انہیں بتادو۔ تم ایمان نہیں لائے۔ کیونکہ ابھی تمہیں قلبی ایمان حاصل نہیں ہوا۔ اس لئے ابھی کہو کہ ہم اسلام لائے۔ یا یوں کہو ہم صلح وسلامتی میں داخل ہوئے۔ کیونکہ ابھی تمہارے دلوں ایمان داخل نہیں ہوا۔ گویا تمہارے دل تمہاری زبان کے موافق نہیں۔ اگر چہ بعد میں وہ پختہ ایمان بھی لے آئے تھے۔

آگے فرمایا اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ یعنی مخلص ہو کر اطاعت کرو اور منافقت چھوڑ دو تو وہ تمہارے اعمال میں کچھ بھی کمی نہیں کریگا۔ اور وہ اپنے فضل وکرم سے ایسی جزاء دیگا۔ جس کے وہ لائق ہیں۔ اگر چہ تمہارے اعمال میں نقص ہو یا کمی ہو۔ جزاء پوری ملے گی۔ آگے فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ یعنی اطاعت گذاروں سے اگر کوتاہی بھی ہو جائے تو وہ بخش دیتا ہے اور اپنے فضل کرم بھی کر دیتا ہے۔

مسئلہ: ایمان حقیقت میں تصدیق بالقلب کا نام ہے۔ صرف زبانی اقرار کا نام ایمان نہیں ہے۔ البتہ تصدیق قلبی کیلئے زبانی اقرار شرط ہے۔ **فائدہ**: یہ بھی تفاسیر میں لکھا ہے۔ کہ انہوں نے بڑے بے ادبانہ انداز میں حضور ﷺ کو آوازیں دیں۔ اس لئے فرمایا گیا۔ کہ ابھی تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ سے محبت اور آپ کے ادب کا نام ہی تو ایمان ہے۔



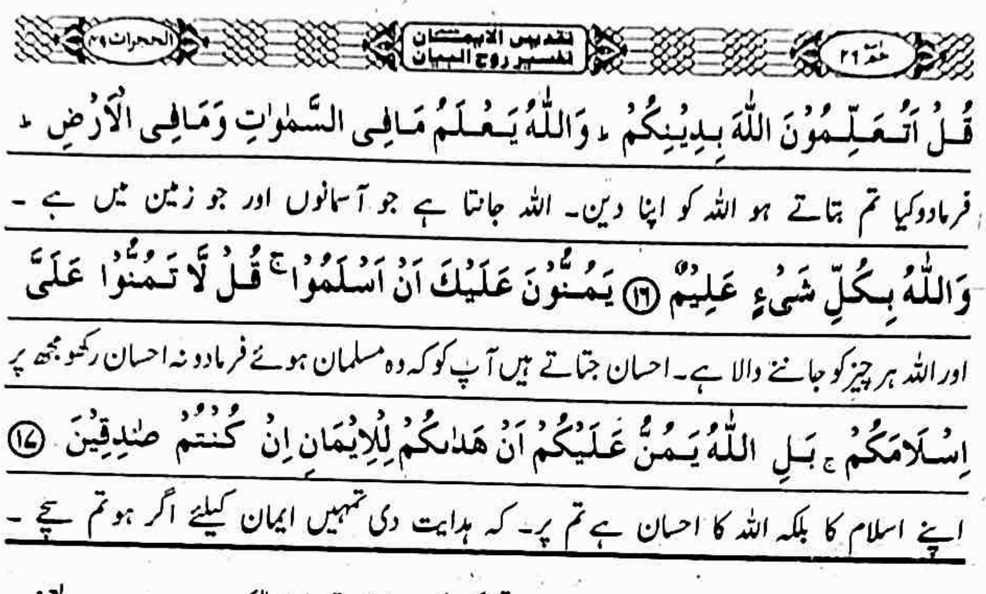
(آیت نمبر ۱۵) سوائے اس کے نہیں مومن وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے۔ پھر انہوں نے شک نہیں کیا۔ یعنی ایمان لانے کے بعد حق پر وہ قائم رہے۔ نہ اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے پر شک کیا۔ نہ حضور ﷺ کے رسول ہونے میں نہ قرآن کے کتاب الٰہی ہونے میں شک کیا۔

فائدہ : کیونکہ ایمان کی شرائط میں ہے شک کا نہ ہونا اور یقین ہونا۔ آگے فرمایا کہ انہوں نے جانوں اور مالوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا۔ گویا اپنی پوری استقامت کا مظاہرہ کیا۔

استطاعت کی تین اقسام: (۱) بدنی۔ (۲) مالی۔ (۳) ملی جلی۔ ان اوصاف کے لوگ ہی دعویٰ ایمان میں سچے ہیں۔ ملی جلی کا مطلب یہ ہے۔ جیسے حج اور جہاد جن میں جان مال دونوں لگتے ہیں۔

فائدہ : معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان بغیر شکوک وشبہات اور علم یقینی کے ساتھ ہونا ضروری ہے۔ **مسئلہ**: اس آیت میں (خشک) دعووں کا رد ہے اور ہر دعوے کا صدق سے موصوف ہونے کی ترغیب ہے۔ **حدیث شریف**: حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ اے ابوبکر سچی بات کرنا اور وعدے کو پورا کرنا اور امانت کی حفاظت کو لازم پکڑنا۔ یہی انبیاء کرام علیہم السلام کی وصیت ہے۔ (حلیۃ الاولیاء، ابونعیم)

حدیث شریف : حضور ﷺ تاجروں کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا۔ اے تاجرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں بروز قیامت فاجروں میں اٹھائے گا۔ مگر وہ تاجر جو تجارت میں سچ بولتے ہیں۔ بات صحیح کرتا ہے اور امانت کو صحیح طور پر ادا کرتا ہے اور جھوٹی قسمیں کھا کر مال فروخت نہیں کرتا۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)



قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ

فرمادوکیا تم بتاتے ہو اللہ کو اپنا دین۔ اللہ جانتا ہے جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے۔

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَىَّ

اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ احسان جتاتے ہیں آپ کو کہ وہ مسلمان ہوئے فرمادو نہ احسان رکھو مجھ پر

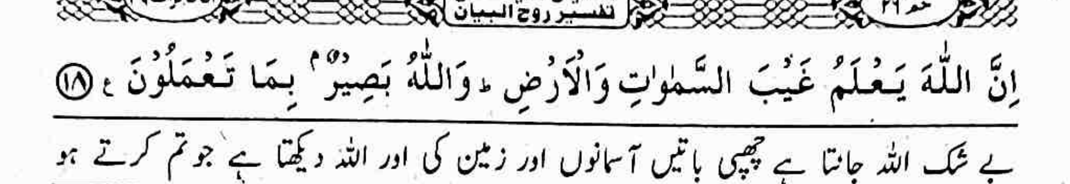
اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾

اپنے اسلام کا بلکہ اللہ کا احسان ہے تم پر۔ کہ ہدایت دی تمہیں ایمان کیلئے اگر ہو تم سچے۔

(آیت نمبر ۱۶) اے محبوب فرمادیں۔ ان دیہاتی لوگوں کو بتاؤ کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنا دین بتارہے ہو۔ یعنی یہ "آمنا" کا لفظ پکار کر اللہ تعالیٰ کو اطلاع دے رہے ہو۔

نکتہ: یہاں ان اعرابیوں کی مذمت بیان کی ہے کہ جنہوں نے حضور ﷺ کو حجروں سے بلا کر اپنے اسلام کا احسان جتایا۔ انہیں فرمایا تمہیں اللہ تعالیٰ کو اپنا دین بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ اس سے کوئی شی مخفی نہیں ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں یا زمین میں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کے بننے سے پہلے اس کی کیفیات کو جاننے والا ہے۔ یہاں تک کہ وہ لوگوں کے دلوں میں چھپے ہوئے کفر اور ایمان کو بھی جانتا ہے۔ اس لئے اسے اس کی کوئی محتاجی نہیں کہ کوئی اسے اپنے ایمان کی خبر دے۔ **فائدہ**: گویا اس آیت میں ان کی جہالت پر مزید توبیخ ہے اور یہ بھی بتایا کہ ہر قسم کے جھوٹے دعووں سے بچ کر رہو۔

(آیت نمبر ۱۷) وہ آپ پر احسان رکھتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئے۔ یہ تو نہایت قبیح عمل ہے (کہ بندہ ایمان لانے کا احسان اللہ پر یا رسول پاک پر رکھے)۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں عظمت وشان والا رسول عطا فرمایا اور اس کا تم پر احسان ہے اس نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی۔ آگے فرمایا۔ اے میرے محبوب ان سے فرمادو۔ تم اپنے اسلام لانے کا مجھے احسان نہ جتاؤ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا کہ تمہیں اس نے ایمان کی طرف ہدایت عطا کی۔ یعنی اس کی تم پر خاص مہربانی ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کی دولت سے نوازا۔ لہٰذا ایمان لا کر اپنی خوش نصیبی سمجھو اگر تم اپنے ایمان کے دعوے میں سچے ہو۔



15

(آیت نمبر ۱۸) بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے غیبوں کو جانتا ہے۔ یعنی زمینوں اور آسمانوں میں اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ خواہ وہ پوشیدہ ہوں یا ظاہر۔

فائدہ: بقلی مرحوم فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز غیب نہیں ہے کیونکہ غیب پوشیدہ چیز کو کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کیلئے تو تمام اشیاء عیاں ہیں۔ پھر اس سے کوئی چیز کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے۔ **فائدہ**: اگر بندہ یہ سمجھے کہ اعمال واحوال میری نفس سے ہیں تو یہ شرک ہے۔ اگر یہ کہے میرے رب کی طرف سے ہیں۔ تو یہ توحید ہے۔

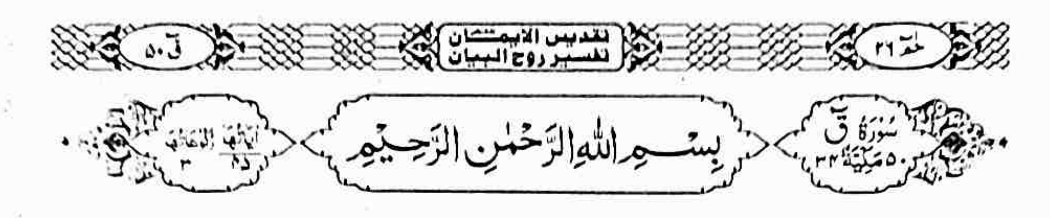
حضور نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تورات کی جگہ طوال مفصل عطا کیں۔ **طوال مفصل**: سورۂ حجرات سے لیکر والسماء ذات البروج تک ان سورتوں کو فقہاء طوال مفصل کہتے ہیں۔ یہ صبح اور ظہر کی نماز میں ان سورتوں سے کوئی سورت پڑھی جائے۔

اوساط مفصل: سورۂ بروج سے البینہ تک سورتوں کو اوساط مفصل کہا جاتا ہے۔ یہ عصر اور عشاء کی نماز میں پڑھی جاتی ہیں **قصار مفصل**: سورۂ زلزال سے الناس تک کی سورتوں کو قصار مفصل کہا جاتا ہے یہ سورتیں مغرب کی نماز میں پڑھی جاتی ہیں۔ **فائدہ**: ایک روایت میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے تورات کی جگہ سات لمبی سورتیں عطا کیں۔ یعنی سورۂ بقرہ سے اعراف تک اور فرمایا کہ انجیل کی جگہ دوسو آیات عطا کیں اور زبور کی جگہ سورۂ فاتحہ عطا کی۔

بدعت حسنہ: یہ تقسیم حضور ﷺ کے بعد ہوئی۔ تیس پارے اور سات منزلوں اور رکوعات اور حرکات لگانا سب بعد میں ہوا۔ کوئی کام حجاج نے کیا۔ کوئی مامون عباسی نے۔ اگر ہر بدعت گمراہی ہے تو اسے کیا کہیں گے۔ اسی طرح آیت کے اختتام پر گول نشان نصر بن عاصم نے لگایا۔ بعض نے کہا۔ یہ ابوالاسود کلی نے کیا۔ شدیں، مدیں اور کھڑی زبر زیر خلیل نحوی کا کارنامہ ہے۔

جلد ۹

اختتام سورۃ: مورخہ ۳ فروری ۲۰۱۷ء بمطابق ۶ جمادی الاول ۱۴۳۸ھ بروز جمعہ بعد نماز عصر



قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۚ ①

قسم ہے قران بزرگی والے کی

(آیت نمبرا) ق سورۃ کا نام ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ محمد بن کعب نے فرمایا یہ قادر کا پہلا حرف ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ یہ مخفف ہے۔ "قل یا محمد والقرآن المجید"۔

شان رسالت : علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ق سے مراد حضور ﷺ کا وہ قیام ہے جو کل کائنات کے بننے سے پہلے بنا۔ حدیث نور کی تشریح کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو ۱۲ ہزار سال مقام قرب میں قیام کی حالت میں رکھا۔ پھر ۱۲ ہزار سال مقام حب میں رکھا۔ اس طرح اٹھائیس منزلوں میں رکھا۔ مولانا عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ قرن ہا اندر رکوع استادہ بود۔ یعنی کئی صدیاں، قیام میں اور کئی صدیاں رکوع اور سجدے میں آپ رہے۔

بارہ کا ہندسہ: اس لئے کہ "لا الہ الا اللہ" کے بھی بارہ حرف اور محمد رسول اللہ کے بھی ۱۲ حرف ہیں۔

کل مومن حضور ﷺ کے نور سے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے کوہ قاف کی قسم کھائی گئی ہو۔

آگے فرمایا۔ قسم ہے قرآن مجید کی جو تمام کتابوں میں سب سے زیادہ بزرگی اور شرافت والا ہے۔ مجید مجد سے بنا۔ جس کا معنی بزرگی والا۔ یا اس سے مراد وہ شخص جو اس کے معانی کو جانتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔ اور اس وجہ سے اس نے اللہ تعالیٰ کے ہاں مجد و شرف والا مرتبہ پایا۔

فائدہ: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ مجید وہ شرافت والی ذات ہے۔ جس کے افعال خوبصورت جس کی عطا بہت زیادہ ہے۔

بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ

بلکہ انہیں تعجب ہے کہ تشریف لایا ان میں ڈرانے والا ان میں سے۔ تو کہا کافروں نے یہ چیز

عَجِیْبٌ ﴿۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ ﴿۳﴾

بڑی عجیب ہے۔ کیا جب مر کر ہم مٹی ہوجائیں گے یہ اس طرح پلٹنا دور ہے۔

(آیت نمبر۲) بلکہ تعجب کیا انہوں نے۔ یعنی قریشی فرعونوں اوران کے سرکش لوگوں نے بڑا تعجب کیا کہ ان کے پاس وہ ڈرانے والا آیا۔ جو ان کی ہی جنس سے ہے۔ اس لئے انہیں تردد ہوا۔ بلکہ اس کی مخالفت پر انہوں نے بڑی جرات کی اوراس بات کوانہوں نے عجائبات سے سمجھا لیکن انہوں نے کسی برہان یا کسی دلیل سے نہیں جھٹلایا۔ نہ ان کے پاس کوئی معرفت تھی۔ بلکہ کافروں نے بڑے تعجب سے کہا۔ ان کے تعجب سے مراد ان کا انکار ہے۔

فائدہ: انہیں تعجب کئی باتوں میں تھا: (۱) یہ کہ یہ نبی ہماری جنس سے یعنی انسان ہے۔ (۲) ہم مکے کے سرداروں میں سے کیوں نہیں۔ (۳) مرنے کے بعد زندہ ہونا یہ کیونکر ممکن ہے۔ یہ تو ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس سے پہلے کبھی ہوا ہی نہیں۔ (حالانکہ یہ ان کی جہالت کی دلیل ہے)۔ (۴) مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو تعجب سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ ان کے سامنے زمین مردہ (خشک) ہوتی ہے۔ پھر وہاں سے ہی سبزہ اگتا ہے۔ اسی طرح دن جاتا ہے رات آتی ہے (درجنوں مثالیں ہیں)۔ کوئی غور نہ کرے تو کیا کیا جائے۔

(آیت نمبر۳) کافروں نے مزید تعجب سے کہا کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اورمٹی ہوجائیں گے۔ یعنی مرنے کے بعد ہمارے جسم اورروح الگ الگ ہوجائیں گے۔ پھر ہمارے اورمٹی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوگا۔ تو کیا ہم پھر دوبارہ زندہ ہوکر اٹھیں گے۔ جیسا کہ ہمیں یہ ڈرانے والے (نذیر) کہہ رہے ہیں۔ لیکن اس نذیر کے کہنے میں اور ہمارے خیالات میں۔ بہت بڑا فرق ہے۔ اس لئے کہ کیسے موت کے بعد زندگی مل سکتی ہے۔ یہاں ہمزہ انکار کیلئے ہے۔ یعنی نہ ہم لوٹیں گے۔ نہ ہم قبروں سے اٹھیں گے کیونکہ ہمارا یہ لوٹنا دوبارہ زندہ ہونا۔ یہ تو بڑے دور کی بات ہے۔ یعنی وہم وخیال ہی ہے یا سچائی سے یہ بات بہت بعید ہے۔ یہ نہ ہوسکنے والی بات ہے کیونکہ جب مٹی مٹی سے مل جائے گی۔ پھر تو اس کا امتیاز ہی مشکل ہوجائیگا۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ پہلا انسان بھی مٹی سے بنا۔ تو دوبارہ کیوں نہیں بن سکتا۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ④

تحقیق ہمیں علم ہے جو گھٹاتی ہے زمین ان میں سے۔ اور ہمارے پاس کتاب ہے یاد رکھنے والی۔

(بقیہ آیت نمبر۳) **مسئلہ** : ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ جب جسم گل سڑ کر مٹی کے ساتھ مل جائیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ بروز قیامت انہیں زندہ فرمائے گا تو کیا یہی اصلی جسم ہوں گے یا کوئی اور جسم ہوں گے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسی جسم دنیوی کو واپس لوٹائے گا جو اسکے برعکس کہتا ہے وہ غلطی پر ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ بنی آدم کا جسم زمین میں اگر گل سڑ بھی جائے گا تو ریڑھ کی ہڈی بچ رہے گی۔ جس سے دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ (بخاری ومسلم)

(آیت نمبر۴) تحقیق ہمیں معلوم ہے۔ جو زمین میں سے کم ہوتا ہے۔

فائدہ :یہ کفار کے وہموں کا ازالہ ہے اوران کے قول کا رد ہے جو انہوں نے کہا کہ قیامت کے دن زندہ ہونا بڑی بعید بات ہے۔تو ان کے جواب میں فرمایا کہ ہماری قدرت سے یہ بات بعید نہیں ہے۔اس لئے کہ جس ذات کے علم کا یہ حال ہے کہ زمین نے جسم کا گوشت اور پوست اور ہڈیاں جو کھائی ہیں۔ وہ ذرے کہاں کہاں ہیں۔اس ذات کیلئے کیسے بعید ہے کہ وہ پہلے ہی کی طرح دوبارہ بنادے۔وہ "علی کل شیء قدیر" ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام جسموں سمیت زندہ ہیں:

ان کے پاک جسموں کو مٹی نہیں کھاسکتی کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ نبیوں کے جسموں کو کھائے۔(قال حاکم حدیث صحیح علی شرط البخاری) اسی طرح اولیاء اور شہداء کے جسم بھی صحیح سلامت رہتے ہیں۔ ہزاروں واقعات اس پر شاہد ہیں۔(تفسیر قرطبی)

فائدہ:بعض اصولی اس طرف بھی گئے ہیں کہ قیامت کے دن جو جسم ہوں گے وہ اس دنیا والے جسم کے علاوہ ہونگے۔ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات قرآن کے ظاہر کے خلاف ہے۔اس لئے کہ اگر وہ اجسام ان کے علاوہ ہوں گے تو ہاتھ پاؤں گواہیاں کیسے دیں گے کیونکہ وہ تو دنیا والے نہیں۔ جو گناہ کرتے رہے۔

آگے فرمایا کہ ہمارے پاس محفوظ کتاب ہے۔یعنی اس میں کوئی تغیر تبدل نہیں کرسکتا۔سب کچھ ہماری بہت بڑی کتاب میں محفوظ ہے۔اس سے مراد لوح محفوظ ہے۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۝۵ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا

بلکہ جھٹلایا انہوں نے حق کو جب وہ آیا ان کے پاس تو وہ بڑی الجھن میں ہیں۔تو کیا نہیں دیکھا انہوں نے

اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝۶ وَالْاَرْضَ

آسمان کو اپنے اوپر کیسے ہم نے اسے بنایا۔ اور زینت دی اسے اور نہیں اس میں کوئی رخنہ۔ اور زمین کو

مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝۷

ہم نے پھیلایا اور ڈالے ہم نے اس میں پہاڑ۔ اور اگائے ہم نے اس میں ہر قسم کے جوڑے بارونق۔

(آیت نمبر۵) بلکہ انہوں نے حق کو جھٹلایا اور بغیر سوچ سمجھے جھٹلایا۔ گویا اس مسئلے پر تعجب کرنا اتنا خطرناک نہیں جتنا ان کا جھٹلانا خطرناک ہے۔محض انہوں نے باپ دادا کی غلط تقلید کی وجہ سے حق کو جھٹلا دیا۔ جب ان کے پاس آیا۔صرف سرکشی اور عناد کیوجہ سے انکار کیا۔ حالانکہ انہوں نے کئی معجزات بھی دیکھے جو واضح طور پر آپ کی حقانیت پر شاہد تھے۔لیکن پھر تکذیب کی۔ کیونکہ ان کا حسد انہیں ایمان لانے سے باز رکھتا تھا اور وہ امر مضطرب میں تھے۔اسی لئے کبھی جادوگر کبھی کاہن اور کبھی اپنی طرف سے بات گھڑنے والا کہتے تھے۔کبھی شاعر کبھی مجنون۔

(آیت نمبر۶) کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کیسے بنایا۔ کہ ستون کے بغیر انتہائی بلند ہے۔کیا یہ اتنے بڑے ناسمجھ ہیں۔ یہ دیکھتے نہیں کہ کیسا عالی شان بنایا۔ جو قدرت کا عظیم شاہکار ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے ستاروں سے مزین فرمایا اور ان میں کہیں کوئی رخنہ بھی نہیں۔انتہائی صاف وشفاف۔ ہر عیب وخلل سے سلامت ہے۔ دوسری جگہ فرمایا کیا تم اس میں کوئی رخنہ دیکھتے ہو۔ اور اس میں دروازے یا فرشتوں کیلئے آنے جانے کے راستے بنائے لیکن وہ رخنہ نہیں۔آسمانوں کے دروازے اس کی خوبصورتی کا باعث ہیں۔

(آیت نمبر۷) اور ہم نے زمین کو بچھا دیا۔یعنی ہر طرف پھیلا دیا۔ اس کا آغاز خانہ کعبہ والی جگہ سے کیا اور اس زمین پر پہاڑ ڈالے جن کی وجہ سے زمین مضبوط ہوگئی۔ ورنہ زمین پانی پر ہونے کی وجہ سے ہچکولے کھا رہی تھی۔مختلف سمتوں کی طرف جھک جاتی تھی۔ اس پر کسی کا ٹھہرنا ناممکن تھا۔ جب اس پر پہاڑ رکھے گئے تو پھر اس کو قرار آ گیا۔ فرشتے بھی پہاڑوں کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔بعض بزرگوں نے فرمایا کہ زمین پر اوتاد (میخیں) اللہ کے ولی ہیں کیونکہ جب یہ نہیں ہونگے تو زمین کو قرار نہیں رہے گا۔ زمین پر زلزلے ہوں گے۔

تَبۡصِرَةً وَّذِكۡرٰى لِكُلِّ عَبۡدٍ مُّنِيۡبٍ ﴿۸﴾ وَنَزَّلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا

بصیرت افروز اور یاد دہانی ہے ہر بندے رجوع والے کیلئے۔ اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی بابرکت

فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الۡحَصِيۡدِ ﴿۹﴾

پھر اگائے اس سے باغات اور دانے فصل کاٹ کر۔

(بقیہ آیت نمبر ۷) آگے فرمایا کہ ہم نے اس زمین میں ہر قسم کے جوڑے جو خوبصورت پر رونق خوش ذائقہ انگوریاں اور درخت پیدا فرمائے۔ یہ سب ہماری قدرت کی علامات ہیں۔

(آیت نمبر ۸) راہ دکھانے اور نصیحت حاصل کرنے کیلئے۔ یعنی ہم نے جو کچھ بنایا وہ لوگوں کے فائدے اور ان کو راہ دکھانے اور نصیحت دینے کیلئے یا عبرت حاصل کرنے کیلئے یا استدلال کیلئے اور یہ نصیحت ہے ہر اس بندے کیلئے جو اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہے اور اس کی عجیب و غریب کاریگریوں میں غور و فکر کرنے والا ہے۔

فائدہ: بعض حضرات نے تبصرہ و ذکری سے مراد شریعت اور طریقت لی ہے۔

سبق: عقلمند پر لازم ہے کہ وہ ذکر حکیم میں مشغول رہے اور اس کی صفت عظیم میں غور و فکر کرے اور ایسی توحید کا قائل ہو۔ جو اس کی شان کے لائق ہو اور اس کی طرف ایسا رجوع کرے کہ پھر قیامت آ جائے مگر اس کا منہ اس ذات کی طرف سے ہرگز نہ پھرے۔ ہمہ وقت وہ ذات اس کے مدنظر رہے۔ اور اس سے ڈرتا رہے۔

(آیت نمبر ۹) اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا یعنی جو لوگوں کی ضروریات جانوروں کی حیات ویران علاقوں کی آبادیات کیلئے انتہائی مفید ہے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے۔ بارش کا پانی زمین کے اجزاء میں سال بھر رہتا ہے۔ جس سے گھاس پودے وغیرہ نکلتے ہیں۔ آگے فرمایا۔ ہم نے اس پانی سے زمین میں باغات اگائے جن میں ہر قسم کے پھل والے درخت نکالے۔ اور آگے فرمایا کہ کھیتوں میں دانے نکالے۔ یعنی گندم جو۔ باجرہ۔ جوار وغیرہ ہر قسم کے پھل اور دانے اسی ذات نے نکالے۔ یعنی وہ اجناس نکالیں کہ جن سے انسان کی غذا بنتی ہے۔ حب کا معنی دانہ ہے اس کی تخصیص مقصود بالذات ہے۔ باقی چیزیں بالطبع ہیں۔

وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۙ﴿۱۰﴾ رِزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً

اور کھجور کے لمبے درخت جن کے گچھے گندھے ہوئے ہیں۔ روزی ہے بندوں کیلئے اور ہم نے زندہ کئے اس سے شہر

مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ﴿۱۱﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ

مردہ۔ یوں (ہی قبروں سے) نکلنا ہے۔ جھٹلایا ان سے پہلے قوم نوح اور رس والوں

وَثَمُوْدُ ۙ﴿۱۲﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ۙ﴿۱۳﴾

اور قوم ثمود نے۔ قوم عاد اور فرعون اور لوط کی قوم نے

(آیت نمبر۱۰) اور کھجور جو آسمان کی طرف انتہائی لمبی اور خلقت کے لحاظ سے بھی عجیب درخت ہے۔ کھجور کا ذکر باقی درختوں سے الگ اس لئے کیا کہ اس کی فضیلت اور بزرگی بہت زیادہ ہے۔ ان فضائل کا ذکر سورہ یاسین میں گذر چکا ہے۔ آگے فرمایا کہ اس کے گابھے تہہ بہ تہہ ہیں۔ یعنی پھل بہت زیادہ ہیں۔

(آیت نمبر۱۱) بندوں کیلئے یہ رزق ہے۔ یہ تبصرۃً اور ذِکرٰی کی علت ہے۔ یعنی بندہ ان چیزوں سے نفع اٹھاتے وقت اور رزق استعمال کرتے وقت تبصرہ اور ذکریٰ پر نظر رکھیں۔ یعنی ان سے نصیحت حاصل کریں۔

فائدہ: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مذکورہ اشیاء کے ذکر سے اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی قدرت پر استدلال ہے کہ وہ اتنی بڑی بڑی چیزوں کے بنانے پر قادر ہے۔ جنت کی کھجوریں درخت کی جڑوں سے اوپر سرے تک تہہ بہ تہہ ہونگی۔ جبکہ دنیوی کھجوریں صرف درخت اوپر ہوتی ہیں۔ (جنت کی کھجوریں بظاہر دنیوی کھجوروں کی طرح ہوں لیکن ذائقہ کے لحاظ سے دنیوی کھجوروں سے سینکڑوں گنا اعلیٰ ہونگی)۔ آگے فرمایا۔ یہ بندوں کیلئے رزق ہے۔ جس طرح ہم نے ویران شہروں کو آباد کیا۔ اسی طرح مرنے کے بعد اٹھنا ہوگا۔

(آیت نمبر۱۲) ان مکہ والوں کی طرح ان سے پہلے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم نے اسی طرح کنویں والوں نے جو ثمود کے بقایا لوگ تھے۔ انہوں نے اپنے نبی حنظلہ بن صفوان کو جھٹلایا اور قوم ثمود نے صالح علیہ السلام کو جھٹلایا۔ چونکہ ان کی آبادی میں ایک کنواں تھا۔ جہاں سے پورا علاقہ سیراب ہوتا تھا۔ اس لئے انہیں اصحاب الرس یعنی کنویں والے کہا گیا۔

(آیت نمبر۱۳) اور قوم عاد یعنی حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے حضرت ہود کو اور فرعون نے جناب موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو جھٹلایا اور لوط علیہ السلام کی بستی والوں نے انہیں جھٹلایا۔ سگے بھائی تو نہ تھے۔ البتہ سسرالی رشتہ والے تھے۔

وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾

اور بن والوں اور قوم تبع نے۔ ہر ایک نے جھٹلایا رسولوں کو تو ثابت ہوا وعدۂ عذاب

اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۵﴾

کیا ہم تھک گئے بنا کر پہلی بار۔ بلکہ وہ شبہ میں ہیں بننے نئے سے

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۖۚ وَنَحْنُ

اور تحقیق پیدا کیا ہم نے انسان کو اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ ڈالتا ہے اس کا نفس۔ اور ہم

اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾

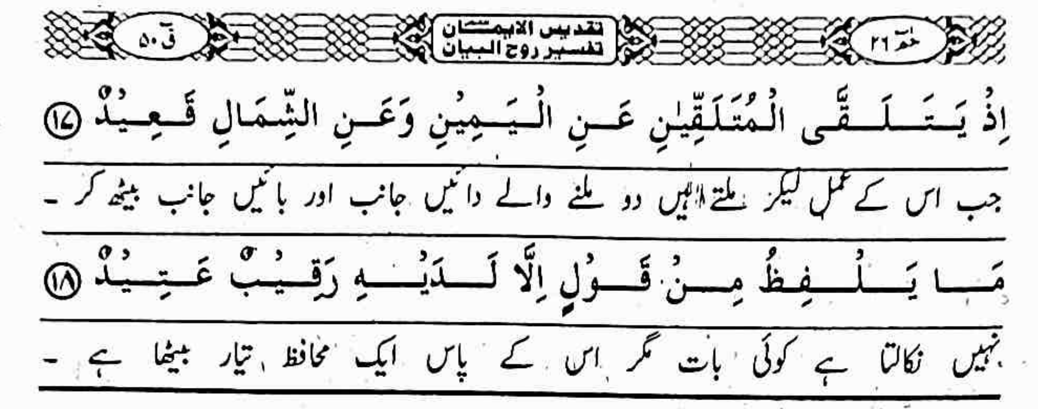
بہت قریب ہیں اسے اس کی شہ رگ سے۔

(آیت نمبر۱۴) اور جھاڑیوں والوں نے شعیب علیہ السلام کو اسی طرح تبع کی قوم یعنی یمن والوں نے۔ اپنے نبی کو ان کا تفصیلی ذکر سورۂ دخان میں گذر گیا۔ ان سب نے رسولان گرامی قدر کو جھٹلایا (یاد رہے ایک نبی کو جھٹلانا سب کو جھٹلانا ہے) ان پر ثابت ہوگئی وعید (عذاب) جوان پر لازم ہوگیا۔ اور ان پر ایسا عذاب اترا کہ انہیں نیست و نابود کر گیا۔ اسی لئے آخرت کا عذاب بھی ان کیلئے لازم کر دیا گیا۔

(آیت نمبر۱۵) تو کیا ایک دفعہ بنا کر ہم تھک گئے ہیں؟ یا عاجز ہوگئے کہ دوبارہ نہیں بنا سکتے یا تمہیں قیامت کے دن دوبارہ زندہ نہیں کر سکتے۔ بلکہ یہ لوگ اصل میں التباس میں ہیں۔ یعنی نئی تخلیق کے بارے میں خلط ملط ہوگئے ہیں۔ نئی خلق سے مراد دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ **فائدہ:** کاشفی لکھتے ہیں۔ مشرکین اس بات کو مانتے تھے کہ مخلوق کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی نے سب کچھ پیدا کیا۔ لیکن شیطان نے انہیں وسوسہ ڈالا کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا۔ حالانکہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ دوبارہ تو اسی مادے میں زندگی رکھنی ہے لیکن وہ لوگ اصل میں قیامت کے ہی منکر ہیں۔

(آیت نمبر۱۶) اور تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو اور ہم جانتے ہیں جو اس کے نفس میں وسوسے آتے ہیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ انسان کے پیدا ہونے سے پہلے جیسے جانتا تھا۔ ایسے ہی ان کے پیدا ہونے کے بعد بھی جانتا ہے۔ پہلا علم بالقوۃ دوسرا علم بالفعل ہے۔ مخلوق کی کوئی چیز اس پر مخفی نہیں ہے۔



اِذْ یَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ﴿۱۷﴾

جب اس کے عمل لیکر ملتے ہیں دو ملنے والے دائیں جانب اور بائیں جانب بیٹھ کر۔

مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ﴿۱۸﴾

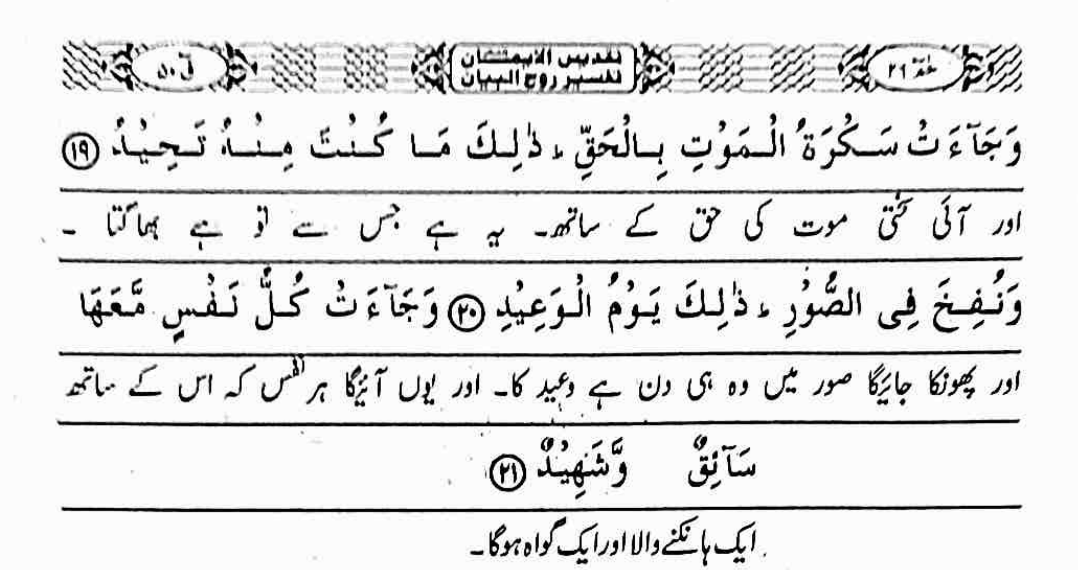
نہیں نکالتا ہے کوئی بات مگر اس کے پاس ایک محافظ تیار بیٹھا ہے۔

کیونکہ ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ یعنی اس کے تمام احوال کو جانتے ہیں۔ ''ورید'' ان دو رگوں کو کہا جاتا ہے۔ جنہوں نے گلے کے اگلے حصہ کو گھیرا ہوا ہے۔ ماوردی کہتے ہیں ورید وہ رگیں ہیں جو دل کے قریب ہے۔ جن سے خون دل تک پہنچتا ہے۔

(آیت نمبر ۱۷) جب دو فرشتے جو انسان کے دائیں اور بائیں اعمال لکھنے کیلئے مقرر ہیں وہ ایک دوسرے کو مل کر ایک دوسرے سے لیتے اور دیتے ہیں اور جو کچھ انسان بولے۔ وہ لکھ کر اپنے پاس محفوظ کر لیتے ہیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ فرشتوں کے حاصل کردہ سے بے نیاز ہے کیونکہ اس کے علم محیط تک فرشتے نہیں پہنچ سکتے۔ بروز قیامت فرشتے نامہ اعمال لیکر حاضر ہوں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کو دکھانے کیلئے نہیں کیونکہ وہ تو تمام تفاصیل سے بھی باخبر ہے۔ بلکہ انسان کو بتانے کیلئے کہ ایک دن تیرا اعمالنامہ کھلے گا تا کہ وہ گناہوں سے بچ جائے اور نیک کاموں میں دل لگائے۔ لہذا فرمایا کہ وہ دونوں فرشتے انسان کے دونوں کندھوں پر بیٹھنے والے ہیں۔ یعنی وہ ہمارے نگران بھی ہیں اور اعمال کو لکھنے والے بھی ہیں۔

(آیت نمبر ۱۸) آدمی نہیں نکالتا منہ سے کوئی بات بھلی یا بری مگر اس کے قریب ایک محافظ فرشتہ انتظار میں ہوتا ہے۔ یعنی لکھنے کیلئے وہ ہر وقت تیار رہتا ہے۔ دائیں جانب والا نیکی اور بائیں جانب والا برائی لکھتا ہے۔ منہ سے جو بھی نکلے حتیٰ کہ بیمار کے کراہنے کی آواز نکلے تو وہ بھی لکھ لیتے ہیں۔ جماع یا قضائے حاجت کے وقت انسان سے الگ ہو جاتے ہیں۔ مرنے کے بعد فرشتے اسی مومن کی قبر پر جس کے اعمال لکھتے رہے اللہ تعالیٰ کے حکم پر قیامت تک تسبیح وتہلیل کہہ کر ثواب میت کے کھاتے میں بھیجتے رہتے ہیں۔ بندہ فرشتوں کی حفاظت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر اس قدر نظر عنایت ہے کہ ہر بندے پر دو فرشتے مقرب نگران مقرر فرما دیئے۔ انسان بیٹھے تو ایک اس کے دائیں اور دوسرا بائیں جانب کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب سوئے تو ایک سرہانے اور دوسرا پاؤں کی طرف کھڑا رہتا ہے اور جب چلتا ہے تو ایک آگے اور ایک پیچھے اور ایک جوڑا دن کو دوسرا رات کو حفاظت کرتا ہے۔



وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿۱۹﴾

اور آئی سختی موت کی حق کے ساتھ۔ یہ ہے جس سے تو ہے بھاگتا۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿۲۰﴾ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا

اور پھونکا جائیگا صور میں وہ ہی دن ہے وعید کا۔ اور یوں آئیگا ہر نفس کہ اس کے ساتھ

سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿۲۱﴾

ایک ہانکنے والا اور ایک گواہ ہوگا۔

(آیت نمبر ۱۹) اور آئی موت کی سختی شدت کے ساتھ اور حق کی طرف سے جو عقل پر غالب آ جائیگی۔ موت کے وقت ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ بندہ نیک بخت ہے یا بد بخت اور یہ حقیقت ہے اسی لئے موت کی شدت کو حق کے ساتھ ملتبس کر دیا۔ یعنی موت اللہ تعالیٰ کے حکم سے آئی اور وہ حق ہے۔ آگے فرمایا یہ وہ ہے جس سے تو بھاگتا پھرتا ہے۔ **جناب صدیق اکبر کا یقین:**

فائدہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ابا حضور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر موت کے سکرات طاری ہوئے تو میں رونے لگی۔ جب انہیں افاقہ ہوا تو انہوں نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ **حدیث قدسی**: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ میں کسی چیز کے متعلق اتنا توقف نہیں کرتا۔ جتنا مومن کی موت پر توقف کرتا ہوں (رواہ البخاری)۔ مثلاً کہتا ہوں ابھی ٹھہر جاؤ۔ **فائدہ**: اس کی وجہ علماء نے یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرماتے ہیں۔ ابھی ٹھہر جاؤ۔ میں اسے وہ کرامات اور انعامات دکھاتا ہوں جو میں نے اس کے لئے تیار کی ہیں۔

(آیت نمبر ۲۰) صور میں پھونکا جائیگا۔ اس سے نفخ ثانی مراد ہے۔ جس میں اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے۔ اس کی تفصیل کئی جگہ گذر گئی ہے۔ وہی وعدے کا دن ہے۔ یعنی وہ دن جس کا دنیا میں وعدہ دیا گیا تھا کہ وہ دن یقیناً آئے گا اور اس کی سختی کے بارے میں بھی بتا دیا گیا تھا۔ یہ وہی دن ہے۔

(آیت نمبر ۲۱) محشر کے میدان میں اس دن ہر نفس خواہ نیک ہے یا برا ہے۔ جب آئیگا تو اس کے ساتھ ایک اسے چلانے والا اور دوسرا گواہ ہوگا۔ یعنی ایک فرشتہ اسے چلا رہا ہوگا۔ اور دوسرا اعمال کا گواہ دونوں رب تعالیٰ کے پاس حاضر ہونگے۔

لَقَدْ كُنْتَ فِىْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ

بے شک تھا تو غفلت میں اس سے پھر ہم نے ہٹادیا تجھ سے تیرا پردہ تو نگاہ تیری

الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿۲۳﴾

آج تیز ہے۔ اور کہا اس کے ساتھی نے یہ جو میرے پاس حاضر ہے۔

(بقیہ آیت نمبر۲۱) **فائدہ**: کشف الاسرار میں ہے۔ کافر کو چلانے والا جہنم کی طرف اور مومن کے ساتھ جانے والا فرشتہ جنت کی طرف لے جائیگا۔ **فائدہ**: البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا وہ دونوں کراما کاتبین ہونگے یا ان کے علاوہ کوئی دوسرے فرشتے ہوں گے۔ یا ایک ہی فرشتہ دونوں کام کرے گا۔

(آیت نمبر۲۲) تحقیق تو اس سے غافل تھا۔ یعنی انسان کو بروز قیامت یاد کرایا جائیگا کہ تو قیامت میں اٹھنے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہونے اور قیامت کی ہولناکیوں سے غفلت میں تھا۔ آگے فرمایا کہ پھر ہم نے تجھ سے یا تیری آنکھ سے پردہ ہٹادیا۔ یا تیری جہالت کا پردہ ہٹادیا جو کچھ تو دنیا میں سنتا تھا۔ اب وہ دکھادیا جائیگا۔ آج تیری نظر بھی تیز کردی جائیگی۔ جن جن چیزوں کا تجھے انکار تھا۔ اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔

مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا فرمان ہے کہ اگر سب پردے ہٹ جائیں تو بھی میرے یقین میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ یعنی میرا یقین اللہ اور قیامت پر اتنا پختہ ہے لیکن غافل لوگوں کی نظروں پر جو پردے ہیں وہ قیامت کے دن ہٹیں گے تو اس وقت انہیں یقین ہوگا۔ لیکن وہ یقین مجھے ابھی سے حاصل ہے اور علم الیقین سے عین الیقین تک اس دن پہنچیں گے۔ میں آج ہی اس درجے پر فائز ہوں۔

(آیت نمبر۲۳) اور اس کا ساتھی کہے گا۔ یعنی شیطان جسے وسوسے ڈالتا تھا۔ اس کے بارے میں کہے گا۔ یہی ہے جو میرے پاس یعنی میری ملکیت یا دسترس میں تھا۔ جسے گمراہ کرکے جہنم کے لائق بنایا۔ انسان کیلئے اس وقت بڑی ذلت ہوگی جب اس کے گمراہ کرنے والے بھی اس کا ساتھ چھوڑ جائیں گے۔

سبق: عقل مند کیلئے ضروری ہے کہ وہ شیطان کے کہے پر ہرگز نہ چلے کیونکہ وہ جہنم اور قہر الٰہی کی طرف لے جاتا ہے۔

اَلْقِيَا فِىْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ﴿۲۵﴾

ڈالا جہنم میں ہر ناشکرے ہٹ دھرم کو۔ بہت منع کرنے والے بھلائی کو حد سے بڑھنے شک کرنے والا۔

الَّذِىْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيَاهُ فِى الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿۲۶﴾

جس نے بنایا ساتھ اللہ کے خدا دوسرا۔ پھر دونوں کو ڈالو عذاب سخت میں۔

(آیت نمبر ۲۴) اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا کہ جہنم میں ڈال دو۔ ہر اس شخص کو جو نعمتیں دینے والے کا ناشکرا اور سرکش ہے۔ یعنی اتنی بڑی بڑی نعمتیں کھا کر پھر نہ نعمت دینے والے کو مانا اور نہ اس کی توحید کا اقرار کیا۔ نہ ایمان لایا ہے بلکہ دوسروں کو بھی کفر کی ترغیب دے کر اسے گمراہ کیا۔ عنید وہ ہوتا ہے جو حق کو پہچاننے کے باوجود حق کا انکار کرتا ہے اور سب سے بڑا کفر عناد ہے۔ **فائدہ:** قتادہ فرماتے ہیں عنید وہ ہوتا ہے جو طاعۃ کا منکر ہو۔

(آیت نمبر ۲۵) مالی حقوق ادا کرنے سے روکنے والا۔ پوری کوشش سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے روکنے والا یعنی بہت بڑا بخیل۔ مال فرضی ہو جیسے زکوٰۃ یا نفلی جیسے صدقات و خیرات۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے کہا۔ خیر سے مراد اسلام ہے۔ یعنی جو اسلام قبول کرنے سے روکتا ہے۔

شانِ نزول: یہ آیت ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی۔ جو اپنے بھتیجوں کو اسلام سے روکتا تھا اور کہتا تھا جو مسلمان ہوگا اس کی خیر نہیں ہے۔ آگے فرمایا۔ حد سے بڑھنے والا۔ یعنی بہت بڑا ظالم اور مسلمانوں کا دشمن اور اللہ تعالیٰ کے متعلق شک کرنے والا۔ بلکہ دین کے متعلق لوگوں کو شک میں ڈالنے والا۔

(آیت نمبر ۲۶) وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بھی معبود بنا ڈالے۔ پس ڈالو ان کو سخت عذاب میں۔ یعنی ان کے مذکورہ کرتوتوں کی وجہ سے انہیں جہنم میں ڈال دو۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب لوگوں کا حساب و کتاب ہو رہا ہوگا۔ تو جہنم سے ایک گردن نکلے گی۔ جو کہے گی میں تین قسم کے اشخاص کو پکڑنے پر مجبور ہوں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود بنانے والا۔ (۲) ناحق قتل کرنے والا۔ (۳) جابر سرکش۔ پھر وہ اس قسم کے لوگوں کو تمام لوگوں کے درمیان سے اچک لے گا۔ جیسے پرندہ دانے کو اٹھاتا ہے اور وہ انہیں جہنم میں پھینک دیگا۔

فائدہ: ایک روایت میں یہ بھی ہے۔ جو مخلوق یعنی ذی روح چیزوں کی تصویریں بناتا رہا۔ خصوصاً بت بناتا رہا (فوٹوگرافر) کو بھی اچک کر جہنم میں ڈال دے گا۔ لہذا تصویریں بنانے والوں کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔

قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾

کہا اس کے ساتھی نے ہمارے رب نہیں میں نے اسے سرکش بنایا لیکن یہ تھا خود ہی گمراہی میں دور۔

قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾

فرمائے گا نہ جھگڑو میرے پاس تحقیق میں نے پہلے ہی تمہیں عذاب کا ڈر سنا دیا۔

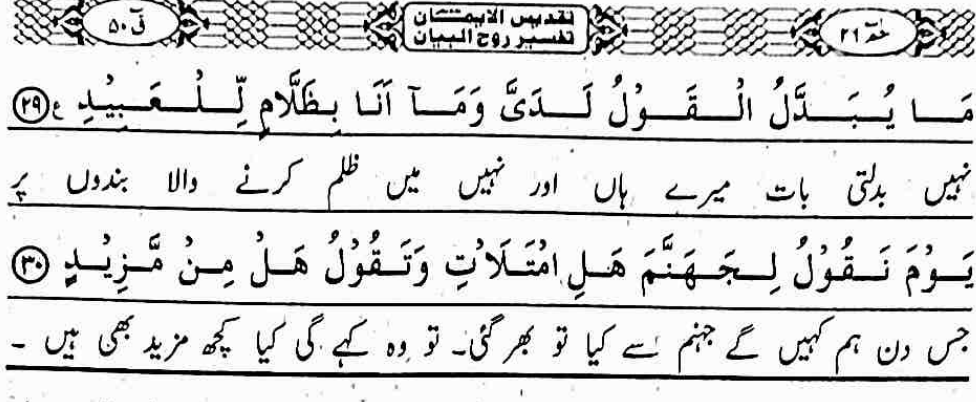
(بقیہ آیت نمبر ۲۶) **فائدہ**: اس سے مراد زیادہ تر وہ لوگ ہیں۔ جو لوگوں کے مقاصد کیلئے تصویریں بناتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے۔ تصویریں بنانے والے ایک عرصہ تک میدان محشر میں رکے رہیں گے اور اپنے پسینے میں غرق ہو رہے ہوں گے کہ نہ معلوم کیا سزا مقرر ہوگی۔ (نہج البلاغہ)

(آیت نمبر ۲۷) اس کا ساتھی کہے گا۔ اے ہمارے رب میں نے تو اسے گمراہ نہیں کیا۔ لیکن وہ تو خود ہی بہت بڑی گمراہی میں جا پڑا۔ یعنی اس کا حق کی طرف لوٹنے کا اپنا ہی کوئی ارادہ نہیں تھا۔ نہ میں نے اسے گمراہی کی طرف دعوت دی نہ جبر کیا نہ زبردستی کی۔ اپنے اختیار سے اس نے گمراہی کو اختیار کیا۔ **فائدہ**: شیطان کے اغوا کا اثر اس پر ہوتا ہے۔ جس کی اپنی رائے میں خلل اور دل میں فسق و فجور رہو اور حق سے بھٹکا ہوا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ جو میری طرف رجوع کرے اسے ہدایت دے دیتا ہوں۔ اور جو مجھ سے منہ پھیرے۔ میں مزید اسے پھرا دیتا ہوں۔ حتیٰ کہ جہنم میں چلا جاتا ہے۔ **فائدہ**: شیطان کے ہاتھ میں گمراہی نہیں ہے اگر اس کے ہاتھ میں گمراہی ہوتی تو دنیا میں کوئی بھی ہدایت پر نہ ہوتا۔ اسی طرح اگر ہدایت نبی کے ہاتھ میں ہوتی تو کوئی گمراہ نہ ہوتا۔ اصل بات یہ ہے کہ ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جو ہدایت لینا چاہے اسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے دیتا ہے۔

(آیت نمبر ۲۸) اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ تم میرے پاس یہ لڑائی نہ کرو کیونکہ اب تمہارے جھگڑنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ بعض بزرگوں نے کہا یہ جھگڑا کفار کا آپس میں ہوگا۔ محشر کے میدان میں بھی اور جہنم میں بھی۔

فائدہ: مومنین کے جھگڑے کو سنا جائیگا۔ لیکن کفار کے جھگڑنے کو نہیں سنا جائیگا۔ اس کے بعد وہ جہنم میں خوب جھگڑیں گے۔ لیکن ان کے جھگڑے کو کوئی اہمیت نہیں دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ میں نے دنیا میں تمہاری طرف وعید بھیج دی تھی۔ کتابوں میں سب کچھ لکھ دیا اور رسولوں کی زبانی تمہیں بتا دیا تھا۔ لہذا اب تمہاری کوئی حجت قابل قبول نہیں اور نہ تم کوئی نجات کی امید رکھو۔

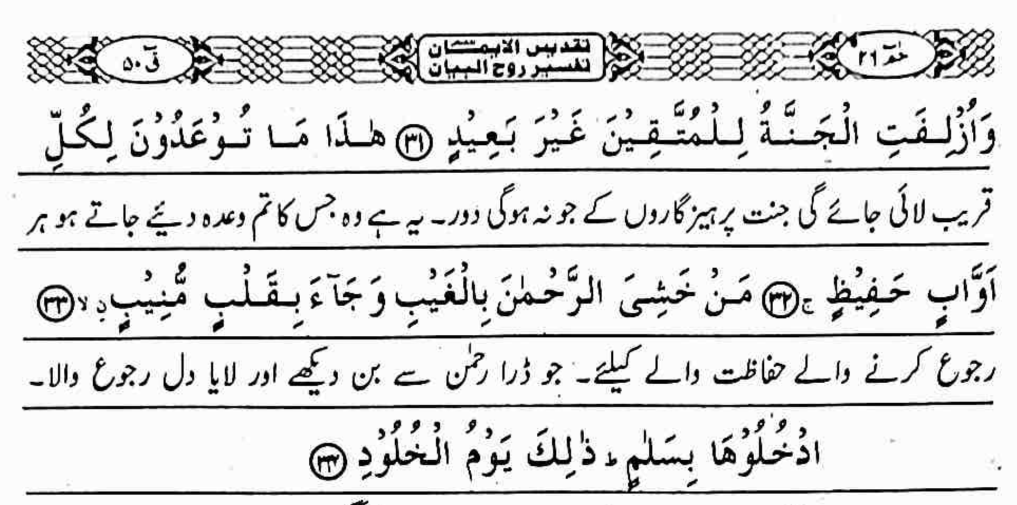


(آیت نمبر ۲۹) نہیں بدلے گی میرے ہاں کوئی بات وعدے یا وعید کی۔ یعنی میرے فیصلے میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوگی۔

فائدہ: جلال الدین دوانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وعید کے خلاف ہونا ممکن ہے۔ وعدے کے خلاف ہونا ممکن نہیں۔ جیسے ارشاد نبوی ہے کہ کسی کو کسی عمل پر اگر ثواب کا وعدہ ہے تو وہ ضرور پورا ہوگا۔ اگر کسی برائی پر سزا کی وعید ہے تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ چاہے سزا دے یا معاف کردے۔

آگے فرمایا۔ میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔ یعنی بندوں کو سزا ان کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہوگی۔ جیسے نیکی والوں کو اچھا بدلہ ان کے نیک اعمال کی وجہ سے ہوگا۔ اسی طرح بروں کو برے اعمال کا برا بدلہ ملے گا۔

(آیت نمبر ۳۰) یاد کرو وہ دن جس دن ہم کہیں گے جہنم سے کہ کیا تو پر ہوگئی ہے۔ ان سے جن کو میں نے تجھ میں ڈالا ہے۔ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے کہ جو میں نے وعدہ کیا تھا کہ جنت اور جہنم دونوں کو میں بھر دونگا تو یہ اللہ تعالیٰ کا پوچھنا اپنی خبر کی تصدیق کیلئے ہے اور وعدے کی تحقیق کیلئے اور کفار ومشرکین کو اس عذاب کی آگاہی اور باقی بندوں کو تنبیہ کیلئے ہے تو اللہ تعالیٰ کے پوچھنے پر جہنم جواب میں کہے گی۔ کیا کوئی اور بھی (جہنم کے لائق) ہیں۔ تو انہیں بھی بھیج دیں۔ میرے پیٹ میں ابھی جگہ بہت ہے۔ وہ مانگتی ہی رہے گی۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا پاؤں اس پر رکھے گا۔ تو اس کا پیٹ چھوٹا ہو جائیگا۔ **فائدہ**: اس میں اختلاف ہے۔ کہ یہ سوال حقیقتاً ہے یا مجازاً ہے۔ بعض کے نزدیک یہ حقیقتاً ہے کہ اللہ تعالیٰ جہنم کو جسم کے اعضاء کی طرح بولنے کی طاقت دے گا۔ یہی مذہب مختار ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دنیوی امور کو آخرت کے امور سے قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ **حدیث** میں ہے کہ جوں جوں بندے جہنم میں ڈالے جائیں گے توں توں وہ کہے گی اور بھی لاؤ یہاں تک کہ رب تعالیٰ اس پر قدم قدرت رکھے گا تو اس وقت وہ کہے گا بس بس اب کافی ہیں۔


وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿۳۱﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ

قریب لائی جائے گی جنت پرہیزگاروں کے جو نہ ہوگی دور۔ یہ ہے وہ جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو ہر

اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿۳۲﴾ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ﴿۳۳﴾

رجوع کرنے والے حفاظت والے کیلئے۔ جو ڈرا رحمٰن سے بن دیکھے اور لایا دل رجوع والا۔

ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾

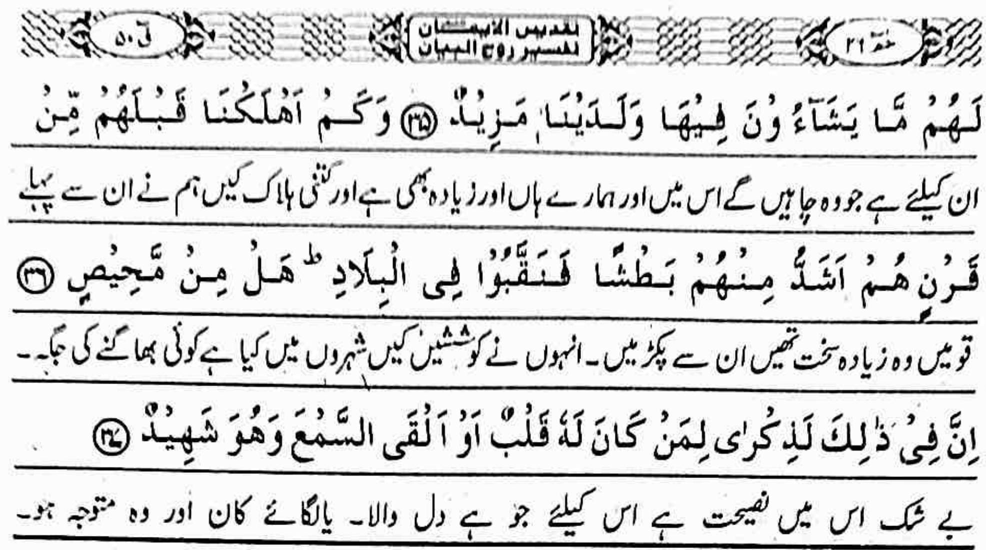
داخل ہوا جنت میں سلامتی سے۔ یہ دن ہے ہمیشگی کا۔

(آیت نمبر ۳۱) اور جنت متقی لوگوں کے قریب کردی جائیگی۔ یعنی جو کفر اور نافرمانیوں سے بچے رہے۔ اتنی قریب ہوگی کہ جنتی جنت کے باہر سے ہی اندر کا نظارہ کرتے رہیں گے اور خوش ہوں گے کہ اب جلد ہی ہم ان نعمتوں سے مستفیض ہونگے۔ آگے فرمایا کہ وہ جنت سے دور نہیں ہونگے نہ جنت ان سے دور ہوگی۔ پھر انہیں حساب و کتاب کیلئے بلایا جائیگا جو بہت آسان ہوگا۔ بڑی قسمت والے تو وہ ہیں جن کا حساب ہوگا ہی نہیں۔

(آیت نمبر ۳۲) اور کہا جائیگا کہ یہ ہے وہ جنت جس کا تم دنیا میں وعدہ دیئے گئے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ یا فرشتے اس کی طرف سے متقیوں کو بتائیں گے۔ کہ یہ جنت ہر اس شخص کیلئے ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔ یعنی شرک چھوڑ کر توحید کی طرف اور نافرمانی سے اطاعت کی طرف اور مخلوق سے خالق کی طرف رجوع کرنے والا اور اپنے وعدے کی پابندی کرنے والا ہے۔ **حدیث** میں ہے۔ جو دن کے شروع میں چار رکعات پابندی سے پڑھے وہ اواب بھی ہے اور حفیظ بھی ہے۔ (ترمذی۔ احیاء العلوم)

(آیت نمبر ۳۳) جو رحمٰن سے ڈرے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب دوزخ سے ڈرے۔ بن دیکھے کہ نہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہ جہنم کو۔ لیکن دل میں خوف بھی رکھتے ہیں اور رحمت کے امیدوار بھی ہیں اور ایسے دل کے ساتھ آئے جو اس کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔ رجوع سے مراد رجوع الی اللہ ہے اور وہ دل سے نہ ہو تو کوئی فائدہ نہیں۔

(آیت نمبر ۳۴) متقین کو کہا جائیگا۔ اس جنت میں داخل ہو جاؤ سلامتی کے ساتھ۔ یعنی نہ عذاب ادھر آئے۔ نہ نعمتیں ختم ہوں اور نہ یہاں سے نکلنا ہو۔ یہ داخلہ ہمیشہ کیلئے ہے۔ جس ہمیشگی کی کوئی انتہاء نہیں۔ **فائدہ:** سعدی مفتی فرماتے ہیں۔ اس سلامتی کا اشارہ خلود کی طرف ہے۔ یعنی انہیں دائمی سلامتی نصیب ہوگی۔



لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۵﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ

ان کیلئے ہے جو وہ چاہیں گے اس میں اور ہمارے ہاں اور زیادہ بھی ہے اور کتنی ہلاک کیں ہم نے ان سے پہلے

قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِى الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۶﴾

قومیں وہ زیادہ سخت تھیں ان سے پکڑ میں۔ انہوں نے کوششیں کیں شہروں میں کیا ہے کوئی بھاگنے کی جگہ۔

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾

بے شک اس میں نصیحت ہے اس کیلئے جو ہے دل والا۔ یالگائے کان اور وہ متوجہ ہو۔

(آیت نمبر ۳۵) ان کے لئے وہ سب کچھ ہے جو وہ چاہیں گے۔ یعنی جنت میں ہر وہ چیز جو جنتی چاہیں گے۔

فائدہ: امام قشیری فرماتے ہیں۔ انہیں کہا جائیگا دنیا میں تم کہا کرتے تھے وہی ہوگا جو خدا چاہے گا۔ اب جنت میں آ کے دیکھو اب وہی ہوگا۔ جو تم چاہو گے۔ (ع: خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے)۔ کیونکہ احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے۔ آگے فرمایا کہ ہمارے ہاں اور بھی زیادہ ہے۔ یعنی ایسی کرامات کہ جو کسی آنکھ نے نہ دیکھیں نہ کان نے سنیں۔

فائدہ: مختار مذہب یہ ہے کہ اس سے مراد دیدار الٰہی ہے۔ یعنی جنت میں ہر جمعہ والے دن اہل ایمان کو دیدار نصیب ہوگا۔

(آیت نمبر ۳۶) کئی قرن کے لوگوں کو ہم نے ان سے پہلے ہلاک کیا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور وہ کفار ان کفار مکہ سے سخت تھے۔ گرفت اور قوت کے لحاظ سے۔ اس سے مراد قوم عاد اور قوم ثمود ہے۔ جنہوں نے پہاڑوں میں شہر آباد کئے۔ یا معنی ہے۔ کئی شہروں کو روند کر غلبہ حاصل کر لیا۔ یا انہوں نے دور دراز تک سفر کر کے بہت سارے اموال واسباب کمائے۔ آگے فرمایا کہ وہ آپس میں کہیں گے کیا ہے کوئی چارہ۔ یعنی امر الٰہی سے یا عذاب سے بچنے کا کوئی چارہ ہے۔ جب عذاب کا امر ہوا تو کسی چیز نے ان کی دستگیری نہیں کی۔

فائدہ: اہل مکہ کیلئے اس میں سبق ہے کہ تم سے پہلے لوگ موت سے نہیں بچ سکے تم کیسے بچ سکتے ہو۔

سبق: جب انبیاء کرام علیہم السلام بھی موت سے دوچار ہوئے تو ہم کس شمار میں ہیں۔

(آیت نمبر ۳۷) بے شک اس میں نصیحت ہے۔ اس میں اشارہ مذکور قصے کی طرف ہے۔ یا بستیوں کی ہلاکت کی طرف۔ آگے فرمایا کہ یہ وعظ و نصیحت ہے۔ اس کیلئے جس کا دل ہے۔ دل بھی وہ جو سلیم ہے۔ جن میں تفکر ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا

اور تحقیق ہم نے بنایا آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے درمیان سے چھ دنوں میں۔ اور نہیں

مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾

پہنچی ہمیں کوئی تھکاوٹ۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۷) یعنی تفکر کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ سابقہ قوموں کی تباہی کا سبب ان کا کفر ہے۔ یہ بات واضح ہے اور معمولی عقل والا بھی نصیحت قبول کرتا ہے۔

فائدہ : ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ یہاں قلب سے مراد عقل ہے کیونکہ انسان جو کچھ عقل میں لاتا ہے وہ دل سے لاتا ہے۔ آگے فرمایا۔ وہ کان لگاتا ہے وحی کی طرف اور وہ خود اس پر گواہ ہے۔

فائدہ : شیخ ابوسعید حزار قدس سرہ نے فرمایا قرآن سننے کے وقت یہ تصور ہو کہ گویا وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رہا ہے۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ تصور کرے کہ وہ جبریل علیہ السلام سے سن رہا ہے۔ پھر اس سے بھی ذرا آگے بڑھے اور یہ تصور کرے کہ خود اللہ تعالیٰ سے گویا وہ سن رہا ہے۔ **فائدہ**: حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ قرآن کو اتنا بار بار پڑھتا ہوں کہ پھر ایسا معلوم ہوتا کہ گویا خود اللہ تعالیٰ سے سن رہا ہوں۔

(آیت نمبر ۳۸) اور تحقیق ہم نے پیدا کیا جو آسمانوں اور جو زمینوں میں اور جو ان کے اندر ہے چھ دنوں میں۔

فائدہ : اگرچہ اللہ تعالیٰ یہ سب کچھ آنکھ جھپکنے کی دیر میں بھی بنا سکتا ہے۔ لیکن اس میں ہمارے لئے سبق ہے کہ ہر کام کو آرام اور تسلی سے اور سنوار کر کرنا چاہئے۔ سوائے چھ کاموں کے۔

چھ کاموں میں جلدی کرنا ضروری ہے: (۱) نماز کی ادائیگی جب وقت ہو جائے۔ (۲) میت کو دفن کرنے میں۔ (۳) بچی کے نکاح میں جب بالغ ہو جائے۔ (۴) قرض کی ادائیگی جب میعاد پوری ہو جائے۔ (۵) مہمان کی خدمت میں (۶) گناہ ہو جائے تو توبہ کرنے میں۔

فائدہ : ہر چیز اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے بنائی اور جناب آدم علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے بنایا اسی لئے انسان سب سے خوبصورت مخلوق ہے۔ پھر ان میں روح پھونکی اور کل اشیاء کے نام بھی عطا فرمائے۔

آگے فرمایا کہ زمین و آسمان بنانے میں ہمیں کوئی تھکان نہیں ہوئی۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ

پس صبر کریں اس پر جو کافر کہتے ہیں اور تسبیح کہیں ساتھ حمد اپنے رب کے۔ پہلے طلوع آفتاب کے

وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۚ ﴿۳۹﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ

اور پہلے ڈوبنے سے۔ اور کچھ رات کے وقت۔ پھر تسبیح پڑھیں بعد نمازوں کے۔ غور سے سن جس دن

يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۴۱﴾

پکارے گا پکارنے والا جگہ نزدیک سے۔

16/16

(آیت نمبر۳۹) اے محبوب جو کچھ وہ کہتے ہیں۔ اس پر صبر کیجئے۔ یعنی مشرکین کی باطل باتیں سن کر پریشان نہ ہوں۔ آگے فرمایا اے محبوب تسبیح بیان کریں اپنے رب کی حمد کے ساتھ کا فر اللہ تعالیٰ کے متعلق جو جو بکواس کرتے ہیں کرنے دو۔ آپ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے۔ یعنی نماز فجر اور عصر کے بعد اللہ تعالیٰ کی خوب تعریف کریں۔ ان دونوں اوقات کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔

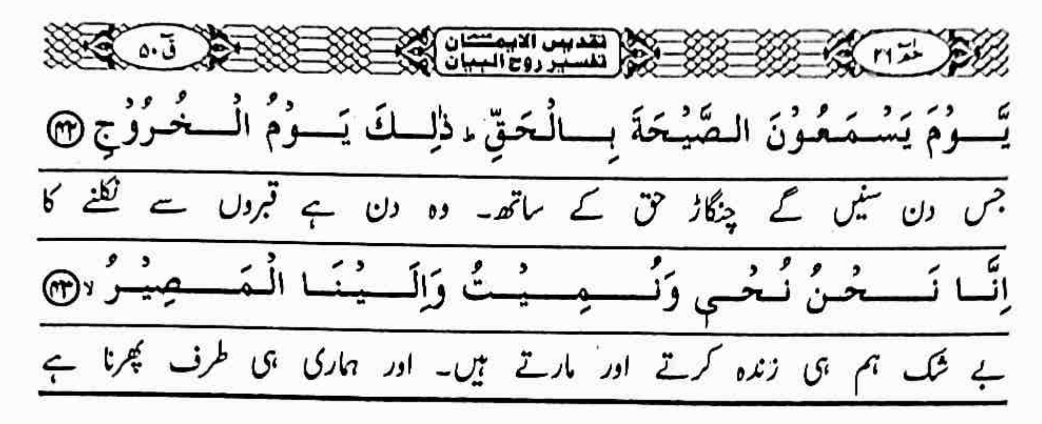
ایک **حدیث قدسی** میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میرے بندے تو مجھے نماز فجر کے بعد اور عصر کے بعد کچھ دیر یاد کر۔ درمیانے وقت میں تیرے سب کام میں پورے کردونگا۔ (رواہ مسلم فی الزھد)

(آیت نمبر۴۰) رات کے کچھ حصے میں تسبیح کیجئے۔ مراد یہ ہے کہ رات کے آخری پہر تسبیح وتحمید بیان کریں۔

فائدہ: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس آیت سے استدلال کر کے بعض اولیاء سالہا سال نہیں سوئے۔ ان کے نزدیک اس کا مطلب دوام ذکر تھا۔ آگے فرمایا۔ سجود کے بعد یعنی نمازوں کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے۔ رکوع یا سجدہ کوئی دفعہ نماز کہا گیا۔ جیسے "وَجْهٌ" کا لفظ بول کر ذات مراد لی جاتی ہے۔

(آیت نمبر۴۱) اے محبوب جو کچھ آپ پر وحی ہوئی۔ اسے سنیں۔ یا اس سے قیامت کی ہولناکی کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی وہ سنیں جو آواز دینے والا آواز دے کر بلائے گا۔ وہ فرشتہ جو صور میں پھونکے گا۔ یعنی اسرافیل علیہ السلام ہیں۔ جب قیامت کے دن ایک چٹان پر کھڑے ہو کر آواز دیں گے۔ اے پرانی ہڈیو۔ اے ٹوٹے ہوئے جوڑو۔ اے گوشت کے ذرو۔ اے جدا جدا ہونے والے جسم کے ٹکڑو۔ اللہ تعالیٰ کے حکم پر جڑ جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آجاؤ

منزل ۶



يَوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾

جس دن سنیں گے چنگاڑ حق کے ساتھ۔ وہ دن ہے قبروں سے نکلنے کا

اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿۴۳﴾

بے شک ہم ہی زندہ کرتے اور مارتے ہیں۔ اور ہماری ہی طرف پھرنا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۴۱) غالباً صخرۂ بیت المقدس پر کھڑے ہوکر اعلان کریں گے جو بہت قریب جگہ سے سن لیا جائیگا۔ ہر آدمی یہی سمجھے گا کہ یہ آواز میرے کان کے بالکل قریب سے ہے۔

(آیت نمبر ۴۲) اس دن سنیں گے آواز یعنی نفخہ ثانیہ کے وقت (انتہائی سخت حق کے ساتھ وہی دن ہے)۔ قبروں سے نکلنے کا۔ یعنی حق کی آواز سن کر قبرں سے نکلیں گے اور حساب کے لئے حاضر ہوں گے پھر وہ حساب وکتاب کے بعد جنت یا دوزخ کی طرف جائیں گے۔

سب سے پہلے حضور ﷺ اپنی قبر سے باہر آئیں گے:

منقول ہے کہ روز محشر جبریل ومیکائیل سب سے پہلے زمین پر اتریں گے۔ حضور ﷺ کیلئے تاج پوشاک اور جنتی براق لے کر حضور ﷺ کی قبر کو تلاش کریں گے تو حضور ﷺ کی قبر مبارک پر انوار چمک رہے ہونگے (آپ کا ارشاد ہے۔) کہ سب سے پہلے میں اپنی قبر مبارک سے باہر آؤنگا۔ (اخرجہ مسلم) جبریل کو دیکھ کر۔ امت کے غم خوار نبی فرمائیں۔ میری امت کا کیا حال ہے۔ وہ عرض کریں گے۔ آپ چلیں وہ بھی آجائیں گے۔ تو آپ پوشاک پہن کر میدان محشر میں تشریف لے آئیں گے۔

(آیت نمبر ۴۳) بے شک ہم ہی زندہ کرتے اور مارتے ہیں۔ یعنی یہ کام صرف اور صرف ہمارا ہے۔

فائدہ: نطفہ مردہ سے بچہ زندہ کرتے ہیں اور انسان زندہ پر موت طاری کرتے ہیں۔ پھر آخرت میں جزاء کیلئے ہمارے پاس سب نے لوٹ کر آنا ہے۔ حشر ونشر عام ہے۔ یعنی قبروں سے نکلنا اور حساب وکتاب کیلئے جمع ہونا۔

فائدہ: جان لو ایک حشر عام ہے۔ وہ قیامت کے دن جسموں کا قبروں سے نکلنے کے بعد حشر کی طرف نکلنا دوسرا حشر خاص ہے۔ وہ ہے اخروی ارواح کی طرف دنیوی جسموں کی قبروں سے نکل کر عالم روحانیت کی طرف جانا۔

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۭ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۴﴾

جس دن پھٹے گی زمین ان سے تو جلدی سے نکلیں گے۔ یہ حشر بپا کرنا ہم پر آسان ہے۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۣ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ

ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں۔ اور نہیں آپ ان پر جبر کرنے والے۔ تو نصیحت کرو قرآن سے

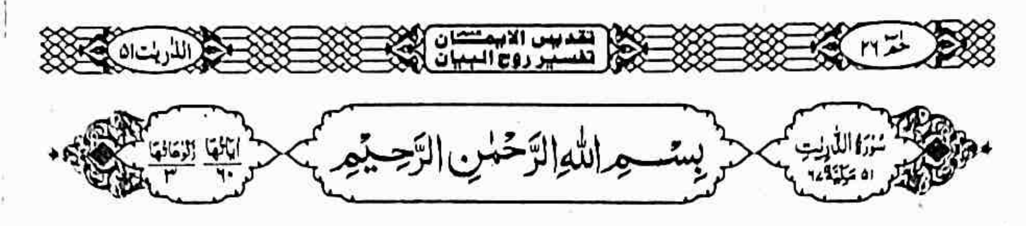
مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾

اسے جو ڈرتا ہو میری وعید سے۔

(آیت نمبر۴۴) اس دن لوگوں سے زمین پھٹے گی اور لوگ اپنی اپنی قبروں سے نکلیں گے۔ تو تیزی سے دوڑتے ہوئے میدان محشر کی طرف جا رہے ہوں گے۔ دائیں بائیں بھی نہیں دیکھیں گے۔ دوسرے مقام پر فرمایا کہ سر جھکائے دوڑتے ہونگے۔ آگے فرمایا۔ یہ حشر یعنی قبر سے زندہ کرکے نکالنا ہمارے لئے آسان ہے۔ کیونکہ یہ سب لفظ کن سے ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ لہذا اس پر کوئی کام بھی مشکل نہیں ہے۔ اور یہ کام انتہائی جلدی سے ہوگا۔ کیونکہ یہ کام اس ذات نے کرنا ہے۔ جس کیلئے ہر کام کرنا بہت آسان ہے۔

(آیت نمبر۴۵) ہم ان کی باتوں کو بہت جاننے والے ہیں۔ یعنی جو جو وہ باتیں کرتے اور جھٹلاتے ہیں۔ ان کی باتوں میں کوئی بھی بھلائی نہیں ہے۔ اور تم بھی ان پر جبر کرنے والے نہیں ہو کہ سختی سے انہیں جو چاہو منوالو۔ تم تو صرف نصیحت کرنے والے ہو۔ لہذا آپ اس قرآن کے ذریعے نصیحت کریں۔ خاص کر اس کو جو میری وعید سے ڈرتا ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا کہ آپ نصیحت کریں۔ بے شک نصیحت مومنوں کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ **فائدہ:** بعض عارف فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی علیہ السلام کو حکم دیا۔ کہ آپ انہیں نصیحت کریں۔ جو اللہ تعالیٰ کی عظمت سے ڈرنے والے۔ اور اس کی کبریائی سے خوف زدہ ہیں۔ انہیں قرآن کے ذریعے سمجھائیں۔ کیونکہ قرآن والے اللہ والے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے خاص لوگ ہیں۔ جو خطاب کی حقیقت کو سمجھتے ہیں۔ وہ قرآن کے ذریعے بلندیوں پر چڑھ کر حق کو حق کے ذریعے بغیر پردہ دیکھیں گے۔ **فائدہ:** احمد بن حمدان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ قرآن سے وہی نصیحت حاصل کرتے ہیں جو اپنے ایمان و اسلام اور اپنے نفس کے نگاہ بان ہیں۔ اس سورۃ میں کثرت سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان ہوئیں۔

اختتام سورۃ: آج مورخہ ۱۰ فروری ۲۰۱۷ء بمطابق ۱۳ جمادی الاول بروز جمعہ بوقت نماز عشاء



وَالذّٰرِيٰتِ ذَرۡوًا ۙ‏ ﴿۱﴾ فَالۡحٰمِلٰتِ وِقۡرًا ۙ‏ ﴿۲﴾ فَالۡجٰرِيٰتِ يُسۡرًا ۙ‏ ﴿۳﴾

قسم ہے بکھیر کر اڑانے والوں کی۔ پھر اٹھانے والیاں بوجھ کو۔ پھر چلنے والیاں نرمی سے ۔

(آیت نمبر۱) قسم ہے ان ہواؤں کی جو بکھیر کر اڑانے والیاں ہیں۔

فائدہ: اس میں بادصبا کی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ: بعض نے کہاہے کہ زاریات سے مراد وہ عورتیں ہیں جو بچے زیادہ جنتی ہیں۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ معنیٰ زیادہ صحیح ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ آگے حاملات اور جاریات کے الفاظ ہیں۔ اس لئے کہ بچے جننے والی عورت کو بانجھ عورت پر فضیلت حاصل ہے۔ **حدیث:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ بچے جننے والی کالی عورت سفید بانجھ عورت سے زیادہ اچھی ہے۔ (رواہ الطبرانی فی المعجم)

فائدہ: بچے جننے والی عورت مظہر الآثار اور مطلع الانوار ہے۔ اسی طرح وہ شخص جو دین کے زیادہ سے زیادہ پیروکار بنائے۔ یعنی ولی اللہ کو باقی مسلمانوں پر فضیلت حاصل ہے۔

(آیت نمبر۲) قسم ہے بوجھ اٹھانے والیوں کی۔ اس سے مراد بارش لانے والی بدلیاں ہیں۔ جو زمین کیلئے زندگی ہیں اور بارش اس کی روح ہے۔ عکرمہ کہتے ہیں۔ بارش کے ہر قطرے سے سبزہ پیدا ہوتا ہے۔

(آیت نمبر۳) پھر قسم ہے آسانی کے ساتھ چلنے والیوں کی یا چلانے والوں کی۔ اس سے مراد وہ کشتیاں ہیں جو دریا میں چلتی ہیں۔ **حدیث شریف** میں ہے۔ دریا میں یا غازی سوار ہوتا ہے یا حاجی یا عمرے والا۔ (اخرجہ البزاز فی مسندہ)۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کو کرامات سے نوازا۔

فائدہ: کعب فرماتے ہیں دریا ہر رات مخلوق کی طرف متوجہ ہو کر کہتا ہے۔ اے اللہ مجھے اجازت دے کہ میں خطا کاروں کو غرق کر دوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اسے حکم دیتا ہے۔ کہ تو سکون سے چلتا رہ۔ حکایت: سلیمان علیہ السلام نے پوچھا۔ کہ دریاؤں کا بادشاہ کون ہے۔ تو سمندر سے ایک جانور طلوع آفتاب سے نکلنا شروع ہوا۔ اور دو پہر تک وہ آدھا ہی نکلا۔ تو سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی کہ یا اللہ تیری مخلوق کتنی بڑی ہے۔

فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۙ ④ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۙ ⑤ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ؕ ⑥

پھر بانٹنے والیاں حکم کو۔ بے شک جس کا تم وعدہ دیئے گئے ضرور سچ ہے۔اور بے شک انصاف ضرور ہونے والا ہے

(آیت نمبر۴) قسم ہے ان کی جو امور کو تقسیم کرنے والے ہیں۔یعنی وہ فرشتے جو بارش اور رزق تقسیم کرنے والے ہیں۔**فائدہ**: کشف الاسرار میں ہے یہ فرشتے مدبرات امر والے ہیں۔عبدالرحمٰن بن ثابت فرماتے ہیں۔ مدبرات امر فرشتے چار ہیں۔جبریل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام۔امور کو ان کی طرف اس لئے منسوب کیا گیا ہے کہ یہ ان امور کے ظہور کا ذریعہ ہیں۔جیسے جبریل امین نے حضرت مریم سے کہا۔کہ میں اس لئے آیا تا کہ میں تجھے پاک لڑکا دوں۔اصل لڑکے دینے والی تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔اور جبریل اس لڑکے کے ظہور کا ذریعہ تھا۔

علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان آیات کی ترتیب میں راز یہ ہے کہ ہوائیں ان بادلوں کے اوپر ہیں جو بارش کو اٹھانے والی ہیں اور وہ اس پانی کے اوپر ہیں جو کشتیوں کو چلانے والی ہیں۔

(آیت نمبر۵) بے شک جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے۔وہ برحق ہے۔یعنی جو تمہیں کہا گیا ہے۔قیامت اور قبروں سے زندہ ہو کر نکلنے اور حساب و کتاب کیلئے حاضری اور ثواب و عذاب کے بارے میں وہ بالکل حق اور سچ ہے۔ جیسے کہا گیا ہے عیش پسندیدہ اسی طرح کہا گیا وعدہ سچا۔

(آیت نمبر۶) اور بے شک قیامت قائم ہونے والی ہے۔یعنی اعمال کی جزاء ضرور ہوگی۔**فائدہ**: بزرگوں نے فرمایا۔اللہ تعالیٰ نے اطاعت والوں کو جنت کا۔توبہ کرنے والوں کو محبت کا۔اولیاء کو قربت کا۔عارفین کو وصال کا۔ طالبوں کو وجدان کا وعدہ فرمایا۔یعنی جو طلب کرتا ہے وہ پالیتا ہے۔لہٰذا اللہ تعالیٰ کا کیا ہوا وعدہ ضرور پورا ہوگا۔اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون وعدے کو پورا کرنے والا ہے۔**سوال**: اللہ تعالیٰ کے قسمیں کھانے میں کیا حکمت ہے۔کیونکہ مومن بغیر قسم کے بھی اللہ تعالیٰ کی ہر بات پر اعتبار کرتا ہے۔اور کافر اللہ تعالیٰ کی ہزار قسموں پر نہیں مانتا۔تو پھر اتنی قسمیں کیوں کھائی گئیں۔**جواب**: چونکہ قرآن عربی لغت میں اترا۔اور عربوں کی عادت ہے کہ بات کو پختہ بنانے کیلئے دو باتوں میں سے ایک کرتے ہیں یا تو بات پر گواہ لاتے ہیں یا اس پر قسم کھاتے ہیں۔اس لئے اس اسلوب کو اپنایا گیا۔

وھم کا ازالہ: غیراللہ کی قسمیں کھانے کے دو مطلب ہیں۔یہ کہ یہاں رب کا لفظ محذوف ہے۔اصل عبارت رب الذاریات وغیرہ ہے۔وہ خود مالک ہے جو چاہے کرے۔جس کی چاہے قسم کھائے۔لیکن بندوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی قسم کھائیں۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۙ ⑦ اِنَّكُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۙ ⑧ یُّؤْفَكُ عَنْهُ

قسم ہے آسمان آرائش والے کی۔ بے شک تم البتہ بات اختلاف والی میں ہو۔ اوندھا کیا گیا اس قرآن سے

مَنْ اُفِكَ ؕ ⑨ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۙ ⑩ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۙ ⑪

جو ازلی اوندھا ہے۔ مارے گئے اٹکل پچو مارنے والے۔ وہ جو نشے میں بھولے ہوئے ہیں

(آیت نمبر ۷) قسم ہے ان راستوں کی جن پر لوگ چلتے ہیں۔ یا قسم ہے ستاروں کی جیسے کہکشاں جو چلتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ قسم ہے آسمان کی جو حسین اور درست ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ اس سے ساتوں آسمان مراد ہیں۔

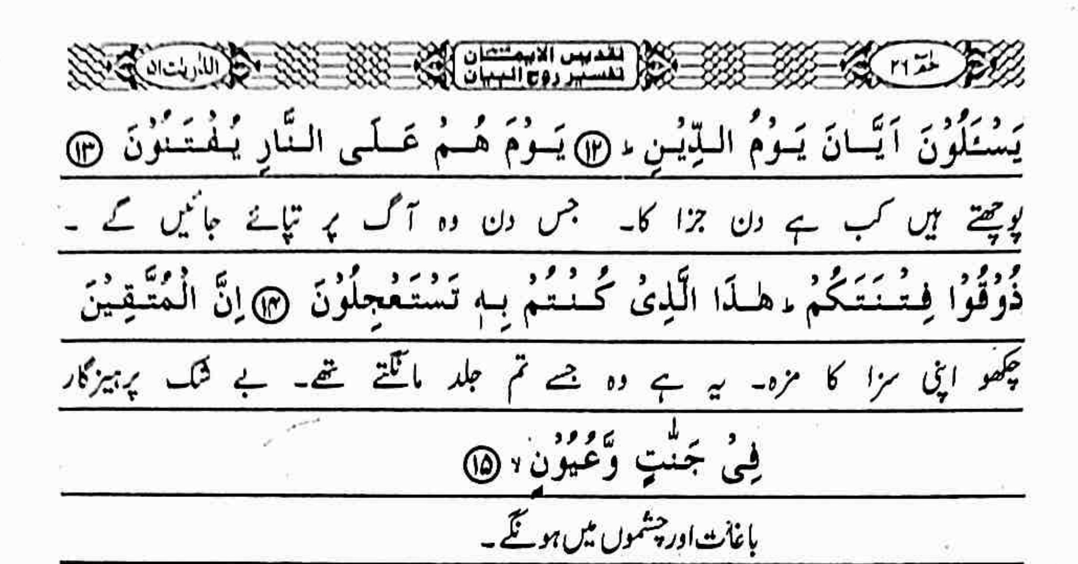
(آیت نمبر ۸) اے اہل مکہ بے شک تم مختلف بات میں ہو۔ یعنی قرآن میں اختلاف کرنے والے اور اس کے مخالف ہو۔ کبھی کہتے ہو یہ شعر ہے۔ کبھی کہتے ہو سحر ہے۔ کبھی کہتے ہو یہ اپنا بنایا ہوا گھڑا ہوا ہے۔ کبھی کہتے ہو یہ پرانی بناوٹی کہانیاں ہیں۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مجنوں۔ ساحر اور کاہن کہتے ہو۔ قیامت کے بھی منکر ہو۔

(آیت نمبر ۹) پھیرا جاتا ہے۔ اس سے مراد قرآن ہے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو بھی پھیرا گیا۔ قرآن مجید سے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ یعنی ان سے روگردانی کرنا یہ بہت بڑی روگردانی ہے۔ اس لئے کہ وہ خدا کے دین سے محروم ہو گیا۔ بلکہ وہ ہر خیر سے محروم ہو گیا۔ **فائدہ:** بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو روگردان۔ اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق اس کی قضاء وقدر سے ہو یا ایمان بالکتاب یا ایمان بالرسول سے محروم ہوا۔ وہ یقینی محروم ہے۔

(آیت نمبر ۱۰) اٹکل پچو مارنے والے مارے گئے۔ یہ ان کے لئے بددعائیہ جملہ ہے۔ یعنی یہ کفار اور منافقین کا حال بیان ہوا کہ وہ اپنے گمان پر ہی چلتے ہیں اور ان کے گمان کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس لئے کہ ان کی تمام باتیں مختلف ہیں۔ اسی لئے انہیں جھوٹے منافق کہا گیا۔

(آیت نمبر ۱۱) وہ لوگ اپنی گمراہی میں اور جہالت میں سب کچھ بھولے ہوئے ہیں۔ یا وہ غفلت میں ہیں۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ خراصون وہ ہیں جنہوں نے مکہ مکرمہ کے تمام راستے بند کئے تا کہ باہر سے آنے والوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے محروم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمائی۔ بعض لوگ ان کی باتیں سن کر واپس لوٹ جاتے۔



يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ؕ ⑫ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ⑬

پوچھتے ہیں کب ہے دن جزا کا۔ جس دن وہ آگ پر تپائے جائیں گے ۔

ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ⑭ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ

چکھو اپنی سزا کا مزہ۔ یہ ہے وہ جسے تم جلد مانگتے تھے۔ بے شک پرہیزگار

فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ ⑮

باغات اور چشموں میں ہونگے۔

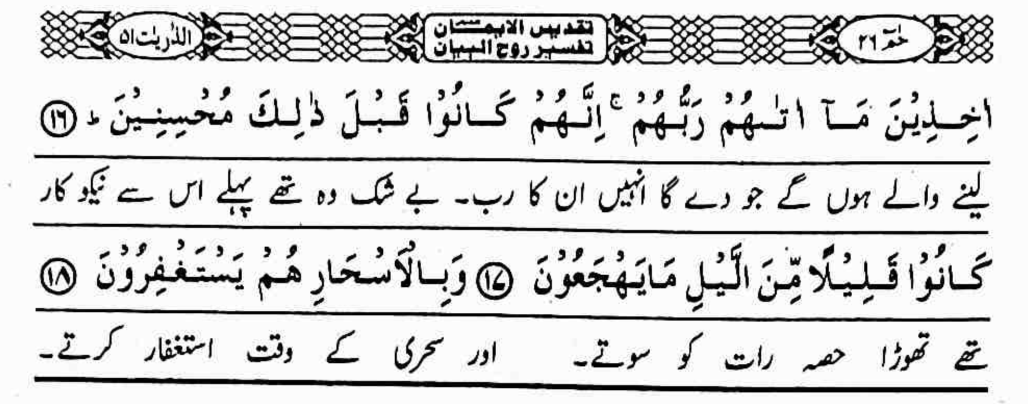
(آیت نمبر۱۲) آپ سے یہ کفار مکہ نے پوچھا وہ بدلے کا دن کب ہے جب وہ قبروں سے اٹھائے جائیں گے لیکن ان کے سوال کا مقصد حقیقتاً پوچھنا نہیں ہے۔ نہ ان کا یہ کوئی مقصد ہے کہ وہ مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ بلکہ صرف وہ مذاق اڑانا چاہتے تھے۔ تمام کفار کی یہ عادت تھی۔ کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مذاق اڑاتے تھے۔

(آیت نمبر۱۳) اس دن وہ آگ میں ڈال کر جلائے جائیں گے۔ یعنی سخت تکلیف دیئے جائیں گے کیونکہ وہ سراپا خبث ہیں۔ لہذا ان کا خبث نکالنے کیلئے ہی انہیں آگ میں ڈالا جائے گا۔ جیسے سونا آگ پر اس لئے گرم کیا جاتا ہے۔ تاکہ اس کا کھوٹ جلا کر نکالا جائے۔

(آیت نمبر۱۴) دیکھو اپنا فتنہ۔ جہنم کے داروغے انہیں کہیں گے کہ اب چکھو مزے جو دنیا میں تم انبیاء کرام علیہم السلام اور دین اسلام یا قیامت کو جھٹلاتے تھے۔ اس کی یہ سزا ہے۔ یہ ان کے کفر اور اس کے انجام کا بیان ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا۔ یہ لوگ اپنے ہی فتنے میں پڑے ہیں۔ آگے فرمایا کہ انہیں کہا جائیگا۔ یہ وہی چیز ہے۔ جسے تم جلدی مانگتے تھے۔ یعنی دنیا میں تم کہتے تھے۔ وہ وعدہ کب آئیگا۔ کبھی کہتے یوم الدین کب ہے۔

(آیت نمبر۱۵) بیشک جو لوگ متقی پرہیز گار ہیں۔ یعنی کفر نافرمانی اور جہالت سے دور ہیں۔ وہ ایسے باغات میں ہوں گے۔ جن کی شان کو کوئی نہیں جان سکتا۔ نہ دنیا کی کسی چیز کے ساتھ اس کی مشابہت دی جاسکتی ہے۔

فائدہ: حضرت سہیل فرماتے ہیں۔ متقی دنیا میں بھی رضا کے باغوں میں پھرتا ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا۔ وہ فضل کے باغات حکمت کے چشموں اور کرم کے محلات میں ہوں گے۔



(آیت نمبر ۱۶) وہ قبول کریں گے اور اس پر راضی ہوں گے جو رب تعالیٰ انہیں عطا فرمائے گا۔ یا جو انہیں ثواب نصیب ہوگا۔ وہ نہایت اچھا پسندیدہ اور قبول کرنے کے لائق ہوگا۔ **فائدہ**: بعض نے فرمایا۔ آج دنیا میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انہیں دیا۔ اسے وہ قبول کرتے ہیں۔ ان کے دل ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہیں۔ اس لئے ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گوناگوں الطاف وعنایات ہیں تو جنت میں بھی اللہ تعالیٰ انہیں طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائے گا۔ بے شک وہ اس سے پہلے ہی نیکی کرنے والے لوگوں میں سے تھے۔

(آیت نمبر ۱۷) رات کے وقت بہت ہی تھوڑا سوتے تھے۔ یعنی رات کا زیادہ حصہ وہ عبادت میں گذارتے ہیں اور ذکر وفکر میں ہر وقت مشغول رہتے ہیں۔ گویا وہ باطل اور غافل لوگوں کی طرح پوری رات نہیں سوتے۔

عالم کا سونا عبادت ہے: وہ عالم جو باعمل ہے وہ تو ہر وقت عبادت میں ہوتا ہے۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ یہ آیت جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ وہ وتر کی تین رکعات میں مکمل قرآن پڑھتے۔

شان نزول: بعض بزرگوں نے کہا کہ یہ آیت انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں نازل جو رات بھر عبادت کیا کرتے تھے۔ کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ عشاء کی نماز پڑھے بغیر نہیں سوتے تھے۔

(آیت نمبر ۱۸) سحری کے وقت وہ استغفار کرتے ہیں۔ یعنی رات کا آخری چھٹا حصہ۔ جس میں وہ تہجد بھی ادا کرتے ہیں اور وہ کثرت سے استغفار بھی کرتے ہیں۔

فائدہ: اور پھر وہ اپنی عبادت کو بہت کم سمجھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ استغفار کیا ہے۔ تو فرمایا۔

"اللھم اغفرلنا وارحمنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم"۔

ایصال ثواب پر حدیث: اللہ تعالیٰ بندے کا مرتبہ بڑھاتا ہے تو وہ پوچھتا ہے۔ یہ میرا مرتبہ کیوں اونچا ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تیرے بیٹے نے تیرے لئے استغفار کی ہے۔ (رواہ احمد)۔ یعنی تیری بخشش کی دعا کی ہے۔

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ⑲ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۙ ⑳

اور اپنے مالوں میں حق دیتے منگتے ہیں اور بے نصیب کو۔ اور زمین میں نشانیاں، ہیں یقین والوں کیلئے۔

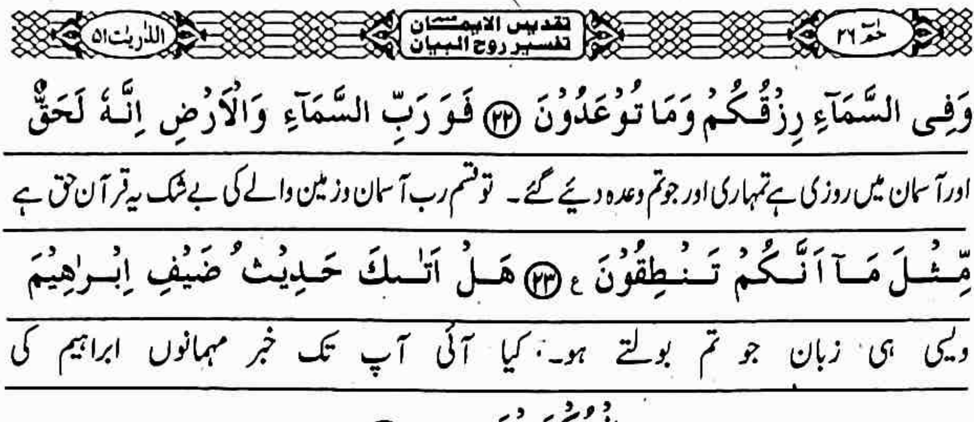
وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ㉑

اور تمہارے نفسوں میں بھی کیا نہیں تم دیکھتے۔

(آیت نمبر۱۹) وہ اپنے مالوں میں دوسروں کا حق (نصیب) جو ان کے نفوس پر واجب ہے۔ یا وہ اپنے اوپر سے ادا کرنا لازم قرار دیتے ہیں۔ یا جو ان کے مالوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ادا کرنا واجب ہے۔ یعنی وہ لوگ مدح کے مستحق ہیں جو زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد نفلی صدقات وخیرات ماں باپ اور رشتہ داروں کے علاوہ غریبوں فقیروں کو دیتے ہیں اور جن کو صدقات وخیرات سے محروم کر دیا گیا ہو۔ وہ اسے بھی دیتے ہیں۔

(آیت نمبر۲۰) زمین میں یقین والوں کیلئے صانع کے وجود وعلم اور قدرت کی بہت بڑی نشانیاں ہیں: (۱) کہ وہ فرش کی طرح بچھی ہوئی ہے۔ (۲) اس میں ہر طرف جانے والوں کیلئے کھلے راستے بنے ہوئے ہیں۔ جن پر لوگ آرام سے چلتے ہیں۔ (۳) اس میں نرم حصے ہیں۔ (۴) سخت پہاڑ ہیں۔ (۵) دریا بھی ہیں۔ (۶) جنگل بھی۔ (۷) نہریں بھی۔ (۸) عجیب وغریب کانیں بھی۔ (۹) گونا گوں درخت۔ (۱۰) رنگ برنگے پھول۔ (۱۱) ہر طرح کے جانور وغیرہ۔ **فائدہ:** کلبی نے فرمایا کہ گذشتہ صدیوں کے آثار قدیمہ میں آنے والی نسلوں کیلئے عبرت اور نصیحت حاصل کرنے کے اسباب ہیں۔

(آیت نمبر۲۱) تمہارے اپنے نفسوں میں بھی بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ کیونکہ انسان بھی اپنے اندر ایک جہاں رکھتا ہے کہ اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی صنعت کی نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی حکمت وقدرت وتدبیر وارادہ پر دلالت کرتے ہیں۔ آگے فرمایا کیا تم دیکھتے نہیں تا کہ تم عبرت حاصل کرو۔ **فائدہ:** واسطی فرماتے ہیں۔ اسی طرح دیکھنے سے عرفان نصیب ہوتا ہے۔ مولا علی نے بر سر منبر فرمایا۔ عرش سے نیچے تک جو چاہو پوچھو۔ میرے اندر بے شمار علوم ہیں۔ ایک شخص نے پوچھا کیا آپ نے خدا کو دیکھا ہے تو فرمایا۔ میں اس خدا کی عبادت ہی نہیں کرتا جسے دیکھا ہی نہیں لیکن اسے دل کی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ظاہری آنکھوں سے جب موسیٰ علیہ السلام نہ دیکھ سکے اور کون دیکھ سکتا ہے۔ (چونکہ اس زمین پر کوئی جگہ اللہ تعالیٰ کی تجلی کو برداشت نہیں کر سکتی۔ جیسے طور پہاڑ تجلی کو برداشت نہیں کر سکا اسی لئے نبی کریم ﷺ کو عرش پر بلا کر دیدار کرایا۔



وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿۲۲﴾ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُۥ لَحَقٌّ

اور آسمان میں روزی ہے تمہاری اور جو تم وعدہ دیئے گئے۔ تو قسم رب آسمان و زمین والے کی بے شک یہ قرآن حق ہے

مِّثْلَ مَآ أَنَّكُمْ تَنطِقُونَ ع ﴿۲۳﴾ هَلْ أَتَىٰكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَٰهِيمَ

ویسی ہی زبان جو تم بولتے ہو۔ کیا آئی آپ تک خبر مہمانوں ابراہیم کی

الْمُكْرَمِينَ م وقف لازم ﴿۲۴﴾

جو عزت والے تھے

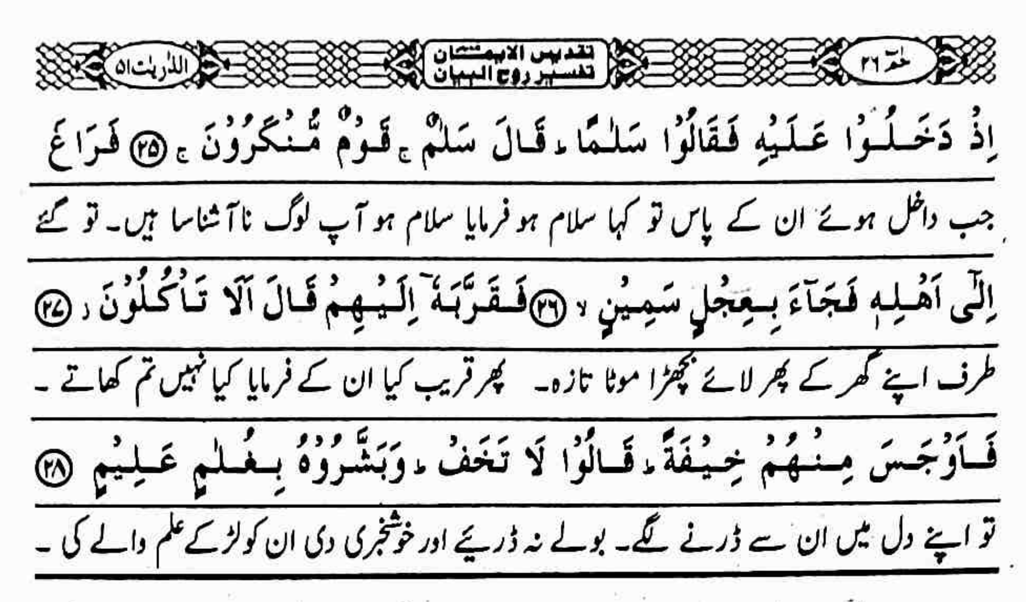
(آیت نمبر۲۲) آسمان میں تمہارا رزق ہے۔ یعنی اسباب رزق آسمان میں ہیں۔ سورج۔ چاند۔ ستارے اور فصلوں میں اختلاف یا اس سے مراد تقدیر کو جو مقدر تھا وہ آسمان پر لکھ دیا گیا۔ آگے فرمایا۔ اور جن کا تم وعدہ دیئے گئے۔ یعنی ثواب کا یا جنت کا چونکہ جنت بھی ساتویں آسمان کے اوپر ہے۔ یا وعدہ سے مراد خیر و شر ثواب وعذاب یا عقاب سختی یا نرمی سب کا آسمانوں میں مقدر ہے۔

(آیت نمبر۲۳) پس قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی۔ اس میں تربیت بالرزق کا بیان ہے۔ بے شک وہ جو تم وعدے دیئے گئے ہو رزق وغیرہ کا جو سابقہ آیات میں بیان ہوا ہے۔ بے شک وہ ضرور برحق ہے۔

فائدہ :انسان عجیب ہے۔ کوئی بندہ اگر رزق کا وعدہ کرے اس پر اعتماد کرے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ پر رزق کا اعتماد نہیں کرتا۔ اویس قرنی نے ہرم بن سنان کو فرمایا شام چلے جاؤ۔ انہوں نے پوچھا وہاں معاش کا کیا بنے گا۔ فرمایا افسوس ہے۔ ان دلوں پر جن سے شک نہیں نکلتا۔ ایسے لوگوں کو نصیحت کا کیا فائدہ۔ آگے فرمایا۔ ایسی ہی باتیں بے شک تم بولتے ہو۔ یعنی جیسے تمہیں اپنی زبان پر شک نہیں۔ اسی طرح تمہیں اس کی حقیقت میں بھی شک نہیں کرنا چاہئے۔

(آیت نمبر۲۴) کیا تمہارے پاس ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کی خبر آئی ہے۔ یہ ایک شان والا واقعہ ہے۔

واقعہ :یہ فرشتے تھے جبریل علیہ السلام سمیت بارہ حضرات انسانی شکل میں۔ وہ آسمانوں سے مہمان کی شکل میں آئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے بھی مہمان سمجھ کر ان کی تکریم کی۔ **حدیث شریف** میں ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ مہمان کی عزت وتکریم کرے۔ (بخاری شریف و مسلم شریف)



إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلٰمًا ۖ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنكَرُونَ ﴿٢٥﴾ فَرَاغَ

جب داخل ہوئے ان کے پاس تو کہا سلام ہو فرمایا سلام ہو آپ لوگ ناآشنا سا ہیں۔ تو گئے

إِلَىٰ أَهْلِهِ فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِينٍ ﴿٢٦﴾ فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿٢٧﴾

طرف اپنے گھر کے پھر لائے بچھڑا موٹا تازہ۔ پھر قریب کیا ان کے فرمایا کیا نہیں تم کھاتے۔

فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ وَبَشَّرُوهُ بِغُلٰمٍ عَلِيمٍ ﴿٢٨﴾

تو اپنے دل میں ان سے ڈرنے لگے۔ بولے نہ ڈریئے اور خوشخبری دی ان کو لڑکے علم والے کی۔

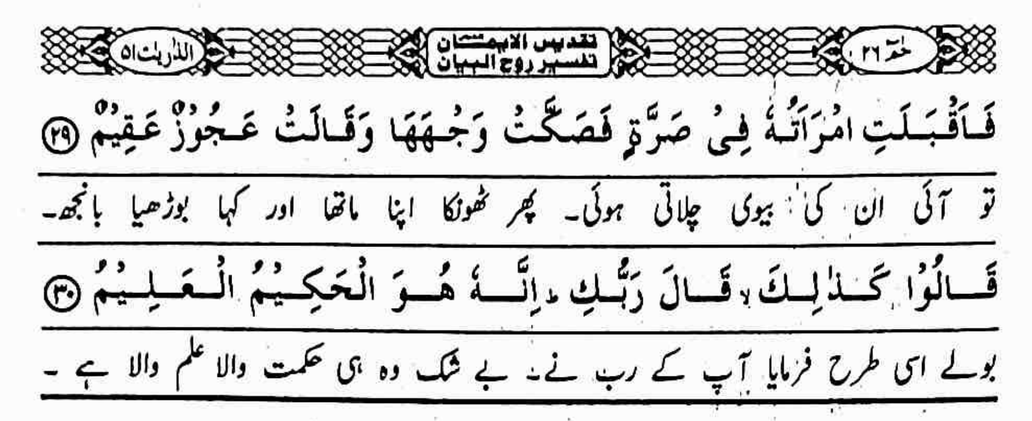
(آیت نمبر ۲۵) جب وہ جناب ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو انہیں السلام علیکم کہا تو ابراہیم علیہ السلام نے انہیں سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ ناواقف لوگ معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کے علاقہ میں اس طرح سلام کا طریقہ نہیں تھا۔ کاشفی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے خود ہی کہا کہ ہم آپ کے مہمان ہیں۔

(آیت نمبر ۲٦) تو آپ گھر والوں کے پاس گئے۔ یعنی چپکے سے جا کر تا کہ مہمانوں کو پتہ نہ چلے اور ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ **فائدہ**: معلوم ہوا کہ مہمان سے کھانا وغیرہ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ جو ماحضر ہو وہ مہمان کے آگے رکھ دینا چاہئے۔ لمبے چوڑے تکلفات میں نہیں پڑنا چاہئے۔

(آیت نمبر ۲۷) کھانا مہمانوں کے قریب کیا تا کہ وہ کھانا شروع کر دیں۔ لیکن انہوں نے نہ کھانا تھا نہ کھایا تو آپ نے فرمایا۔ تم کھاتے کیوں نہیں۔ یعنی میں بچھڑا بھون کر تمہارے لئے لایا تا کہ تم اسے کھاؤ۔

(آیت نمبر ۲۸) تو اس پر ابراہیم علیہ السلام نے کچھ خوف سا محسوس کیا۔ آپ کو خیال ہوا کہ دشمن نہ ہوں۔ اس لئے کھانا نہیں کھا رہے۔ اس لئے کہ دشمن اپنے دشمن کے گھر سے کھانا نہیں کھاتا تھا تو فرشتوں نے کہا۔ آپ ڈریں نہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔ (یہ پرانے زمانے کی بات ہے۔ آج کل تو کھانا بھی کھا لیتے ہیں۔ بلکہ خود پکواتے۔ حرام کھاتے ہیں اور جاتے جاتے دشمنی بھی ظاہر کر جاتے ہیں۔

معجزہ: جبریل امین نے پر مارا تو بھنا ہوا بچھڑا زندہ ہو کر ماں کے پاس چلا گیا۔ اس کے بعد فرشتوں نے جناب ابراہیم علیہ السلام کو صاحبزادے کی خوش خبری سنائی۔ یعنی اسحاق علیہ السلام کی۔ جو بہت بڑے علم والے تھے۔



فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ ﴿۲۹﴾

تو آئی ان کی بیوی چلاتی ہوئی۔ پھر ٹھونکا اپنا ماتھا اور کہا بوڑھیا بانجھ۔

قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۰﴾

بولے اسی طرح فرمایا آپ کے رب نے۔ بے شک وہ ہی حکمت والا علم والا ہے۔

(آیت نمبر۲۹) اتنے میں آپ کی اہلیہ نے ان سے یہ خوشخبری سن لی جو ایک طرف کھڑے ہو کر انہیں دیکھ رہی تھیں یعنی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے یہ عجیب بات سنی تو ان کے منہ سے اونچی آواز نکلی اس حال میں کہ انہوں نے ماتھا ٹھونکا اس سے شیعہ حضرات ماتم میں پیٹنے کا جواز نکالتے ہیں۔ حالانکہ خوشی کے وقت ماتم کہاں کیا جاتا ہے۔ مائی صاحبہ نے تو عورتوں کی طرح جیسے تعجب کے وقت ہاتھ ماتھے پر رکھتی ہیں۔ ایسے ہی ہاتھ منہ پر رکھا اور تعجب سے کہا۔ کہ اتنی زیادہ عمر والی ہو کر کیا اس عمر والی عورتیں کہاں بچے پیدا کرتی ہیں۔ لہذا شیعوں کے پیٹنے کا جواز اس آیت سے نہیں نکل سکتا۔ اور کہا کیا ایک بوڑھی بانجھ عورت سے بچہ ہوگا۔ یعنی ۹۹ سال کی عمر میں بچہ ہوگا۔

(آیت نمبر۳۰) تو انہوں نے کہا ہاں اسی طرح آپ کے رب نے فرمایا ہے اور ہم اس کی طرف سے یہ خبر سنانے آئے ہیں۔ بے شک وہ حکیم بھی ہے۔ اور علیم بھی ہے۔ یعنی نہ اس کی حکمت سمجھ آ سکتی ہے نہ اس کے علم کی انتہاء ہے۔

فائدہ: مروی ہے کہ جبریل امین نے بی بی صاحبہ سے کہا چھت کی طرف دیکھیں۔ جب اوپر دیکھا تو پرانی لکڑیوں کے ساتھ تازہ پتے لگے ہوئے تھے۔ تو انہوں نے فرمایا۔ جو پرانی بوسیدہ لکڑی کے ساتھ سبز پتے لگا سکتا ہے۔ وہ بڑھاپے میں اولاد بھی عطا فرما سکتا ہے۔ پھر انہیں یقین ہو گیا۔

اختتام پارہ مورخہ: ۱۳ فروری ۲۰۱۷ء بروز سوموار بعد نماز مغرب

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾

فرمایا پھر کیا تمہارا کام ہے اے فرشتو۔ بولے کہ ہم بھیجے گئے طرف قوم مجرم کے ۔

لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾

تا کہ برسائیں ان پر پتھر گارے کے۔ نشان کئے ہوئے نزدیک تیرے رب کے حد سے بڑھنے والوں کیلئے۔

(آیت نمبر ۳۱) اے رسولو اس خوشخبری کے علاوہ تم کون سے بڑے کام کیلئے بھیجے گئے ہو۔ یعنی جب ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہوگیا کہ یہ تو فرشتے ہیں اور یہ کسی معمولی کام کیلئے نہیں آئے اس لئے انہیں پوچھا کہ تمہارے حال سے معلوم ہو رہا ہے کہ تم اس کے علاوہ کسی اور بڑے مقصد کیلئے آئے ہو۔ وہ کیا ہے۔

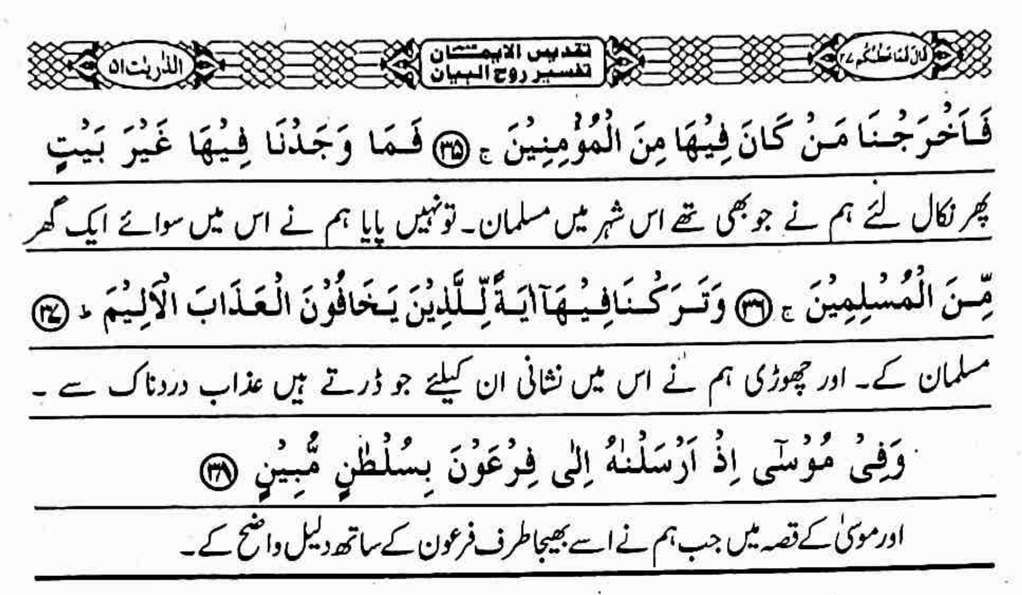
(آیت نمبر ۳۲) تو انہوں نے کہا کہ ہمیں مجرم لوگوں کو عذاب دینے کیلئے بھیجا گیا ہے جو گناہوں اور نافرمانیوں میں حد سے بڑھ گئے ہیں۔ یعنی لوط علیہ السلام کی قوم جن کے جرائم حد سے بڑھ گئے ہیں۔ فتح الرحمٰن میں ہے کہ وہ جرائم کے بہت زیادہ ارتکاب کرنے والے ہیں۔ یعنی ایسا جرم جو اس سے پہلے کسی قوم نے نہیں کیا۔

(آیت نمبر ۳۳) اس لئے آئے کہ ان بستیوں کو الٹ دیں اور ان پر مٹی کے پختہ ڈھیلے پھینکیں جو پتھر وہ آسمانوں سے لائے تھے جو آگ پر پکے کئے ہوئے تھے۔ جو اس قوم کیلئے عذاب تھا۔ جس پر وہ ڈھیلا لگتا۔ اسے تباہ کر دیتا۔ انتہائی بلندی سے نیچے گرانا بھی کوئی کم عذاب نہ تھا۔ پھر اوپر سے ان پر پتھروں کی بارش گویا ڈبل عذاب تھا۔

(آیت نمبر ۳۴) نشان لگے ہوئے تھے تیرے رب کے ہاں سے۔

یعنی ہر ڈھیلے پر اس کا نام تھا جس کیلئے وہ بنایا گیا تھا اور وہ صرف ان لوگوں کیلئے تھا۔ جو فسق و فجور میں حد سے بہت بڑھے ہوئے تھے۔ یعنی اپنی عورتوں کے بجائے وہ لڑکوں سے مباشرت کرتے تھے۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی اور گناہ نہیں۔ لہٰذا ان کی تباہی کیلئے ایسا طریقہ اپنایا گیا۔ اور پھر وہ اس گناہ کو گناہ بھی نہیں سمجھتے تھے۔ اور ان کے پیغمبر لوط علیہ السلام نے انہیں سمجھایا تو وہ انہیں بھی قتل کرنے کے درپے ہو گئے تھے۔



فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ج ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ

پھر نکال لئے ہم نے جو بھی تھے اس شہر میں مسلمان۔ تو نہیں پایا ہم نے اس میں سوائے ایک گھر

مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ج ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ط ﴿۳۷﴾

مسلمان کے۔ اور چھوڑی ہم نے اس میں نشانی ان کیلئے جو ڈرتے ہیں عذاب دردناک سے۔

وَفِيْ مُوْسٰى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾

اور موسیٰ کے قصہ میں جب ہم نے اسے بھیجا طرف فرعون کے ساتھ دلیل واضح کے۔

(آیت نمبر ۳۵) تو ہم نے نکال لیا اپنے حکم سے۔ان لوگوں کو جو مومن تھے۔تاکہ وہ عذاب سے بچ جائیں۔

فائدہ : کاشفی فرماتے ہیں کہ جب جناب ابراہیم علیہ السلام نے سنا کہ یہ فرشتے اس قوم کیلئے عذاب لیکر آئے جن میں میرے بھتیجے بھی ہیں تو سوچا کہ پھر میرے بھتیجے لوط کا کیا بنے گا۔تو بتایا گیا کہ ہم ان سب کو عذاب آنے سے پہلے نکال لیں گے۔آپ ان کا کوئی فکر نہ کریں۔

(آیت نمبر ۳۶) ہم نے اس بستی میں مسلمانوں کے ایک گھر کے سوا کوئی مسلمان گھر نہ پایا اور وہ بھی لوط علیہ السلام کا گھر تھا۔جس میں آپ کی دو بیٹیاں مسلمان تھیں۔ بیوی تو کافرہ تھی۔اسی لئے اس کا انجام بھی ان کے ساتھ ہوا۔
فائدہ: بعض بزرگوں نے لوط علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کی تعداد تیرہ بتلائی ہے۔**فائدہ**: مومن اور مسلم میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے۔یعنی ہر مومن مسلم ہے۔لیکن ہر مسلم مومن نہیں۔

(آیت نمبر ۳۷) اور چھوڑی ہم نے نشانی اس بستی میں۔ان لوگوں کیلئے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔ اس لئے کہ جن کی فطرت سلیم ہے ان کے دل نرم ہیں۔وہ ایسے واقعات سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ان کے علاوہ سخت دل لوگ ہیں۔جب اس بستی پر گذرتے ہیں تو بے پرواہی سے گذر جاتے ہیں۔حالانکہ حضور ﷺ جب ایسی جگہ سے گذرتے تو روتے اور سر جھکائے گذرتے اور غلاموں کو بھی فرماتے ہیں کہ روتے ہوئے جلدی جلدی یہاں سے نکل جاؤ۔یہ غضب الٰہی کا مقام ہے۔

(آیت نمبر ۳۸) موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بھی نشانی ہے۔یعنی جب انہیں فرعون کی طرف بھیجا۔پھر جو ایمان والے تھے نجات پا گئے اور فرعون قوم سمیت دریا میں غرق ہو کر تباہ ہو گیا۔اس میں کفار مکہ کیلئے نشان عبرت ہے۔

فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ

تو وہ پھرا اپنے لشکر کے ساتھ اور کہا جادوگر ہے یا دیوانہ پھر ہم نے اسے اور اس کے لشکر کو پکڑا پھر ڈال دیا انہیں

فِى الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾ وَفِىْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾

دریا میں اور وہ اپنے کو ملامت کررہا تھا۔ اور عاد پر جب ہم نے بھیجی آندھی خشک ۔

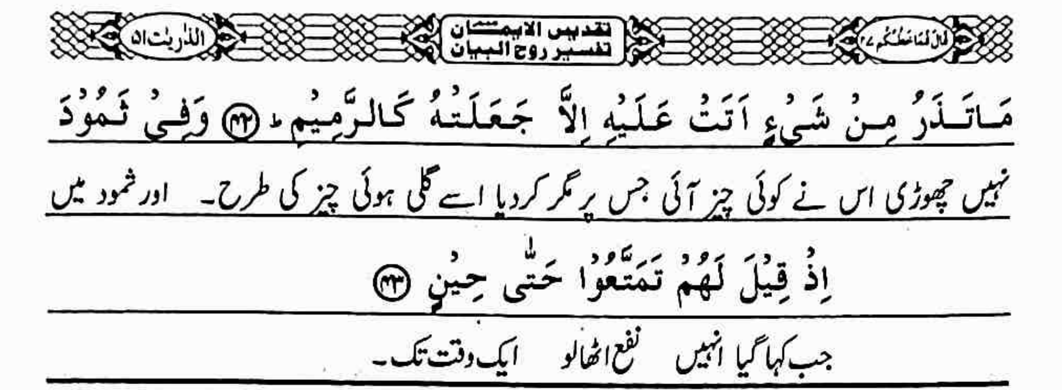
(بقیہ آیت نمبر ۳۸) آگے فرمایا کہ جب ہم نے انہیں فرعون کی طرف بھیجا دلائل ظاہرہ اور معجزات باہرہ یعنی واضح دلیل کے ساتھ۔ جیسے عصا کا اژدہا بننا اور ہاتھ کا روشن ہونا۔ اور اس کے علاوہ بھی کئی معجزات اور عقلی نقلی دلائل دیئے۔ تاکہ وہ ان دلائل کو دیکھ کر مسلمان ہوجائے۔ لیکن اس نے ذلت سے مرنا گوارہ کرلیا۔ مگر مسلمان نہ ہوا۔

(آیت نمبر ۳۹) تو اس نے اپنی گردن موڑ لی یعنی ایمان سے منہ پھیرلیا اور کہا کہ موسیٰ (علیہ السلام) جادوگر ہیں۔ یعنی خارق عادت پر آنکھ میں بندش کردیتے ہیں۔ یا یہ دیوانے ہیں۔ جنہیں اپنے انجام کی فکر نہیں ہے۔ فرعون کی حماقت تھی کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر یا مجنون کہا۔ بلکہ یہ اس کی جہالت کی دلیل ہے کیونکہ جادوگر اور مجنون ضدین ہیں۔ اس لئے کہ جادوگر بڑا ہوشیار چالاک ہوتا ہے اور چالاکی عقل سے ہوتی ہے اور مجنون تو جادوگر ہو ہی نہیں سکتا۔

(آیت نمبر ۴۰) پھر ہم نے فرعون کو پکڑا اور اس کے لشکر کو بھی پکڑ کر دریا میں ڈال دیا۔ جیسے دریا میں کنکریاں ڈالتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو ملامت کررہا تھا۔ یعنی اپنی غلطی پر پشیمان ہوکر خود کو ملامت کررہا تھا۔

فائدہ: کاشفی فرماتے ہیں کہ ملیم کا معنی ہے۔ کہ وہ مستحق ملامت تھا کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام سے کیوں پنگا لیا بجائے ان پر ایمان لانے کے الٹا انہیں جادوگر اور دیوانہ کہا۔ اب موت کے وقت کہا میں موسیٰ کے رب پر ایمان لایا۔ (انبیاء کرام علیہم السلام کو کبھی عقل پر فتور نہیں آتا۔ ہر پیغمبر دماغی طور پر سب سے زیادہ باصلاحیت ہوتا ہے)۔

(آیت نمبر ۴۱) قوم عاد میں بھی نشانیاں ہیں کہ جب ہم نے ان پر تیز اور ٹھنڈی ہوا بھیجی۔ آندھی کو عقیم اس لئے کہا کہ اس نے ان تمام کو تباہ و برباد کردیا اور ان کی جڑ اکھیڑ دی۔ یہ استعارہ تبعیہ ہے۔ ریح عقیم اس کو کہتے ہیں۔ جس میں کوئی خیر و بھلائی نہ ہو۔ اسی لئے بانجھ عورت کو بھی عقیم کہا جاتا ہے کہ اس سے کوئی نفع یا خیر و بھلائی حاصل نہیں ہوتی۔ **فائدہ**: اس قسم کی آندھی عذاب الٰہی کے وقت ہوتی ہے۔ مولا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ یہ وہ ہوا ہے جو کھیتیاں جلادیتی ہے۔ اور گھروں کو ویران کردیتی ہے، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آندھی دیکھ کر گھبرا جاتے۔


مَاتَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿٤٢﴾ وَفِيْ ثَمُوْدَ

نہیں چھوڑی اس نے کوئی چیز آئی جس پر مگر کردیا اسے گلی ہوئی چیز کی طرح۔ اور ثمود میں

اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿٤٣﴾

جب کہا گیا انہیں نفع اٹھالو ایک وقت تک۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۱) **فائدہ**: اس ہوا کو دبور بھی کہا جاتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کی تائید حضور ﷺ کے ارشاد مبارک سے ہوتی ہے کہ باد صباء سے میری مدد کی گئی ہے۔ عاد کی قوم دبور سے ہلاک ہوئی۔

فائدہ: باد صبا وہ ہے جو مشرق کی طرف سے آتی ہے اور دبور شمال کی طرف سے آتی ہے۔ جب دبور ہوا آئے تو زیادہ تر وہ عذاب بن کر آتی ہے۔ اور تباہی پھیر جاتی ہے۔

(آیت نمبر ۴۲) نہیں چھوڑتی کسی چیز کو کہ جس پر آئی۔ یعنی انسان حیوان مکانات اور مال مویشی جس جس چیز پر وہ ہوا آئی۔ تو اسے چورہ چورہ کردیا۔ خواہ وہ ہڈی ہو یا گھاس یا کوئی اور چیز۔ رمیم اسے کہتے ہیں جو شیء ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گل سڑ جائے اور ریزہ ریزہ ہو جائے۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ قوم عاد پر جو آندھی آئی۔ وہ صرف میری انگوٹھی کے برابر سوراخ سے نکلی اور پوری قوم کو تباہ و برباد کر گئی اور وہ ایسی تیز آندھی تھی کہ جن جن آبادیوں اور گھروں پر چلی انہیں ملیامیٹ کر کے ان مکانوں کو چٹیل میدان کر گئی۔ گویا وہاں کوئی آبادی وغیرہ نہ تھی۔

(آیت نمبر ۴۳) اور قوم ثمود جو جناب صالح علیہ السلام کی قوم تھی۔ ان میں بھی آیات (نشانیاں) ہیں۔ جب انہیں کہا گیا کہ اس دنیا کی زندگی سے نفع اٹھالو۔ اس عذاب کے آنے تک تین دن کی انہیں مہلت دی گئی۔ وہ تین دن بدھ، جمعرات اور جمعہ تھا۔ بدھ کے دن انہوں نے اونٹنی کو قتل کیا اور ہفتے کے دن وہ تباہ ہو گئے۔

فائدہ: صالح علیہ السلام نے انہیں بتادیا تھا کہ پہلے دن تمہارے چہرے زرد ہوں گے۔ دوسرے دن سرخ ہو جائیں گے اور اگلے دن سیاہ ہو جائیں گے۔ اگلی صبح کو تم پر عذاب نازل ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ چہروں کی سیاہی غضب الٰہی کی نشانی ہے۔ اسی لئے جہنم بھی سیاہ اور جہنم والوں کا لباس بھی سیاہ۔ سیاہ لباس پہننے والوں کیلئے عبرت ہے۔

فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا

تو سرکشی کی انہوں نے اپنے رب کے حکم سے تو آ لیا انہیں ایک کڑک نے اور وہ دیکھتے رہ گئے۔تو پھر نہ طاقت ہوئی

مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾

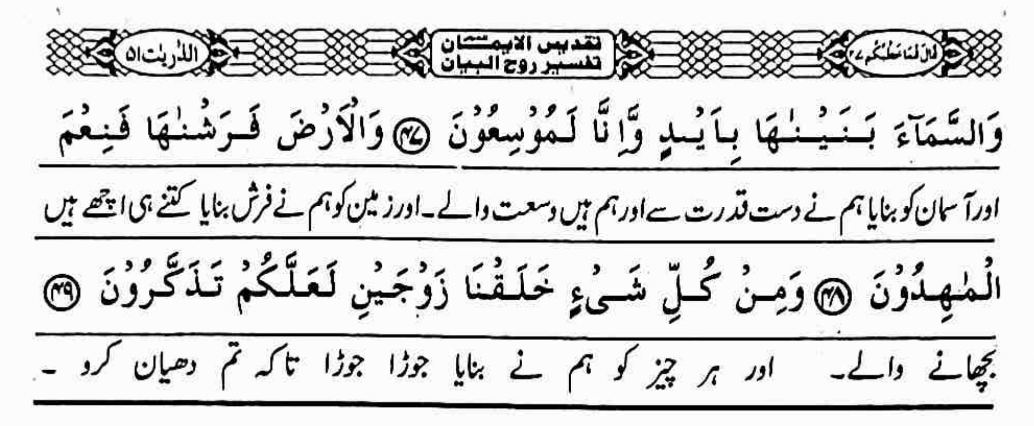
کھڑے ہونے کی اور نہ تھے بدلہ لینے والے۔اور قوم نوح اس سے پہلے (ہلاک ہوئی) بے شک وہ تھے لوگ فاسق۔

(آیت نمبر ۴۴) تو انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی۔یعنی فرمانبرداری کے بجائے روگردانی کی۔ جب صالح علیہ السلام نے انہیں فرمایا تھا کہ اس اونٹنی کو کچھ نہیں کہنا۔انہوں نے اس میں بھی اللہ اور رسول کے حکم سے سرکشی کی۔پھر انہیں جب ایمان کی دعوت دی اور بت پرستی چھوڑنے کا حکم دیا تو انہوں نے ہر حکم کی مخالفت کی۔اور دین کے معاملے میں سرکشی کا مظاہرہ کر کے عذاب الٰہی کو خود دعوت دی۔صالح علیہ السلام کے فرمان کے مطابق جب ان کے چہرے سرخ ہوئے تو سمجھ گئے اب عذاب سے نہیں بچ سکتے تو صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بچا لیا۔اگلے دن صبح کے وقت ہی جبریل امین نے ایک چیخ ماری۔جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا انہیں ایک گرج نے پکڑ لیا۔اس سخت آواز سے ان کے دل پھٹ گئے۔بعض نے لکھا ہے۔کہ اس آواز کے ساتھ ان پر آگ گری اور وہ دیکھتے دیکھتے جل کر ختم ہو گئے۔یعنی عذاب آتا ہوا دیکھ رہے تھے۔

(آیت نمبر ۴۵) چہرے سیاہ ہونے کے بعد ان میں کھڑے ہونے کی بھی ہمت نہ تھی کیونکہ وہ اپنے ہی گھروں میں گھٹنوں کے بل پڑے ہوئے تھے ان کے خداؤں میں بھی ہمت نہ تھی کہ ان کی مدد کرتے وہ خود اپنے جسم کو حرکت نہیں دے سکتے تھے۔دوسروں کی کیا مدد کرتے یا کہاں وہ بھاگ کر جاتے۔

(آیت نمبر ۴۶) اور اس سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کیا گیا۔بے شک وہ فاسقوں کی قوم تھی۔جو حد سے بہت ہی نکلی ہوئی تھی۔انتہائی نافرمان اور منکر قوم تھی۔ساڑھے نو سو سال نوح علیہ السلام نے انہیں سمجھایا۔مگر وہ بگڑتے ہی گئے۔اور نوح علیہ السلام سے سخت نفرت کرتے تھے،انہیں ایمان کیسے ملتا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے رسول بھیج کر ان کے ذریعے بندوں تک اپنے احکام پہنچائے لیکن جو لوگ حدود شرع سے متجاوز ہو کر فاسق بن جاتے ہیں پھر شیطان کے وہ مطیع بن جاتے ہیں لہٰذا وہ عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ فاسق اعلانیہ گناہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔



وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ

اور آسمان کو بنایا ہم نے دست قدرت سے اور ہم ہیں وسعت والے۔ اور زمین کو ہم نے فرش بنایا کتنے ہی اچھے ہیں

الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾

بچھانے والے۔ اور ہر چیز کو ہم نے بنایا جوڑا جوڑا تاکہ تم دھیان کرو۔

(آیت نمبر ۴۷) اور ہم نے آسمان بنائے اپنے دست قدرت سے۔ یہاں ہاتھ سے مراد قوت یا قدرت ہے۔ امام راغب فرماتے ہیں کہ ہاتھ کا ذکر اس لئے کیا۔ چونکہ سارے مشکل کام ہاتھ کے زور سے کئے جاتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ بے شک ہم ہی وسعت دینے والے ہیں۔ یعنی بہت بڑی قدرت والے ہیں۔ اس کے رزق کی وسعت یہ ہے کہ ہر ذی روح تک اس کا دیا ہوا رزق پہنچتا ہے۔ اور اس نے آسمانوں کو بہت ہی وسیع بنایا۔

(آیت نمبر ۴۸) اور زمین کو ہم نے بچھایا جس کی ابتداء کعبہ شریف کے نیچے سے ہوئی اور اسے اس قدر پھیلایا گیا کہ پانچ سو سال تک چلنے سے ایک سائیڈ کا کنارہ مل سکتا ہے۔ **فائدہ:** اسے بچھایا اس لئے تاکہ لوگ آرام سے اس پر چل پھر اور ٹھہر سکیں۔ جیسے بندہ بچھونے پر آرام سے کروٹ بدل لیتا ہے۔ لہذا آگے فرمایا کہ ہم کتنے ہی اچھا بچھانے والے ہیں۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے۔

زمین سات ہیں: قدیم علماء فرماتے ہیں کہ زمینیں سات ہیں۔ لیکن آسمانوں کی طرح ان میں فاصلہ نہیں بلکہ وہ آپس میں ملی ہوئی ہیں۔ اسی لئے آسمانوں کیلئے (سماوات) جمع کا صیغہ اور زمینوں کیلئے واحد کا صیغہ (الارض) قرآن میں لایا گیا ہے۔

(آیت نمبر ۴۹) موجودات میں سے ہر چیز اور ہر جنس سے ہم نے جوڑے بنائے۔ یعنی نر اور مادہ بنائے۔ زمین اور آسمان رات اور دن۔ ایمان اور کفر۔ نیکی بختی اور بدبختی۔ حق اور باطل۔ میٹھا اور کڑوا۔ موت و حیات۔ اندھیرا اور روشنی۔ عزت و ذلت۔ قوت و ضعف۔ علم و جہالت۔ صحت و بیماری۔ خوشی و غمی وغیرہ یا اس سے مراد ایک ہی جیسا ہونا۔ جیسے جوتوں کا جوڑا۔ موزوں کا جوڑا۔ یعنی عالم میں ہر چیز کا جوڑا جوڑا بنا دیا گیا تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔ سب کو وہی روزی دینے والا ہے۔ لہذا عبادت کا بھی وہی مستحق ہے اور وہی قیامت کے دن دوبارہ زندہ فرمائے گا۔

فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾

تو بھاگو طرف اللہ کے بے شک میں تمہیں اس کی طرف سے ڈرانے والا ہوں کھلا ۔

وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾

اور نہ بناؤ ساتھ اللہ کے معبود اور۔ بے شک میں تمہیں اس کی طرف سے ڈرانے والا کھلا۔

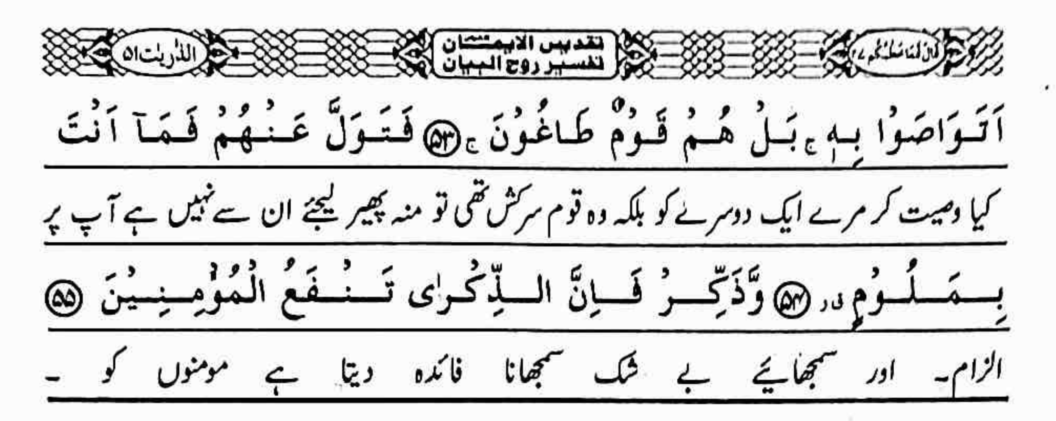
كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾

اسی طرح نہیں آئے ان سے پہلے لوگوں کی طرف کوئی رسول۔ مگر انہوں نے کہا جادوگر ہے یا دیوانہ۔

(آیت نمبر ۵۰) بھاگو اللہ تعالیٰ کی طرف۔ یعنی فوراً اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کی اطاعت کرو تا کہ اس کی سزا سے بچ جاؤ اور ثواب حاصل کرو۔ **حدیث شریف**: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ حضور ﷺ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا۔ یا اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں۔ (مسلم شریف)۔ اس آیت کا ایک معنی یہ ہے۔ کہ اذان کے بعد جلد نماز کو پہنچو۔ **فائدہ**: حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ (ففروا الی اللہ) کا معنی ہے کہ اس طرح چلو جیسے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے نہ کہ اپنی مرضی پر اور نفس کے مطابق۔ آگے فرمایا میں تمہیں کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ڈرسنانے کیلئے مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا۔ میرے نذیر ہونے کی دلیل میرے معجزات ہیں۔

(آیت نمبر ۵۱) اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو خدا نہ بناؤ۔ یعنی نہ یہ عقیدہ رکھو نہ یہ بات زبان پر بھی لاؤ کہ میرے سوا کوئی اور خدا ہے۔ بے شک میں تمہیں کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں۔ **فائدہ**: برہان القرآن میں ہے۔ پہلی دفعہ عدم طاعت سے ڈرایا گیا اور اب اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے سے ڈرایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے کا جرم کبھی معاف نہیں کیا جائیگا۔

(آیت نمبر ۵۲) اسی طرح پہلی امتوں نے جب شرک کیا اور رسولوں کی تکذیب کی اور انہیں جادوگر وغیرہ کہا تو جو ان کا حال ہوا۔ ان اہل مکہ کا حال بھی وہی ہوگا۔ آگے فرمایا۔ نہیں آئے ان سے پہلے کوئی رسول مگر ان کی قوم والوں نے کہا کہ یہ جادوگر ہے یا دیوانہ۔ یعنی جب انہوں نے نبی کے معجزات کو دیکھا تو کہا یہ جادوگر ہے۔ کبھی کہا یہ دیوانہ ہے۔ (معاذ اللہ) لہٰذا اے محبوب۔ اگر آپ کو یہ دیوانہ وغیرہ والی باتیں کہتے ہیں تو آپ نہ گھبرائیں۔ ان سے پہلے کفار نے اپنے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام یہی الفاظ کہے۔ گویا ہر نبی سے یہی کیا گیا۔



اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۚ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ

کیا وصیت کر مرے ایک دوسرے کو بلکہ وہ قوم سرکش تھی تو منہ پھیر لیجئے ان سے نہیں ہے آپ پر

بِمَلُوْمٍ ۫ ﴿۵۴﴾ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾

الزام۔ اور سمجھایئے بے شک سمجھانا فائدہ دیتا ہے مومنوں کو ۔

(آیت نمبر۵۳) کچھ معلوم نہیں ان پہلوں نے انہیں وصیت کی کہ تم بھی اپنے نبی کو یہی کہنا۔ یا یہ اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں۔ **فائدہ:** بڑے تعجب کی بات کہ پہلی جھٹلانے والی قوموں اور ان مکہ والوں کے درمیان کافی عرصہ گذر گیا۔ لیکن بولی یہ مکہ والے وہی بولتے ہیں۔ جو پہلے والے بولتے تھے تو شاید ان پہلوں نے انہیں وصیت کی تھی کہ تم بھی اپنے نبی کو یہی بات کہنا۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ ہی سرکش ہیں۔ وہ بھی اپنے انبیاء علیہم السلام کو برا بھلا کہتے تھے اور یہ بھی وہی بکواسات کرر ہے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جب جبلت خبیث ہو تو سرکشی خود بخود آ جاتی ہے پھر ان کے منہ میں جو آئے وہ بک دیتے ہیں۔ یہ بھی نہیں سوچتے کہ بات کہاں تک پہنچ رہی ہے۔

(آیت نمبر۵۴) اے محبوب ان سے منہ پھیر لیں۔ ان سے جنگ وجدل کی ضرورت نہیں۔ آپ کی طرف سے انہیں بار بار دعوت دی جا چکی ہے اور وہ اپنے تکبر کی وجہ سے انکار ہی کرر ہے ہیں۔ لہذا اس بات میں آپ پر کوئی ملامت نہیں ہے کیونکہ آپ نے اپنی کوشش سے ابلاغ وتبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے۔ آپ کا کام تھا۔ میرا پیغام ان تک پہنچانا۔ وہ آپ نے کما حقہ کر دیا۔ اب میں جانوں اور وہ جانیں۔

(آیت نمبر۵۵) آپ اپنی وعظ ونصیحت جاری رکھیں۔ اسے نہ چھوڑیں۔ اس لئے کہ بے شک آپ کے وعظ ونصیحت سے اہل ایمان کو ضرور فائدہ پہنچتا ہے۔ یا جن کے مقدر میں ایمان لانا ہے۔ انہیں ضرور نفع حاصل ہوگا۔ خصوصاً جو ایمان لا چکے ہیں۔ وعظ ونصیحت سے ان کی بصیرت اور قوت یقینی میں ضرور اضافہ ہوتا ہے۔

نصیحت کے دس موتی: (۱) لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانا۔ (۲) دکھ اور تکلیف پر صبر کا ثواب بتائیں۔ (۳) گناہوں پر ہونے والے عذاب بتائیں۔ (۴) شیطان کے مکر وفریب سنائیں۔ (۵) دنیا کی بے ثباتی وبے وفائی سمجھائیں۔ (۶) موت کی تیاری کرائیں۔ (۷) آخرت انہیں یاد کرائیں۔ (۸) جہنم سے ڈرائیں۔ (۹) جنت کا شوق دلائیں۔ (۱۰) خوف وامید دونوں دل میں جمائیں۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ

اور نہیں بنائے جن اور انسان مگر اپنی عبادت کیلئے۔ نہیں چاہتا میں ان سے کوئی روزی ۔

وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾

اور نہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔

(آیت نمبر ۵۶) نہیں پیدا کیا ہم نے جنوں اور انسانوں کو مگر اپنی عبادت کیلئے۔

فائدہ: عبادت اصل میں حد درجہ کی عاجزی کو کہتے ہیں۔ جس میں عاجزی آ گئی۔ اس نے حد درجہ کی فضیلت پائی۔ **نکتہ**: جن وانس کی پیدائش سے عبادت کی غرض اصلی ہے۔ اگر چہ اللہ تعالیٰ کو کسی کی عبادت سے کوئی غرض نہیں۔ کیونکہ وہ اغراض سے پاک ذات ہے۔ اور وہ ذات رحیم وکریم ہے۔ یہ رحمت وعبادت بھی اس کے فضل واحسان کے حصول کا سبب ہے۔

معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اغراض ہیں۔ ان کی دلیل یہی آیت ہے۔ اس لئے کہ یہاں لام تعلیق کیلئے ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تخلیق اس غرض کیلئے ہے جن وانس دونوں صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اہل سنت کا جواب یہ ہے کہ یہاں ''لیعبدون'' کا تعلق طلب سے ہے۔ ارادہ سے نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے مطالبہ کیا ہے کہ لوگ اس کی عبادت کریں۔ اور اس سے انعام حاصل کریں۔ اگر معتزلہ والا معنیٰ کیا جائے تو لازم آتا ہے کہ جن وانس ایک لمحہ کیلئے بھی اس کی عبادت کے بغیر نہ ہوں۔ یہ تکلیف مالا یطاق ہے۔

فائدہ: زیادہ بہتر یہ ہے کہ ''لیبعدون'' کا معنیٰ ''لیعرفون'' کر دیا جائے تا کہ کوئی اشکال ہی نہ رہے۔ اکثر علماء اہل سنت اور صوفیاء نے یہی معنیٰ کیا ہے۔ کہ جن وانسان کو پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانیں۔

(آیت نمبر ۵۷) میں جنوں اور انسانوں سے نہیں چاہتا اپنا رزق اور نہ میں چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔

فائدہ: یعنی اللہ تعالیٰ دنیوی حاکموں کی طرح نہیں ہے۔ جو اپنے ماتحتوں سے اپنی معیشت کی اشیاء خوردنی وغیرہ بٹورتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ بندوں کے ہر معاملے سے مستغنی ہے۔ اسے بندوں سے کوئی منفعت نہیں چاہئے۔ یہاں تک کہ بندے جو عبادت، نماز، روزہ وغیرہ بھی کرتے ہیں۔ ان کا بھی اصل فائدہ بندوں کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہاں رزق سے مراد بھی عام ہے۔ کھانا ہو یا کوئی اور چیز۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا

بے شک اللہ ہی رزق دینے والا بڑی قوت وقدرت والا ہے۔ تو بے شک ظالموں کے گناہ ہیں

مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

جیسے گناہ تھے ان جیسوں کے۔ تو نہ وہ جلدی کریں۔ پس خرابی ہے کافروں کیلئے

مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ع ﴿۶۰﴾

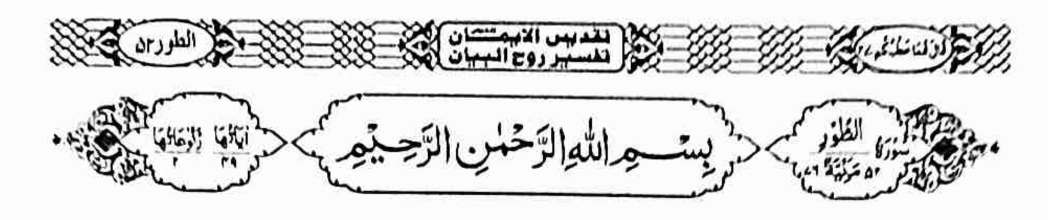
اس دن کہ جس کا وہ وعدہ دیئے جاتے ہیں۔

(آیت نمبر ۵۸) بے شک اللہ تعالیٰ بہت بڑا روزی رساں ہے۔ یعنی وہ دوسروں کو روزی پہنچاتا ہے۔ خود نہیں کھاتا۔ البتہ کسی غریب کو کھانا دینا اللہ تعالیٰ کو ہی دینا ہے۔ جیسا کہ **حدیث شریف** میں ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے سے فرمائے گا۔ میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے نہیں دیا۔ یعنی فلاں بندے نے مانگا تھا۔ اگر تو نے اسے دیا ہوتا تو تو نے گویا مجھے دیا ہوتا۔ (یہ حدیث بہت لمبی ہے ہم نے مختصر لکھ دی)۔ (مسلم شریف و جامع السنۃ، ریاض الصالحین) آگے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ساری مخلوق پر بہت بڑی طاقت والا ہے۔

(آیت نمبر ۵۹) پس بے شک ظالموں کیلئے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی تکذیب کر کے ہمیشہ کا عذاب اپنے سر لیا۔ اسی لئے کہ انہوں نے گناہوں کا وافر حصہ کمایا جیسے ان کے دوستوں نے جن کا ذکر پیچھے ہو گیا کہ انہوں نے بڑے بڑے گناہ کئے تو انہیں عذاب بھی اس قدر بڑا ہوا۔ اور ان کفار مکہ کو بھی اپنے گناہوں کا عذاب ہوگا۔ لہذا وہ اس عذاب کو جلدی نہ مانگیں۔ کعبہ کا غلاف پکڑ کر کہا کہ اللہ تعالیٰ اگر یہ نبی برحق ہے۔ تو ہم پر پتھروں کا عذاب اتار دے۔ **فائدہ:** جیسے نضر بن حارث نے مانگا تو بدر میں مارا گیا اور جہنم میں جا پہنچا۔

(آیت نمبر ۶۰) بس خرابی ہے کافروں کیلئے ان کے اس دن میں جس کا وہ وعدہ دیئے گئے۔ یعنی اہل مکہ کو بتایا گیا تھا کہ قیامت سے پہلے ان پر عذاب آئیگا تو وہ بدر کے دن ان پر عذاب آیا۔ قیامت کے عذاب میں بھی وہ ضرور مبتلا ہوں گے بلکہ اس سے پہلے قبر کا عذاب بھی ہوگا۔ اس کے بعد وہ آخرت والے جہنم کے عذاب کا مزہ پائیں گے۔

اختتام سورۃ مورخہ: ۱۶۔ فروری بروز جمعرات بوقت نماز عصر



وَالطُّوۡرِ ۙ﴿۱﴾ وَکِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ ۙ﴿۲﴾ فِیۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ ۙ﴿۳﴾ وَّالۡبَیۡتِ الۡمَعۡمُوۡرِ ۙ﴿۴﴾

قسم ہے طور کی۔ اور کتاب لکھی ہوئی کی۔ اس دفتر میں جو کھلا ہوا ہے۔ اور قسم بیت المعمور کی۔

(آیت نمبر۱) قسم ہے طور پہاڑ کی۔ مشہور بات یہی ہے کہ اس سے مراد وہی پہاڑ ہے۔ جسے طور سینا کہا جاتا ہے جو مدین کے قریب ہے۔ جس پر جناب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کلام کی اور سنی۔ جس پہاڑ کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی۔ اس سے طور کی عظمت کا اندازا لگایا جائے۔ کہ وہ کتنی بڑی شان والا ہے۔

(آیت نمبر۲) اور اس کتاب کی قسم جو پورے اہتمام سے لکھی گئی۔ اس سے مراد قرآن یا توراۃ یا وہ جو لوح محفوظ میں ہے۔ یا اس سے مراد اعمالنامے کی کتاب ہے۔ جس کو قیامت کے دن کھولا جائے گا۔

(آیت نمبر۳) وہ کھلے ہوئے صحیفوں میں ہے کہ جسے پڑھنے والا آسانی سے پڑھ سکتا ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا منشور وہ کھلا ہوا خط جس پر مہر نہ ہو۔ یعنی قسم ہے اس لکھی ہوئی کتاب کی جو صحیفے میں ہے جو پڑھنے کے وقت کھلے گی۔ یا وہ اعمال نامے جو قیامت کے دن کھولے جائیں گے۔

(آیت نمبر۴) اور قسم ہے بیت المعمور کی جو ساتویں آسمان پر ہے۔ اس کا نام عروب ہے اور وہ کعبہ شریف کے بالکل اوپر ہے اس کے اردگرد فرشتے طواف کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ جیسے زمین والے کعبہ کے اردگرد طواف کرتے اور نماز پڑھتے ہیں۔ بیت اللہ شریف بیت المعمور کے مطابق ہی بنایا گیا۔

معراج کی رات:

حضور ﷺ نے معراج کی رات بیت المعمور کو ساتوں آسمانوں کے اوپر دیکھا۔ **فائدہ**: یہ جو مشہور ہے کہ ہر آسمان پر بیت المعمور ہے یہ صحیح نہیں بیت المعمور ایک ہی ہے جو ساتویں آسمان سے اوپر ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ بیت المعمور کی طرح ہر آسمان پر ایک ایسا مقام ہو جس کا ہر آسمان والے طواف کرتے ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں نے ابراہیم علیہ السلام کو ساتویں آسمان پر دیکھا کہ وہ بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے تھے۔ (بخاری)

وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۙ﴿۵﴾ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۙ﴿۶﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۙ﴿۷﴾

اور چھت کی جو بلند ہے۔ اور سمندر سلگائے ہوئے کی۔ بے شک عذاب تیرے رب کا ضرور ہوگا۔

مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۙ﴿۸﴾ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۙ﴿۹﴾

نہیں اسے کوئی ٹالنے والا۔ جس دن ہل جائیں آسمان ہلنا۔

(آیت نمبر ۵) اور بلند چھت کی قسم یعنی آسمانوں کی۔ جس کی مسافت پانچ سو سال کی راہ ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔ ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔ آسمان کی قسم کھائی۔ اس لئے وہ مجمع انوار حکمت ہے اور مخزن اسرار حکمت ہے۔ یا اس آسمان سے مراد عرش معلٰی ہے۔

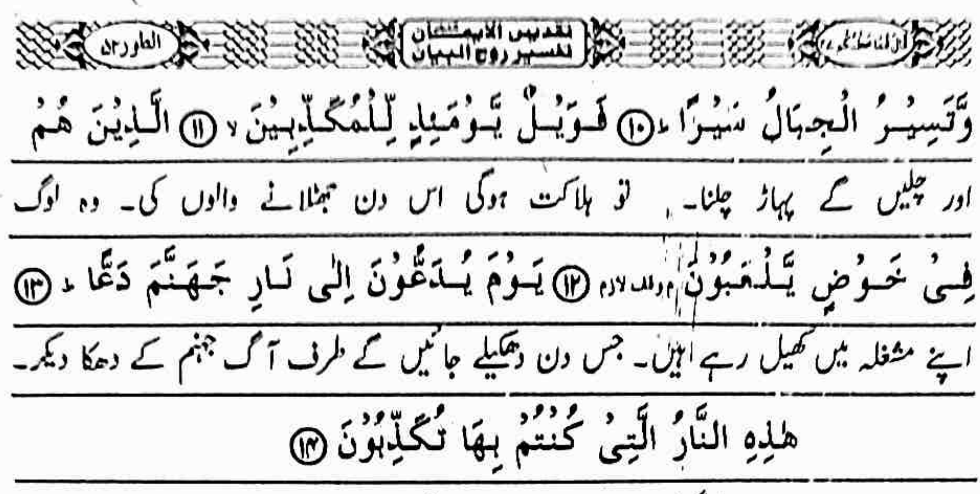
(آیت نمبر ۶) مسجور وہ دریا جسے بحر محیط بھی کہتے ہیں جو دنیا کے تمام دریاؤں کا مادہ ہے اور جس دریا کا کوئی کنارہ نہیں۔ جس کی گہرائی اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ دنیا کے تمام دریا اسی سے نکلے ہیں۔ اسی دریا میں مرجان ہوتا ہے۔ یا مراد ہے کہ ان دریاؤں کو سلگایا جائیگا۔ یعنی قیامت کے قریب تمام دریاؤں کو سلگا کر ختم کر دیا جائیگا۔

(آیت نمبر ۷) بے شک آپ کے رب کا عذاب ضرور واقع ہوگا۔ یعنی اس عذاب کو کوئی روک نہیں سکتا۔ وہ کفار و مشرکین کیلئے تیار کیا گیا ہے۔ **فائدہ:** اس سے مراد عذاب آخرت ہے۔ اس سے دنیوی عذاب مراد نہیں ہے۔ اس کی تفصیل سورہ ذاریات میں بیان ہوگئی ہے۔

(آیت نمبر ۸) اس عذاب کو کوئی ہٹانے والا نہیں ہے۔ دوسری جگہ فرمایا۔ اللہ کے بغیر اسے کوئی رد کرنے والا نہیں۔

پر اثر آیت: جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مکہ مکرمہ سے مدینہ پاک میں بدر کے قیدیوں کو چھڑانے کیلئے آیا۔ صبح کی نماز میں حضور ﷺ اسی سورۃ کی بلند آواز سے تلاوت فرما رہے تھے اور اتنے سوز سے کہ لوگوں کے دل پھٹ رہے تھے۔ اسی سے اسلام کی عظمت میرے دل میں بیٹھ گئی۔ میں مسلمان ہوگیا تا کہ عذاب سے بچ جاؤں۔

(آیت نمبر ۹) جس دن آسمان ہلا دیئے جائیں اور اس طرح آسمان گھومیں گے کہ جس طرح چکی گھومتی ہے اوپر کی تمام چیزوں کو نیچے گرا دے گا یا اوپر نیچے کی تمام اشیاء مکس ہو جائیں گی۔ یہ سب عذاب الٰہی کے خوف سے ہوگا۔



وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝١٠ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١١ الَّذِيْنَ هُمْ

اور چلیں گے پہاڑ چلنا۔ تو ہلاکت ہوگی اس دن جھٹلانے والوں کی۔ وہ لوگ

فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۝١٢ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝١٣

اپنے مشغلہ میں کھیل رہے ہیں۔ جس دن دھکیلے جائیں گے طرف آگ جہنم کے دھکا دیکر۔

هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝١٤

یہ ہے وہ آگ جسے تھے تم جھٹلاتے۔

(آیت نمبر۱۰) اور پہاڑوں کو چلادیا جائیگا۔ بلکہ زمین پر اڑتے ہوئے نظر آئیں گے۔ جیسے غبار اڑتا ہے۔ بعض نے کہا۔ بادلوں کی طرح اور پرکواڑ کر پھٹ جائیں گے یا دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑیں گے۔

(آیت نمبر۱۱) پس خرابی ہے۔ اس دن جھٹلانے والوں کیلئے۔ یعنی جب مذکورہ حالات ہو جائیں گے۔ پھر جھٹلانے والوں کے لئے ان کے عذاب کی شدت کا وقت ہو جائیگا۔ یعنی جو لوگ دنیا میں انبیاء کرام علیہم السلام یا ان کی کتابوں کو جھٹلانے والے ہیں۔ ان کا عذاب میں پڑنے کا وقت آجائیگا۔ اور وہ حساب وکتاب کے بعد جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔

(آیت نمبر۱۲) وہ لوگ جو اپنے ہی غور وحوض یعنی کھیل تماشے میں ہیں۔ عجیب عجیب باطل اور جھوٹی باتوں کے غور وفکر میں پڑے ہیں۔ کبھی مسلمانوں سے تمسخر کبھی نبی کی تکذیب کبھی آخرت میں زندہ ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ یعنی ان باطل باتوں سے کھیلتے ہیں۔ اور نہ آیات پر ایمان لاتے ہیں، نہ ان میں غور وفکر کرتے ہیں۔

(آیت نمبر۱۳) جس دن وہ جہنم کی طرف دھکیلے جائیں گے۔ یعنی کافروں کو قیامت کے دن دھکے دے دے کر جہنم کی طرف دھکیلا جائیگا اور ان کے ہاتھ گردنوں کے ساتھ بندھے ہوں گے۔ پیشانیاں پاؤں کی طرف جھکی ہونگی۔ انتہائی ذلت آمیز طریقے سے اور رسوائی کے ساتھ جہنم لے جایا جائیگا۔

(آیت نمبر۱۴) تو انہیں کہا جائیگا۔ یعنی جہنم کے داروغے انہیں کہیں گے۔ یہی وہ عذاب ہے۔ جسے دنیا میں تم جھٹلایا کرتے تھے۔ حالانکہ تمہیں وحی کے ذریعے اس عذاب کی خبر دی گئی تھی لیکن تم نے نہیں مانا اور اپنی ضد پر اڑے رہے۔ الٹا تم اس کی مزاحیں بناتے اور مسلمانوں کو پریشان کرتے تھے۔

اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ

کیا جادو ہے یا کیا تم نہیں دیکھتے۔ داخل ہو اس میں پھر صبر کرو یا نہ صبر کرو۔

سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۖ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ

برابر ہے تم پر۔ بے شک تم دیئے جاؤگے بدلہ جو تھے تم عمل کرتے۔ بے شک پرہیزگار

فِىْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ۙ ﴿۱۷﴾

باغات اور نعمتوں میں۔

(آیت نمبر ۱۵) کیا یہ جادو ہے۔ بڑے زجر وتوبیخ سے ڈانٹ کر کہا جائیگا کہ دنیا میں تم قرآن اور صاحب قرآن کے متعلق جادو کہا کرتے تھے۔ اب بتاؤ۔ کیا یہ سب جادو ہے۔ دھکے بھی دیئے جارہے ہوں گے اور یہ بھی ساتھ کہا جائیگا۔ بجائے تصدیق کے تم ان احوال آخرت کی تکذیب کرتے تھے۔ کیا اب تم دیکھ نہیں رہے۔ دنیا میں تو کہہ دیا کرتے۔ ہماری آنکھیں باندھ دی گئیں۔ ہم پر جادو ہوگیا۔ اب بتاؤ یہ جھوٹ ہے۔ یا حقیقت ہے۔

(آیت نمبر ۱۶) اب داخل ہو جاؤ اس جہنم میں اور اس کی گرمی اور سختی کو جھیلو۔ آگے صبر کرو یا بے صبری۔ جو مرضی ہے کرلو۔ یہ تمہارے لئے برابر ہے۔ تمہاری جان اب جہنم سے نہیں چھوٹ سکتی۔ یہ صرف تمہارے عملوں کی سزا ہے۔

فائدہ: یہ جملہ ان کی تمام امیدیں ختم کرنے کیلئے کہا گیا ہے۔ آگے فرمایا۔ اب چیخو چلاؤ یا چپ رہو۔ یہ سب تمہارے لئے برابر ہے۔ چیخنا چلانا تمہیں کوئی فائدہ نہیں دیگا۔ دنیا میں چیخنے چلانے کا فائدہ تھا۔ کہ کوئی نہ کوئی فریاد کو پہنچ جاتا تھا لیکن یہاں کوئی فائدہ نہیں۔ یہ جو تمہیں سزا مل رہی ہے یہ وہ ہے جو تم دنیا میں عمل کرتے رہے۔ اور تمہارا ہر عمل ہماری نافرمانی اور ہمارے حکم کے خلاف ہوتا تھا۔

(آیت نمبر ۱۷) بے شک پرہیزگار لوگ یعنی جو کفر اور نافرمانیوں سے بچتے رہے۔ وہ باغات اور چشموں میں ہوں گے اور نعمتوں میں ہوں گے۔ جہاں پہ خوشحالی اور آسائش اور طرح طرح کی نعمتوں میں سرشار ہونگے۔ امام راغب نے فرمایا نعیم کا معنی نعمتہائے کثیر۔ یعنی نہ ختم ہونے والی نعمتوں میں ہوں گے۔ متقین جو ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچنے والے۔

فَٰكِهِينَ بِمَآ ءَاتَىٰهُمۡ رَبُّهُمۡ وَوَقَىٰهُمۡ رَبُّهُمۡ عَذَابَ ٱلۡجَحِيمِ ﴿١٨﴾ كُلُوا۟

خوش ہیں اس پر جو دیا ان کو ان کے رب نے اور بچایا انہیں رب نے عذاب جہنم سے۔ کھاؤ

وَٱشۡرَبُوا۟ هَنِيٓـَٔۢا بِمَا كُنتُمۡ تَعۡمَلُونَ ﴿١٩﴾ مُتَّكِـِٔينَ عَلَىٰ سُرُرٍ

اور پیو خوشی سے بدلہ ہے اس کا جو تھے تم عمل کرتے۔ تکیہ لگائے تختوں پر

مَّصۡفُوفَةٍۖ وَزَوَّجۡنَٰهُم بِحُورٍ عِينٍ ﴿٢٠﴾

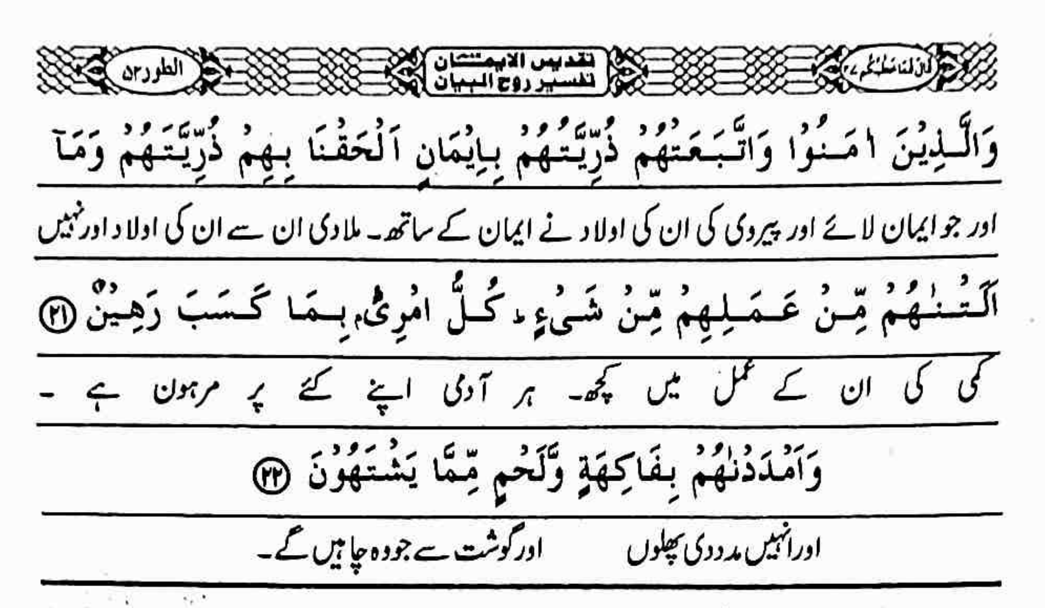
جو قطار میں لگائے گئے اور نکاح دیا ساتھ موٹی آنکھوں والی حوروں کے

(آیت نمبر ۱۸) عیش وعشرت والے شاداب وفرحان ہونگے۔ قاموس میں ہے۔ خوش وخرم بہترین عیش وآرام سے زندگی بسر کرنے والے جو انہیں پروردگار نے دائمی عزتیں دیں۔ ان پر خوش رہنے والے جہاں لذت ہی لذت ہوگی اور ان کے رب نے انہیں بچالیا جہنم کے عذاب سے۔ اور جنت میں داخل فرمادیا۔

(آیت نمبر ۱۹) اور جنت کے فرشتے انہیں کہیں گے۔ کھاؤ اور پیو خوب سیر ہو کر عیش کرنے والے اور لذات پانے والے خوش باش رہنے والے۔ قاموس میں ہے۔ پھل میوے کھانے والے اور بھی جو انہیں ان کے رب کی طرف سے ملا۔ یہ سب بدلہ ہے اس کا جو تم دنیا میں نیک اعمال کرتے رہے۔

فائدہ: جنت میں داخلہ ایمان اور محض فضل الٰہی سے ہوگا۔ اور جنت کی نعمتیں اعمال صالحہ کا بہترین بدلہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر نیک اعمال کا بدلہ دینا واجب نہیں۔ یہ بھی محض اس کا احسان ہوگا۔

(آیت نمبر ۲۰) تکیہ لگانے والے تختوں پر ہوں گے۔ ایک دوسرے کے قریب ایک ہی لائن میں صف کی طرح۔ بیٹھے خوش گپی کریں گے۔ سونے چاندی کے زیورات اور جواہرات سے مزین ہوں گے۔ **فائدہ**: امام کلبی نے فرمایا۔ وہ تخت صف بستہ ہوں گے۔ جو انتہائی لمبے ہوں گے۔ بیٹھنے کیلئے نیچے ہو جائیں گے۔ بیٹھنے کے بعد انتہائی بلند ہوں گے اور ملاقات میں سب ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں گے۔ آگے فرمایا۔ ہم انہیں نکاح میں دینگے موٹی آنکھوں والی حوریں۔ (یعنی ان کی بیویاں عام دنیوی عورتیں ہی نہیں بلکہ حوریں بھی ہوں گی)۔



وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ

اور جو ایمان لائے اور پیروی کی ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ۔ ملادی ان سے ان کی اولاد اور نہیں

اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾

کمی کی ان کے عمل میں کچھ۔ ہر آدمی اپنے کئے پر مرہون ہے ۔

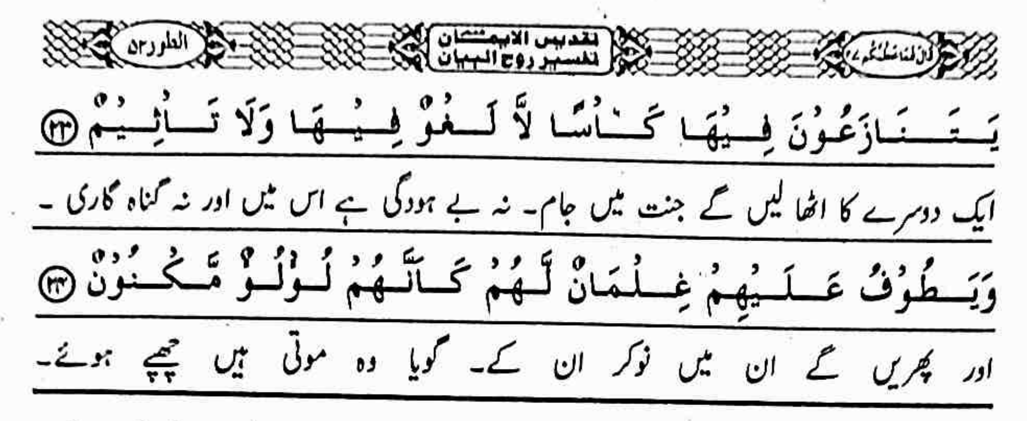
وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور انہیں مدد دی پھلوں اور گوشت سے جو وہ چاہیں گے۔

(آیت نمبر ۲۱) اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ان کی پیروی کی۔ ایمان اور طاعت میں۔ اگر چہ وہ بزرگوں کے رتبہ تک نہیں پہنچے تو ہم ان کی اولاد کو (جنت میں) ان کے ساتھ ملا دیں گے۔ یعنی جس درجے اور کلاس میں والدین ہوں گے۔ اسی درجے میں ان کی اولاد کو بھی پہنچا دیں گے تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ان کے سرور اور فرحت میں مزید اضافہ ہو۔ آگے فرمایا کہ ہم ان کے اعمال میں سے کوئی کمی نہیں کریں گے۔ یعنی ان کے والدین کے ثواب میں کمی نہیں کریں گے۔ آگے فرمایا کہ ہر عاقل بالغ مکلف مرد نے جو بھی عمل کیا۔ خواہ اچھا یا برا۔ وہ اسی کے ساتھ ہوگا۔ یعنی اسی کے مطابق جزاء وسزا پائیں گے۔ یہاں رہین بمعنی مرہون ہے۔ یعنی رہن رکھا ہوا۔ عمل صالح گویا اس کا قرض رکھا ہوا ہے۔ جس کا قیامت کے دن وہ مطالبہ کرے گا۔

(آیت نمبر ۲۲) اور ہم نے ان کی مدد کی۔ یعنی قیامت میں کریں گے۔ یہاں ماضی بمعنی مضارع ہے۔ یعنی ہر طرح کے پھلوں سے اور اپنے گوشت سے ان کی مہمانی کریں گے۔ جیسا وہ چاہیں گے۔ یعنی جنت میں جب اولاد یں اپنے آباء کرام سے مل جائیں گی۔ اگر چہ اولاد طفیلی ہی رہے گی۔ لیکن انعامات دونوں پر برابر ہونگے تو پھلوں کے علاوہ انہیں وہ گوشت دیا جائیگا۔ جسے وہ چاہیں گے۔ پھر نہ پھل فروٹ ختم ہونگے نہ دوسری اشیاء۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب کسی اڑتے پرندے کا بھنا ہوا گوشت چاہو گے تو وہ بھنا ہوا ہو کر تمہارے سامنے آجائیگا۔ تھوڑی دیر بعد وہی پرندہ اڑ کر نہر کے کنارے جا بیٹھے گا۔ (تفسیر ابن سیرین)



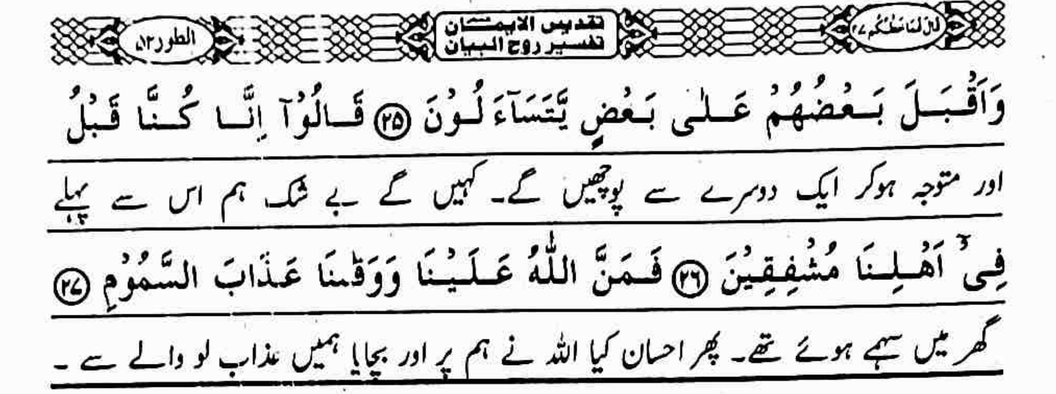
(آیت نمبر۲۳) جنت میں اکٹھے بیٹھنے والے محبت وسرور میں ایک دوسرے سے ہنسی مزاق بھی کریں گے۔ جیسے دوست ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے سے چیزیں اپنی طرف کھینچ لیں گے۔

فائدہ: اس میں ان کے کمال رغبت واشتیاق کی طرف اشارہ ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کا پیالہ اپنی طرف کھینچ لیں گے۔ لیکن اس میں نہ تو کوئی لغوبات ہوگی۔ (یعنی پیالہ لیتے وقت کوئی لغویات فضول کلام یا گھٹیا گفتگو نہیں ہوگی۔) **فائدہ**: راغب اصفہانی فرماتے ہیں۔ لغو وہ کلام ہے جو غیر معتبر ہو اور بغیر سوچے سمجھے منہ سے نکال دی جائے اور اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں کہ جس سے وہ گناہ گار ہو۔ جیسے جھوٹ گالی یا کوئی بکواس وغیرہ جیسے دنیا میں شرابیوں کی عادت ہوتی ہے۔ **فائدہ**: جنت کی شراب پی کر عقل سلامت ہوگی۔ حکمت دانائی کی باتیں کریں گے۔ جیسے معزز لوگ اور اعلیٰ شخصیات کرتے ہیں۔

(آیت نمبر۲۴) اور غلمان گھومیں گے۔ یعنی جنتیوں کے اردگرد جنت کے اعلیٰ مشروب لیکر ایسے گھومیں گے۔ جیسے کوئی کعبہ کے اردگرد گھومتا ہے۔ وہ نہایت خوبصورت نوجوان ہوں گے۔ جو جنتیوں کی خدمت پر مامور ہوں گے۔ یہ غلام دنیا والے نہیں بلکہ جنت میں ہی ہوں گے۔ انہیں اسی خدمت کیلئے بنایا جائیگا۔

فائدہ: اور ہر ایک جو جنت میں داخل ہوگا۔ اسے خدام خدمت کیلئے ملیں گے۔ جو ان کی خدمت کریں گے تاکہ ان سے ان کی پریشانی اور حیرانی دور ہو اور وہ اتنے خوبصورت ہوں گے۔ گویا وہ خالص موتی ہیں جو ابھی ابھی صدف سے نکلے ہیں۔ کیوں کہ سب سے زیادہ خوبصورت موتی وہی ہوتا ہے جو بالکل نیا ہو۔ مکنون کا ایک معنی خزانے میں رکھا ہوا بھی ہے۔ جو سب سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ وہ بہت بڑے خزانے میں محافظوں کی نگرانی میں رکھا جاتا ہے

حدیث شریف: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا۔ خادم کی یہ شان ہے تو مخدوم کا کیا مقام ہوگا۔ تو فرمایا۔ وہاں مخدوم چودھویں کے چاند کی طرح اور خادم ستارے کی طرح چمکتے ہوں گے۔ (تفسیر بیضاوی)



وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ

اور متوجہ ہوکر ایک دوسرے سے پوچھیں گے۔ کہیں گے بے شک ہم اس سے پہلے

فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾

گھر میں سہمے ہوئے تھے۔ پھر احسان کیا اللہ نے ہم پر اور بچایا ہمیں عذاب لو والے سے۔

(آیت نمبر ۲۵) جنتی ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر ایک دوسرے سے پوچھیں گے۔ یعنی حال واحوال کا پتہ کریں گے کہ تم پر کیسے انعام ہوا اور کیا انعام ہوا۔ اس پوچھنے میں بڑی لذت اور بہت سرور ہوگا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے بہت بڑے بڑے انعامات سے نوازا ہوگا۔ جیسے دنیا میں بھی جب ملتے ہیں تو ایک دوسرے کے احوال پوچھتے ہیں تو جو جوان پر انعامات ہوئے یا اچھے اوقات گذرے۔ ان کو بیان کریں گے۔ پھر احوال سن کر انتہائی خوش ہوں گے۔ ایک دوسرے سے مانوس ہوں گے۔ آپس میں دینوی طاعات کا اور اخروی انعامات کا ذکر کر کے ایک دوسرے کے حالات سن کر خوش ہونگے۔ اور ایک دوسرے کو بتائیں گے۔

(آیت نمبر ۲۶) آپس میں مل بیٹھ کر جنتی ایک دوسرے سے کہیں گے۔ بے شک دنیا میں ہم اپنے اہل وعیال میں جب ہوتے تھے۔ تو بڑے سہمے ہوئے تھے کہ نہ معلوم ہمارا کیا بنے گا کیونکہ ہم سے گناہ اور نافرمانیاں بھی ہو جاتیں۔ لہٰذا ہم اپنے انجام کے بارے میں بے خبری کی وجہ سے ڈرتے تھے۔

فائدہ: لیکن جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے (وہی کامیاب ہے) یا اس سے مراد یہ ہے کہ ابھی میدان محشر میں ڈر رہے تھے کہ نامعلوم اب کیا فیصلہ ہوگا اور ہم کدھر جائیں گے۔

(آیت نمبر ۲۷) ابھی سوچ اور خوف میں تھے کہ اتنے میں اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہوگیا ہم پر کہ ہمیں جنت میں جانے کا حکم ہوگیا اور جنت کی نعمتوں سے نواز دیا گیا اور اس سے بڑا احسان یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عذاب جہنم سے بچالیا۔ جس کے زہریلے دھوئیں سے ہی آدمی کا برا حال ہوجاتا ہے۔

فائدہ: امام بقلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کے شکر کا بیان ہے۔ جن کو ابھی جنت اور اس کی نعمتیں ملی ہیں تو جب انہیں دیدار نصیب ہوگا پھر ان کا کیا حال ہوگا۔ (سبحان اللہ رب العرش الکریم)

اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ۠ ﴿۲۸﴾

بے شک تھے ہم پہلی زندگی میں اسے یاد کرتے۔ بے شک وہ احسان والا رحمت والا ہے۔

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ؕ ﴿۲۹﴾

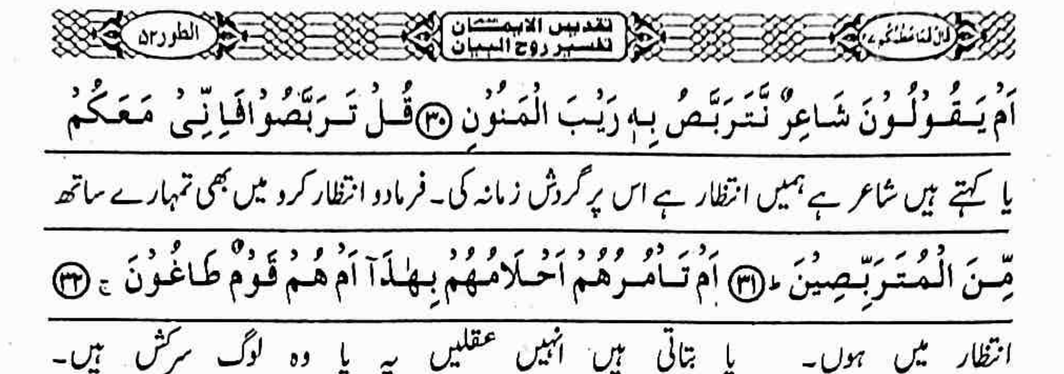
تو نصیحت کریں۔ نہیں ہیں آپ اپنے رب کے فضل سے کاہن اور نہ دیوانے۔

(آیت نمبر ۲۸) بے شک ہم اس سے پہلے یعنی دنیا میں اسی ذاتِ پاک کی عبادت کرتے تھے اور اسی کی بارگاہ میں جہنم سے بچنے کی دعا کرتے تھے۔ بے شک وہ ذات بہت ہی احسان کرنے والی اور بڑی رحمت والی ہے۔ بَر اور رحیم کی نسبت بندے کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ بندے کی طرف بر کی نسبت ہو تو مراد ہے کثرتِ عبادت اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو کثرتِ ثواب مراد ہوتا ہے کہ وہ معمولی نیکی پر بہت بڑا ثواب بھی عطا فرما دیتا ہے۔ کیونکہ وہ بادشاہ ہے اور بادشاہوں کی عطا معمولی نہیں ہوتی۔ وہ بندے کی سوچ سے بھی بڑی ہوتی ہے۔

فائدہ: شرح اسماء حسنیٰ میں ہے۔ برالرحیم کو جس نے جان لیا اور وہ ہر مراد میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے گا۔ اور جو اس کی طرف رجوع کرے۔ اللہ تعالیٰ بھی اپنے فضل و کرم سے اس کی مراد سے بڑھ کر اسے عطا فرماتا ہے۔ (بس بندے کا کام ہے اس کی طرف رجوع کرنا)۔

(آیت نمبر ۲۹) اے محبوب آپ نصیحت کریں۔ اگر چہ کچھ بندے اپنے اہل و عیال میں رہتے ہوئے خوفِ خدا میں زندگی بسر کرتے ہیں اور آپ آخرت کا ڈر سنانے پر مامور ہیں۔ اس لئے اے محبوب آپ اپنے کام کو جاری رکھیں اور یہ کفار مکہ جو کچھ بھی آپ کی شان میں بکتے ہیں۔ آپ اس سے پریشان نہ ہوں۔ اور ان کی بہتان تراشی کا فکر نہ کریں۔ میں آپ کا رب ہو کر یہ آپ کی صفائی دیتا ہوں کہ آپ اپنے رب کی رحمت سے نہ کاہن ہیں نہ مجنون ہیں۔

کاھن: وہ ہوتا ہے جو صرف اپنے گمان سے زمانہ ماضی کی مخفی خبریں دیتا ہے۔ اور عراف جو زمانہ مستقبل کی اپنے اٹکل پچو سے خبریں دیتا ہے۔ ایسی خبروں میں صحیح اور غلط دونوں باتوں کا احتمال ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ جو کاہن یا عراف کے پاس گیا اور اس کی بات کو سچ کہا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا۔ مجنون وہ ہے جس کے عقل میں فساد ہو۔ علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی تردید فرمائی اور حضور ﷺ کو تسلی دی کہ آپ میں یہ دونوں خرابیاں نہیں ہیں۔



اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿۳۱﴾ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۳۲﴾

یا کہتے ہیں شاعر ہے ہمیں انتظار ہے اس پر گردش زمانہ کی۔ فرمادو انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار میں ہوں۔ یا بتاتی ہیں انہیں عقلیں یہ یا وہ لوگ سرکش ہیں۔

(آیت نمبر۳۰) بلکہ وہ شاعر ہیں۔ یہ کلمہ ان کی قباحت ظاہر کرنے بلکہ انہیں جھڑکنے کے طور پر ہے۔ شاعر اور شعر کی تفصیلات سورہ یاسین میں گذر گئی ہیں۔ حماسہ کے شارح امام مرزوقی نے لکھا ہے کہ بلاغت کا مرتبہ شاعری سے زیادہ ہے۔ عرب کے بادشاہ اسلام آنے سے پہلے اور بعد بھی خطابت کی وجہ سے عظیم سمجھے جاتے تھے۔ شاعری کو وہ معمولی چیز سمجھتے تھے کیونکہ شاعر تو اعلیٰ کو گھٹیا اور گھٹیا کو اعلیٰ کر کے پیش کرتا ہے۔ جو ایک تجارتی شے ہے۔ اسی لئے نثر کو نظم پر فوقیت ہے۔ اس کی دلیل میں قرآن مجید کو پیش کیا جاتا ہے۔ اگر نظم کو شرف ملتا تو قرآن نظم میں ہوتا۔

مزید کفار یہ کہتے تھے کہ ہم اس نبی کی موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ جیسے باقی شعراء مر گئے تو ان کا نام ختم ہو گیا اب یہ بھی ختم ہو جائیں گے تو بے نام ہو جائیں گے۔ (معاذ اللہ)۔ ان بے وقوفوں کو کیا پتہ۔ کہ اس نبی کی ہر آنے والی گھڑی پہلی گھڑی سے بہتر ہو گی۔ یعنی دن بدن اس کا چرچا اور شان بڑھتی ہی جائے گی۔

(آیت نمبر۳۱) اے محبوب ان کو فرما دیں۔ تم میری موت کا انتظار کرو۔ میں بھی تمہاری طرح تمہاری موت کا انتظار کرنے والوں سے ہوں۔ **فائدہ:** اس میں کفار کی ہلاکت کا وعدہ دیا گیا۔ اور تفاسیر میں ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کا انتظار کرنے والے تمام کفار حضور ﷺ کے وصال مبارک سے پہلے مرنے۔ **فائدہ:** اسی طرح کئی امیر و وزیر جو اولیاء کرام سے دشمنی رکھتے تھے، وہ زیادہ دیر نہیں رہے۔ وہ جلد ہی ہلاک ہو جاتے ہیں۔ لہذا لوگوں کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار کریں۔

(آیت نمبر۳۲) کیا ان کے عقل انہیں اس قسم کا حکم دیتے ہیں جو یہ منافقوں والی باتیں کرتے ہیں۔ اے محبوب انہیں اُن باتوں میں لگے رہنے دیں۔ یہ قبیح تر اور بے عقل اور بدتمیز سرکش لوگ ہیں۔

یاد رہے: حلم عقل نہیں لیکن اہل تفاسیر اسے عقل سے تعبیر کیا ہے۔ البتہ یہ عقل کے مسببات میں سے ہے۔ لہذا اس میں یہ نسبت مجازی ہے۔ آگے فرمایا۔ یا وہ سرکش لوگ ہیں جو تکبر و عناد میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں اور وہ ہدایت کے قریب بھی نہیں آتے۔ لہذا وہ ایسا جھوٹ بولتے ہیں جو عقل و گمان میں بھی نہیں آتا۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۚ ﴿۳۳﴾ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ

یا کہتے ہیں یہ قرآن اس نے بنالیا بلکہ نہیں وہ مومن۔ پھر لے آئیں ایک بات اس جیسی

اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ؕ ﴿۳۴﴾ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ؕ ﴿۳۵﴾

اگر ہیں سچے۔ یا وہ بنائے گئے بغیر کسی اصل چیز کے یا وہی بنانے والے ہیں۔

اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ؕ ﴿۳۶﴾

یا انہوں نے بنایا آسمان اور زمین کو۔ بلکہ نہیں وہ یقین رکھتے۔

(آیت نمبر ۳۳) یا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو اس رسول نے خود ہی لکھ لیا ہے اور منسوب اللہ تعالیٰ کی طرف کردیا ہے۔ یہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان ہی نہیں لاتے۔ کیونکہ ان کے عناد کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے۔ ان کی باتیں ایمان نہ لانے کے بہانے ہیں۔ کبھی کوئی بہانہ کبھی کوئی بہانہ۔

(آیت نمبر ۳۴) اگر یہ کتاب نبی نے خود بنائی تو لے آئیں کوئی ایک بات اس کی مثل۔ یعنی اگر میرے رسول نے قرآن مجید جیسا کلام خود بنایا ہے۔ تو تم بھی اس جیسا کلام نظم و معنی کے لحاظ سے بالکل اسی کی مثل ہو لے آؤ۔ اگر مشکل سمجھو کہ تم اس کتاب جیسی پوری کتاب نہیں لا سکتے تو نہ سہی۔ پوری سورۃ بھی نہیں لا سکتے تو کم از کم ایک بات ہی بنا کر لے آئیں۔ کیونکہ تمہیں اپنی زبان دانی اور اپنی فصاحت و بلاغت کا بڑا فخر ہے۔ تو یہ کام کر دکھاؤ۔

(آیت نمبر ۳۵) یا یہ پیدا ہوئے بغیر کسی چیز کے بغیر ماں باپ کے پیدا ہو گئے یا وہ خود ہی اپنی ذات کے خالق ہیں۔ اسی لئے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے۔ کہ ان کے پیدا ہونے اور بڑا ہونے میں ان پر کسی کا احسان نہیں یعنی وہ بتائیں کہ انہیں کس بات کا فخر ہے کہ وہ اس قرآن پر یا اس نبی ﷺ پر ایمان نہیں لاتے۔

(آیت نمبر ۳۶) کیا انہوں نے زمین و آسمان بنائے۔ بلکہ ان سے تو جب بھی پوچھا گیا کہ زمین و آسمان کس نے بنائے تو یہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں تو جب یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنائے۔ تو پھر اس پر وہ یقین کیوں نہیں کرتے۔ اگر وہ اس پر یقین کر لیتے تو یہ اس کی عبادت سے کبھی روگردانی نہ کرتے۔ بلکہ ان کو تو اللہ تعالیٰ کی باتوں پر بھی یقین نہیں ہوتا۔ یعنی اللہ کو بھی جو مانتے ہیں وہ دل سے نہیں مانتے۔

أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ

یاان کے پاس خزانے ہیں تیرے رب کے یا وہ کوئی حاکم ہیں۔ یا ان کے پاس سیڑھی ہے

يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ أَمْ لَهُ الْبَنٰتُ

کہ سن لیتے اس میں چڑھ کر۔ تو لے آئے سننے والا ان کا دلیل واضح۔ یا اس کی بیٹیاں

وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾ أَمْ تَسْئَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾

اور تمہارے بیٹے ہیں۔ یا مانگی تم نے ان سے اجرت تو وہ اس چٹی کے بوجھ میں دبے ہیں

(آیت نمبر ۳۷) یا ان کے پاس تیرے رب کے خزانے ہیں۔ یعنی رزق رحمت کے خزانے ہیں یا ان کے پاس علم وحکمت کے خزانے ہیں اور سب اختیارات بھی ان کے پاس ہیں۔ جسے چاہیں دیں اور جس سے چاہیں روک لیں۔ کیونکہ یہی ان پر مسلط ہیں۔ مصیطر وہ مسلط اور قاہر ہوتا ہے جو کسی کے امر ونہی کے ماتحت نہ ہو۔ اور وہ خود مختار ہو۔ جسے چاہے دے اور جس سے چاہے چھین لے۔

(آیت نمبر ۳۸) یا کیا ان کی کوئی سیڑھی ہے جو آسمان کی بلندی تک پہنچی ہوئی ہے۔ جس پر چڑھ کر یہ آسمان تک پہنچ جاتے ہیں اور وہاں فرشتوں کی یہ کلام سن لیتے ہیں یا جو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ یہ اس کو سنتے ہیں اور ہونے والے تمام امور کو یہ جان لیتے ہیں۔ یا یہ ویسے جھوٹی باتیں کر رہے ہیں۔ اگر یہ سن لیتے ہیں تو اس سنی سنائی بات پر کوئی کھلی اور واضح دلیل لائیں کہ واقعی انہوں نے غیبی بات سنی ہے۔

(آیت نمبر ۳۹) کیا اس کی لڑکیاں اور تمہارے لئے لڑکے ہیں۔ **فائدہ:** چونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں۔ حالانکہ خود انہیں لڑکیوں سے سخت نفرت تھی۔ اس آیت میں ان کی بے وقوفی کا اظہار ہے اور ان کی کم عقلی کا واضح ثبوت ہے کہ خود انہیں اگر لڑکی کی خوشخبری دی جائے تو ان کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ اندر سے کڑھتا ہے۔ یہی تو ان کی بے وقوفی ہے کہ جس چیز کو اپنے لئے مکروہ جانتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہونے کو جائز سمجھتے ہیں۔

(آیت نمبر ۴۰) یا کیا تم ان سے اجر مانگتے ہو یعنی اے محبوب تبلیغ رسالت پر کیا آپ نے ان سے کوئی اجر مانگا ہے کہ وہ اس اجر اور تاوان کو برداشت نہیں کر سکتے اور بوجھل ہو گئے ہیں۔ اس لئے وہ آپ کی اتباع سے بھاگتے ہیں۔ الغرض اب ان کے پاس کوئی عذر نہیں رہا۔

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ؕ فَالَّذِيْنَ

یا ان کے پاس غیب ہے تو وہ لکھتے ہیں۔ یا ارادہ کررہے ہیں فریب کا پھر

كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾

ان کافروں پر ہی فریب پڑتا ہے۔ یا ان کا کوئی خدا ہے سوا اللہ کے۔ پاک ہے اللہ اس سے جو شرک کرتے ہیں

وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾

اور اگر دیکھ لیں ٹکڑا آسمان سے گرتا تو کہیں یہ بادل ہے تہ بہ تہ۔

(آیت نمبر ۴۱) کیا ان کے پاس کوئی غیب کی خبر ہے۔ یعنی لوح محفوظ سے دیکھ کر لکھ لی ہے۔ یہاں تک کہ وہ جو بھی ہاں یا نہ میں بولتے ہیں۔ اس سے دیکھ کر ہی بولتے ہیں۔ وہ اسی غیبی علم کا حصہ ہے۔

فائدہ: علامہ کاشفی مرحوم فرماتے ہیں کیا وہ حضور ﷺ کی خبریں لکھتے ہیں اور انہیں پتہ ہے کہ قیامت یا اس میں جو اٹھنا ہے۔ وہ سب (معاذ اللہ) باطل ہے۔ یا آپ کی موت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ کب آئے گی۔

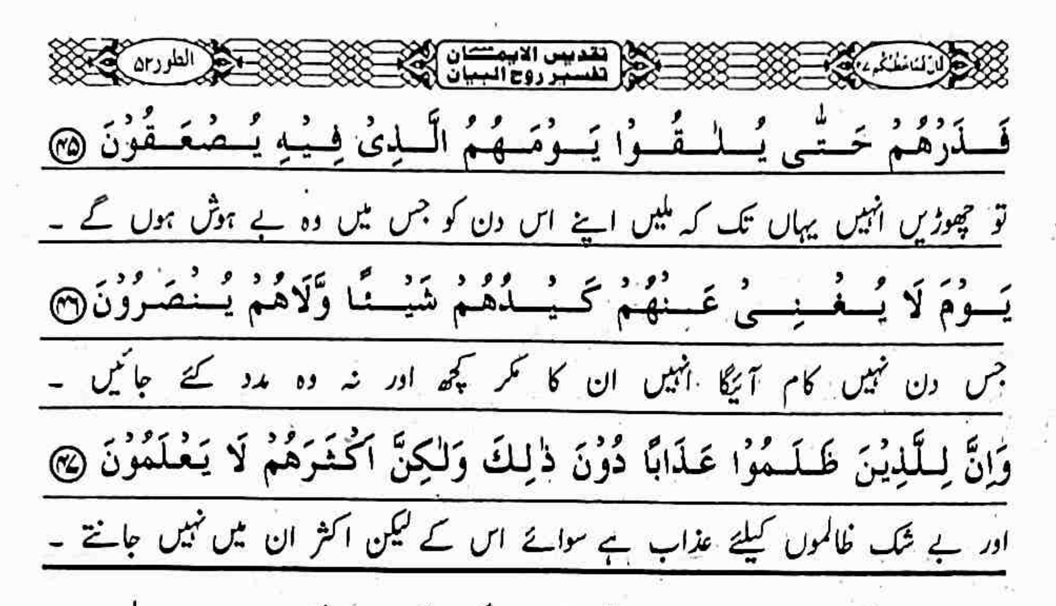
(آیت نمبر ۴۲) یا کیا وہ کوئی مکر وحیلہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یعنی وہ اسی پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ مزید وہ کوئی مکر وحیلہ کر کے کوئی بری تکلیف پہنچانا چاہتے ہیں۔ **فائدہ**: سعدی مفتی فرماتے ہیں۔ یہ بھی اخبار عن الغیب سے ہے کہ واقعی انہوں نے دار الندوہ میں حضور ﷺ کے قتل کا حیلہ بنایا تھا۔

آگے فرمایا۔ پس وہی کافر مکر وحیلہ والے خود اپنے مکر وفریب کی زد میں آگئے۔ یا مکر وفریب کا وبال ان کی طرف ہی لوٹے گا۔ کیونکہ وہ جس ذات کیلئے مکر وفریب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے غالب اور فتح یاب ہی رکھے گا۔

(آیت نمبر ۴۳) یا کیا ان کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور خدا ہے جو ان کی مدد کرے گا۔ اور ان کو قیامت کے عذاب سے بچائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تو اس سے پاک ہے اس سے جو یہ اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ ہے۔ ان کی اس شرکت سے جو یہ اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔

(آیت نمبر ۴۴) اور اگر دیکھیں کوئی ٹکڑا۔ کہ جو آسمان سے گرنے والا ہے تاکہ انہیں عذاب ملے۔

فائدہ: عین المعانی میں ہے۔ ٹکڑا عذاب کا آسمان سے یا ٹکڑا آسمان کا عذاب بن کر اترے تو پھر بھی یہ اپنی سرکشی کی بناء پر یہی کہیں گے کہ یہ کوئی تہہ بہ تہہ بادل ہے۔ ایک دوسرے پر جمع ہو کر گاڑھا ہو گیا۔ گویا بارش آرہی ہے۔



فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾

تو چھوڑیں انہیں یہاں تک کہ ملیں اپنے اس دن کو جس میں وہ بے ہوش ہوں گے ۔

يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾

جس دن نہیں کام آئیگا انہیں ان کا مکر کچھ اور نہ وہ مدد کئے جائیں ۔

وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾

اور بے شک ظالموں کیلئے عذاب ہے سوائے اس کے لیکن اکثر ان میں نہیں جانتے ۔

(آیت نمبر ۴۵) اے محبوب چھوڑ دیں انہیں ان سے جھگڑنے کی ضرورت نہیں۔ نہ ان سے بدلہ لیں یہاں تک کہ وہ آملیں قیامت کو۔ یعنی وہ اپنی آنکھوں سے اپنے اس دن کو دیکھ لیں جس میں مدہوش ہو جائیں گے۔ یعنی اس دن کی ہولناکی سے جب وہ ہلاک ہونے کے قریب ہو جائیں گے۔ اس سے مراد دنیا کا عذاب ہے اور اے محبوب اگر آپ ان کے ہر سوال کا جواب دیتے جائیں تو ان کا تکبر اور عناد اور بڑھے گا لہٰذا انہیں دفع کریں۔

(آیت نمبر ۴۶) اس دن ان کا کوئی مکر انہیں کام نہیں دیگا۔ یعنی عذاب سے بچنے کیلئے جتنے مرضی ہے حیلے کریں۔ کوئی مکر و حیلہ انہیں کام نہیں دے گا اور نہ وہ کسی طرح مدد کئے جائیں گے۔ یعنی عذاب سے بچانے کیلئے انہیں کوئی کہیں سے مدد نہیں پہنچے گی۔ اور جن کی مدد کی وہ امید لگائے بیٹھے ہیں وہ بھی گم ہو جائیں گے۔

(آیت نمبر ۴۷) اور بے شک ان ظالموں کیلئے یعنی ابوجہل وغیرہ کیلئے اس کے علاوہ بھی عذاب ہے۔ یعنی ایک عذاب تو انہیں بدر میں پہنچا کہ کوئی قتل ہوئے اور کوئی قیدی ہوئے اس سے پہلے ان پر ایک عذاب قحط کی شکل میں بھی ہوا۔ جس میں وہ گندگی اور گوبر وغیرہ بھی کھا گئے۔ جس کی تفصیلات سورۂ دخان میں گذر گئیں۔ **فائدہ**: یا اس سے مراد قبر کا عذاب ہے۔ جو آخرت کے عذاب سے پہلے ہے۔ آگے فرمایا۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

منکرین عذاب قبر: بعض لوگ دعویٰ مسلمانی کا کرتے ہیں اور وہ حدیث کا انکار کرتے ہیں۔ (پرویزی چکڑالوی) کہتے ہیں۔ عذاب قبر کی کوئی حقیقت نہیں۔ (حالانکہ بے شمار احادیث سے عذاب قبر کا ثبوت ملتا ہے)۔

فائدہ: عذاب قبر گناہوں کی مناسبت سے ہوتا ہے۔ خصوصاً پیشاب کے چھینٹوں سے ہوتا ہے۔ اس پر بے شمار احادیث کتب حدیث میں موجود ہیں۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٤٨﴾

اور صبر کرا اپنے رب کے حکم پر تو بے شک آپ ہماری نگرانی میں ہیں اور تسبیح کریں اپنے رب کی حمد کے ساتھ جب کھڑے ہوں

(بقیہ آیت نمبر ۴۷) **فائدہ**: عذاب قبر کو ہر چیز دیکھتی سنتی ہے۔سوا جن اور انسان کے اسی لئے اس عذاب کے بارے میں کہا گیا کہ اکثر لوگ اس معاملہ کو نہیں جانتے۔اس کا مطلب ہے کہ کچھ اس کو جانتے بھی ہیں حضور ﷺ نے فرمایا۔ مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم مردے دفن کرنا چھوڑ دو گے۔تو میں تمہیں عذاب قبر ہوتا ہوا دکھا دیتا۔(مشکوٰۃ)

سبق: عقلمند پر لازم ہے کہ وہ علوم آخرت حاصل کرے اور ان پر عمل بھی کرے تا کہ قبر اور قیامت کے عذاب سے بچ سکے۔اور قبر و قیامت کے سوالات پر صحیح جوابات دے سکے کیونکہ جو صحیح جواب دے گا اسے ہی جنت نصیب ہوگی۔

(آیت نمبر ۴۸) رب کے حکم پر صبر کریں۔یعنی جو آپ پر دکھ درد اور غم و الم دشمنوں کی طرف سے آ رہے ہیں یا جو بھی وہ مکر و فریب کر رہے ہیں۔اس پر دل میں تنگی نہ لائیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک ﷺ کو کفار کے ظلم و ستم پر صبر کی تلقین فرما رہے ہیں کیونکہ صبر میں لذت بھی ہے اجر بھی۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔صبر کریں آپ کا صبر صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔یعنی آپ میری نگرانی میں ہیں۔آپ کا کوئی کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتا کیونکہ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔میں مکہ مکرمہ کو جا رہا تھا۔ایک ویرانے میں رات آئی۔ جہاں شیر اور بھیڑیے پھر رہے تھے۔ مجھے خوف ہوا تو ہاتف غیبی سے آواز آئی۔ گھبرائیں نہیں فرشتے تمہاری حفاظت کر رہے ہیں۔کوئی درندہ نقصان نہیں پہنچائے گا۔

آگے فرمایا۔اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق تسبیح بیان کریں اپنے رب کی حمد کے ساتھ جب تم کھڑے ہو۔یعنی جہاں بھی ہو۔اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح پڑھتے رہو۔

فائدہ: سعید بن جبیر اور عطاء رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب تم مجلس ختم کر کے کھڑے ہو تو یوں کہو: "سبحانك اللھم وبحمدك"۔ اگر اچھی مجلس تھی تو مزید اس کے حسن و جمال میں اضافہ ہوگا اور مجلس بری تھی تو یہ کلمات اس کا کفارہ بن جائیں گے۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾

اور کچھ رات کو تسبیح پڑھیں اور جب پیٹھ دیں تارے

(آیت نمبر ۴۹) اور اے محبوب رات کو بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہیں۔ رات کی تسبیح وعبادت کو علیحدہ ذکر کرنے میں اشارہ کہ رات عبادت اور ذکر وفکر یکسوئی کے ساتھ زیادہ بہتر ہے۔ اس میں

نکتہ: یہ ہے کہ رات کی عبادت میں مشقت زیادہ اور ریاء کاری کم ہے۔ اور عبادت میں سکون ہے۔ دوسرا

نکتہ: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ معراج بھی رات کو ہوئی اور نماز بھی معنوی معراج ہے۔ لہذا جو معراج کرنا چاہتا ہے۔ وہ رات کو ایسے وقت میں نماز پڑھے۔ جب لوگ سو رہے ہوں۔ خصوصاً سحری کا وقت یعنی رات کا آخری حصہ اس میں نماز بھی قبول اور دعا بھی قبول ہوتی ہے۔ اسی لئے آگے فرمایا اور اس وقت نماز یا تسبیح پڑھیں جب ستارے پیٹھ پھیر لیں۔ یعنی جب اندھیرا ختم ہو اور صبح کا اجالا ہو جائے۔ اس سے نماز فجر مراد ہے۔ "ومن اللیل" سے مراد مغرب وعشاء کی نماز ہے۔ اور "ادبار النجوم" سے صبح کی نماز مراد ہے۔

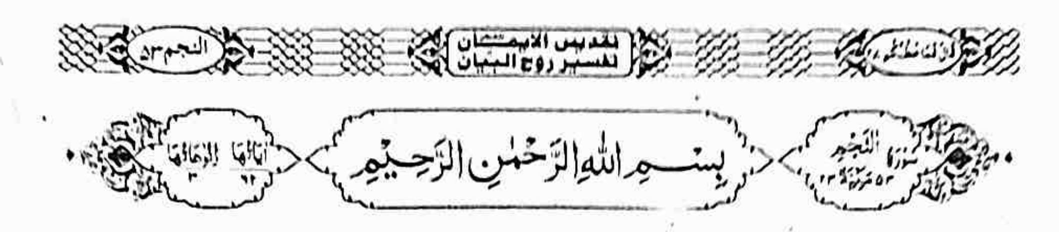
اور تسبیح کا معنی یہ ہے۔ کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ کو پاک جاننا۔

صبح کی نماز کا درجہ: حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ صبح کی سنتیں دنیا سے اور جو دنیا میں ہے۔ اسے بہتر ہیں۔ یعنی ان کا بہت بڑا ثواب ہے۔ (بخاری شریف)

نکتہ: اس آیت کریمہ میں صبح کی نماز کے بارے میں فرمایا۔ کہ جب ستارے چھپ جائیں۔ اس وقت پڑھیں۔ اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا۔ کہ صبح کی نماز اس وقت پڑھی جائے۔ جب اچھی طرح روشنی ہو جائے۔ کیونکہ جب ستارے غائب ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اچھی خاصی روشنی ہو جاتی ہے۔

وتر کی نماز: حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ جو رات کے آخری حصے میں نہیں جاگ سکتا۔ وہ رات کو ہی وتر پڑھ لے۔ اور جو آخری حصہ میں اٹھنے کی امید رکھتا ہے۔ وہ اس وقت وتر ادا کرے۔ کہ وہ وقت مشہود ہے۔ یعنی اس وقت دن رات کے سب فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ حضور ﷺ پر جب تہجد کی نماز فرض تھی۔ اس وقت آپ پر تہجد کے ساتھ ہی وتر پڑھتے تھے۔ جب معراج کی رات نمازیں فرض ہوئیں۔ تو پھر آپ کبھی عشاء کے ساتھ اور کبھی تہجد کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کو بھی پڑھتے اور تہجد کے ساتھ بھی پڑھ لیا کرتے تھے)۔

اختتام سورہ طور: مورخہ ۲۱ فروری ۲۰۱۷ء بمطابق ۲۲ جمادی الاولی ۱۴۳۸ھ بروز منگل بعد نماز صبح



بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

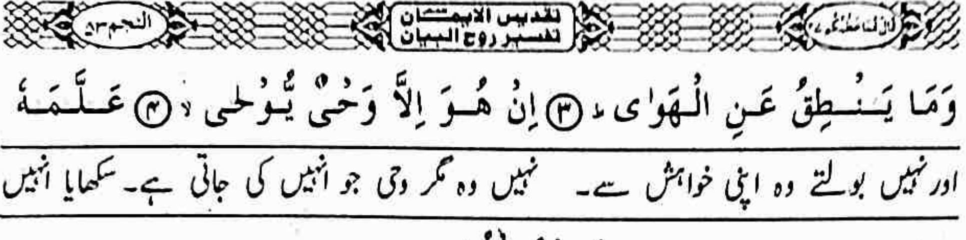
وَالنَّجۡمِ اِذَا هَوٰىۙ ① مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمۡ وَمَا غَوٰىۚ ②

قسم ہے ستارے کی جب اترے۔ نہ بہکے تمہارے ساتھی اور نہ بے راہ چلے

(آیت نمبر ۱) یہ پہلی سورۃ ہے جو حضور ﷺ نے حرم شریف کے اندر تمام مشرکین کی موجودگی میں علی الاعلان پڑھی۔ تمام مشرکوں نے سنی یہ اعلان نبوۃ کے پانچویں سال ماہ رمضان میں نازل ہوئی۔ جب سجدہ والی آیت تلاوت کی تو ابولہب کے سوا تمام مشرکین نے سجدہ کیا۔ بلکہ تمام جن وانس نے سجدہ کیا۔ مشرکین کے سجدہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے بتوں کے نام درمیان میں آئے۔ اگرچہ شیطان نے شرارت سے اس میں گڑبڑ کی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جلد اس پر متنبہ فرمادیا۔ جس کا ذکر سورۂ حج میں گذر چکا ہے۔ نجم سے مراد یا ثریا ستارہ ہے۔ اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یہاں نجم سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ "اذا ھوی" سے مراد جب آپ معراج سے واپس تشریف لائے۔

(آیت نمبر ۲) نہ تو رسول اکرم ﷺ بھولے نہ بھٹکے۔ ایسی تمام باطل باتوں سے حضور ﷺ منزہ ومبرا ہیں۔
شان نزول : کفار نے کہا کہ حضور ﷺ اپنے آباء کے دین کو چھوڑ کر گمراہ ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے اندر اس کا جواب دیا۔ کفار نے حضور ﷺ کو صاحب اس لئے کہا کہ اعلان نبوۃ سے پہلے حضور ان کے ساتھ اکثر بیٹھتے تھے اور یہ بھی ایک ذومقامات پر کہا گیا ہے۔

غی اور ضلال میں فرق: غی باطل عقائد کو اور ضلال باطل اقوال اور افعال کو کہتے ہیں۔ عقیدہ اہل سنت یہی ہے کہ حضور ﷺ کبھی گمراہ نہیں ہوئے۔ نہ اعلان نبوت سے پہلے نہ بعد۔ آپ پہلے بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل تھے۔ اسی لئے غار حرا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ اور ہر قسم کے قبیح کاموں سے محفوظ تھے۔ اور اعلان نبوت کے بعد تو گمراہوں کو بھی ہدایت دیتے تھے۔ ایک **نکتہ**: "مَا ضَلَّ" کے لفظ سے یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ "وجدك ضالا" میں ضال کا معنی حضور ﷺ کیلئے گمراہ کرنا غلط ہے۔ کیونکہ "ماضل" کا لفظ اس کی نفی کر رہا ہے۔ جو حضور ﷺ کو گمراہ کہے، اس کا اپنا ایمان کہاں سلامت ہوگا۔ (قاضی)



وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿٣﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴿٤﴾ عَلَّمَهٗ

اور نہیں بولتے وہ اپنی خواہش سے۔ نہیں وہ مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔ سکھایا انہیں

شَدِيْدُ الْقُوٰى ﴿٥﴾

سخت طاقت والے نے۔

(آیت نمبر ۳) اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ یعنی حضور ﷺ سے کلام کا صدور اپنی خواہش اور رائے سے ہرگز نہیں ہوتا۔ ''ھوی'' کا معنی وہ خواہش ہے۔ جو مذموم ہو اور انبیاء کرام علیہم السلام نفسانی خواہشات سے ہمیشہ محفوظ رہے۔

گستاخ نبی کی کہانی: ایک بزرگ (غالبًا بایزید بسطامی) کی مجلس میں ایک نااہل نے کہا۔ خواہش نفسانی سے تو کوئی بھی نہیں بچا۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ نے بھی فرمایا۔ میرے دل میں تین چیزوں کی محبت ڈال دی گئی: (۱) خوشبو۔ (۲) عورتیں۔ (۳) میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ تو بزرگ نے فرمایا۔ ظالم شرم کر۔ حضور ﷺ نے ''اَحْبَبْتُ'' نہیں کہا ''حُبِّبَ'' کہا۔ ماضی مجہول ہے۔ یعنی میں محبت کرتا نہیں بلکہ ڈال دی گئی ہے۔ بزرگ فرماتے ہیں۔ مجھے اس بات کا سخت صدمہ ہوا۔ رات کو خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ پریشان نہ ہو ہم نے اس کا کام تمام کر دیا۔ صبح معلوم ہوا کہ وہ اپنی زمین کی طرف جاتے ہوئے راستے میں قتل ہو گیا۔

(آیت نمبر ۴) نبی ﷺ خود بخود کلام نہیں کرتے مگر وحی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بواسطہ جبریل علیہ السلام کے آپ پر اترتی ہے۔ یہ وحی حقیقی ہے۔ مجازی نہیں ہے چونکہ حضور ﷺ ذات وصفات اور افعال سے فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہیں۔ اس لئے آپ جو بولتے ہیں وہ حق بولتے ہیں۔ لہٰذا وہ جو کچھ بولتے ہیں یا کرتے ہیں وہ سب شریعت ہے کیونکہ آپ خطا سے معصوم ہیں۔ آپ کا قول وفعل اپنا نہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

(آیت نمبر ۵) سکھایا اس کو یعنی رسول اللہ ﷺ کو قرآن۔ یعنی آپ پر نازل کیا۔ اگر وحی بمعنی کتاب ہو تو وحی بمعنی الہام ہوگا۔ یعنی قرآن دل میں اتارا۔ اسی لئے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔ اتارا اسے روح الامین نے آپ کے دل پر۔ آگے فرمایا۔ جس نے اتارا وہ بہت زبردست قوت والا ہے۔ یعنی جبریل علیہ السلام جن کی طاقت کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے لوط علیہ السلام کی تمام بستیوں کو ایک پر پہ اٹھا کر آسمان کے قریب لے جا کر الٹ دیا اور قوم ثمود کو ایک ہی آواز سے ہلاک کر دیا۔ سدرۃ المنتہیٰ سے ایک آن میں زمین پر آ جاتے ہیں۔

ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۙ ⑥ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ؕ ⑦ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ ⑧

قوتوں والا پھر قصد کیا۔ اور وہ کنارے بلند پر تھے۔ پھر قریب ہوا پھر اتر آیا۔

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ ⑨

پھر ہوا فاصلہ دو کمانوں کا یا اس سے بھی کم۔

(آیت نمبر ٦) وہ قوت وعقل ورائے والے ہیں۔ پھر وہ برابر ہوئے۔ یعنی جبریل علیہ السلام جب اصلی صورت میں آئے۔ جس پر انہیں پیدا کیا گیا۔ حضور ﷺ نے ان کے چھ سو پروں سمیت انہیں دو بار اصل شکل میں دیکھا۔ زمین پر زیادہ تر وہ دحیہ کلبی کی شکل میں تشریف لاتے تھے۔ حضور ﷺ کے بغیر کسی انسان نے جبریل امین کو اصل شکل میں نہیں دیکھا۔ کسی کو انہیں دیکھنے کی ہمت ہی نہیں۔ دحیہ کلبی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بہت ہی حسین وجمیل تھے۔

(آیت نمبر ۷) وہ بلند کنارے پر تھے۔ جو دنیا سے انتہائی بلند جگہ ہے۔ افق اس دائرے کو کہا جاتا ہے جو دیکھا جاسکتا ہے۔ اس وقت جبریل امین انتہائی بلند جگہ پر تھے۔ یعنی وہ سدرۃ المنتہیٰ پر تھے۔ جو فرشتوں کی آخری منزل ہے۔ اس سے اوپر وہ نہیں جاسکتے نہ اس سے اوپر والے نیچے آسکتے ہیں۔ اور وہ بالکل عرش کے نیچے ہے۔ اس مقام پر حضور ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو پورے طور پر دیکھا۔ اس سے پہلے ہمیشہ بشری لباس میں دیکھا۔

(آیت نمبر ۸) پھر قریب ہوا۔ یعنی جبریل علیہ السلام حضور ﷺ کے قریب ہوئے۔ "دُنُـو" کا لفظ زمان ومکان یا منزل کے قریب کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ پھر جبریل علیہ السلام حضور ﷺ کے قریب ہوگئے۔ یعنی وہ اوپر سے نیچے آگئے۔ یعنی انتہائی قریب ہوگئے۔ (بخاری شریف میں ہے کہ "دنی الجبار" حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوئے)۔ یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے گئے۔ جبریل یا دیگر عجائبات تو مقصود اصل نہیں تھے۔

(آیت نمبر ۹) تو ان کے درمیان کی مسافت دو کمانوں کی رہ گئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ یا جبریل امین کے بہت ہی قریب ہوئے۔ یہاں تک کہ دونوں کے درمیان بہت ہی کم فیصلہ رہ گیا تھا۔ **فائدہ**: عربوں کی عادت تھی کہ وہ انتہائی قرب کی مسافت کو کمانوں سے بتاتے۔ کیونکہ ان کے ہاں انتہائی قرب کا کوئی آلہ نہیں تھا۔ **فائدہ**: عرب میں دستور تھا کہ جب دو آدمیوں میں صلح صفائی ہو جاتی یا کوئی معاہدہ کرتے تو دو کمانیں آپس میں ملا دیتے اور یہ سمجھا جاتا۔ اب وہ دونوں ایک ہوگئے ہیں۔ اس لئے فرمایا وہ دو کمانوں سے بھی زیادہ قریب ہوگئے۔



فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ؕ ﴿۱۰﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾

پھر وحی کی اپنے بندے کی طرف جو وحی فرمائی۔ نہیں جھوٹ کہا دل نے جو دیکھا۔

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۙ ﴿۱۳﴾

کیا تم جھگڑتے ہو اس پر جو اس نے دیکھا۔ اور تحقیق دیکھا اسے اترتے ہوئے دوبارہ۔

(آیت نمبر۱۰) تو جبریل امین نے اللہ تعالیٰ کے بندے حضرت محمد ﷺ پر وحی پیش کی جو بھی وحی کی۔ یعنی ان امور عظیمہ میں سے جسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ (یا اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو وحی کی جو بھی وحی کی۔ دونوں معنی صحیح ہیں

بعض روایات میں ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے تین قسم کی کلام فرمائی۔ ایک وہ جس کے بتانے کا حکم نہیں تھا۔ دوسری وہ جس کے بتانے کا حکم صرف خاص لوگوں کے لئے تھا اور تیسری وہ جس کے بتانے کا حکم سب کیلئے تھا۔ **فائدہ**: یہ وحی کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ وحی کی کل آٹھ قسمیں ہیں۔

(آیت نمبر۱۱) حضور ﷺ کے دل مبارک نے جو کچھ دیکھا اسے نہیں جھٹلایا۔ یعنی یہ نہیں فرمایا کہ میں نے نہیں پہچانا۔ ورنہ جھوٹ ہوتا۔ گویا آپ نے جو دیکھا صحیح پہچانا اور دل سے جانا کہ یہ جبریل امین ہیں۔ یا آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور جو دیکھا وہ صحیح دیکھا اور دل نے اس کی صحیح صحیح گواہی دی۔ یہی اہل سنت کا مذہب ہے اور اکثر ائمہ کا بھی یہی خیال ہے کہ معراج کی رات حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔

(آیت نمبر۱۲) تو کیا تو جھگڑا کرتے ہو اس بات پر کہ جو انہوں نے دیکھا۔ **فائدہ**: جب حضور ﷺ نے قریش مکہ کو اللہ تعالیٰ یا جبریل امین کے دیکھنے کی خبر دی تو انہوں نے اس میں اختلاف اور جھگڑا کیا۔ بلکہ جھٹلایا۔ حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ تمام آیات میں دیکھنے اور سیکھنے اور قریب ہونے حضور کی ذات ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو ان ظاہری آنکھوں سے دیکھا۔ (دنی فتدلی سے بھی امام بخاری نے دنی الجبار مراد لی ہے۔) امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اس دنی میں رب تعالیٰ کا قرب مراد ہے۔ (دیدار الٰہی پر تفصیلات دیکھنی ہوں تو فیوض الرحمان کا مطالعہ کریں)۔

(آیت نمبر۱۳) بے شک اسے آپ نے دوبارہ دیکھا۔ جب کہ نیچے اتر رہے تھے۔ نیچے اوپر تو نو بار اترے ہر بار دیکھا۔ اس سے مراد بھی یا جبریل امین ہیں۔ یا اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ علماء نے لکھا ہے خصوصاً ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نے اللہ تعالیٰ کو دو بار دیکھا۔ ایک بار ظاہری آنکھوں سے اور دوسری بار دل کی آنکھوں سے۔

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ

پاس سدرۃ المنتہی کے۔ اس کے نزدیک جنۃ الماوی ہے۔ جب چھارہا تھا بیر پر

مَا يَغْشٰى ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ

جو چھا رہا تھا۔ نہ پھری آنکھ کسی طرف اور نہ حد سے بڑھی۔ تحقیق دیکھیں نشانیاں

رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾

اپنے رب کی بہت بڑی

(آیت نمبر۱۴) سدرۃ المنتہی کے پاس۔ یہ آخری حد ہے جبریل امین کی کیونکہ انہوں نے فرمایا کہ اگر میں بال برابر آگے بڑھوں تو میں جل جاؤں۔ **فائدہ**: اس سے معلوم ہوا کہ جبریل کی بھی ایک حد ہے۔ مگر ہمارے حضور اس حد سے بھی آگے نکل گئے۔ اس سے مقام مصطفیٰ کا بخوبی اندازا لگایا جاسکتا ہے۔ کونور و بشر پیچھے رہ گئے۔

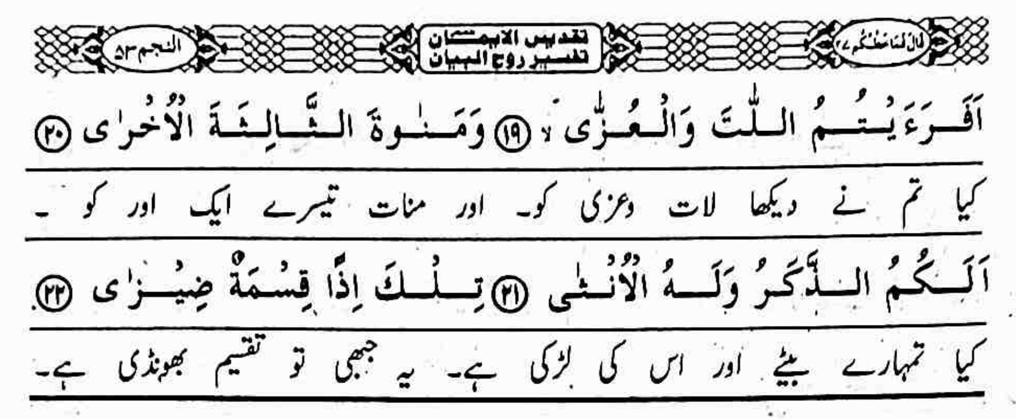
(آیت نمبر۱۵) اس سدرۃ المنتہی کے قریب یہی جنۃ الماوی ہے۔ جو متقین کا ٹھکانہ ہے۔ اسی جنت میں آدم علیہ السلام ٹھہرائے گئے تھے۔ یہ آٹھ جنتوں میں سے ایک ہے۔ جو اپنے حسن وخوبی میں بے مثال ہے۔

(آیت نمبر۱۶) جب سدرہ پر چھارہا تھا جو بھی چھارہا تھا۔ اس میں سدرۃ المنتہی کی عظمت کا اظہار ہے۔ یعنی جب حضور ﷺ نے جبریل امین کو سدرہ پر اصلی شکل میں دیکھا۔ اس حال میں کہ وہ اس سدرہ پر چھارہے تھے۔ جس کی کیفیت بیان سے باہر ہے۔ (مقام سدرہ زمین سے بڑا ہے اور جبریل علیہ السلام نے جب پر کھولے تو وہ اس پر چھاگئے)۔

(آیت نمبر۱۷) آنکھ نہ کسی طرف پھری اور نہ حد سے بڑھی۔ **فائدہ**: یعنی دیدار الٰہی کے وقت حضور ﷺ دیکھتے ہی رہے۔ **فائدہ**: جو کچھ حضور ﷺ نے دیکھا۔ آپ دیکھتے ہی رہے۔ ذرا بھی آنکھ ادھر ادھر نہیں پھری اور نہ نگاہ کو دیدار سے آگے جانے دیا۔

دیدار الٰہی: حضور ﷺ نے ان ظاہری آنکھوں سے کیا۔ اس پر دلیل یہی آیت ہے اور وہ دیدار جاگتے ہوئے کیا۔

(آیت نمبر۱۸) بے شک آپ نے اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔ یعنی تمام ملک وملکوت اور عظیم عجائبات دیکھے۔ **فائدہ**: **معراج کی رات**: رجب کی ستائیسویں شب کو آپ نے بہت کچھ دیکھا۔ اکثر علماء کے نزدیک نبوت کا بارہواں سال تھا۔ علماء فرماتے ہیں: کل معراج چونتیس تھے۔ (اسی لئے معراج کے معاملے میں علماء کے اندر کافی اختلاف ہے)۔



اَفَرَءَيۡتُمُ اللّٰتَ وَالۡعُزّٰى ۙ ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الۡاُخۡرٰى ﴿۲۰﴾

کیا تم نے دیکھا لات وعزیٰ کو۔ اور منات تیسرے ایک اور کو۔

اَلَـكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الۡاُنۡثٰى ﴿۲۱﴾ تِلۡكَ اِذًا قِسۡمَةٌ ضِيۡزٰى ﴿۲۲﴾

کیا تمہارے بیٹے اور اس کی لڑکی ہے۔ یہ جبھی تو تقسیم بھونڈی ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۸) ان میں ایک جسمانی معراج ہے باقی روحانی یا منامی یعنی نیند میں۔ معراج کی ابتداء مکہ مکرمہ کی مسجد حرام سے ہوئی۔ آپ نے مسجد اقصیٰ میں سب انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی۔ جاتے یا آتے ہوئے۔

(آیت نمبر ۱۹) کیا تم نے لات وعزیٰ اور مناۃ کو دیکھا۔ یہ تینوں کفار کے بناوٹی خدا تھے۔ جن کو مشرکین پوجتے تھے۔ لات یہ طائف کے بنوثقیف کا بت تھا وہ اس کو پوجتے اور طواف کرتے تھے۔ عزیٰ یہ کیکر کا درخت تھا جسے لوگ پوجتے زیادہ تر غطفان قبیلہ والے اس کو پوجتے تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے حکم سے اسے کاٹنے آئے۔ تو اس سے ایک شیطانہ نکلی جس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس کے بھی ٹکڑے کر دیئے۔ اس کے بعد درخت کو بھی جڑ سے اکھیڑ پھینکا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو آپ نے فرمایا۔ اب کبھی بھی اس کی پوجا نہیں ہوگی۔ مناۃ یہ پتھر کا بت بنی ہزیل اور خذاعہ کا تھا۔ اوس اور خزرج والے بھی اس کو پوجتے تھے۔ اس کو توڑنے کیلئے سعد بن زید اشہلی کو بیس سواروں کے ساتھ بھیجا۔ جب یہ بت کے قریب پہنچے تو اس کے نگران اور خادموں نے پوچھا۔ کیسے آئے۔ حضرت سعد نے فرمایا بت توڑنے۔ جب بت کے قریب ہوئے۔ تو اس سے ایک ننگی اور سیاہ کالی عورت بکھرے بالوں کے ساتھ نکلی اور سرکوبی کر رہی تھی۔ حضرت سعد نے اسے بھی فی النار کیا پھر بت کو بھی توڑ دیا۔

(آیت نمبر ۲۰۔ ۲۱) کیا تمہارا لڑکے ہے اور اللہ تعالیٰ کیلئے لڑکیاں ہیں۔ یعنی تم اپنے لئے لڑکے پسند کرتے ہو اور رب کیلئے لڑکیاں پسند کرتے ہو۔ گویا تم چاہتے ہو کہ تمہارے ہاں لڑکے ہوں اور اللہ تعالیٰ کیلئے تم نے لڑکیوں کا انتخاب کیا کہ فرشتے اس کی لڑکیاں ہیں۔ معاذ اللہ۔ کس قدر غلیظ سوچ ہے۔

(آیت نمبر ۲۲) یہ تو بڑی ہی بھونڈی قسم کی تقسیم ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے وہ پسند کر رہے ہو۔ جس سے خود نفرت کرتے ہو۔ اس تقسیم میں عدل سے کام نہیں لیا گیا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ لڑکوں سے بھی مبرا منزہ ہے۔ لیکن کفار نے تو حد ہی کر دی۔ اللہ تعالیٰ کیلئے اولاد کا لفظ کہنا ہی بہت بڑا کفر ہے۔ اور پھر جو چیز اپنے لئے ناپسند ہے وہ اللہ تعالیٰ کیلئے مقرر کرنا اس سے بھی برا ہے۔ اور یہ جملہ اتنا برا ہے۔ قریب ہے۔ زمین یہ سن کر پھٹ جائے۔

اِنْ هِیَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا

نہیں ہیں یہ مگر نام جو یا تو رکھے تم نے یا تمہارے باپ دادا نے نہیں اتاری اللہ نے اس پر

مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ

کوئی دلیل۔ نہیں پیروی کرتے مگر گمان کی اور جو چاہتے ہیں ان کے نفس۔ البتہ تحقیق آئی ان کے پاس

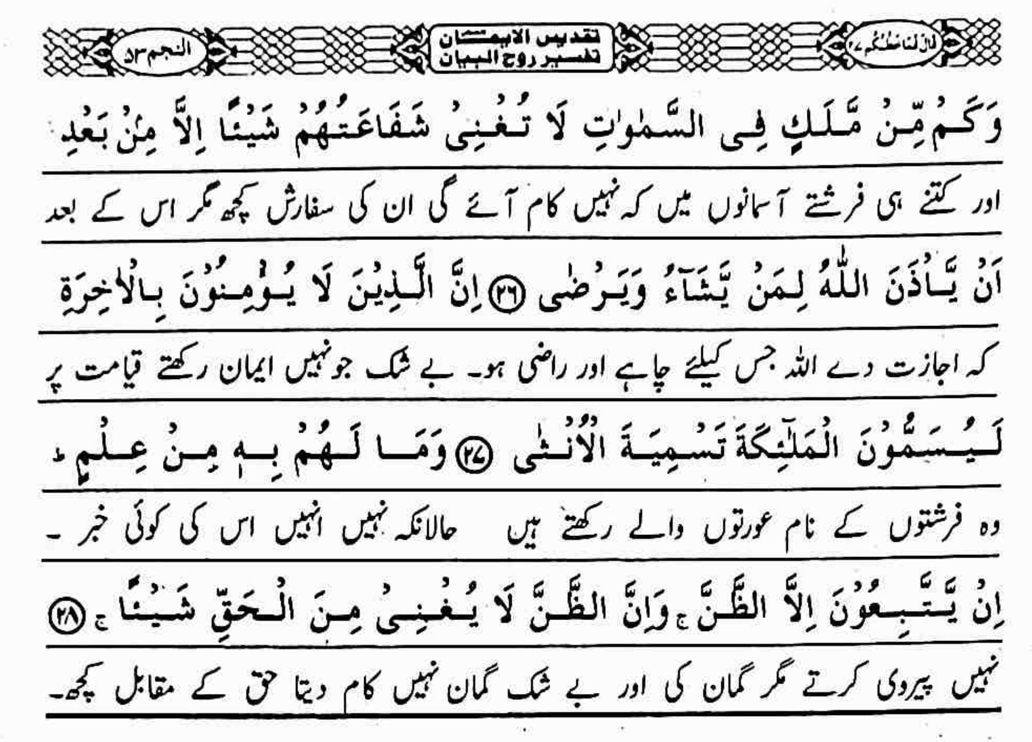
مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰىؕ ﴿۲۳﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ؗۖ ﴿۲۴﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ۚ ﴿۲۵﴾

ان کے رب کی طرف سے ہدایت یا آدمی کیلئے وہی ہے جو اس نے خیال کیا تو اللہ ہی مالک ہے آخرت اور دنیا کا

(آیت نمبر۲۳) یہ تمہارے بت اس لائق نہیں ہیں کہ انہیں خدا کہا جائے۔ یہ تو صرف نام ہی نام ہیں۔ ان کے اندر الوہیت کا تو کوئی شائبہ بھی نہیں ہے۔ تمہارا انہیں خدا کہنا دعویٰ ہی ہے۔ تمہارے پاس آسمانی کسی کتاب کی کوئی دلیل نہیں۔ یہ تو صرف تم نے ان کے نام رکھ دیئے۔ ورنہ تو ان کا نام ہی کوئی نہیں تھا۔ جو تم نے اپنی خواہشات کے مطابق رکھ لئے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان ناموں کے بارے میں کوئی دلیل نہیں اتاری۔ آگے فرمایا نہیں تم پیروی کر رہے مگر اپنے گمان کی۔ جو تمہارے وہم میں آئے اسی کو اپنا مذہب بنالیا اور جو تمہارے نفس امارہ کہتے ہیں۔ اسی پر عمل کرتے ہو اور البتہ تحقیق آگئی رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس کتاب اور رسول بھیجے۔ اور انہیں فرمایا کہ تم اپنی خواہشات پر چلنے کے بجائے ان رسولوں کی پیروی کرو تاکہ تمہیں ہدایت حاصل ہو۔ بتوں کو ماننا یا ان کی پوجا کرنا خالص گمراہی ہے۔

(آیت نمبر۲۴) یا انسان کیلئے وہی ہے جس کی وہ تمنا کرے۔ یعنی وہ جو بتوں کے بارے میں عقیدہ رکھیں گے کہ ان کے بت ان شفاعت کریں گے۔ یا انہیں بچائیں گے وغیرہ وغیرہ کیا تم جو کہتے ہو وہی ہوگا۔

(آیت نمبر۲۵) اول آخر سب اللہ تعالیٰ کی ہی ملک میں ہے اور کوئی کسی چیز کا حقیقی مالک نہیں ہے۔ دنیا وآخرت کے سب امور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی خاص ہیں۔ اگر تم دنیا وآخرت کی کامیابی چاہتے ہو۔ تو تم اسی کے ساتھ تعلق قائم کرو۔ اور پھر دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرو۔ بتوں سے تمہیں امیدیں ہیں جو کچھ نہیں دے سکتے اور رب سے ناامید ہو، جو سب کچھ دے سکتا ہے۔



وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ

اور کتنے ہی فرشتے آسمانوں میں کہ نہیں کام آئے گی ان کی سفارش کچھ مگر اس کے بعد

اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿۲۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ

کہ اجازت دے اللہ جس کیلئے چاہے اور راضی ہو۔ بے شک جو نہیں ایمان رکھتے قیامت پر

لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ۭ

وہ فرشتوں کے نام عورتوں والے رکھتے ہیں حالانکہ نہیں انہیں اس کی کوئی خبر۔

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۚ ﴿۲۸﴾

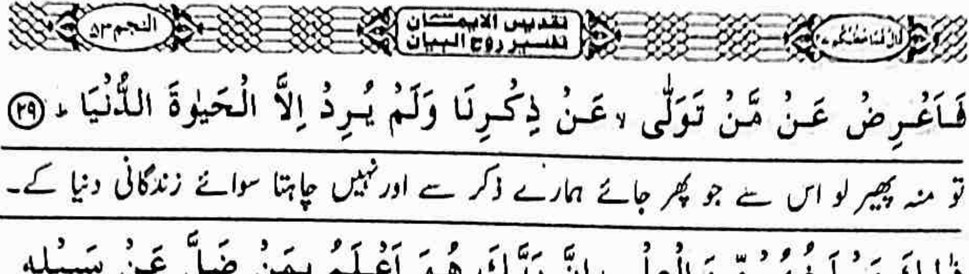
نہیں پیروی کرتے مگر گمان کی اور بے شک گمان نہیں کام دیتا حق کے مقابل کچھ۔

(آیت نمبر ۲۶) زمینوں اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں۔ جن کی شفاعت حکم الٰہی کے بغیر ان کو کوئی کام نہیں دے گی۔ **فائدہ** :اس میں کافروں کی جو طمع ہے اس کی جڑ ہی کاٹ دی گئی۔ علامہ حقی مرحوم فرماتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کی شفاعت نفع نہیں دے گی۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ ان کی شفاعت کافروں کیلئے نہیں ہوگی۔ سوا ان لوگوں کے جن کے لیئے شفاعت کی اجازت اللہ بخشے اور جن کی شفاعت کرنے کو اللہ تعالیٰ پسند فرمائے گا۔ لہٰذا یہ کفار اور سرکش لوگ شفاعت کی نعمت سے محروم رہیں گے۔

۔ (آیت نمبر ۲۷) بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ وہ فرشتوں کے نام رکھتے ہیں۔ بیٹیوں والے۔ کیونکہ وہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں سمجھتے ہیں۔ اور ان فرشتوں کے لڑکیوں والے نام بھی انہوں نے خود ہی رکھے۔ یہ ان کی انتہائی فضاعت ہے اور وہ سخت عذاب کے مستحق ہیں۔

(آیت نمبر ۲۸) اور ان جاہلوں کو کسی چیز کا علم نہیں۔ وہ جس کے متعلق علم ہی نہیں رکھتے۔ اس کی بات کیوں کرتے ہیں۔ چونکہ وہ صرف اپنے گمان پر چلتے ہیں تو بے شک گمان انہیں اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی کام نہیں دیتا۔

فائدہ :اس آیت میں ظن کی مذمت ہے اور غیر مسلم باپ دادا کی اندھی تقلید کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔ اس کی بہت ہی مذمت کی گئی۔ (مسلمان صاحب علم باپ دادا کی تقلید جائز ہے)۔



فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ ﴿۲۹﴾

تو منہ پھیر لو اس سے جو پھر جائے ہمارے ذکر سے اور نہیں چاہتا سوائے زندگانی دنیا کے۔

ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ

یہ ہے ان کا مبلغ علم۔ بے شک آپ کا رب جانتا ہے اسے جو گمراہ ہوا اس کی راہ سے۔

وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿۳۰﴾

اور وہ خوب جانتا ہے اسے جو ہدایت پائے۔

(آیت نمبر ۲۹) اے میرے محبوب ﷺ ان کافروں سے منہ پھیر لیں۔ جو ہمارے ذکر سے منہ پھیرتے ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے ذکر کے بغیر کچھ بھی ان کو علم تک نہیں پہنچاتا۔ اس لئے کہ وہ آپ کی دعوت کو قبول کرنے کے بجائے اسے رد کر رہے ہیں۔ یعنی ایمان نہیں لاتے۔

فائدہ: یہاں ذکر سے مراد قرآن پاک ہے۔ جس میں پہلوں اور پچھلوں سب کا بیان ہے۔ اور یہ قرآن آخرت کی یاد دلاتا ہے۔ لہذا جو قرآن سے منہ پھیرتا ہے آپ ان سے منہ پھیر لیجئے۔ ہمارے ذکر سے وہ کیوں روگرداں ہے حالانکہ اس قرآن میں تمام پسندیدہ باتیں ہیں تو جو اس سے بھی منہ پھیرتا ہے اس کا مطلب ہے کہ وہ صرف دنیا کا طالب ہے دنیا کی زندگی پر خوش ہے۔ اسی کے منافع جمع کرنے پر لگا ہوا ہے۔ لہذا ایسے بد بخت کو دعوت دینے سے منع کر دیا گیا کیونکہ جو دنیا میں اس قدر منہمک ہے اور قرآن سے روگردان ہے۔ اس کی ساری محنت کا مقصد ہی دنیا طلبی ہے۔ اسے دعوت دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔ (یعنی جو خوشی سے ہماری طرف نہیں آتا۔ ہم بھی اسے جنت کی طرف نہیں بلاتے)۔ **فائدہ**: یہ آیت قتال والی آیت سے منسوخ ہے۔ اب اس سے مراد یہ ہے کہ جن کفار پر حجۃ ودلائل واضح ہو چکے۔ اور وہ کوئی بات نہیں مانتے۔ ان پر مزید کوشش نہ فرمائیں۔ البتہ ان سے جنگ کریں۔

(آیت نمبر ۳۰) ان کا مبلغ علم تو اتنا ہی ہے۔ یعنی جو دنیا ہی کے طالب ہیں اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کا علم اس سے آگے نہیں بڑھتا وہ تو صرف دنیا کی ہی زیب و زینت کو جانتے ہیں۔ اس لئے وہ آخرت کے امور سے بالکل غافل ہیں۔

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۙ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا

اللہ ہی کا ہے جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے تا کہ سزا دے انہیں جنہوں نے برائی کی یہ بدلہ ہے ان کے عمل کا

وَیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰی ج ﴿۳۱﴾

اور جزا دے نیکوں کو اچھی۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۰) **دنیا کی مذمت** : دنیا کی قدر و قیمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے کم تر چیز ہے۔ جیسے حضور ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کو اللہ تعالیٰ نے مبغوض پیدا فرمایا۔ البتہ اس دنیا کا اصل مقصد یہ ہے۔ کہ یہ آخرت کی کامیابی کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ اس میں جو جیسا بیج ڈالتا ہے۔ ویسا ہی آخرت میں کاٹے گا۔ آگے فرمایا۔ آپ کا رب اسے خوب جانتا ہے۔ جو سیدھی راہ سے بھٹک گیا اور اسے بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہے۔ **حدیث قدسی**: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں نے جنت اور اس کے اہل پیدا کئے۔ اسی طرح جہنم اور اس کے اہل پیدا کئے۔ خرابی ہے اس کیلئے جو دوزخ کیلئے بنایا گیا۔ لہذا اے محبوب ان دنیا سے محبت رکھنے والوں کو دعوت دینے میں زیادہ تکلیف نہ فرمائیں۔ (سنن ابوداؤد)

(آیت نمبر ۳۱) اور اللہ تعالیٰ کا ہی ہے۔ تخلیقاً اور ملکاً جو کچھ آسمانوں میں یا جو زمین میں ہے اور کسی کیلئے استقلالاً کوئی ملکیت نہیں ہے وہ گمراہوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ وہ اسی اپنے علم کے مطابق برے عمل کرنے والوں کو ان کی برائی کی سزا دے گا کیونکہ انہوں نے خود گمراہی اختیار کی ہدایت کے مقابلے میں۔ اور جنہوں نے نیک عمل کئے ان کے نیک اعمال کے بدلے میں انہیں اچھا بدلہ دے یعنی جنت عطا فرمائے۔ ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا۔ حسنیٰ سے مراد جنت ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا: ''حسنیٰ وزیادہ'' اس سے علماء کرام نے یہ مطلب نکالا ہے۔ کہ حسنیٰ سے مراد جنت ہے۔ اور زیادہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔ جنت میں سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔ جب اہل جنت اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔ تو پھر بار بار اس بات کی تمنا کریں گے۔ کاش یہ کرم پھر ہو جائے۔ (اللہ پاک اس نعمت سے ہمیں محروم نہ کرنا)۔

ع ۹

19
19

اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓىِٕرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ

جو بچتے ہیں کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائیوں سے مگر گناہ کے قریب جانے سے رک گئے بے شک آپ کا رب وسیع

الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ

مغفرت والا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے تم کو جبکہ تمہیں بنایا مٹی سے۔ اور جب تم حمل میں تھے

فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۠ (۳۲)

پیٹوں میں اپنی ماؤں کے۔ پس نہ پاک بناؤ اپنے آپ کو وہ خوب جانتا ہے اسے جو پرہیزگار ہے

(آیت نمبر ۳۲) نیک عمل والے وہ لوگ ہیں جو ہر قسم کے گناہوں سے بچتے ہیں۔ خصوصاً بڑے گناہوں سے۔ یہ مومن کی شان ہے کہ وہ ہمیشہ بڑے گناہوں سے بچتا ہے۔ جو بڑے گناہوں سے بچے وہ اعلیٰ ثواب پانے کا مستحق ہوتا ہے۔ **فائدہ**: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کبیرہ گناہ ستر ہیں۔ جیسے ہم نے پیچھے بیان کیا (سورہ حم عسق میں) آگے فرمایا کہ وہ بے حیائیوں سے بھی بچتے ہیں جو انتہائی قبیح اقوال یا افعال ہیں۔ مگر چھوٹے گناہ معاف ہیں۔ **مسئلہ**: جو کبیرہ گناہوں سے بچے۔ صغیرہ خود ہی معاف ہو جاتے ہیں۔ اگر کبیرہ سے نہ بچے تو صغیرہ بھی اس کے سر پر ہیں۔ **فائدہ**: لمم کا ایک معنی یہ ہے کہ معمولی سی خطا ہوئی۔ فوراً معافی مانگ لی۔

شان نزول: ایک صحابی کے پاس کھجوریں لینے ایک عورت آئی تو انہوں نے کہا اچھی کھجوریں اندر ہیں۔ جب وہ اندر گئی تو اسے پکڑ کر بوسہ دیدیا تو اس نے کہا تم نے اپنے بھائی کی خیانت کی۔ سخت پشیمان ہو کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی۔ **مسئلہ**: دل پر گناہ کا خیال بھی لمم میں آتا ہے۔

فائدہ: بعض بزرگ فرماتے ہیں۔ جس گناہ پر حد مقرر نہیں وہ بھی لمم میں آتا ہے۔

آگے فرمایا بے شک آپ کا رب وسیع بخشش والا ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں سے بچنے والے کے صغیرہ گناہ خود بخش دیتا ہے۔ صغیرہ گناہ پر اصرار اسے کبیرہ بنا دیتا ہے۔ تو پھر اس پر پکڑ نہیں۔ آگے فرمایا کہ وہ تمہیں اچھی طرح جانتا ہے۔ اس لئے کہ جب اسی نے تمہیں پیدا کیا زمین سے یعنی جناب آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا پھر جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں ایک لوتھڑا تھے۔ پھر مختلف اطوار میں تمہاری ترکیب ہوئی تو اس سے کون سی بات مخفی ہے۔

منزل ۶

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ تَوَلّٰى ۙ ﴿۳۳﴾ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿۳۴﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ

تو کیا تو نے دیکھا جو مڑ گیا۔ اور دیا کچھ اور رک گیا۔ کیا اس کے پاس علم

الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِىْ صُحُفِ مُوْسٰى ۙ ﴿۳۶﴾

غیب ہے تو وہ دیکھتا ہے۔ یا نہیں خبر ہوئی اسے کہ جو صحیفوں میں ہے موسیٰ علیہ السلام کے۔

(بقیہ آیت نمبر۳۲) اسی طرح پیدا ہونے کے بعد کے بھی ہر ہر لمحے کا اسے علم ہے۔ اگر اس کی وسیع رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور وبال میں پڑتے۔ لہٰذا تم اپنے آپ کو پاک نہ بناؤ۔ اور اپنی صفائی بیان نہ کرو کہ اپنے اچھے اعمال کی خود ہی تعریف کرو۔ اللہ تعالیٰ متقیوں کو خوب جانتا ہے۔ یعنی وہ جانتا ہے کہ کون گناہ کرتا ہے اور کون گناہوں سے بچتا ہے۔

(آیت نمبر۳۳) کیا تم نے اسے دیکھا ہے۔ جس نے منہ پھیرا۔ یعنی حق پر چلنے اور اس پر ثابت قدم رہنے سے روگردانی کی۔ **شان نزول**: یہ ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی۔ وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا۔ آپ کی باتیں سنتا تھا۔ اس کی آمد ورفت پر مشرکین نے اسے عار دلائی اور طعن و تشنیع کی تو پھر اس کا حضور ﷺ کے پاس آنا بند ہو گیا۔ اس کے شان نزول اور بھی کئی روایات ہیں۔

(آیت نمبر۳۴) تھوڑا سا مال دیا۔ پھر بخل کی وجہ سے روک لیا۔ **فائدہ**: جب لوگوں نے اسے برا بھلا کہا کہ تو باپ دادا کے دین سے پھر گیا۔ تو اس نے کہا میں عذاب سے ڈرتا ہوں تو ایک شخص نے کہا تو مجھے کچھ مال دے تو میں تیرے عذاب کو اٹھاؤں گا۔ اسے معمولی مال دیا پھر بند کر دیا۔ **فائدہ**: یہ اس کے بخل کی مذمت ہے۔ بخل بہر حال برا ہے۔ خواہ کافر سے ہو یا مسلمان سے۔ **فائدہ**: امام مقاتل فرماتے ہیں کہ اس نے مسلمانوں پر کچھ خرچ کیا پھر ہاتھ روک لیا۔

(آیت نمبر۳۵) کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔ یعنی آخرت کے امور میں سے کوئی علم آ گیا اور اس نے جان لیا کہ واقعی کوئی اس کے عذاب کو اپنے سر لے لے گا۔ اور یہ اس عذاب سے بچ جائے گا۔

(آیت نمبر۳۶) یا کیا وہ اتنا بڑا جاہل ہے۔ اسے یہ نہیں بتایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں یعنی توراۃ کے مضامین میں کیا لکھا ہے۔ **فائدہ**: امام راغب فرماتے ہیں۔ صحیفہ وہ چیز ہے۔ جس میں خاص قسم کے مضامین لکھے جاتے ہیں۔ ان جمع شدہ مکتوبات کو مصحف کہتے ہیں۔

وَاِبۡرٰهِيۡمَ الَّذِىۡ وَفّٰٓى ۙ ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى ۙ ﴿۳۸﴾

اور ابراہیم علیہ السلام وہ جو پورا حکم بجالایا۔ کہ نہیں اٹھائے گا اٹھانے والا بوجھ کسی دوسرے کا ۔

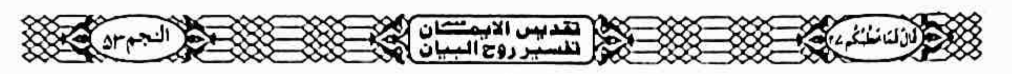
وَاَنۡ لَّيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۙ ﴿۳۹﴾

اور یہ کہ نہیں انسان کیلئے مگر جو اس نے کوشش کی

(آیت نمبر ۳۷) اور ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں کو جس نے مکمل کیا۔ یا ابراہیم علیہ السلام جن باتوں میں آزمائے گئے۔ان سب میں کامیاب ہوئے۔ جیسے سورہ بقرہ میں بیان ہوا۔ چنانچہ جناب ابراہیم علیہ السلام پر بہت بڑی آزمائشیں آئیں۔حتی کہ آپ کو جلتی آگ میں ڈال دیا گیا۔ پھر بچے کے ذبح کا وقت بھی عجیب منظر تھا۔صبر کی بھی انتہاء تھی۔ آپ ہر امتحان میں کامیاب ہوئے۔ **حدیث شریف**: ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل فرمائیں۔فرمایا ایک سو چار ان میں چار کتابیں اور ایک سو صحیفے۔جن میں سے دس صحیفے ابراہیم علیہ السلام کو دیئے۔(رواہ ابن حبان)

(آیت نمبر ۳۸) ان صحیفوں میں یہ لکھا تھا کہ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ نہ ایک کے گناہوں کی پکڑ دوسرے کو ہوگی۔تا کہ اصل گناہ والا بچ جائے۔اس میں اس کا رد ہے جو ولید کے گناہ اپنے سر پر اٹھانے کیلئے تیار ہوگیا۔یعنی ہر آدمی اپنے گناہوں کا بوجھ خود اٹھائے گا۔البتہ جس نے دوسروں کو گمراہ کیا۔گمراہ ہونے والوں کے برابر گمراہ کرنے والوں کو سزا ملے گی۔(یا جس نے ظلم کیا۔تو مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے)۔

(آیت نمبر ۳۹) اور یہ کہ نہیں ہے انسان کیلئے مگر وہی جو اس نے خود محنت کی۔ **فائدہ** :یعنی جیسے کوئی دوسرے کے گناہ سے پکڑا نہیں جائیگا۔اسی طرح ایک کا ثواب کسی دوسرے کو نہیں دیا جائیگا۔لیکن یہ آیت "الحقنابھم ذریتھم" والی آیت سے منسوخ ہوگئی۔یعنی باپ دادا کی شفاعت اولاد کے حق میں قبول ہوگی۔عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ حکم ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کی امت کیلئے تھا۔امت محمدیہ ﷺ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کے اعمال کا فائدہ دوسرے مسلمانوں کو بھی پہنچے گا۔ **حدیث**:ایک عورت نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میرے چھوٹے بچے پر حج ہے۔یعنی حج کرسکتا ہے تو فرمایا۔ہاں اس کا ثواب تجھے ملے گا۔(رواہ مسلم)۔ **دلیل نمبر۲**: ربیع بن انس نے فرمایا۔اس آیت میں حکم کفار کیلئے ہے کہ دوسرے کے نیک عمل سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاسکتا۔مومن کے عمل کا ثواب اسے بھی ملے گا اور وہ جسے ثواب بخشے گا اسے بھی ثواب ملے گا۔ (اور اس کے ماں باپ اور اساتذہ کو ثواب پہنچے گا۔



وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۝۴۰

اور بے شک اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائیگی

(بقیہ آیت نمبر ۳۹) مزید تشریح: ابن تیمیہ صاحب ایصال ثواب کے متعلق لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ میت کی طرف سے صدقہ کرنے کا میت کو ثواب پہنچتا ہے۔ اور اس کو نفع ہوتا ہے۔ سعد بن عبادہ والی حدیث اس پر دلیل ہے۔ اسی طرح میت کی طرف سے حج کرنے یا قربانی دینے یا غلام آزاد کرنے، اسی طرح دعا واستغفار سے میت کو نفع ہوتا ہے۔ البتہ نماز، روزہ یا تلاوت قرآن سے میت کو نفع ہوتا ہے یا نہیں۔ اس میں علماء کے دو اقوال ہیں۔ امام ابوحنیفہ، امام احمد اور بعض شافعی حضرات کا مذہب یہ ہے۔ کہ اس سے میت کو نفع ہوتا ہے۔

ایک واقعہ: مولانا قاسم نانوتوی صاحب نے تحذیر الناس ص ۴۴ پر لکھا کہ ایک محفل میں جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما تھے ان کے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہوگیا۔ آپ نے اس سے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ میں اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھ رہا ہوں۔ جنید بغدادی نے ایک **حدیث** میں پڑھا تھا کہ ستر ہزار کلمہ طیبہ کا ورد کر کے جو دعا کی جائے وہ قبول ہو جاتی ہے۔ انہوں نے ستر ستر ہزار کے کئی نصاب پڑھ رکھے تھے۔ تو انہوں نے اس مرید کی ماں کو ایک نصاب کلمہ طیبہ کا ثواب بخش دیا اور کسی کو اس کی اطلاع بھی نہیں کی تو وہ نوجوان ہشاش بشاش ہوگیا۔ آپ نے پوچھا۔ اب کیا ہوا۔ تو وہ کہنے لگا کہ اب میں اپنی ماں کو جنت میں دیکھ رہا ہوں۔ تو جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس نوجوان کے کشف کی صحت مجھے حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی صحت کے کشف سے معلوم ہوئی۔ دلیل نمبر ۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کے ثواب کیلئے ایک غلام آزاد فرمایا۔ دلیل نمبر ۴: حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام سے عرض کی۔ میری ماں فوت ہوگئی تو میں اس کی طرف سے کیا صدقہ کروں تو آپ نے فرمایا۔ لوگوں کو پانی پلا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کنواں کھدوا کر ماں کے نام پر وقف للہ کر دیا۔ (مزید ایصال ثواب پر معلومات فیوض الرحمٰن سے حاصل کریں)۔

(آیت نمبر ۴۰) انسان نے جو بھی سعی کی ہے اسے عنقریب دیکھا جائیگا۔ یعنی جب بروز قیامت اس کے صحیفے اور اعمال میزان پر رکھے جائیں گے تو سب کچھ معاملہ کھل کر سامنے آ جائے گا۔ **فائدہ:** واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انسان اس لائق کہاں ہے کہ اس کی کوئی سعی قبول ہو جب تک کہ اس کے ساتھ فضل الٰہی نہ ہو جب یہ ہو تو پھر اس پر اجر وثواب ملے گا۔ اس کی شرح میں حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس پر فضل ربانی ہوگا۔ اسی کی سعی قبول ہوگی ورنہ نہیں۔ **فائدہ:** جس عمل میں اخلاص ہو وہ مقبول ہے۔ اور اسی پر فضل ربی ہوتا ہے۔

ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ۙ﴿۴۱﴾ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ۙ﴿۴۲﴾

پھر بدلا اس کا دیا جائیگا بھرپور۔ اور بے شک طرف تیرے رب کے انتہاء ہے۔

وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ۙ﴿۴۳﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ۙ﴿۴۴﴾

اور وہی ہے جس نے ہنسایا اور رلایا۔ اور اسی نے موت اور زندگی دی۔

(آیت نمبر ۴۱) پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائیگا۔ یعنی انسان کو اس کی سعی پر اس کے عمل کی جزاء دی جائے گی۔ اگر عمل نیک ہوا تو جزاء بھی اچھی اور کامل دی جائے گی اور عمل برا ہوا تو پھر جزا سزا کی شکل میں ہوگی۔ **فائدہ:** اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان نیک اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے کرتا ہے ورنہ نہیں کرسکتا۔

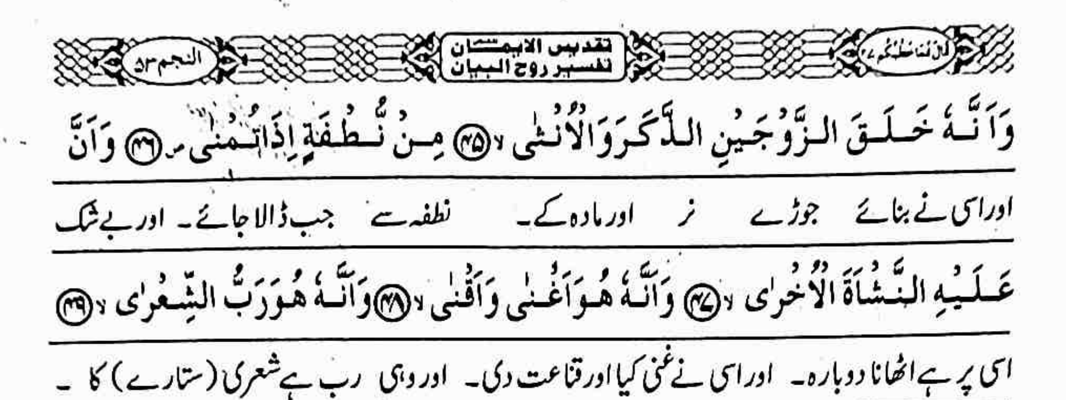
(آیت نمبر ۴۲) بے شک تیرے رب تک ہی انتہاء ہے۔ یعنی بالآخر لوٹ کر سب نے اسی کے پاس جانا ہے۔

فائدہ: یعنی مرنے کے بعد ہمیشہ کیلئے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف جانا ہے۔ وہی ان کے اعمال کی انہیں جزاء دے گا۔ چونکہ سب کام اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔ اس کے سوا کسی طرف نہیں نہ مستقلاً نہ اشتراکاً۔ اس لئے جزاء بھی وہی دے گا۔ **فائدہ:** امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اول اور آخر ہونا اسی کی شان ہے۔ لہذا ابتداء بھی اسی سے اور انتہاء بھی اسی تک ہے۔

(آیت نمبر ۴۳) بے شک اسی نے ہنسایا اور اسی نے رلایا۔ یعنی کبھی نعمت دے کر خوش کر دیتا ہے۔ کبھی چھین کر رلا دیتا ہے۔ فائدہ: یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کو ہنسنے اور رونے کی قوت عطا کی۔

فائدہ: یا کسی کو نعمتیں دیکر ہنسایا اور کسی کو شدت و مصیبت دیکر رلایا۔ یا بعض کو جنت دیکر ہنسائے گا اور بعض کو جہنم میں رلائے گا۔ وغیرہ۔ **مسئلہ:** اس آیت میں دلیل ہے کہ انسان جو بھی عمل کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی قضاء سے کرتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ دیکھا کہ کچھ لوگ ہنس رہے ہیں تو فرمایا۔ جو میں جانتا ہوں وہ تم بھی جان لیتے تو زیادہ روتے اور کم ہنستے۔

(آیت نمبر ۴۴) اسی نے مارا اور اسی نے زندہ کیا۔ اس کے سوا کسی کو مارنے یا زندہ کرنے کی کوئی قدرت نہیں ہے۔ **فائدہ:** دنیا میں جس کے پیدا ہونے کا وقت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے زندہ فرما دیتا ہے اور جس کی موت کا وقت آتا ہے۔ اسے مارتا بھی وہی ہے۔ قیامت کے دن دوبارہ بھی وہی زندہ کریگا۔



وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿٤٥﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿٤٦﴾ وَاَنَّ

اور اسی نے بنائے جوڑے نر اور مادہ کے۔ نطفہ سے جب ڈالا جائے۔ اور بے شک

عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿٤٧﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ﴿٤٨﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿٤٩﴾

اسی پر ہے اٹھانا دوبارہ۔ اور اسی نے غنی کیا اور قناعت دی۔ اور وہی رب ہے شعری (ستارے) کا۔

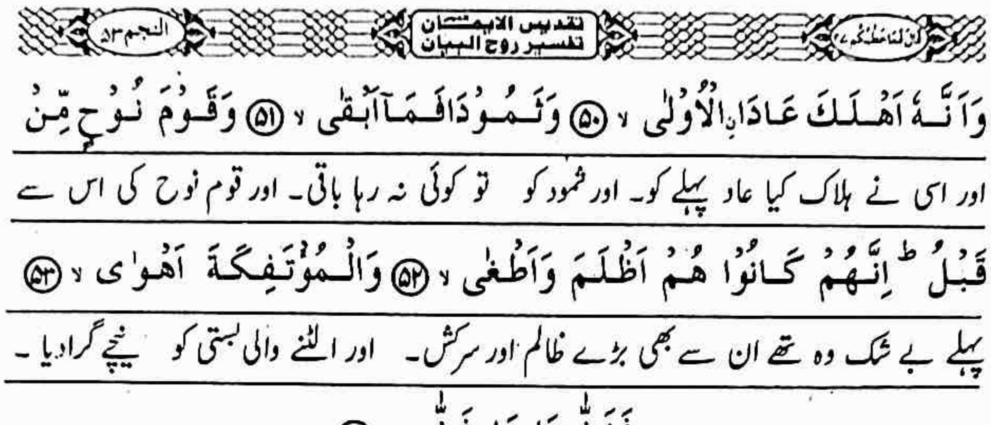
(آیت نمبر ۴۵) بے شک اسی ذات نے جوڑے پیدا کئے۔ جن میں ایک نر اور دوسرا مادہ۔ **فائدہ:** یعنی ہر حیوان سے یہ دو صنف پیدا کئے۔ یہ بات بھی یاد رہے۔ ہر حیوان منی سے پیدا نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ بعض ہوا سے پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً انڈا مرغ کی ہوا سے بنتا ہے۔ کیونکہ مرغ میں منی نہیں ہوتی۔ جب مرغ مرغی سے جفت ہوتا ہے تو وہ اس کے رحم میں ہوا بھر دیتا ہے۔ اس سے انڈے بنتے ہیں۔

(آیت نمبر ۴۶) زیادہ تر حیوان نطفہ سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ جب منی رحم میں ڈالی جائے تو اس سے حیوان یا انسان پیدا ہوتا ہے۔ **فائدہ:** البتہ آدم وحوا اور عیسیٰ علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ جب پیدا کرنا چاہے بغیر اس مادہ کے بھی پیدا کر سکتا ہے۔ یہ اس کی قدرت ہے۔

(آیت نمبر ۴۷) اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہ کرم پر ہے۔ دوسری مرتبہ اٹھانا۔ یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا۔ **نکتہ:** دوبارہ زندہ کرنا حکمت الٰہی کا تقاضا ہے کہ وہ آخرت میں اٹھائے گا تاکہ وہ اعمال کے مطابق بندوں کو جزاء وسزا دے چونکہ دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزاء ہے۔ آخرت والا کام دنیا میں ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ دنیا بہت تنگ جگہ ہے اور آخرت بہت وسیع مقام اور زمان ہے۔

(آیت نمبر ۴۸) اور بے شک اسی نے غنی کیا اور اسی نے قناعت بھی دی۔ **فائدہ:** بعض نے اغنیٰ کا معنی کیا کہ اموال سے غنی کر دیا۔ امام ضحاک نے فرمایا۔ سونے چاندی کپڑوں اور مکان سے بے نیاز کر دیا۔ **فائدہ:** جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ بعض کو غنی کر دیا اور بعض کو فقیر اور تنگدست کر دیا۔

(آیت نمبر ۴۹) اور بے شک وہ شعریٰ کا بھی رب ہے۔ اگرچہ وہ ہر شیٔ کا رب ہے۔ شعری ستارے کی پرستش کی گئی۔ **فائدہ:** شعریٰ ایک روشن ستارہ ہے۔ جو جوزاء کے پیچھے ہوتا ہے۔ قریش کے ایک سردار نے اس کی پرستش صرف اس وجہ سے کی کہ یہ باقی ستاروں سے الگ چلتا ہے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جو ان مشرکوں کے رب کا بھی رب ہے۔



وَاَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا ِۨالْاُوْلٰى ۙ﴿۵۰﴾ وَثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰى ۙ﴿۵۱﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ

اور اسی نے ہلاک کیا عاد پہلے کو۔ اور ثمود کو تو کوئی نہ رہا باقی۔ اور قوم نوح کی اس سے

قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ؕ﴿۵۲﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ۙ﴿۵۳﴾

پہلے بے شک وہ تھے ان سے بھی بڑے ظالم اور سرکش۔ اور الٹنے والی بستی کو نیچے گرادیا۔

فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ۚ﴿۵۴﴾

پھر چھایااس پر جو چھایا۔

(آیت نمبر ۵۰) اور بے شک اسی نے پہلی قوم عاد کو بھی ہلاک کیا۔ یعنی قوم ہود جنہیں آندھی نے ہلاک کیا اور دوسری قوم عادارم ہے۔ قوم نوح کے بعد یہی قوم ہلاک ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ عاد کی دو قومیں ہوئیں۔

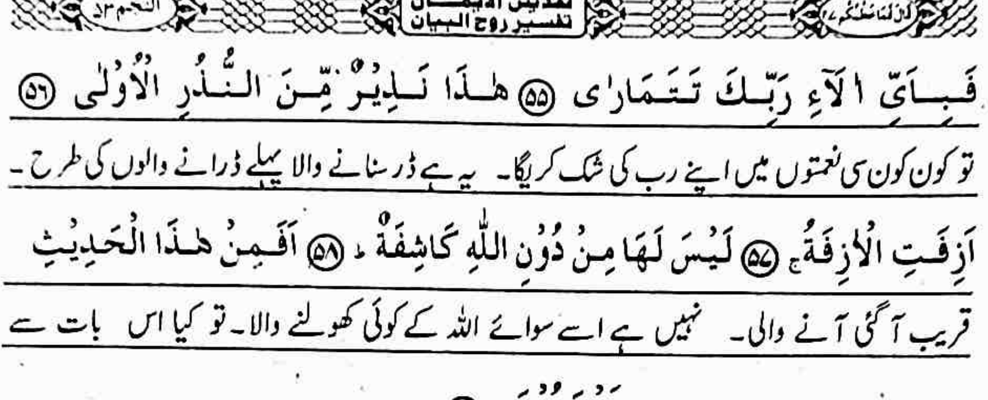
(آیت نمبر ۵۱) قوم عاد کی طرح قوم ثمود بھی تباہ و برباد ہوئی۔ یہ جناب صالح علیہ السلام کی قوم تھی جو ایک چنگھاڑ سے تباہ ہوئی کہ ان میں سے کوئی بھی بچ نہ سکا۔ عذاب الٰہی جس قوم پر بھی آیا۔ اس قوم کا مکمل صفایا کر گیا۔

فائدہ: اس آیت میں تربیت کی طرف اشارہ ہے پہلے نرمی سے۔ پھر عتاب سے پھر سزا سے ڈرایا گیا۔

(آیت نمبر ۵۲) قوم عاد سے پہلے قوم نوح ان ہی کی طرح تھے اور وہ بھی ہلاک ہوئے اس لئے کہ انہوں نے اپنے نبی علیہ السلام کے ساتھ بھی بہت ظلم کئے اور دوسرے لوگوں کی نسبت بہت زیادہ سرکش تھے اور انہوں نے نوح علیہ السلام کو بہت زیادہ اذیتیں پہنچائیں۔ اس کے باوجود نوح علیہ السلام نے ہزار سال کے قریب ان کی تکالیف برداشت کیں اور اس قوم سے صرف اسی (۸۰) بندے مسلمان ہوئے۔ چالیس مرد اور چالیس عورتیں۔

(آیت نمبر ۵۳) اور کچھ وہ بستیاں جو مکینوں سمیت الٹ دی گئیں۔ اس سے مراد جناب لوط علیہ السلام کی بستیاں ہیں۔ جنہیں جبریل امین نے ایک پر کے ساتھ اٹھایا۔ اور آسمان کے قریب لے جا کر الٹ دیا۔ جیسے ان کے عمل الٹے تھے۔ اسی طرح ان کی سزا بھی ایسی آئی۔

(آیت نمبر ۵۴) ڈھانپ لیا اسے جس نے ڈھانپا یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے عذاب نے انہیں عذاب کی لپیٹ میں لے لیا۔ یعنی وہ پانی میں غرق ہوئے۔ جن کے اوپر نیچے پانی ہی پانی تھا۔



فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکَ تَتَمَارٰی ﴿۵۵﴾ هٰذَا نَذِیْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰی ﴿۵۶﴾

تو کون کون سی نعمتوں میں اپنے رب کی شک کریگا۔ یہ ہے ڈر سنانے والا پہلے ڈرانے والوں کی طرح۔

اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ

قریب آ گئی آنے والی۔ نہیں ہے اسے سوائے اللہ کے کوئی کھولنے والا۔ تو کیا اس بات سے

تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾

تم تعجب کرتے ہو۔

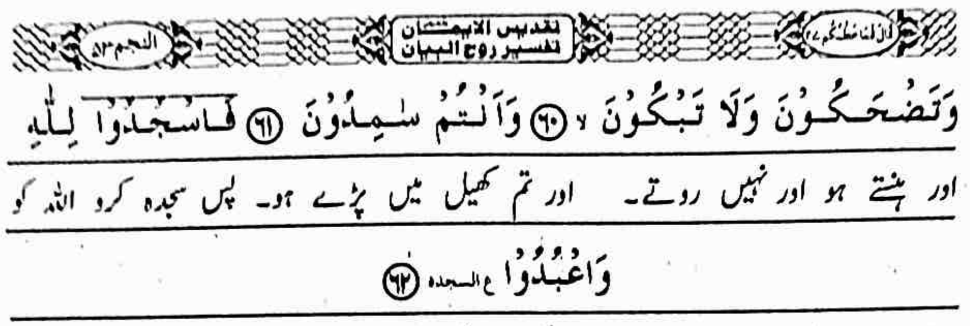
(آیت نمبر ۵۵) پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں پر شک کروگے۔ یہ خطاب تمام لوگوں کو ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے تمام امور نعمتیں ہیں۔ کفار پر جو عذاب بھی آیا ہے۔ تو وہ بھی مومنوں کیلئے نعمت ہے کہ کفار سے اور ان کی اذیتوں سے ان کی جان چھوٹ گئی۔ نصیحت حاصل کرنے والوں کو نصیحت حاصل ہوگئی۔

(آیت نمبر ۵۶) پہلے ڈر سنانے والوں کی طرح یہ بھی ڈراتا ہے۔ ہذا کا مشار الیہ قرآن مجید ہے۔ یا یہ اشارہ حضور ﷺ کی طرف ہے۔ یعنی جس طرح پہلے انبیاء کرام علیہم السلام ڈر سناتے رہے۔ یہ بھی اسی طرح ڈر سناتے ہیں۔

(آیت نمبر ۵۷) آنے والی قیامت قریب آ گئی ہے۔ دنیا میں کفار مکہ کو عذاب اس لئے نہیں ہوا کہ ان میں نبی کریم ﷺ موجود تھے۔ اگرچہ دنیا میں مختصر عذاب دو دفعہ ہوا۔ اس میں نبی کریم ﷺ کی نہایت تعظیم و تکریم ہے۔ قیامت کو قریب اس لئے کہا کہ چاند کا شق ہونا قرب قیامت کی دلیل ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ میرا مبعوث ہونا بھی قیامت کے جلد آنے کی دلیل ہے۔

(آیت نمبر ۵۸) نہیں ہے کوئی اسے کھولنے والا سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ یعنی نہ اسے کوئی ٹال سکتا ہے اور نہ اسے کوئی زائل کرسکتا۔ نہ کوئی اسے لاسکتا ہے۔ یہ تمام کام صرف اللہ تعالیٰ ہی کرسکتا ہے۔ چونکہ موت کے بعد مرنے والے کی قیامت شروع ہوجاتی ہے۔ اصل قیامت تو صور پھونکے جانے کے بعد آئیگی۔

(آیت نمبر ۵۹) کیا تم اس بات (قرآن مجید) سے تعجب کرتے ہو۔ اور اس کا تمسخر اڑاتے ہو۔ یہ دراصل ان کی جہالت ہے۔ **فائدہ:** کہ وہ قرآن کی فصاحت و بلاغت سے انہیں تعجب ہے۔ لیکن ایمان ان کے نصیب میں نہیں۔ یا قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے سے بہت تعجب کرتے تھے۔ یہ بات ان کے عقل میں نہیں آ سکتی اس لئے تعجب کرتے ہیں۔



وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿٦٠﴾ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿٦١﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ

اور ہنستے ہو اور نہیں روتے۔ اور تم کھیل میں پڑے ہو۔ پس سجدہ کرو اللہ کو

وَاعْبُدُوْا ع السجدۃ ﴿٦٢﴾

اوراس کی عبادت کرو

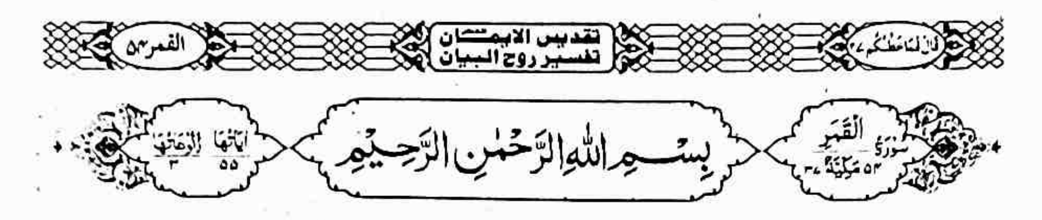
(آیت نمبر۶۰) کہ بجائے ماننے کے الٹا مزاق اڑاتے ہیں اور روتے نہیں۔ یعنی تم اس کی شان کو سمجھنے میں کوتاہی کرتے ہو۔ ڈرتے نہیں کہ ایمان نہ لانے کیوجہ سے سابقہ قوموں کی طرح کہیں عذاب گھیر ہی نہ لے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اصحاب صفہ رو پڑے۔ ان کو روتے دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی رو پڑے۔

(آیت نمبر۶۱) اور تم غفلت میں تکبر کر رہے ہو۔ یعنی قرآن سننے سے محروم ہو اور لھو ولعب اور گانے باجے سننے میں مصروف ہو اور جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو شور وغل مچا دیتے ہو۔ اسی کھیل تماشے نے تو تمہیں غفلت میں رکھا ہوا ہے۔

(آیت نمبر۶۲) پس سجدہ کرو اللہ تعالیٰ کیلئے اور اسی کی عبادت کرو۔ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو۔

فائدہ: امام مالک کے سوا تمام ائمہ اس جگہ سجدہ کے قائل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس آیت پر سجدہ صحیح سند سے ثابت ہے بلکہ آپ کے ساتھ تمام جنوں انسانوں فرشتوں نے سجدہ کیا۔ قرآن پاک کا یہ بارھواں سجدہ ہے۔

اختتام سورۃ نجم: ۲۵ فروری ۲۰۱۷ء بمطابق ۲۸ جمادی الاولی بروز ہفتہ بوقت نماز فجر



اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ ① وَاِنۡ يَّرَوۡا اٰيَةً يُّعۡرِضُوۡا وَيَقُوۡلُوۡا

قریب آ گئی قیامت اور پھٹ گیا چاند۔ اور اگر وہ دیکھ لیں نشانی تو منہ پھیر لیتے ہیں۔

سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ ②

اور کہتے ہیں جادو ہے جو چلا آیا۔

(آیت نمبر۱) قیامت قریب آ گئی اور چاند چر گیا۔ (ساعۃ پرتو کافی دفعہ بیان ہو چکا)۔ اس کا وقت قریب ہو گیا۔ کیونکہ قیامت کی دس علامات میں سے دو علامتیں ظاہر ہو گئیں۔ ایک تو حضور ﷺ کی بعثت دوسرا چاند کا شق ہو جانا اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کے لمحات بہت تھوڑے ہیں۔ ان میں بھی زیادہ گذر گئے اور تھوڑے رہ گئے۔ جیسا کہ لفظ ''اقتراب'' سے ظاہر ہو رہا ہے۔ **فائدہ**: اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ دنیا حادث ہے اور اس کی عمر کے بارے میں کوئی قطعی بات معلوم نہیں۔ صرف ان آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اب یہ بالکل اس کا آخر زمانہ ہے۔ اس کی دلیل چاند کا پھٹ جانا بتائی گئی ہے۔

واقعہ شق قمر: حدیث شریف بخاری شریف حدیث ۳۶۳۶، ۳۶۳۷ میں ہے کہ مشرکین نے نبی کریم ﷺ سے معجزہ مانگا۔ کہ چاند دو ٹکڑے ہو جائے تو ہم مان جائیں گے۔ کیونکہ جادوگر آسمان پر اپنا جادو نہیں چلا سکتا۔ اگر آپ نے یہ کر دیا تو واقعی آپ نبی ہیں۔ آپ انہیں لیکر ابوالقبیس پہاڑ پر گئے وہاں آپ نے تمام کفار مکہ کے سامنے چودویں کے چاند کی طرف انگلی کا اشارہ کیا تو چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ پھر اشارہ فرمایا تو دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے۔ یہ منظر پوری دنیا میں دیکھا گیا کہ چاند دو ٹکڑے ہوا آپ نے فرمایا اچھی طرح دیکھ لو۔ پھر واپس آ کر دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا گواہ ہو جاؤ۔

(آیت نمبر۲) اور اگر قریش اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے کوئی آیت دیکھ لیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہو۔ جو حضور ﷺ کی صدق نبوت پر دلیل ہو۔ جیسے معجزۂ شق القمر یا دیگر معجزات جو کفار نے کئی بار دیکھے۔ **فائدہ**: تمام کفار کی عادت رہی کہ پہلے معجزہ مانگتے ہیں۔ جب معجزہ دیکھ لیتے ہیں تو پھر روگردانی کر کے یوں کہتے کہ یہ جادو ہے ہمیشہ کا یعنی ایسے لوگوں سے ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ یعنی معجزہ کو جادو، اور معجزہ دکھانے والے نبی کو جادوگر کہتے ہیں۔

وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣﴾ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ

اور جھٹلایا اور پیروی کی اپنی خواہشات کی اور ہر کام قرار پا گیا۔ اور تحقیق آئیں ان تک

مِّنَ الْأَنبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ﴿٤﴾ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ﴿٥﴾

خبریں جن میں رکاوٹ رہی۔ حکمت ہے پہنچی ہوئی پھر کیا کام دیں ڈرانے والے

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكُرٍ ﴿٦﴾

تو منہ پھیر لیں ان سے۔ جس دن بلائے گا بلانے والا طرف چیز ان دیکھی کے۔

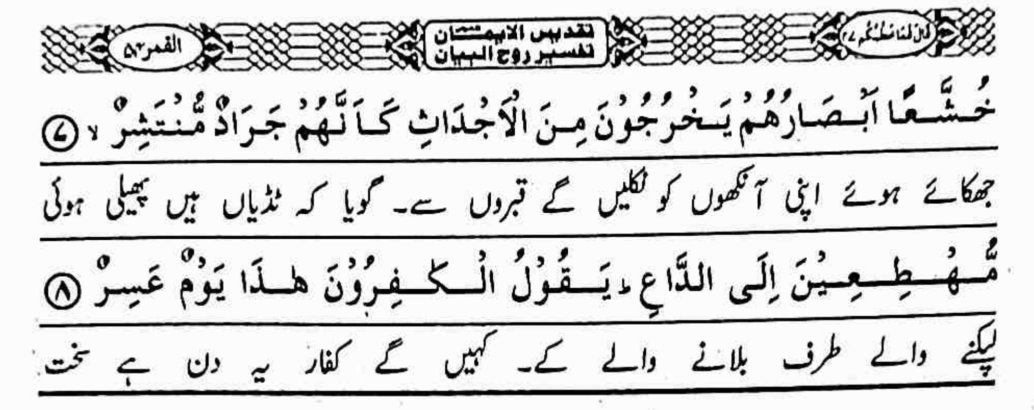
(بقیہ آیت نمبر۲) **فائدہ**: معلوم ہوا کہ انہوں نے اس سے پہلے حضور ﷺ سے کئی معجزات دیکھے ہوئے تھے۔

(آیت نمبر۳) اتنا بڑا عظیم الشان معجزہ دیکھنے کے باوجود انہوں نے خواہشات کی پیروی کی جو انہیں شیطان نے خوبصورت کر کے دکھائیں کہ اتنے بڑے معجزے کو دیکھ کر بھی انہوں نے حسب عادۃ اسے جادو کہہ دیا اور جھٹلا دیا۔ اور یہ پٹی شیطان نے انہیں پڑھائی۔ لیکن آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر کام اپنی انتہاء کو پہنچ کر قرار پائے گا۔ یعنی انتہاء پر پہنچ کر نتیجہ نکلتا ہے تو نبی کریم ﷺ بالآخر کامیاب ہونگے اور کفار ذلیل ہو جائیں گے۔

(آیت نمبر۴) اور البتہ تحقیق آ گئی ان اہل مکہ کے پاس خبروں میں سے وہ عظیم خبر جس کا ذکر قرآن مجید میں آ گیا۔ یعنی کفار کیلئے عذاب نار ہے جس میں جھڑک ہے۔ **فائدہ**: اس سے مراد یا تو سابقہ قوموں کی خبر ہے۔ یا آخرت کی خبریں مراد ہیں۔ یا (مزدجر) کا معنی ہے عذاب کی جگہ یعنی فی نفسہ زجر و توبیخ کی جگہ۔ جہاں کفار کو ہمہ وقت جھڑک اور ڈانٹ پڑتی رہے گی۔ پھر جہنم میں انہیں انتہائی ذلت کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ ہوگی۔

(آیت نمبر۵) یہ حکمت ہے۔ جو اپنی انتہاء تک پہنچتی ہے۔ جس میں کسی قسم کا کوئی خلل نہیں۔ حکمت کا معنی: (۱) عدل۔ (۲) علم۔ (۳) حلم۔ (۴) النبوۃ والقرآن ہے۔ حکمت کا لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو مراد ہے معرفۃ الاشیاء اور انسان کی طرف منسوب ہو تو معنی ہے معرفۃ الموجودات۔ آگے فرمایا۔ انہیں ڈرانے والے کسی چیز سے نہ بچا سکیں گے۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔ آیات اور ڈرانے نے انہیں کوئی فائدہ نہ دیا۔

(آیت نمبر۶) اے محبوب ان سے منہ پھیر لے۔ یعنی معلوم ہو گیا کہ ڈر سنانا ان میں اثر پذیر نہیں۔ نہ اس ڈرانے سے انہیں کوئی فائدہ ہوگا۔ تو ان سے اس وقت تک منہ پھیر لیں جب تک جہاد کا حکم نہیں آتا۔



خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۙ ⑦

جھکائے ہوئے اپنی آنکھوں کو نکلیں گے قبروں سے۔ گویا کہ ٹڈیاں ہیں پھیلی ہوئی

مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ⑧

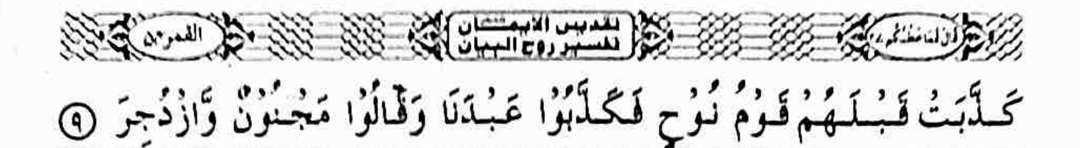
لپکنے والے طرف بلانے والے کے۔ کہیں گے کفار یہ دن ہے سخت

(بقیہ آیت نمبر ۶) جس دن پکارنے والا پکارے گا۔ اس سے مراد اسرافیل علیہ السلام ہیں۔ کہ جب وہ صخرۂ بیت المقدس پر کھڑے ہو کر دوسری مرتبہ صور میں پھونکیں گے اور سب مردوں کو زندہ ہونے کے بعد فرمائیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پہ جمع ہو جاؤ تو وہ ایک ناگوار چیز کی طرف بلائیں گے۔ ناگوار چیز سے مراد قیامت کی ہولنا کی ہے۔ یا حساب و کتاب۔

(آیت نمبر ۷) نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی جب وہ اپنی اپنی قبروں سے نکلیں گے۔ یعنی عذاب وحساب سامنے دیکھ کر یہ حالت ہوگی۔ ویسے تو پورا بدن ہی عجز وانکساری میں ہوگا۔ لیکن خوف اور حیاء کا اظہار زیادہ تر آنکھوں سے ہی ہوتا ہے۔ آگے فرمایا کہ قبروں سے یوں نکلیں گے۔ گویا وہ ٹڈیاں ہیں پھیلی ہوئی۔ یعنی جیسے وہ بلوں سے نکل کر ہر طرف پھیل جاتی ہیں۔ اس طرح لوگ ہر طرف پھیلے ہوں گے۔ ہر ایک اپنے انجام کے خوف سے پریشان ہوگا۔

(آیت نمبر ۸) یوں ہی بلانے والے کی طرف دوڑنے والے ہوں گے۔ گردن اوپر کئے ہوئے۔ یعنی ایک طرف نگاہیں لگائیں گے۔ دوسری طرف دیکھیں گے بھی نہیں اور کہہ رہے ہوں گے کافر لوگ۔ کہ یہ دن ہم پر بہت تنگ اور سخت ہے۔ قبروں سے نکلنے کے بعد چالیس سال تک کھڑے کھڑے ہی گذر جائیں گے۔

نکتہ: اس تنگی کی نسبت کفار کی طرف کی گئی۔ اس لئے کہ مومن لوگ تو ایمان اور عمل صالح کی وجہ سے اس تنگی اور سختی سے محفوظ ہوں گے۔ بعض تو ایسے امن والے ہوں گے کہ جن کی شان دیکھ کر انبیاء اور شہداء بھی رشک کر رہے ہوں گے۔ **فائدہ:** انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنی جان کا نہیں۔ بلکہ اپنی اپنی امت کا غم ہوگا۔ ہمارے آقا ﷺ تو فرما رہے ہونگے رب سلم (امتی) اپنی ذات کے لحاظ سے عام ایمان والوں سے انبیاء کرام علیہم السلام زیادہ امن میں ہونگے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا: "لاخوف علیھم ولاھم یحزنون" کہ اہل ایمان کو بروز قیامت نہ کسی چیز کا ڈر ہوگا۔ نہ وہ غم کھائیں گے۔



كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَّازْدُجِرَ ﴿٩﴾

جھٹلایا ان سے پہلے قوم نوح نے تو جھٹلایا ہمارے بندے کو اور کہا کہ دیوانہ ہے اور جھڑکا۔

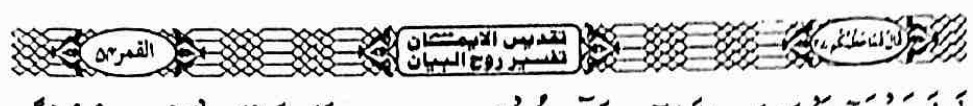
فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴿١٠﴾

تو اس نے دعا کی اپنے رب سے بے شک میں مغلوب ہوں میرا بدلہ لے۔

(آیت نمبر۹) اس سے پہلے قوم نوح نے نوح علیہ السلام کی تکذیب کی۔

فائدہ: اس میں حضور ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اے محبوب آپ کی قوم اگر تکذیب کر رہی ہے تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں اس سے پہلے قوم نوح نے ہمارے پیارے بندے نوح کو جھٹلایا۔ (اور ساڑھے نو سو سال تک جھٹلاتے رہے۔ بالآخر جناب نوح علیہ السلام نے اپنی مدد کیلئے ہمیں پکارا تو ہم نے قوم کو طوفان میں غرق کر دیا۔) ان کی قوم نے جناب نوح کے متعلق کہا کہ تم مجنون ہو۔ یعنی انہوں نے صرف جھٹلایا ہی نہیں بلکہ نوح علیہ السلام کو مجنون کہا۔ اور سخت جھڑک دی۔ **فائدہ**: بعض لوگ جھوٹ بولتے ہیں تو بھی ان کی بات میں وزن ہوتا ہے یا عقل کے مطابق بات ہوتی ہے۔ یہ بات نوح علیہ السلام کے متعلق تو بالکل ہی ناقابل قبول ہے اور پھر تکذیب ہی نہیں کی بلکہ نوح علیہ السلام کو جھڑک کر تبلیغ سے منع کیا بلکہ برا بھلا کہا۔ مارا پیٹا۔ کبھی گلا گھونٹ دیا۔ اور دھمکیاں دیں کہ آئندہ تبلیغ کی تو تمہیں سنگسار کر دیں گے وغیرہ۔ **فائدہ**: یہ مصائب و آلام تو ہر داعی حق کی طرف (بلانے والے پر)۔ جھٹلانے والوں باطل پرستوں کی طرف سے آئے ایسا ہی معاملہ ہر نبی کے ساتھ ہوا ہے لیکن اہل حق نے کبھی ہمت نہیں ہاری۔

(آیت نمبر۱۰) تو جناب نوح علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا۔ یعنی درد بھرے انداز سے عرض کی کہ اے میرے رب بے شک میں مغلوب ہوں۔ یعنی کفار قوم کی کثرت نے مجھے مغلوب کر دیا۔ میں ان سے بدلہ نہیں لے سکتا۔ لہٰذا اے میرے رب تو ہی ان سے بدلہ لے۔ **فائدہ**: یعنی جب نوح علیہ السلام اپنی قوم سے مایوس ہو گئے کہ اتنی بڑی محنت و مشقت کے باوجود بھی وہ ایمان نہیں لائے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے بھی فرما دیا کہ اب تیری قوم سے اور کوئی بھی ایمان نہیں لائے گا۔ اور ادھر یہ حالت ہوئی کہ جو کافر آتا۔ وہ آ کر آپ کا گلا گھونٹ دیتا یا کوئی اور ایسی اذیت دیتا کہ آپ بے ہوش ہو جاتے۔ ساڑھے نو سو سال قوم کی اذیتیں برداشت کرتے رہے۔ بالآخر آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قوم کیلئے بددعا فرمائی۔ اور اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی بددعا سے پوری قوم پر تباہی پھیر دی کہ پھر ان کافروں کا نہ فرد بچا نہ گھر بچا سب تباہ و برباد ہو گئے۔



فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ؗ ⑪ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا

توہم نے کھول دیئے دروازے آسمان کے پانی زور سے بہنے والے سے۔ اور جاری کر دیئے زمین کے چشمے

فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۚ ⑫ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۙ ⑬

تو مل گئے پانی حکم پر جس کا اندازا مقدر تھا۔ اور سوار کیا اسے تختوں کیلوں والی پر۔

تَجْرِىْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ⑭

وہ چلتی تھی ہمارے سامنے۔ صلہ ہے اس کا جس کا انکار کیا گیا۔

(آیت نمبر ۱۱) ہم نے آسمان کے دروازے عذاب کیلئے کھول دیئے اور ہر طرف سے پانی جاری ہو گیا۔ ایسا پانی جو تیز برسنے والی بارش سے بھی زیادہ تیز تھا۔ جیسے مشکیزہ سے پانی تیزی کے ساتھ نکل پڑے اور رکنے کا نام بھی نہ لے تو قوم نوح پر چالیس دن تک مسلسل پورے زور سے پانی چلتا رہا جو برف کی طرح ٹھنڈا اور سفید تھا۔

(آیت نمبر ۱۲) زمین سے بھی ہم نے پانی کے چشمے چلا دیئے۔ گویا پوری زمین ہی چشمہ بن گئی۔ پانی بھی کھولتے ہوئے پانی کی طرح گرم تھا۔ تو دونوں پانی آپس میں مل گئے۔ یعنی زمین و آسمان کا پانی ایسے مل کر جمع ہوئے کہ پہاڑوں سے بھی بہت بلند ہو گیا اور وہ پانی مقدر کرنے والے کے حکم سے ایک مقدار کے مطابق تھا۔ یہاں تک کہ پوری قوم اس میں غرق ہو گئی۔ عذاب کا اثر یہ ہوا کہ آج تک ہر تیس سال میں اس طوفان کا اثر سیلاب کی شکل میں ضرور ظاہر ہوتا ہے۔ جس میں بستیاں اور گھر بہہ جاتے ہیں۔

(آیت نمبر ۱۳) اور ہم نے نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو تختوں والی کشتی پر سوار کیا جو چوڑی چوڑی تختیوں سے تیار کی گئی۔ وہ کشتی ساگوان کے درخت سے بنائی گئی تھی اور جوڑنے کیلئے میخیں لگائی گئیں اور میخوں سے اسے مضبوط کر دیا گیا۔ چونکہ کشتی حکم الٰہی کے تحت تیار کی گئی اور نوح علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے بنائی تھی۔

(آیت نمبر ۱۴) کشتی بنی بھی ہماری نگرانی میں اور چلتی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے یعنی ہماری زیر نگرانی میں اور یہ طوفان بدلہ تھا اس کا جو احکام الٰہی کا انکار کیا گیا تھا۔ اور اس قوم کے کفران نعمت کی انہیں سزا دی گئی چونکہ اللہ تعالیٰ کے نبی جناب نوح علیہ السلام ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی نعمت تھے۔ جس کی کفار نے ناقدری کی اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری کی ہر نبی اپنی امت کیلئے نعمت اور رحمت بن کر آتا ہے۔

وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَا اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ⑮ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ⑯

اور تحقیق ہم نے چھوڑی نشانی تو کیا ہے کوئی دھیان دینے والا۔ پھر کیسے ہوا میرا عذاب اور ڈرانا۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ⑰

اور تحقیق آسان کیا قرآن کو یاد کیلئے تو کیا ہے کوئی یاد کرنے والا۔

(آیت نمبر ۱۵) اور البتہ تحقیق چھوڑ دی ہم نے نشانی تا کہ جو بھی اس واقعہ سے آگاہ ہو یا کشتی دیکھے تو اسے عبرت حاصل ہو۔ (اللہ تعالیٰ نے کفار کے پتھروں سے بنے ہوئے مکان بے نام ونشان کر دیئے اور کشتی نوح جو لکڑی کی بنی ہوئی تھی۔ آج ۲۰۱۷ء میں بھی سلامت موجود ہے)۔ یہ معجزہ تھا جناب نوح علیہ السلام کا ورنہ کشتیاں چند سالوں کے بعد بے نام ونشان ہو جاتی ہیں۔ آگے فرمایا کہ کیا ہے کوئی اس سے نصیحت حاصل کرنے والا جو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اس کی نافرمانی سے باز آ جائے۔

(آیت نمبر ۱۶) یہ استفہام تعظیم کیلئے یا تعجب دلانے کیلئے ہے۔ یعنی وہ ایسا خوف ناک عذاب جس کا وصف بیان نہیں ہوسکتا۔ نذر نذیر کی جمع ہے۔ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کا امتوں کو ڈرانا ان پر رحمت وشفقت کے لئے تھا کہ لوگ گناہوں سے باز آئیں اور عذاب سے بچ جائیں اور یہ رحمت ان پر سالہا سال رہی۔ مگر انہوں نے اس کی قدر نہیں کی۔ پھر جب عذاب آیا۔ تو ان کے بتوں نے کوئی نفع نہ دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ تباہ وبرباد ہو گئے۔

(آیت نمبر ۱۷) قسم کھا کر بتایا گیا کہ ہم نے تو قرآن کو بہت آسان کیا یعنی اے محبوب ہم نے اس قرآن کو آپ کی قومی زبان کے مطابق اتارا۔ پھر تمہاری زبان سے نکلنے کے بعد اور بھی آسان کر دیا۔ اور اس میں طرح طرح کی نصیحتیں اور عبرتیں رکھ دیں۔ تا کہ سمجھنے میں اور زیادہ آسانی ہو۔ تو کیا کوئی ہے۔ اس سے نصیحت حاصل کرنے والا۔

فائدہ: یہ آیت چار واقعات بیان کرنے کے بعد لائے۔ یعنی چاروں واقعات سبق آموز ہیں۔ اگر کوئی ان سے نصیحت حاصل کرے۔ یا یہ معنی ہے کہ ہم نے قرآن کو بہت آسان کر دیا۔ کیا ہے کوئی اسے یاد کرنے والا۔ اور واقعی اتنی جلدی یاد ہونے والی اتنی بڑی کتاب اور کوئی نہیں جو بڑی بھی ہو اور جلدی یاد بھی ہو۔ یہ اس قرآن پاک کا ہی معجزہ ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ہفتہ بھر میں اسے مکمل یاد کر لیا۔ ایسے سینکڑوں اور بھی واقعات ہیں۔ قاضی

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿١٨﴾ إِنَّآ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا

جھٹلایا قوم عاد نے تو کیسے ہوا میرا عذاب اور ڈرانا۔ بے شک ہم نے بھیجی ان پر آندھی

صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ

سخت ایسے دن سے جس کی نحوست ہمیشہ ہے گراتی لوگوں کو گویا وہ ٹنڈ ہیں

نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿٢٠﴾

کھجورا کھڑی کے۔

(آیت نمبر ۱۸) قوم عاد نے بھی اپنے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب کی تو پھر کیسا رہا میرا عذاب اور ڈرنا۔ یہ ان کے عجیب حال کو بیان کیا گیا تا کہ پتہ چلے کہ وہ اس قدر نالائق تھے کہ اس قدر عذاب اور انذار کے باوجود بھی ان کا حال جوں کا توں رہا گویا یوں کہا جا رہا ہے کہ عاد نے تکذیب کی تو اب تم سنو انہیں جب انذار کا کوئی اثر نہ ہوا اور گناہوں اور نافرمانی میں حد سے بڑھے۔ تو تو پھر ان پر عذاب آیا تو پھر کیا بتائیں۔ کہ وہ کیسا تھا ہمارا عذاب۔

(آیت نمبر ۱۹) بے شک ہم نے ہی ان پر تیز آندھی بھیجی جو سخت تیز اور ٹھنڈی تھی۔ جسے دبور کہا جاتا ہے۔ جو ایک نحس دن میں چلی یعنی وہ دن نحس تھا کافروں کیلئے (مسلمانوں کیلئے نہیں)۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ **فائدہ**: بعض لوگ ہر نیا کام بدھ سے شروع کرتے ہیں۔ پنجابی میں کہا جاتا ہے (بدھ اور ہر کام سدھ)۔ یہ نحوست ان پر چھ دن تک لگا تار چھائی رہی۔ یہاں تک کہ وہ سب کے سب تباہ و برباد ہو گئے۔ یا یہ معنی ہے کہ وہ عذاب ان کے چھوٹے بڑوں سب کو شامل تھا کہ ان میں کوئی نہ بچا۔ **فائدہ**: مروی ہے کہ عذاب کا آخری دن بدھ تھا۔

(آیت نمبر ۲۰) وہ ہوا لوگوں کو گھروں سے نکال نکال کر مار رہی تھی۔ **فائدہ**: مروی ہے کہ انہوں نے گھڑھے کھودے خندقیں بنائیں اپنے بعض کو بعض سے باندھا بھی۔ لیکن آندھی نے سب کو پٹخ پٹخ کر مار دیا۔ **فائدہ**: مقاتل نے لکھا ہے کہ ہوا نے ان کے گھروں میں داخل ہو کر ان کی روحیں نکالیں۔ حتیٰ کہ جو غاروں میں چھپے ہوئے تھے۔ ہوا نے ان کا بھی پیچھا کر کے انہیں تباہ کر دیا۔ ایک اور مقام پر فرمایا۔ کیا ان میں کوئی بچ رہا۔ **فائدہ**: امام کلبی فرماتے ہیں کہ ستر ستر گز کا ایک ایک آدمی تھا۔ جب وہ مر کر گرتے تو ایسے معلوم ہوتا کہ وہ کھجور کے ٹنڈ پڑے ہیں۔ ان کو جب ان کے نبی علیہ السلام نے بتایا کہ تم پر ہوا کا عذاب آئیگا تو وہ ٹھٹھہ مخول کر کے کہنے لگے ہوا ہمارا کیا بگاڑ سکے گی۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿٢١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٢٢﴾

تو کیسا تھا میرا عذاب اور ڈرانا۔ اور تحقیق آسان کیا ہم نے قرآن یاد کیلئے تو کیا ہے کوئی یاد کرنے والا۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿٢٣﴾ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ

جھٹلایا ثمود نے ڈرانے والوں کو۔تو انہوں نے کہا کیا ایک انسان ہم میں سے ہم اس کی پیروی کریں پھر تو ہم

اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿٢٤﴾

ضرور گمراہی میں اور دیوانے ہیں

(آیت نمبر۲۱) تو پھر کیسا رہا میرا عذاب میرا ڈر۔ یہ گویا کلمہ تعجب ہے۔اس سورۃ میں اس کلمہ کا تکرار اس لئے ہے کہ دنیا کا عذاب الگ قبر کا عذاب الگ اور آخرت کا عذاب الگ ہے۔دنیا والا عذاب بھی رسوا کن ہے۔قبر کا اس سے زیادہ اور آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ رسوا کرنے والا ہے۔بعض بزرگوں نے فرمایا۔ پہلے (کیف کان) ان کی ہلاکت سے پہلے کہا گیا اور دوسری مرتبہ ان کی ہلاکت کے بعد کہا گیا پچھلوں کو ڈرانے کیلئے کہا گیا۔

(آیت نمبر۲۲) اور البتہ تحقیق ہم نے قرآن کو آسان کر دیا۔ ہے کوئی اسے یاد کرنے والا یا نصیحت حاصل کرنے والا۔ **سبق**: عقل والے پر لازم ہے۔اس نصیحت والی کتاب سے نصیحت حاصل کرے اور اس بڑی نشانی سے عبرت حاصل کرے۔ **مسئلہ**: اگر کوئی عین سکرات کے وقت ایمان لائے یا اس وقت توبہ کرے تو نہ اس کا ایمان قبول ہوگا نہ توبہ۔ **فائدہ**: قوم عاد کی تباہی اس سبب سے بھی ہوئی کہ انہیں اپنی قوۃ پر بڑا گھمنڈ تھا۔اسی لئے ان پر عذاب کے طور پر آندھی بھیجی اور ان کے اس گھمنڈ کو ختم کر دیا حتی کہ ان کی جڑ ہی کٹ گئی تاکہ آنے والوں کیلئے عبرت ہو اور انہیں معلوم ہو کہ اصل طاقت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

(آیت نمبر۲۳) قوم ثمود نے ڈرانے والوں کو جھٹلایا۔ صالح علیہ السلام یا دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلایا۔ چونکہ ایک نبی کو جھٹلانا کل انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلانا ہے کیونکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے بتائے ہوئے عقائد اور اصول ایک ہی تھے۔

(آیت نمبر۲۴) تو ان کافروں نے کہا۔ کیا ایک بشر جو ہم ہی میں سے ہے۔یعنی ہماری جنس انسانوں سے ہے۔اور وہ اکیلا ہے۔اس کے ساتھ کوئی دوسرا نہیں جو اس کی تابعداری کرے اور وہ ہے بھی عام لوگوں سے کوئی اسے مالداری یا سرداری یا نمبرداری وغیرہ کا شرف بھی حاصل نہیں ہے۔یعنی کوئی مال دولت بھی نہیں۔لہذا ہم اس کی کیوں بات مانیں۔

ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾

کیا اتارا گیا ذکر اس پر ہمارے درمیان۔ بلکہ یہ تو بہت جھوٹا شیخی باز ہے۔

سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾

جلد جان لیں گے کل ہی کہ کون بڑا جھوٹا اور شیخی باز ہے۔

(بقیہ آیت نمبر۲۴) **فائدہ**: یعنی اس نبی کا ہمارے ہم جنس ہونا اور اس کا اس مذہب پر اکیلا ہونا ہی ہمیں اس بات سے روکتا ہے کہ ہم اس کی پیروی کریں اور اگر ہم بالفرض والتقدیر اس کی پیروی کریں جبکہ وہ اکیلا ہے اور ہم بہت بڑی جماعت والے ہیں اور یہ کوئی بڑے عہدے والا یا بادشاہ بھی نہیں۔ جیسا کہ کفار عموماً یہ کہتے تھے کہ رسول تو وہ ہونا چاہئے جو دولت والا یا جاگیر والا ہو۔ یا کسی بڑے عہدے والا ہو۔ تا کہ ہمیں وہاں کھانا وغیرہ ہمہ وقت ملتا رہے۔

فائدہ: گویا وہ بشریت اور رسالت کو ضدین سمجھتے تھے اس لئے وہ کہتے تھے کہ اس کے باوجود ہم اس کی پیروی کریں پھر تو ہم پرلے درجے کے گمراہ اور پاگل ہیں۔ یعنی یہ بات عقل سے بھی بہت بعید ہے۔

(آیت نمبر۲۵) کیا ہمارے ہوتے ہوئے اسی پر کتاب بھیجی گئی۔ یہاں ذکر بمعنی وحی یا کتاب ہے۔ یعنی ہم لوگ اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے پاس مال کی بھی فراوانی ہے اور ہمارے حالات بھی بہتر ہیں۔ پھر یہ آل ثمود کو رسالت کیلئے کیوں چنا گیا۔ مزید آگے کہنے لگے۔ یہ تو جھوٹا ہے۔ (معاذ اللہ) اور یہ خود پسند ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ میں رسول ہوں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ تو ایسے ایسے ہے (معاذ اللہ جو منہ میں آیا ان کے متعلق بکواس کیا)۔ اس کی خود پسندی نے اسے ہم پر ابھارا ہے۔ جو ایسا ایسا دعویٰ کرتا ہے۔ اشر اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ یعنی خود پسند۔ جنگ جو۔ معمولی سوچ کا مالک اور سرکش گھوڑے کو بھی فرس اشر کہتے ہیں۔

(آیت نمبر۲۶) عنقریب کل ہی جان لیں کہ کون ہے جو بہت بڑا جھوٹا اور خود پسند ہے۔ یہ گویا حکایت ہے جو صالح علیہ السلام نے قوم کو وعدہ وعید کے طور پر کہی اور اس سے نزول عذاب کا وقت مراد ہے جو زمانہ مستقبل میں ہوگا۔ اس سے کوئی خاص مقررہ دن مراد نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس سے قیامت کا دن مراد ہے۔ یعنی عنقریب جلد ہی انہیں پتہ چل جائیگا کہ سب سے بڑا جھوٹا اور خود پسند کون ہے۔

إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿٢٧﴾

بے شک ہم بھیجنے والے ہیں اونٹنی جو امتحان ہے ان کا تو اس کو دیکھ اور صبر کر۔

وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿٢٨﴾

اور بتائیں انہیں کہ بے شک پانی تقسیم ہے ان میں۔ ہر پینے والا وقت پر حاضر ہو۔

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾

تو انہوں نے آواز دی اپنے ساتھی کو تو اس نے اس کی کوچیں کاٹ دیں۔

(آیت نمبر ۲۷) ہم اس سامنے والے پہاڑ سے اونٹنی نکالنے والے ہیں۔ **واقعہ**: مروی ہے کہ کفار نے سرکشی کے طور پر صالح علیہ السلام سے کہا۔ اس پہاڑ کے کونے والے پتھر سے سرخ رنگ کی اونٹنی نکال دے جو بچہ جننے والی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کے مانگنے پر وحی بھیجی کہ جیسے تم نے کہا ہم ایسی ہی اونٹنی نکال دیں گے۔ جو تمہارا معجزہ ہوگا اور اس میں قوم کی یہ آزمائش وامتحان ہوگا۔ لہٰذا اب انتظار کریں۔ یعنی اس امتحان میں جو مصائب آئیں گے ان پر صبر کریں۔

(آیت نمبر ۲۸) اور انہیں بتا دیں کہ بے شک پانی ان کے درمیان تقسیم شدہ ہے۔ یعنی ایک دن سارا پانی اونٹنی کا ہے وہ پئے گی اور ایک دن ان سب کیلئے ہے۔ ہر ایک کی جو پانی پینے کی باری ہے۔ اس دن اور اس وقت وہ کنویں پر حاضر ہو جائے۔ **فائدہ**: چونکہ اونٹنی عظیم الجثہ تھی۔ ایک دن کنویں کا سارا پانی وہ پی لیتی تھی اور ایک دن سب لوگ اپنے برتن بھر لیتے تھے۔ پانی چونکہ اتنا ہی تھا کہ یا اونٹنی کو پورا ہوتا تھا۔ یا لوگوں کی ضرورت پوری ہوتی تھی۔ اس وجہ سے لوگ نالاں تھے اور دوسری بات یہ کہ اونٹنی کو دیکھ کر باقی جانور بھاگ جاتے تھے۔ اور لوگوں کو جانور اکٹھے کرنے میں دقت تھی۔

(آیت نمبر ۲۹) تو لوگوں نے اپنے ساتھی قدار بن سالف کو آواز دی۔ یہ شخص پوری قوم میں بہت بڑا منحوس تھا۔ اس بڑے بد بخت نے اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں۔ یہ چھوٹے قد کا بڑا شیطان اور شرارتی تھا۔ نیلی آنکھوں والا سرخ رنگ والا۔ قیامت تک اس کی نحوست دنیا میں رہے گی۔ جو آیا اور اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں اور اتنی بڑی جرات کی اور پوری قوم کیلئے عذاب کا سبب بنا۔ سب سے بڑے دو بد بخت: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے علی۔ دو شخص اس کائنات میں سب سے بڑے بد بخت ہیں۔ (۱) جس نے صالح علیہ السلام والی اونٹنی کو قتل کیا۔ (۲) جو تجھے شہید کرے گا۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿٣٠﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا

پھر کیسے ہوا میرا عذاب اور ڈرانا۔ بے شک ہم نے بھیجی ان پر چنگھاڑ ایک ہی تو ہو گئے

كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿٣١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾

مثل گھاس خشک روندی ہوئی کے۔ اور تحقیق آسان کیا ہم نے قرآن یاد کیلئے تو کیا ہے کوئی یاد کرنے والا

(بقیہ آیت نمبر ۲۹) **فائدہ:** کاشفی لکھتے ہیں۔ اصل میں اس کے پیچھے بھی ایک صدوق نامی عورت محرک تھی۔ اس کے جانور اونٹنی کو دیکھ کر بھاگ جاتے۔ اس نے قدار کو لالچ دی کہ اپنے ساتھ یا لڑکی کے ساتھ تیرا نکاح کر دونگی کہ تو اس اونٹنی کو مار دے تو اس نے یہ ظلم کیا۔ اونٹنی کے بچہ کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ مشہور یہی ہے کہ اسے بھی قتل کر دیا گیا۔

(آیت نمبر ۳۰) پھر کیسا رہا میرا عذاب اور ڈر سنانا۔ یعنی انہیں ان کے اس قبیح کرتوت پر مکمل سزا دی گئی۔ تیسرے دن میں ان کی شکلیں بدلیں اور چوتھے دن عذاب آ گیا کہ جبریل امین کی ایک چیخ سے ان کے دل پھٹ گئے۔ اگر وہ اونٹنی کو نہ مارتے تو ان کو عذاب بھی نہ ہوتا۔

(آیت نمبر ۳۱) بے شک ہم نے ان پر ایک ہی گرج بھیجی تو وہ اس ایک چیخ سے سوکھی ہوئی اور روندی ہوئی گھاس کی طرح ہو گئے۔ حالانکہ وہ اس سے پہلے بڑی رونق میں خوش اور عیش وعشرت میں محو تھے۔ ھشیم نرم چیز کو توڑنا اور حظر وہ جھونپڑا جو درخت وغیرہ سے سردی اور گرمی سے بچانے کیلئے اونٹ کے واسطے تیار کیا جائے اور اس پر خشک گھاس ڈال کر اسے تیار کیا جائے۔

(آیت نمبر ۳۲) اور البتہ تحقیق ہم نے قرآن کو یاد کرنے کیلئے آسان کر دیا ہے کوئی اس قرآن سے نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔ یا کوئی اسے یاد کرنے والا ہے۔

فائدہ: لہذا جو بندہ اہل ذکر ہوتا ہے یا اہل قرآن ہوتا ہے۔ اسے شہود جمعی نصیب ہو جاتا ہے۔ نفس کے مکر وفریب سے ڈرنا چاہئے۔ اسی لئے حضور ﷺ دعا میں عرض کرتے۔ یا اللہ مجھے نفس کے سپرد نہ کرنا ایک لحہ کیلئے بھی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں عالم باعمل اور ادیب باادب بنائے۔ بحق سید المرسلین۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۢ بِالنُّذُرِ ﴿٣٣﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ

جھٹلایا قوم لوط نے ڈرانے والوں کو۔ بے شک ہم نے برسائے ان پر پتھر مگر گھر لوط کے ۔

نَّجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ۙ ﴿٣٤﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴿٣٥﴾

نجات دی انہیں سحری کے وقت۔ یہ احسان تھا ہماری طرف سے اسی طرح ہم صلہ دیتے ہیں جو شکر کرے۔

(آیت نمبر ۳۳) لوط علیہ السلام کی قوم نے بھی ڈرانے والوں کو جھٹلایا۔ یعنی اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کی (گرچہ ان کے پاس صرف لوط علیہ السلام ہی تشریف لائے لیکن ایک نبی کو جھٹلانا گویا سب کو جھٹلانا ہے)۔

(آیت نمبر ۳۴) بے شک ہم نے ان پر پتھراؤ کیا۔ یعنی ہوا میں پتھر اڑ کر ان کے سروں پر لگے۔

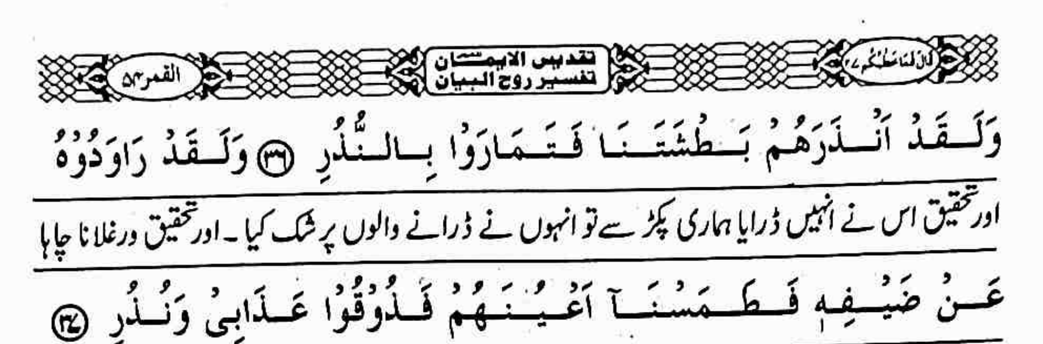
علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے نطفہ غیر محل میں ڈالا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر پتھروں کا عذاب بھیجا۔ چوں کہ جرم بہت بڑا تھا۔ لہذا سزا بھی انہیں سخت دی گئی۔

فائدہ: اسی لئے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لوطی آدمی کو پتھروں سے سنگسار کیا جائے۔ پتھروں کا عذاب آنے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ وہ راہ گذرنے والوں کو کنکریاں مارتے تھے۔

آگے فرمایا۔ مگر جناب لوط کے گھر والے جو عذاب سے بچ گئے۔ اس سے مراد آپ کی صاحبزادیاں اور جو لوگ ایمان لائے۔ انہیں ہم نے سحری کے وقت بچا کر نکال لیا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ آپ رات کے وقت گھر والوں کو لے کر یہاں سے چلے جائیں تو آپ سحری کے وقت نزول عذاب سے چند گھڑی پہلے نکل گئے اور آپ پر ایمان لانے والے بھی آپ کے ساتھ ہی وہاں سے چلے گئے۔

(آیت نمبر ۳۵) ہماری طرف سے یہ بھی اہل ایمان پر انعام تھا کیونکہ عذاب سے بچ نکلنا بھی اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے ہے۔ اسی طرح ہم اچھا بدلہ دیتے ہیں اس کو جو ہمارا شکر گذار ہو۔ یعنی ہمارا انعام ان کو ہی ملتا ہے۔ جو ہم پر ایمان لائے اور ہماری اطاعت کرے۔ ایمان و طاعت کے بغیر انعام نہیں دیا جاتا۔ اور کفار کی بیخ کنی بھی انعام الٰہی میں داخل ہے۔



وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ

اور تحقیق اس نے انہیں ڈرایا ہماری پکڑ سے تو انہوں نے ڈرانے والوں پر شک کیا۔ اور تحقیق ورغلانا چاہا

عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٣٧﴾

اس کے مہمانوں سے تو میٹ دیں ہم نے ان کی آنکھیں تو چکھو میرا عذاب اور ڈر کا فرمان۔

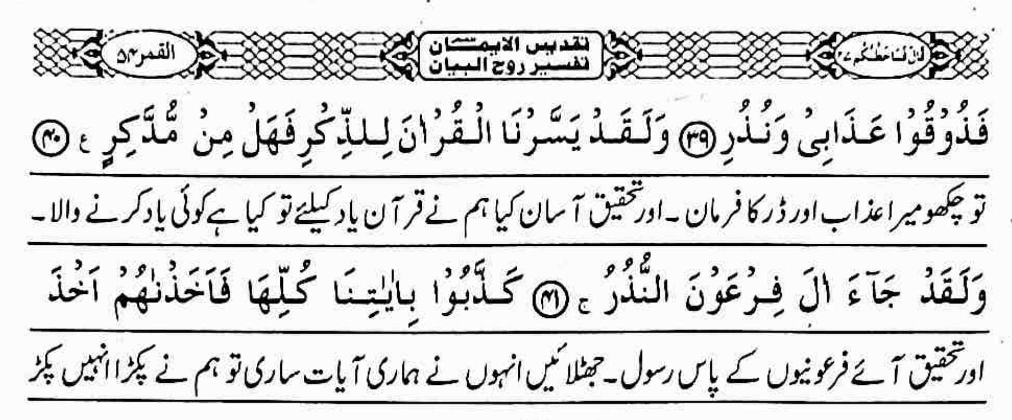
وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣٨﴾

اور تحقیق صبح سویرے ان پر عذاب آیا ٹھہرنے والا۔

(آیت نمبر ۳۶) اور البتہ تحقیق ڈرایا لوط نے ان کو ہماری پکڑ سے۔ یعنی ان کو بتایا کہ ہماری پکڑ سخت ہے جس کے ساتھ عذاب ہے تو انہوں نے ڈرسنانے والوں پر شک کیا۔ پھر تکذیب کی اس لئے وہ عذاب کے مستحق ہو گئے۔

(آیت نمبر ۳۷) البتہ تحقیق انہوں نے اسے ورغلایا مہمانوں کے متعلق (راودو) کا معنی ہے۔ کسی کو اپنے ارادہ کی طرف مائل کرنا۔ یعنی انہوں نے لوط علیہ السلام سے یہ چاہا۔ کہ وہ اپنے مہمانوں کو ان کے ساتھ کھلا چھوڑ دیں۔ اور وہ ان کے ساتھ جو مرضی ہے سلوک کریں۔ حالانکہ وہ مہمان فرشتے تھے جو نوجوان خوبصورت لڑکوں کی شکلوں میں آئے تھے لیکن کفار انہیں عام لڑکے سمجھ کر برائی کی نیت سے آئے۔ ان کی بری نیت کو فرشتوں نے بھانپ لیا تو لوگوں نے دروازہ توڑ کر جب گھر میں داخل ہونا چاہا۔ تو ایک فرشتے نے پر مار کر ان کی آنکھیں میٹ دیں۔ یعنی آنکھوں کی جگہ پر بھی گوشت آ کر باقی چہرے کے ساتھ برابر کر دیا۔ **فائدہ:** جبریل امین کے ایک پر سے ہی سب اندھے ہو گئے اور گھر بھی انہیں نہیں مل رہے تھے جب عذاب آیا صبح کے وقت تو اس وقت آواز آئی کہ اب چکھو میرا عذاب اور ڈر سنانا۔

(آیت نمبر ۳۸) اور البتہ تحقیق صبح ہوئی ان کی ایسے عذاب کے ساتھ جس میں پتھراؤ تھا اور ایسا عذاب جو ٹھہرا ہوا تھا۔ یعنی ان کا پہلا عذاب آنکھوں کا میٹ جانا ابھی قائم اور موجود تھا کہ اوپر سے دوسرا عذاب آ گیا کہ ان کی بستیوں کو اونچا لے جا کر نیچے پھینک دیا اور وہ عذاب آخرت کے عذاب کا ہی حصہ تھا۔ اس کے بعد قبر میں تو قیامت تک عذاب ہی عذاب ہے۔ پھر قیامت کے دن جہنم کا نہ ختم ہونے والا عذاب ہوگا۔



فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾

تو چکھو میرا عذاب اور ڈر کا فرمان۔ اور تحقیق آسان کیا ہم نے قرآن یاد کیلئے تو کیا ہے کوئی یاد کرنے والا۔

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ

اور تحقیق آئے فرعونیوں کے پاس رسول۔ جھٹلائیں انہوں نے ہماری آیات ساری تو ہم نے پکڑا انہیں پکڑ

عَزِیْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾

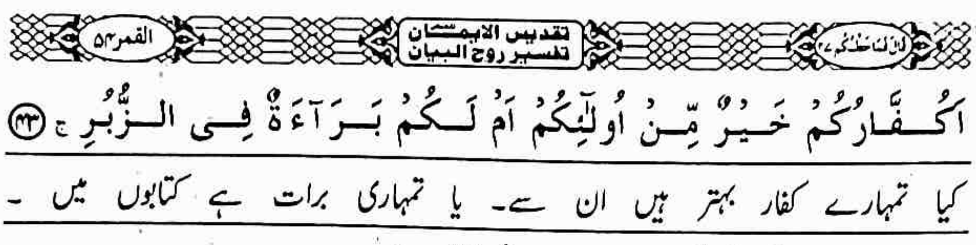
غلبے اقتدار والی کے ساتھ۔

(آیت نمبر ۳۹) تو چکھو میرا عذاب اور ڈرانا۔ یعنی جیسا تمہارا عمل برا تھا ایسی ہی سزا بھی بری ہوئی (جیسا کرو گے ویسا ہی بھرو گے)۔ ایسے ہی قیامت کے دن کچھ لوگ اندھے ہو کر اٹھیں گے تو پوچھیں گے۔ یا اللہ آج ہم اندھے کیوں ہیں۔ دنیا میں تو ہم دیکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نے میری آیتوں سے منہ پھیرا۔ اس لئے ہم نے تمہیں اسی حال میں چھوڑ دیا۔

(آیت نمبر ۴۰) اور البتہ تحقیق ہم نے قرآن کو آسان کیا۔ کیا کوئی ہے اسے یاد کرنے والا یا نصیحت حاصل کرنے والا۔ اس کی بھی تفصیلات پہلے گذر چکی ہیں۔ اس میں استیناف تنبیہ کیلئے ہے۔ یعنی آگاہ کیا گیا ہے۔ تاکہ اس سے ان پر سہو یا غفلت نہ چھا جائے۔ قرآن مجید میں جہاں بھی زجر و توبیخ کا ذکر آیا ہے۔ وہاں تکرار کے ساتھ ہی آیا ہے۔ اور اس تکرار سے قلوب میں قرار حاصل ہوتا ہے اور سینوں میں مضمون خوب سماتا ہے جوں جوں مضمون کا تکرار ہوگا توں توں دل مضبوط اور فہم میں راسخ ہوگا۔

(آیت نمبر ۴۱) اور البتہ تحقیق فرعونیوں کے پاس بھی ڈر سنانے والے آئے۔ یعنی جناب موسیٰ علیہ السلام اور جناب ہارون علیہ السلام مراد ہیں۔ انہوں نے آکر فرعون اور اس کی رعیت کو بہت نصیحتیں کیں اور ڈر سنانے کا حق ادا کیا۔ جیسا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا طریقہ ہے۔ ہر طریقے سے انہیں سمجھایا۔ معجزات دکھائے۔

(آیت نمبر ۴۲) لیکن انہوں نے تمام آیات کو جھٹلایا یعنی موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس ۹ نشانیاں (معجزے) لے کر آئے۔ باوجودیکہ انہوں نے ہر معجزے کے وقت ہاتھ باندھ کر معافیاں مانگیں اور ایمان لانے کا وعدہ کیا کہ جوں ہی ہماری یہ مصیبت ٹل جائے گی ہم ایمان لے آئیں گے۔ لیکن جوں ہی مصیبت ختم ہوئی وہ پھر گئے اور جھٹلایا۔



اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِى الزُّبُرِ ۚ ﴿۴۳﴾

کیا تمہارے کفار بہتر ہیں ان سے۔ یا تمہاری برات ہے کتابوں میں۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾

یا کہتے ہیں ہم سب مل کر بدلہ لیں گے۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۲) آگے فرمایا کہ پھر پکڑ کی ہم نے ان کی یعنی عذاب میں مبتلا کیا وہ پکڑ ایسی قوت والی ذات کی تھی کہ جس کے آگے سب عاجز ہیں۔ یعنی انہیں کوئی بچا نہ سکا۔ جب وہ بحر قلزم میں غرق ہو رہے تھے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے۔ جس نے موسیٰ علیہ السلام کے تابوت کو دریا میں جانے کے باوجود ڈوبنے نہ دیا۔ جبکہ بچنے کا کوئی چانس نہ تھا اور فرعونی ہٹے کٹے پانی سے نکلنے کی طاقت رکھنے کے باوجود انہیں نکلنے نہ دیا۔ اسے اخذ عزیز کہتے ہیں۔ جس کی پکڑ سب پر غالب آ جائے۔ **فائدہ**: قوم لوط کا عذاب اتنا سخت تھا کہ وہ کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ ایک تو وہ اندھے ہو گئے۔ دوسرا اتنی بلندی سے گرائے گئے جہاں بچنے کا کوئی بھی چانس نہیں تھا۔ فرعونی زمین پر تھے۔ مگر کچھ بھی نہ کر سکے۔ نہ ان کے جھوٹے خدا انہیں بچا سکے۔ ماننا پڑے گا کہ سب سے بڑی قدرت و طاقت والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔

(آیت نمبر ۴۳) اے اہل عرب بتاؤ کیا تمہارے زمانے والے کفار طاقت سختی اور گنتی کے لحاظ سے بہتر ہیں یا وہ جن کا پیچھے ذکر ہوا۔ جیسے قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح، قوم لوط یا فرعونی وغیرہ۔ برائی میں تم ان سے بھی آگے۔ اگر وہ نہیں بچ سکے تو تم کیسے بچ سکتے ہو۔ یا کیا تمہارے لئے سابقہ آسمانی کتابوں (صحیفوں) میں برات آ گئی ہے۔ جن میں لکھ دیا گیا کہ تم پر عذاب نہیں آئیگا۔ خواہ تم جتنا کفر و نافرمانی کر لو۔ اس وجہ سے تم گناہوں پر ڈٹے ہوئے ہو۔ اگر ہے تو دکھاؤ۔ ورنہ عذاب سے بچنے کا کوئی طریقہ اختیار کرو۔

(آیت نمبر ۴۴) یا وہ اپنی جہالت سے یہ کہتے ہیں۔ ہم سب مل کر بدلہ لیں گے۔ یعنی ان کی زبان حال یہ کہہ رہی تھی کہ اگر کچھ ہوا تو ہم بدلہ لیں گے۔ یہ ان کی برائیوں کا ذکر کر کے باقی لوگوں کو عبرت دلائی جا رہی ہے کہ وہ اپنی طاقت کے بل بوتے پر یہ کہا کرتے تھے کہ ہمارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ نہ ہمیں کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اگر ہم نے بدلہ لیا تو ہم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ ابو جہل کی فرعونیت کا یہ حال تھا کہ اس نے حضور ﷺ کو قتل کرنے کیلئے سپیشل ایک گھوڑا پال رکھا تھا۔ جس کو خوب دانے کھلاتا تھا۔ لیکن بدر کے دن انتہائی ذلت کے ساتھ وہ مرا۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾

جلد شکست کھائیں گے سب اور پھیر دیں گے پیٹھ بلکہ قیامت پر ہے ان کا وعدہ اور قیامت انتہائی سخت کڑوی ہے

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ م وقف لازم ﴿۴۷﴾

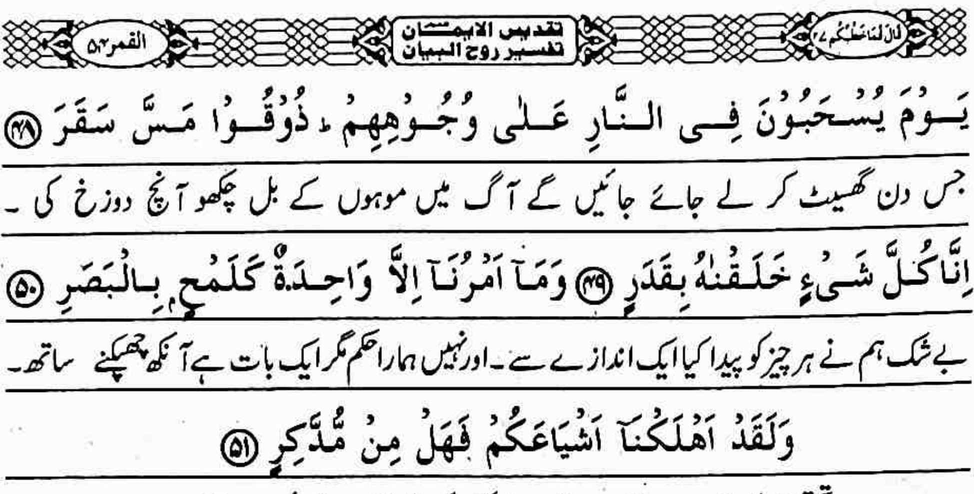
بے شک مجرم گمراہ اور دیوانے ہیں۔

(آیت نمبر ۴۵) عنقریب ان کی جماعت شکست کھائے گی۔ اس جمع سے مراد کفار مکہ کی جماعت ہے۔ یعنی جب ان کافروں کی جماعت جنگ میں جائیگی۔ تو یہ شکست کھا کر بھاگیں گے اور باقی قتل اور کچھ قید ہونگے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد اپنے رسول اور اہل ایمان کے ساتھ ہے۔

معجزہ نبوی ﷺ: فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اس آیت کے بارے میں سوچتا تھا کہ اس میں کس جماعت کا ذکر ہے تو بدر کے دن حضور ﷺ نے ذرع پہنی تو یہی آیت تلاوت فرما رہے تھے تو میں سمجھ گیا کہ اس سے مراد کفار مکہ کی جماعت ہے۔ یہ بھی غیبی خبر تھی جو وقت سے پہلے ہی دے دی گئی۔ کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت واقعہ بدر سے سات سال پہلے اتری اور واقعی کفار بدر میں پیٹھ دے کر بھاگے۔

(آیت نمبر ۴۶) بلکہ ان سے قیامت کا وعدہ ہے۔ یعنی صرف یہی ان کی سزا نہ سمجھو بلکہ اصل عذاب تو انہیں قیامت کے دن ہوگا یہ تو ایسا ہے۔ جیسے لشکر کا پہلا گروہ آگے ہوتا ہے۔ دوسرا اس کے بعد آتا ہے۔ آگے فرمایا کہ قیامت تو سخت ہولناک اور انتہائی سخت کڑوی ہے۔ یعنی قیامت کا عذاب بدر کے عذاب سے زیادہ سخت اور عظیم تر ہے۔ جیسے دنیا کی آگ سے جہنم کی آگ ستر گنا زیادہ سخت ہے۔ یہ دنیا کی سزا تو ایک نمونہ ہے۔

(آیت نمبر ۴۷) بے شک تمام مجرم اگلے پچھلے گمراہی اور پاگل پن میں ایک ہی جیسے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو ہلاکت کا مستحق بنا رہے ہیں اور عنقریب جہنم کی آگ میں ڈالے جانے والے ہیں۔ ضلال کا معنی حق سے دوری اور جہنم کی آگ کو بھی سعر کہا جاتا ہے۔ اور دوزخ کے ناموں میں ایک نام سعیر ہے۔



يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾

جس دن گھسیٹ کر لے جائے جائیں گے آگ میں موہوں کے بل چکھو آنچ دوزخ کی ۔

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾

بے شک ہم نے ہر چیز کو پیدا کیا ایک اندازے سے ۔ اور نہیں ہمارا حکم مگر ایک بات ہے آنکھ جھپکنے ساتھ ۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾

اور تحقیق ہلاک کیا ہم نے تمہاری طرح کے کئی لوگوں کو تو کیا ہے کوئی دھیان کرنے والا ۔

(آیت نمبر ۴۸) جس دن مجرم کھینچ کر لے جائے جائیں گے اور منہ کے بل آگ میں ڈال دیئے جائیں گے اور انہیں کہا جائے گا۔ چکھواب مزہ سقر کا۔ یعنی سقر جہنم کے ناموں میں ایک نام ہے۔ یعنی جہنم کی گرمی اور آگ خوب جھیلو۔ جہنم میں خالی پہنچنا ہی درد والم کا باعث اور انتہائی تکلیف دہ ہے۔ پھر آگ اور وہ بھی جہنم کی اور پھر اس میں کھولتا ہوا پانی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔

(آیت نمبر ۴۹) بے شک ہم نے ہی ہر شیء کو ایک اندازے سے پیدا کیا۔ یعنی اس کی ظاہری اور باطنی مخصوص مقدار سے جس طرح اس کی حکمت کا تقاضا تھا۔ یا جیسے لوح محفوظ میں لکھا تھا۔

فائدہ: حضور ﷺ نے فرمایا۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے مقدر ہے اور ہر اچھی یا بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور ہر چیز اور ہر وقت کا اللہ تعالیٰ نے اندازاً مقرر فرمادیا۔

(آیت نمبر ۵۰) اور نہیں ہے ہمارا حکم۔ مگر آنکھ جھپکنے کی دیر۔ یعنی ایک ہی کلمہ کن سے وہ ہو جاتی ہے۔

فائدہ: بزرگ فرماتے ہیں۔ لفظ کن سے کاف نون مراد نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد امر الٰہی ہے۔ اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ جانے۔ کن کا تصرف انسان کو بھی ملا۔ علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ بعض اولیاء کو اس دنیا میں کن کا امر دیا گیا۔ انسان کے علاوہ کسی کو نہیں دیا گیا۔ جیسے حضور ﷺ نے فرمایا: "کن اباذر یا کن ابا خیثمہ"۔

(آیت نمبر ۵۱) بے شک ہم نے تمہارے کئی گروہ ہلاک کیے۔۔ یعنی کفر میں وہ تمہاری طرح تھے۔ تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔ جو اس سے نصیحت حاصل کر کے اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔ یعنی پہلے کفار کی ہلاکت سے تم میں کوئی عبرت حاصل کرنے والا نہیں ہے کہ عبرت حاصل کرے۔ یا اب بتانے سے نصیحت حاصل کرے۔

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَّكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾

اور سب کچھ جو انہوں نے کیا صحیفوں میں ہے۔ اور ہر چھوٹی اور بڑی چیز لکھ دی گئی ۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾

بے شک پرہیز گار باغات اور نہروں میں ہیں۔اس مجلس میں جو سچائی والی بڑی قدرت والے بادشاہ کے پاس۔

(آیت نمبر۵۲) سب کچھ جو انہوں نے کیا۔کفر یا جو بھی نافرمانی کی وہ بالتفصیل اعمالناموں اور ان کے صحیفوں میں موجود ہے۔یعنی جو کراماً کاتبین فرشتوں نے دفتر تیار کئے ہیں۔ان میں سب کچھ لکھا ہوا موجود ہے۔

فائدہ: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔سابقہ امتوں کے اعمال و افعال ان کے انبیاء کرام علیہم السلام کی کتب میں لکھے ہوئے ہیں۔

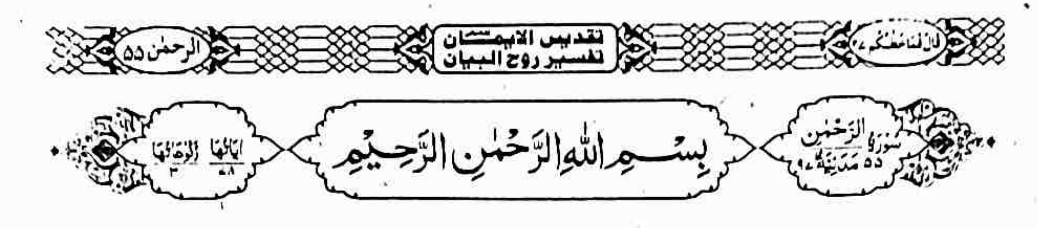
(آیت نمبر۵۳) ہر چھوٹا بڑا عمل لکھ دیا گیا ہے جو کہ پوری تفصیل کے ساتھ لکھا گیا اور وہ لوح محفوظ میں موجود ہے۔**فائدہ**: یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔جسے معلوم ہے کہ اس کے افعال و اعمال مشہد صدق میں ہیں۔ان کی جزاء یا سزا ملنے والی ہے۔وہ اپنے اعمال کی اصلاح کرے۔غلطیوں کی معافی مانگے اور کثرت سے استغفار کرے۔

(آیت نمبر۵۴) بے شک پرہیز گار لوگ عظیم الشان باغات میں ہونگے۔ان کی نعمتوں کا وصف بیان سے باہر ہے اور وہ نہروں میں ہونگے۔دودھ۔خالص پانی۔شہد اور شراب طہور کی نہر۔یہ تو ان کے نام ہیں۔ان کے اوصاف کوئی بیان نہیں کرسکتا۔لیکن یہ انعامات اللہ تعالیٰ نے صرف پرہیز گار لوگوں کیلئے تیار کئے ہیں۔

(آیت نمبر۵۵) سچائی کے مقام پر اور ایسے مقام جو انتہائی پسندیدہ ہوں گے اور وہ حق کی مجلس میں ہوں گے۔جہاں کسی قسم کا کی لغو یا بے ہودگی یا گناہ والی کوئی بات نہیں ہوگی۔جیسے دنیا کی بے ہودہ مجالس ہوتی ہیں اور متقی لوگ قدرت والے مالک کے پاس ہوں گے۔یعنی ان کی قدر و منزلت بہت بلند ہوگی۔گویا وہ اللہ تعالیٰ کے پاس انتہائی قرب میں ہوں گے۔اس سے بڑا کوئی رتبہ نہیں۔یہ وہ رتبہ ہے۔جس پر لوگ رشک کریں گے۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے فرمایا۔اس آیت سے مراد وہ لوگ ہیں جو نیک اعمال کر کے نہ جنت کے اور نہ جنت کی نعمتوں کے طلب گار ہوں گے۔وہ صرف دیدار الٰہی کے طالب ہوں گے۔

اختتام سورۃ: مورخہ ۴ مارچ ۲۰۱۷ء بمطابق ۵ جمادی الثانی بروز ہفتہ بعد نماز مغرب



اَلرَّحْمٰنُ ۙ ① عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ ② خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ ③ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ④

وہ رحمٰن۔	جس نے قرآن سکھایا۔	پیدا کیا انسان کو۔	سکھایا اسے بیان۔

(آیت نمبر۱) کامل اور مکمل رحمت والا۔ یا بہت بڑی بخشش والا کہ اس کی رحمت سے ہر ایک مستفیض ہے۔

فائدہ : امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ رحمٰن وہ ہے جو اپنے بندوں پر بہت بڑا مہربان ہے۔ (۱) انہیں وجود دینے میں۔ (۲) ایمان کی طرف ہدایت دینے میں۔ (۳) آخرت کی نیک بختی دینے میں۔ (۴) اور اپنا دیدار عطا کرنے میں۔ **فائدہ** : یاد رہے الرحمٰن وہ شان والی ذات ہے کہ اسی کے نام پر یہ سورۃ ہے۔ اور اسی نام سے اس کا آغاز ہوا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے۔ کسی اور کو رحمٰن نہیں کہہ سکتے۔

(آیت نمبر۲) وہ جس نے قرآن سکھایا۔ یعنی قرآن سکھانے والا اللہ۔ سیکھنے والے حضرت محمد ﷺ اور قرآن لانے والے جبریل علیہ السلام۔ یعنی بہ ظاہر جبریل قرآن لاتے اور حضور ﷺ کو سناتے۔ حقیقتاً اللہ تعالیٰ خود سکھاتا تھا۔

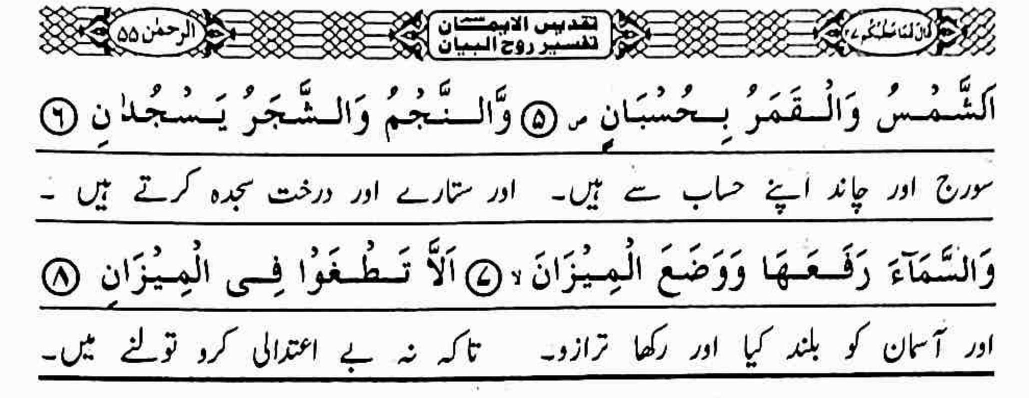
فائدہ : معلوم ہوا حضور ﷺ کا استاد جبریل امین نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہے جو رحمٰن ہے۔

(آیت نمبر۳) انسان کو پیدا فرمایا۔ یعنی باقی مخلوق کے بعد انسان کو بنایا اور شان اشرف المخلوقات عطا کی۔

فائدہ : تفسیر بحر العلوم میں ہے کہ "خلق الانسان" سے مراد آدم علیہ السلام ہیں۔ انہیں پیدا فرمایا کر مختلف اسماء سکھائے۔ جناب آدم علیہ السلام تمام مخلوق کی بولیاں جانتے تھے۔ یہ ان کی خصوصیت ہے۔

(آیت نمبر۴) انسان کو بیان سکھایا۔ یعنی کتاب کا علم عطا فرمانے کے بعد اس کا بیان کرنا بھی سکھایا۔

فائدہ : امام راغب فرماتے ہیں۔ بیان سے مراد ہے۔ کسی چیز کو مکمل ظاہر کرنا۔ یعنی وہ صرف مافی الضمیر کو نہیں بیان کرتا۔ بلکہ وہ دوسروں کے مافی الضمیر کو بھی بتا سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس پر تعلیم قرآن دائر ہے۔ یعنی جسے اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی وہ "علمك مالم تكن تعلم" کے تحت بہت کچھ جانتا ہے، اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔



اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۞ ۵ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۞ ۶

سورج اور چاند اپنے حساب سے ہیں۔ اور ستارے اور درخت سجدہ کرتے ہیں۔

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۞ ۷ اَلَّا تَطْغَوْا فِى الْمِيْزَانِ ۞ ۸

اور آسمان کو بلند کیا اور رکھا ترازو۔ تاکہ نہ بے اعتدالی کرو تولنے میں۔

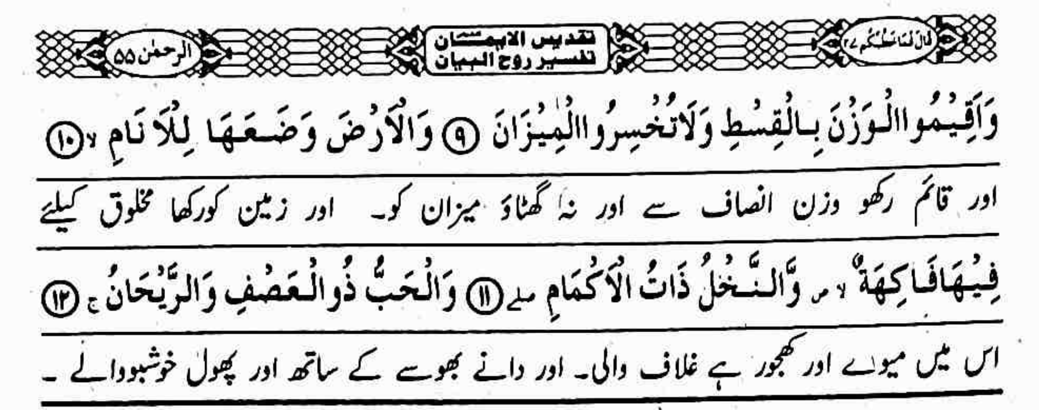
(آیت نمبر۵) سورج اور چاند ایک حساب سے چل رہے ہیں۔ یعنی جو ڈیوٹی ان کی لگائی گئی ہے اور جو برج اور منازل مقرر ہیں۔ ان میں وہ چلتے ہیں۔ چونکہ سفلی امور کا نظام ان ہی سے قائم ہے۔ ان سے تمام فصل اور موسم اور اوقات مختلف ہوتے ہیں۔ سال۔ ماہ۔ ہفتے۔ دن اور رات سے بنتے ہیں۔ قمری اور شمسی سال میں دس دن کا فرق آجاتا ہے۔ یعنی شمسی لحاظ سے سال کے ۳۶۵ دن اور قمری لحاظ سے دس دن کم ہوجاتے ہیں۔

(آیت نمبر۶) زمین سے نکلنے والی گھاس اور درخت سب رب کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔ **فائدہ**: علماء فرماتے ہیں کہ ہمیں ان کے سجدہ کا حال تو معلوم نہیں ہے۔ جیسے ہم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ یہ سب حال اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے۔ مگر ہر چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے میں محو ہے۔

نکتہ: پہلے دو آسمانی نعمتوں کو بیان کیا۔ سورج اور چاند کو اور اب دو زمینی نعمتوں کا ذکر کیا۔ جو رزق کا اصل ہیں۔ یعنی دانے۔ پھل انسانوں کیلئے اور گھاس جانوروں کیلئے اور جانور انسانوں کیلئے۔ (اور انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے) بنائے گئے۔ ع: کل جہاں تیرے لئے اور تو خدا کے واسطے

(آیت نمبر۷) اور اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بلند کیا۔ جیسا کہ واضح ہے۔ یا آسمان کی شان بلند ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام اور فیصلے اسی طرف سے اترتے ہیں۔ اور فرشتوں کے ٹھہرنے کی جگہ بھی ہے۔ آگے فرمایا کہ زمین پر عدل وانصاف قائم رکھنے کیلئے ترازو رکھا۔ تاکہ حق دار کو اس کا پورا حق ملے اور عالم کا نظام صحیح اور مضبوط ہو۔ جیسے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ زمین وآسمان کا قیام عدل سے ہے۔

(آیت نمبر۸) کہ تم ناپ تول میں بے اعتدالی نہ کرو۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ ترازو اس لئے اتارا۔ تاکہ تم صحیح صحیح ماپ تول کرو۔ حد سے تجاوز نہ کرو۔ اور تمام معاملات کو صحیح رکھو۔ بعض حضرات نے طغیان کا معنی ظلم کیا ہے اور جنہوں نے میزان سے برابری والا آلہ مراد لیا ہے۔ انہوں نے طغیان کا معنی نقصان لیا ہے۔



وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ﴿٩﴾ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ﴿١٠﴾

اور قائم رکھو وزن انصاف سے اور نہ گھٹاؤ میزان کو۔ اور زمین کورکھا مخلوق کیلئے

فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ﴿١١﴾ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴿١٢﴾

اس میں میوے اور کھجور ہے غلاف والی۔ اور دانے بھوسے کے ساتھ اور پھول خوشبو والے۔

(آیت نمبر۹) اور قائم رکھو ماپ تول انصاف کے ساتھ۔ یعنی عدل وانصاف سے ترازو کو سیدھا رکھو۔

فائدہ: چونکہ عوام کے نزدیک وزن کی پہچان ترازو کے ساتھ تولنے سے ہوتی ہے۔ ورنہ انصاف تو ہر چیز میں رکھنا چاہئے۔ **فائدہ**: صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ تمام اقوال وافعال میں انصاف کو قائم رکھے۔

آگے فرمایا کہ وزن میں نقصان نہ دو۔ یعنی وزن میں کمی بیشی کر کے دوسروں کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ ترازو کا حق یہ ہے کہ اسے برابر رکھا جائے۔

(آیت نمبر۱۰) اور زمین کو رکھا ہے۔ بچھایا اور پھیلا دیا مخلوق کیلئے۔ یعنی ان کے نفع کیلئے بچھونے اور بستر کی طرح بنائی تا کہ مخلوق آسانی کے ساتھ اس پر چل پھر سکے۔ کام کاج کر سکیں۔ کاروبار آسانی سے چلا سکیں۔

فائدہ: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ انام سے ہر ذی روح مراد ہے کیونکہ ذی روح اشیاء ہی اس پر آرام پاتی ہیں۔ غیر ذی روح کیلئے آرام بے آرامی ایک ہی جیسی ہے۔

(آیت نمبر۱۱) اس میں پھل ہیں تا کہ انسان ان مختلف قسم کے میووں سے لذت حاصل کرے اور غلاف والی کھجوریں ہیں۔ یعنی وہ غلاف جو کھجور کے ثمرات پر ہوتے ہیں۔ یہ غلاف ابتداء میں ہوتا ہے۔ کُم اسے کہتے ہیں جو کسی چیز کو چھپائے۔ بعض پھلوں پر غلاف چڑھا دیا۔ تا کہ جلد خراب نہ ہو۔

(آیت نمبر۱۲) اور اناج یعنی زمین کی پیداوار جو دانوں کی شکل میں ہو اور غذا کا کام دے۔ جیسے گندم۔ جو اور جوار۔ آگے فرمایا۔ بھوسے والا۔ اس سے مراد گھاس وغیرہ جو جانور کھاتے ہیں۔ کاشفی فرماتے ہیں۔ اس سے مراد وہ گھاس ہے جس سے دانہ جدا ہو جائے اور فرمایا خوشبودار پھول۔ امام راغب فرماتے ہیں۔ ہر خوشبودار چیز کو ریحان کہتے ہیں۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾

کون کون سی نعمتیں اپنے رب کی (اے جن وانس) جھٹلاؤ گے۔ پیدا کیا انسان کو بجنے والی مٹی سے جیسے ٹھیکری۔

وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾

اور پیدا کیا جن کو لو سے آگ کی۔ تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔

(آیت نمبر ۱۳) تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ یہ خطاب جنوں اور انسانوں کو ہے۔ آلاء سے مراد وہ ظاہری اور باطنی نعمتیں جو جنوں اور انسانوں کو ملی ہیں۔ اس کو صرف ظاہری نعمتوں پر منحصر نہیں کیا جائیگا۔ جیسے بعض لوگوں کا خیال ہے۔

فائدہ: اس کلام کو پوری سورۃ میں بار بار دھرایا گیا تا کہ غفلت دور ہو۔ حجت و دلیل میں تاکید ہو۔

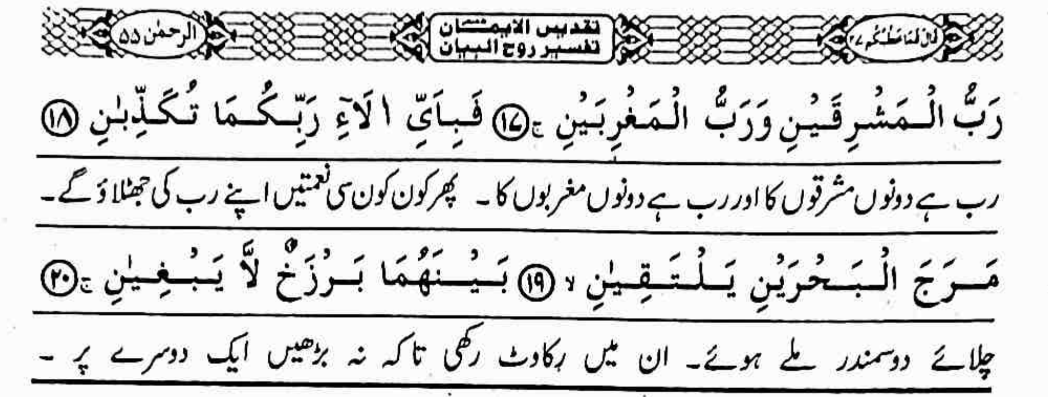
(آیت نمبر ۱۴) انسان کو اللہ تعالیٰ نے بجنے والی مٹی سے پیدا کیا جو مٹی خشک ہو کر ٹھیکری کی طرح ہوگئی ہو۔ جس پر ہاتھ مارنے سے وہ آواز دے۔

تخلیق آدم: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے زمین کے مختلف حصوں سے مٹی لیکر گارا بنایا۔ پھر وہ کافی عرصہ پڑے رہنے سے سیاہ اور بو والی ہوئی تو اس سے آدم کو بنایا گیا۔ انسان کی شرافت کیلئے اس کا پہلے ذکر کیا۔

(آیت نمبر ۱۵) **جن کی تخلیق:** آگ سے نکلنے والے دھوئیں سے پیدا کیا۔ وہ دھواں جو مختلف رنگ لے کر نکلتا ہے۔ **فائدہ:** فتوحات میں ہے۔ مارج وہ آگ جو ہوا سے ملی ہوئی ہو۔ اس سے جنوں کو پیدا کیا گیا۔

نکتہ: جب ہوا اور آگ ملیں تو جن پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے مرد اور عورت کے دو پانی ملیں تو انسان پیدا ہوتے ہیں اور مادہ جن کے رحم میں ہوا پڑنے سے بھی جن پیدا ہوتے ہیں۔ جن اور انسان کی تخلیق کے درمیانی مدت ساٹھ ہزار سال ہے۔ **فائدہ:** جب مٹی اور پانی ملتے ہیں تو اسے عربی میں طین اور اردو و پنجابی میں گارا کہا جاتا ہے۔ اسی طرح آگ اور ہوا جب آپس میں ملتے ہیں تو اسے مارج کہا جاتا ہے۔

(آیت نمبر ۱۶) تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو جو تمہیں نعمتیں عطا فرمائیں۔ تمہاری پیدائش ہونا بھی نعمت ہے۔ اس کے علاوہ بھی جو نعمتوں کی برسات کی ہے۔ جس کا تم اندازا بھی نہیں لگا سکتے۔ کیا کسی نعمت کا انکار کر سکتے ہو۔



(آیت نمبر ۱۷) وہ رب ہے دونوں مشرقوں کا اور دونوں مغربوں کا۔ یعنی جہاں سے طلوع کرتا ہے۔ ان میں دو مقام بڑے ہیں اس آیت میں۔ **فائدہ**: معلوم ہوا۔ جس طرح وہ دونوں مشرقوں کا رب ہے اور جس طرح دونوں مغربوں کا رب ہے۔ اسی طرح ان کے درمیان کی ہر چیز کا بھی وہی رب ہے۔ کسی کو کہا جائے یہ اس مکان کا مالک ہے تو اندر والی اشیاء کا بھی وہی مالک ہوتا ہے۔

مشرقین اور مغربین کا مطلب یہ ہے۔ ایک مشرق وہ ہے جس میں سورج بہت لمبے دنوں میں طلوع کرتا ہے اور ایک مشرق وہ جس میں سورج سال کے چھوٹے دنوں میں طلوع کرتا ہے۔ اسی طرح مغربین کو سمجھ لیں اور ان کے درمیان گویا ایک سو اسی (۱۸۰) مشرق اور اتنے ہی مغرب ہیں۔ کیونکہ سورج سال کے تین سو ساٹھ دنوں میں ہر روز ایک نئی جگہ سے طلوع کرتا ہے اور ایک نئی جگہ غروب کرتا ہے۔ (۱۸۰) دنوں میں دوسرے سرے پہنچ کر پھر اتنے دنوں میں واپس اپنی جگہ پر آجاتا ہے۔ اسی لئے رب المشارق ورب المغارب بھی کہا گیا۔

(آیت نمبر ۱۸) تو پھر اب بتاؤ تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اس نے تو مشرقین اور مغربین میں بے شمار تمہارے فائدے کی اشیاء پیدا فرمائی ہیں۔ جن کا شمار انسانی طاقت سے باہر ہے اور ہر موسم کے مطابق انعامات کا اپنے وقت پر حاصل ہونا یہ اس کی ربوبیت کی اعلیٰ دلیل ہے۔ اس کے باوجود کیسے انسان اس کا انکار کرسکتا ہے۔

(آیت نمبر ۱۹) چلائے اللہ تعالیٰ نے دو دریا۔ یعنی دونوں اکٹھے چل رہے ہیں۔ ان میں سے ایک میٹھا ہے دوسرا کڑوا۔ آپس میں ملتے ٹکرتے۔ انتہائی قریب قریب جارہے ہین۔ اوپر کی سطحیں ایک دوسرے کو مس کرتی ہوئی جارہی ہیں اور دونوں میلوں کے حساب سے اکٹھے چلتے ہیں۔ بعض حضرات نے ان سے مراد بحر فارس اور بحر روم لئے ہیں۔

(آیت نمبر ۲۰) دونوں میں ایک آڑ ہے یعنی ایسا ایک پردہ ان کے درمیان حائل ہے۔ جو انہیں ایک دوسرے سے ملنے نہیں دیتا۔ اور وہ دونوں آپس میں نہیں ملتے۔ نہ ایک دوسرے پر تجاوز کرتے ہیں۔ ان میں ایک کڑوا دوسرا میٹھا ہے۔!

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ نکلتے ہیں ان سے موتی اور مرجان ۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ اسی کیلئے چلنے والیاں کہ اٹھی ہوئی ہیں دریا میں مثل پہاڑ کے۔

(بقیہ آیت نمبر۲۰) نہ میٹھا کڑوے میں ملتا ہے نہ کڑوا میٹھے سے۔ دونوں اپنی اصل حالت پر رہتے ہیں۔ مل کر چلنے میں اختلاط ممکن تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک عجیب کرشمہ ہے کہ وہ ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ حالانکہ پانی کو پانی میں مکس ہونے کی عادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے درمیان پردہ رکھ دیا۔

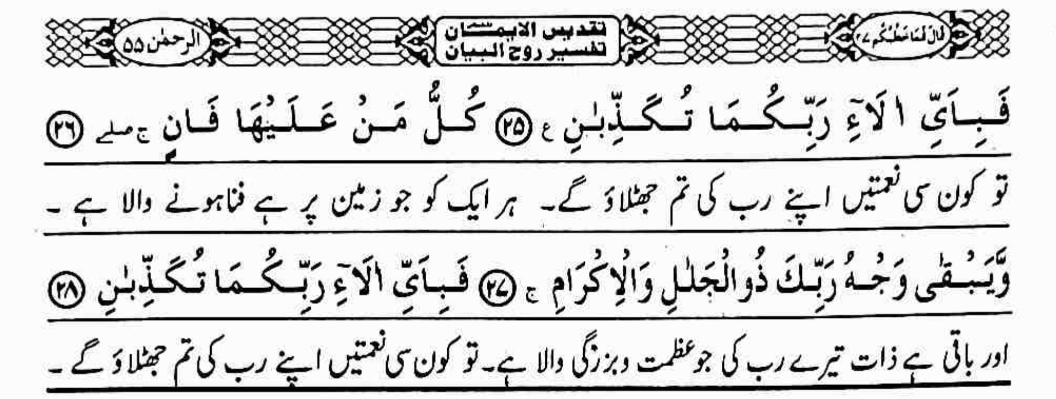
(آیت نمبر۲۱) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یعنی دریاؤں میں تو ایسی کوئی چیز نہیں جو جھٹلانے کے قابل ہو۔ بلکہ دریاؤں سے فوائد ہی فوائد ہیں۔ جن سے تم نفع حاصل کرتے ہو تو جس نے یہ دریا چلائے اسے مانتے کیوں نہیں۔ پانی سے ہی تو ہر ذی روح زندہ ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

(آیت نمبر۲۲) اور ان دونوں دریاؤں سے لؤلؤ اور مرجان نکلتے ہیں۔ لؤلؤ سے مراد موتی۔ اور مرجان سے مراد سرخ مونگے۔ یہ دونوں موتی انتہائی قیمتی ہیں۔

فائدہ :لولو زیادہ تر بحر ہند اور فارس میں پائے جاتے ہیں اور مرجان سمندر میں درخت کی طرح اگتے ہیں۔ بعض سفید بھی ہوتے ہیں اور سرخ اور سیاہ بھی ہوتے ہیں۔ زیادہ تر یہ نمکین دریاؤں میں سے نکلتے ہیں۔ اور خصوصاً دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر پائے جاتے ہیں یا اس جگہ بنتے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانے ہیں۔

(آیت نمبر۲۳) تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اس لئے کہ تمہاری آرائش وزیبائش کا سبب یہی موتی ہیں اور ان کی خرید وفروخت سے بہت بڑے نفع اٹھاتے ہو یہ تو ان کے ظاہری منافع ہیں۔ جن کا تم انکار نہیں کر سکتے۔ جن سے تمہاری شان وشوکت میں اضافہ ہوتا ہے۔

(آیت نمبر۲۴) اس سے مراد کشتیاں ہیں۔ یہ لام تملیک کا ہے۔ یا استحسان اور تعجب کا ہے اور الجوار سے مراد وہ کشتیاں جو دریاؤں میں چلتی ہیں پانی میں اور پہاڑوں کی طرح بلند ہوتی ہیں۔ ایسے دریا میں چلتی ہیں جیسے جنگلوں میں اونٹ چلتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتوں میں سے ہیں۔

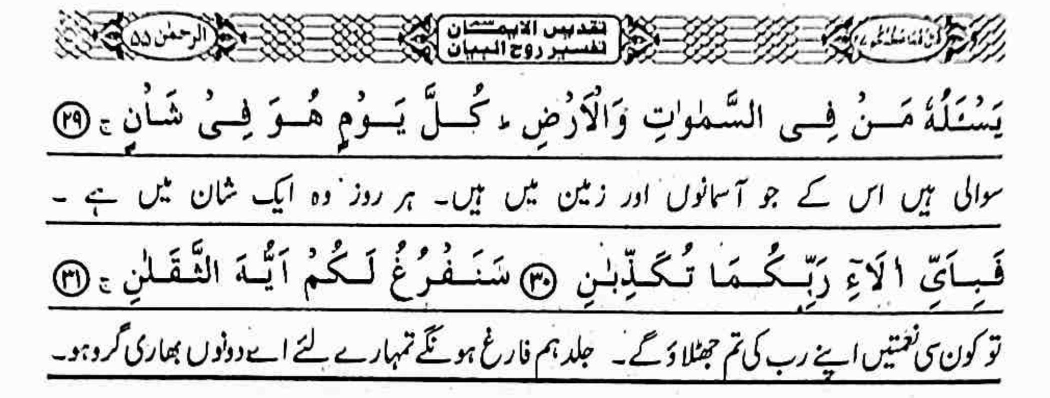


(آیت نمبر ۲۵) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یعنی کشتیوں کے مواد کو یا ان سے حاصل کردہ فوائد کو صحیح سلامت چلنے کے طریقہ کو جھٹلاؤ گے یا ان کا چل کر منزل تک پہنچانے کو جھٹلاؤ گے اور یہ ایسی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ جن کا انکار کوئی بے وقوف ہی کرے گا۔ خصوصاً کشتی جو تھوڑے وقت میں بہت لمبا سفر طے کر لیتی ہے اور اس کی وجہ سے بڑے بڑے تجارتی امور طے ہو جاتے ہیں۔ (کوئی پاگل ہی ان نعمتوں کا انکار کرے گا)۔

(آیت نمبر ۲۶) اس زمین جو بھی مخلوق ہے۔ وہ ایک نہ ایک دن ضرور فنا ہوگی۔ ہر روح والی مخلوق کی موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ اور موت اپنے وقت پر آئے گی۔ گویا جو کچھ بھی اس زمین پر ہے۔ سب کو فنا ہے۔ یعنی جو بھی ذی روح چیز اس زمین پر ہے اس کیلئے موت ہے حیوانات جنات انسان بلکہ آسمان پر رہنے والے فرشتے بھی ایک دن فنا ہو جائیں گے۔ کچھ بھی نہیں رہے گا۔ سب کچھ ختم ہو جائے۔

(آیت نمبر ۲۷) صرف تیرے رب کی ذات ہی باقی رہ جائے گی۔ وجہ کا معنی چہرا ہے مراد اس سے ذات ہے کیونکہ سب اعضاء میں چہرا عالی شان چیز ہے اسی سے ذات کی پہچان ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات جلال اور عزت والی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ہمیشہ دعا میں یاذاالجلال والاکرام کہا کرو۔ ایک شخص دعا میں یہی الفاظ دہرا رہا تھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ تیری دعا قبول تیری دعا قبول ہے۔ **فائدہ**: اس آیت میں وجہ کا حقیقی معنی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ یہ بھی متشابہات میں سے ہے۔ جس کی حقیقی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اکثر اس لفظ کا اطلاق قرآن مجید میں رضاء الٰہی کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

(آیت نمبر ۲۸) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اس لئے کہ بندوں کو حیات عطا فرما کر بہت بڑا احسان فرمایا۔ اور زندہ فرما کر ہمیشہ کی نعتوں سے اس کو نوازا اور پھر آخرت سنوارنے کا دنیا میں موقع عطا فرمایا۔ اور پھر اس سے ہزاروں گنا بہتر نعمتیں عطا کرنے کیلئے موت دی۔



يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِىْ شَاْنٍ ۚ ﴿۲۹﴾

سوالی ہیں اس کے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ ہر روز وہ ایک شان میں ہے ۔

فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ۚ ﴿۳۱﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ جلد ہم فارغ ہونگے تمہارے لئے اے دونوں بھاری گروہو۔

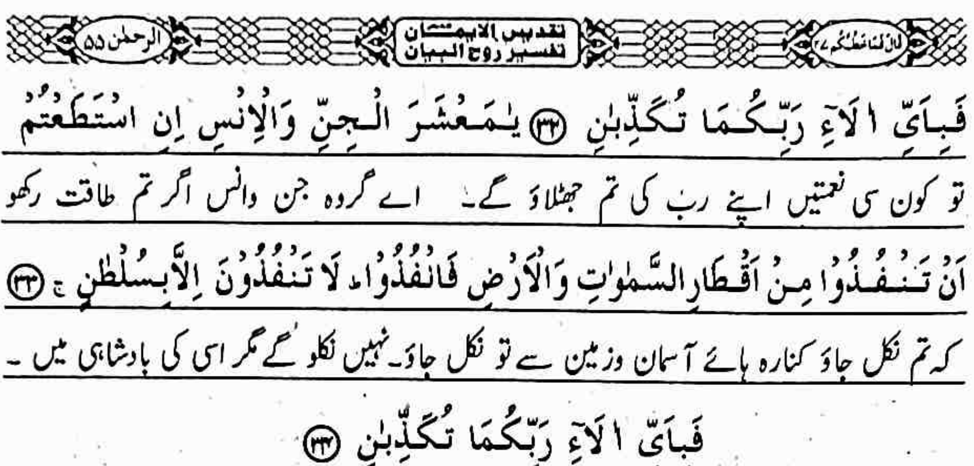
(آیت نمبر۲۹) ہر وقت مانگتے ہیں اس سے جو بھی آسمانوں میں رہنے والے ہیں یا وہ زمین میں رہتے ہیں۔ یعنی وہ سب کے سب اس ذات کے محتاج ہیں۔حتی کہ اپنے وجود میں بھی اس کے محتاج تھے۔ایک لمحے کیلئے بھی عنایت الٰہی کا تعلق منقطع ہو جائے تو ان کو وجود کی بو بھی نصیب نہ ہو۔لہذا ہر وقت اس سے اپنی حاجات پیش کرتے ہی رہنا چاہئے۔اور نعمت کا شکر ادا کرنا چاہئے۔کیونکہ سب نعمتیں اسی نے دیں۔وہ سب کا داتا ہے۔

فائدہ :ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔آسمان والے ہمہ وقت مغفرت کا اور زمین والے رزق اور مغفرت دونوں کا اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ ہر روز یعنی ہر لمحے وہ نئی شان میں ہے۔یعنی کسی کو مارنا کسی کو زندہ کرنا ہے۔غنا۔فقر۔عزت۔ ذلت۔صحت و مرض یعنی سب کام بتقاضائے حکمت و مصلحت وہ کر رہا ہے۔

(آیت نمبر۳۰) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے جبکہ تم پر جتنے رب کے احسانات ہیں ان کا خود ہی مشاہدہ کر رہے ہو۔تم نے زندگی سے موت تک کتنی نعمتیں استعمال کیں۔کیا کہہ سکتے ہو کہ یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے نہیں دی۔جب مانتے ہو کہ سب اسی کی عطائیں ہیں۔پھر شکر بھی اسی کا ادا کرو۔

(آیت نمبر۳۱) عنقریب ہم تمہارے سب امور نمٹا کر تمہارے حساب آخرت کیلئے ٹائم فراغت کا نکالیں گے۔یعنی بروز قیامت۔اس دن صرف یہی ایک کام ہوگا۔فراغت سے مراد یہ نہیں کہ وہ ایک کام سے فارغ ہوگا۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ انسانوں اور جنوں کیلئے وہ فارغ وقت کر کے ان سے حساب لے گا۔یہ خطاب اصل میں مجرموں کو ہے۔امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جن و انس کو ثقلین اس لئے کہا گیا کہ یہ دونوں گناہوں کی وجہ سے بوجھل ہیں۔



فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ اے گروہ جن وانس اگر تم طاقت رکھو

اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾

کہ تم نکل جاؤ کنارہ ہائے آسمان وزمین سے تو نکل جاؤ۔ نہیں نکلو گے مگر اسی کی بادشاہی میں ۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔

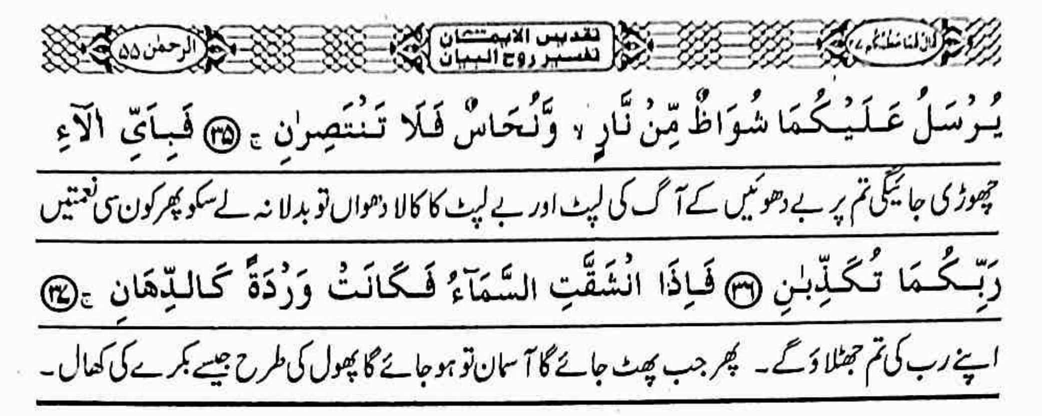
(آیت نمبر۳۲) تو پھر تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتیں جھٹلاؤ گے

(آیت نمبر۳۳) اے گروہ جن وانس یہاں جنوں کا ذکر انسانوں سے پہلے اس لئے کیا کہ وہ پیدا پہلے ہوئے اور جہاں انس پہلے آیا وہ انسانی شرافت وکرامت کی وجہ سے۔ آگے فرمایا۔ اگر تم طاقت رکھتے ہو۔ اس بات کی کہ تم زمینوں یا آسمانوں کے کناروں کو پار کر جاؤ گے اور تم اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر سے نکل جاؤ گے کسی طرح بھاگ کر تو تم یاد رکھو۔ تمہیں اس پر کوئی قدرت نہیں۔ یا تم ان کناروں سے نکل کر میرے عذاب سے بچ جاؤ گے اور ہمیں پکڑنے میں عاجز کر دو گے۔ ایسا کر سکتے ہو تو کہیں بھی نکل کر دکھا دو۔

انسان بڑا عاجز ہے: مطلب یہ ہے کہ نہ تم کہیں نکل کر اللہ تعالیٰ سے بھاگ سکتے ہو اور نہ تم اسے عاجز کر سکتے ہو کہ وہ تم پر اپنے قضاء وقدر کا اجراء نہ کر سکے۔ آگے فرمایا کہ نکل کر کہیں تم نہیں جاؤ گے۔ تم جہاں بھی جاؤ گے آگے بادشاہی اللہ تعالیٰ کی ہی ہے۔ ہر طرف قہر وغلبہ اسی کا ہے۔

فائدہ : مروی ہے کہ بروز قیامت فرشتے آسمانوں سے اتر کر زمین کے کناروں پر صفیں بنا کر کھڑے ہو جائیں گے۔ پچاس صفیں بنیں گی اور سب انسان اور جن ان کے گھیرے میں بند ہوں گے۔ کہیں بھی نکل نہیں سکیں گے۔ اگر وہ نکلنا چاہیں گے تو فرشتے یہی آیت پڑھ کر انہیں سنائیں گے۔

(آیت نمبر۳۴) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ تنبیہ اور تحذیر کی نعمتوں کو یا معافی اور درگذر کو۔ کیونکہ وہ قادر ہے اس پر کہ وہ گناہ ہوتے ہی تمہیں عذاب میں گرفتار کر دے۔ لیکن وہ رحمت کرتا ہے کہ گناہوں پر پردہ ڈال دیتا ہے اور اکثر وہ معاف فرما دیتا ہے۔



يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

چھوڑی جائیگی تم پر بے دھوئیں کے آگ کی لپٹ اور بے لپٹ کا کالا دھواں تو بدلا نہ لے سکو پھر کون سی نعمتیں

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾

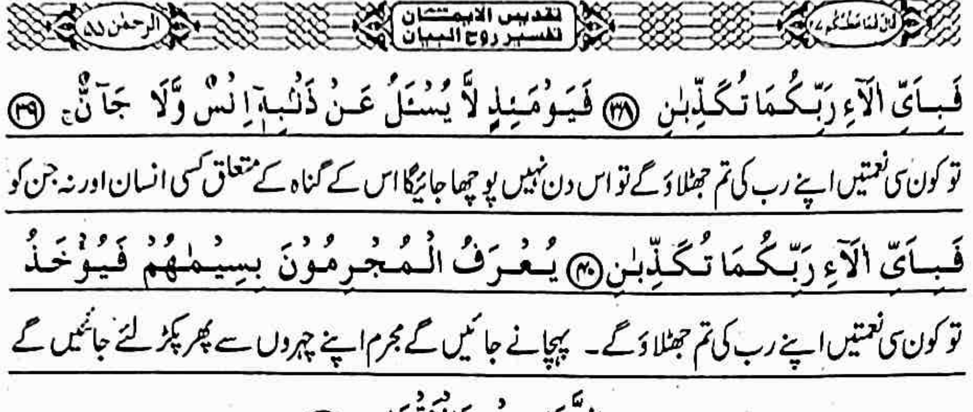
اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ پھر جب پھٹ جائے گا آسمان تو ہو جائے گا پھول کی طرح جیسے بکرے کی کھال۔

(آیت نمبر ۳۵) چھوڑی جائیں گی تم پر چنگاریاں جو دھوئیں کے بغیر ہوں گی۔ یہ اس وقت ہوگا۔ جب لوگوں کو میدان حشر میں اکٹھا کیا جائیگا۔ جیسے دوسرے مقام پر بھی فرمایا کہ تم پر دھوئیں کے بغیر آگ کے شعلے چھوڑے جائیں گے۔ وہ شعلے آگ کے بھی ہوں گے اور پگھلے ہوئے تانبے کے بھی ہوں گے۔ جو ان کے سروں پر آ کر پڑیں گے۔ **فائدہ**: المفردات میں ہے کہ ان چنگاریوں کو تانبے کے رنگ سے تشبیہ دی گئی ہے تو جب وہ بڑے بڑے شعلے ان پر گریں گے تو تم اس کے عذاب سے نہیں روکے جاؤ گے۔

(آیت نمبر ۳۶) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ حالانکہ اس کی نعمتوں سے تم نے بے شمار منافع اٹھائے ہیں۔ یہ گویا انہیں زجر و توبیخ ہے کہ تمہارے گناہ اتنے بڑے ہیں جو تمہیں اس کے عذاب کی طرف لے جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی کہ فوراً عذاب نہیں بھیجا۔

(آیت نمبر ۳۷) پھر جب آسمان پھٹ جائیگا۔ یعنی قیامت کے دن ہولناکی اور خوف کی وجہ سے ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے کہ ان میں سوراخ اور دراڑیں پڑ جائیں گی اور وہ پھٹ کر دروازوں کی طرح ہو جائیں گے اور جل کر گلاب کے پھول کی طرح ان کی رنگت ہو جائے گی۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ آسمانوں کا اصل رنگ سرخ ہے۔ یعنی زیتون کے تیل کی تری جیسی وہ پھول کی طرح سرخ ہو جائیں گے۔ دھان دھن کی جمع ہے۔ یعنی جہنم کی تپش سے وہ پگھل کر تیل کی طرح ہو جائیں گے۔ **فائدہ**: سعدی مفتی فرماتے ہیں۔ ایسے خوفناک اور ہولناک احوال ہوں گے کہ بیان نہیں ہو سکتے۔ انہیں دیکھنا بھی سخت محال ہوگا۔



فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾ فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے تو اس دن نہیں پوچھا جائیگا اس کے گناہ کے متعلق کسی انسان اور نہ جن کو

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾ یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰهُمْ فَیُؤْخَذُ

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ پہچانے جائیں گے مجرم اپنے چہروں سے پھر پکڑ لئے جائیں گے

بِالنَّوَاصِیْ وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾

پیشانیوں اور قدموں سے۔

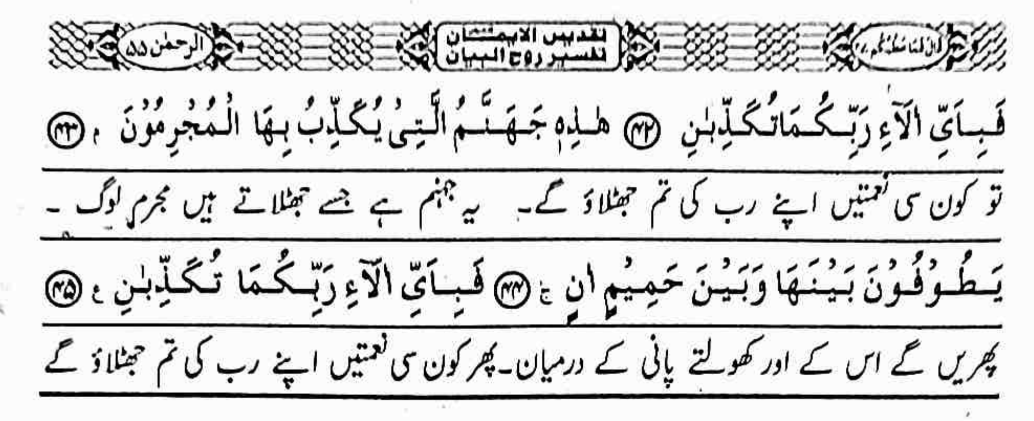
(آیت نمبر ۳۸) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے جن نعمتوں کی عظمت اور شان کا اندازا بھی بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تھوڑی نعمت ہے کہ ہزاروں گناہوں کے باوجود عذاب سے بچتے جا رہے ہو۔

(آیت نمبر ۳۹) تو اس دن کہ جس دن آسمان بھی خوف سے پھٹ جائیں گے۔ نہیں پوچھا جائیگا کسی جن اور انسان سے اس کے گناہ کے متعلق۔ کیونکہ ان کی حالت چہرے کی علامات سے پتہ چل جائے گی۔ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ یعنی قبروں سے نکلتے ہی یہ حالت ہو جائیگی کہ گناہ گار اور نیکوکار کی پہچان خود بخود ہو جائے گی۔ گناہ گاروں کے چہرے سیاہ اور نیکوکاروں کے چہرے سفید ہوں گے۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار سے سوال رافت ونرمی سے نہیں ہوگا۔ بلکہ غصے اور سختی کے ساتھ ہوگا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کو تو سب معلوم ہے کہ وہ کون سے عمل کر کے آئے ہیں۔ سوال تو سب سے ہوگا۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔ تیرے رب کی قسم ہم ضرور سب سے سوال کریں گے۔

(آیت نمبر ۴۰) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے یہ جملہ بار بار اس لئے دہرایا جا رہا ہے کہ بندے اپنے رب کی عطا کردہ نعمتوں پر اس کا شکر یہ ادا کریں۔ اور اس کی عبادت کریں۔

(آیت نمبر ۴۱) مجرم لوگ اپنے چہروں سے ہی پہچانے جائیں گے۔ یعنی کفار وفجار کے چہرے سیاہ اور مومنوں کے چہرے سفید ہوں گے۔ بعض نے فرمایا کہ غم وحزن سے چہروں کا رنگ ظاہر ہوگا۔ جیسے نیک لوگوں کے چہروں کی سفیدی اور شادابی ان کی کامیابی کی علامت ہوگی۔



فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُکَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ یہ جہنم ہے جسے جھٹلاتے ہیں مجرم لوگ۔

یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾

پھریں گے اس کے اور کھولتے پانی کے درمیان۔ پھر کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے

(بقیہ آیت نمبر ۴۱) آگے فرمایا کہ پکڑے جائیں گے پیشانیوں اور قدموں سے۔ یعنی فرشتے انہیں پیشانیوں یعنی سر کے اگلے بالوں سے اور قدموں سے کھینچ کر انہیں جہنم میں ڈال دیں گے۔ یا کبھی انہیں جہنم کی طرف پیشانی سے پکڑ کر کھینچ کے جائیں گے اور کبھی پاؤں سے پکڑ کر منہ کے بل گھسیٹ کے جائیں گے یا ان کی پیشانیوں اور پاؤں کو بیڑیوں سے جکڑ کر جہنم میں ڈالیں گے۔

(آیت نمبر ۴۲) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کے تمام اموراور احکام بھی اس کی نعمتیں ہیں۔ تکرار اس لئے ہے کہ بندے اس کی نعمتوں کو پہچانیں کہ یہ رب تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اور شکر کریں۔

(آیت نمبر ۴۳) یہی وہ جہنم ہے جسے مجرم لوگ جھٹلایا کرتے تھے۔ یعنی منکرین جب جہنم میں پہنچ جائیں گے تو اس وقت انہیں یہ باور کرایا جائیگا کہ دنیا میں جس قیامت۔ جہنم اور عذاب کا انکار کرتے تھے۔ یہ وہی ہے۔ جب انہیں جہنم کی آگ جلائے گی۔ تو اس وقت انہیں بار بار یہ بتایا جائیگا۔ تا کہ اپنے کفر و نافرمانی پر زیادہ سے زیادہ افسوس کریں۔ اور اپنے آپ کو ہی ملامت کریں۔ دنیا میں تو آخرت کا نام لینا بھی گوارہ نہیں کرتے تھے۔

(آیت نمبر ۴۴) تو پھر خوب چکر لگائیں گے۔ جہنم کے اور کھولتے پانی کے درمیان۔ اب دونوں طرف آگ ہی آگ ہوگی۔ ایک طرف جہنم کی دہشت اور دوسری طرف کھولتا ہوا پانی نہ ادھر آرام نہ ادھر سکون۔ پھر جب انہیں بھوک ستائے گی تو تھوہر کے درخت کے قریب لایا جائیگا۔ اسے کھائیں گے تو وہ گلے سے ہی نہیں اترے گا۔ پھر پانی مانگیں گے تو جب کھولتے پانی کے قریب لائے جائیں گے وہ پانی ابھی منہ کے قریب لائیں گے تو منہ جل جائیں گے۔ اگر کچھ پی لیا تو اندر کی آنتیں وغیرہ جل کر نکل آئیں گی۔ پھر بھوک ستائے گی۔ یوں وہ ہر طرف چکر لگائیں گے۔

(آیت نمبر ۴۵) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے (جبکہ اس کی نعمتیں ہر لمحہ استعمال کر رہے ہو)۔ یعنی دنیا میں تو اس کی نعمتیں مزے لے لے کر استعمال کرتے تھے۔ اگر اس ذات کا شکریہ ادا کرتے تو جہنم میں نہ جاتے۔



وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾

اوراس کیلئے جو ڈرے کھڑے ہونے اپنے رب کے حضور دو جنتیں ہیں۔ تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔

ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾

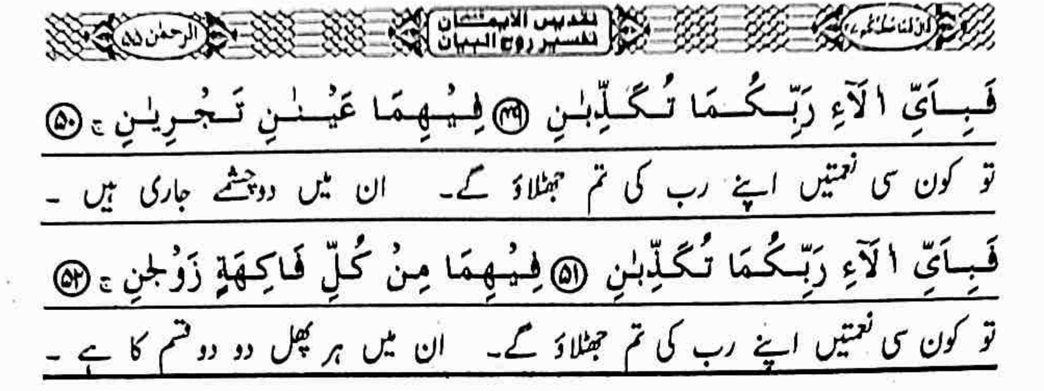
وہ ڈالیاں والی ہیں

(آیت نمبر ۴۶) اوراس کیلئے جواپنے رب تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونے سے ڈرتا ہے۔اس کیلئے دو جنتیں ہیں۔**ربط**: دنیا میں ملنے والی نعمتیں دو قسم کی ہیں۔دینی اور دنیوی۔جن کا پیچھے بیان ہوگیا ہے۔اب اس کے بعد ان نعمتوں کا بیان ہے جو آخرت میں ملیں گی۔**فائدہ**: اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا معنی یہ ہے کہ جب حساب دینے کیلئے کھڑے ہوں گے۔

شان نزول: سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو غلام نے دودھ پیش کیا آپ نے پی لیا۔بعد میں غلام نے بتایا کہ یہ تو میں نے ایک یہودی سے لایا۔تو آپ نے فوراً منہ میں انگلی ڈال کر وہ دودھ قی ء کر دیا کہ کل اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا جواب دونگا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔اے ابوبکر یہ آیت کریمہ آپ کے حق میں نازل ہوئی۔**فائدہ**: اس کا حکم عام ہے۔اب جو بھی برائی کرنا اس خوف سے چھوڑے گا۔اسے یہی انعام نصیب ہوگا۔یعنی اسے دو جنتیں ملیں گی۔**فائدہ**: ایک عقیدہ صحیحہ کی وجہ سے دوسری خوف خدا سے اعمال صالحہ کی وجہ سے۔الموضع میں ہے۔جنت کے دو باغوں میں سے ہر ایک اتنا لمبا ہوگا کہ اس کی مسافت لمبائی چوڑائی سو سال کے برابر ہوگی۔ان باغوں کے خوبصورت مناظر اوران میں دلکش حوریں ہوں گی۔**سبق**: قیامت کے دن اس مقام کی حاضری کا خوف ہر وقت ہرایک کو رکھنا ضروری ہے۔

(آیت نمبر ۴۷) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔مثلاً نعمت فنافی اللہ ہے۔اسی طرح نعمت بقاباللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بندوں پر اتنی نعمتیں ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے۔اب کون سی نعمت کا کوئی انکار کرے گا۔

(آیت نمبر ۴۸) دونوں جنتیں بہت بڑی ٹہنیوں والیاں ہیں۔یعنی ان باغات میں درختوں پر جو ٹہنیاں ہیں۔ان کی ٹہنیاں پھیل کر دور تک چلی جائیں گی۔جن سے زیادہ سے زیادہ پھل ملیں گے اور لمبے لمبے سائے ہوں گے۔یاد رہے درخت اوران کے سائے جنت کی خوبصورتی میں اضافہ کریں گے۔جنت میں سورج کی تپش نہیں ہوگی۔بلکہ سورج ہی نہیں ہوگا۔اسی لئے نہ وہاں گرمی نہ سردی۔درمیانہ سا موسم جو انتہائی خوشگوار ہوگا۔



فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿۵۰﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ ان میں دو چشمے جاری ہیں ۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ ان میں ہر پھل دو دو قسم کا ہے ۔

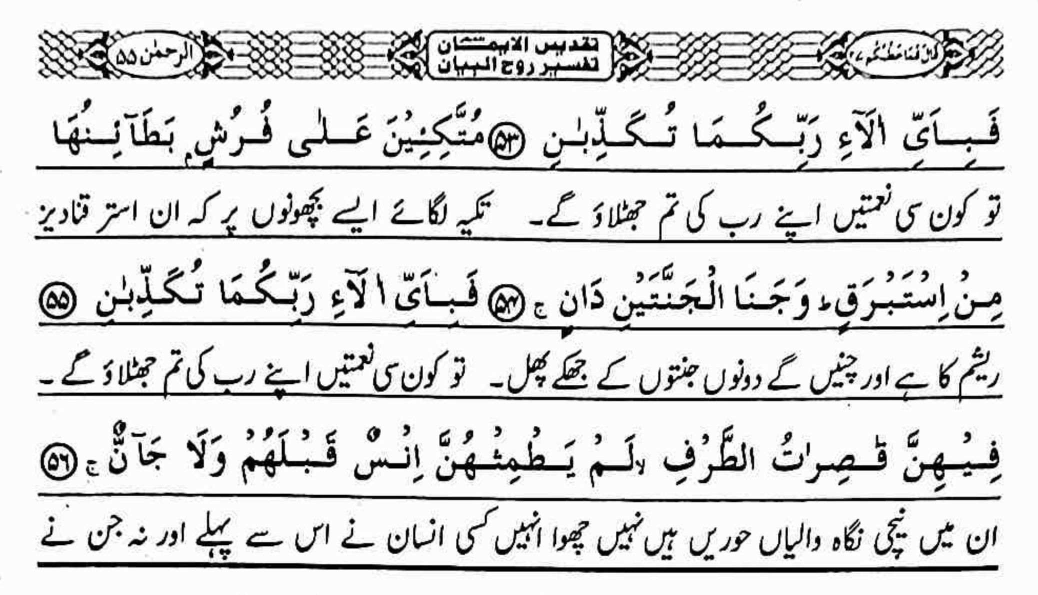
(بقیہ آیت نمبر ۴۸) یعنی دنیا والے درختوں سے سینکڑوں گنا بہتر ہونگے اور یہ صرف ان لوگوں کیلئے جن کے دلوں میں خوف خدا ہوگا۔ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس کے دل میں خوف نہ ہو۔ وہ ویران گھر کی طرح ہے۔ یا جس گھر میں مالک نہ رہے وہ جلد ویران ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی وہ دل بھی ویران ہو جاتا ہے۔۔ جس میں خوف خدا نہ ہو۔ اسی طرح جس دل میں یاد الٰہی نہ ہو۔ وہ بھی ویران گر کی طرح ہے۔ **دل کی آبادی:** اس کی علامت یہ ہے کہ بندہ دل کو خوف خداوندی سے پر کرے۔ اپنے اخلاق مہذب بنائے اور ساتھ والوں کو باادب بنائے۔ (جس کا دل یاد الٰہی سے سیر نہیں ہوتا۔۔۔۔ وہ سمجھ لے کہ اللہ کریم اس سے راضی ہے)۔ **نکتہ:** مخلوق سے ڈرنے والا مخلوق سے دور بھاگتا ہے۔ خالق سے ڈرنے والا خالق کے قریب ہوتا ہے۔

(آیت نمبر ۴۹) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اس لئے کہ اس کی نعمتوں میں کوئی ایسی نعمت ہے ہی نہیں جو جھٹلانے کے لائق ہو۔ ہر نعمت دوسری سے اعلیٰ و اشرف ہے۔ (جھٹلانے والا اپنا ہی منہ کالا کرتا ہے)۔

(آیت نمبر ۵۰) ان دونوں جنتوں میں چشمے جاری ہوں گے۔ یعنی ان باغات میں پانی کی نہریں ہوں گی جو بالکل صاف شفاف ان میں سے ایک نہر کو تسنیم کہتے ہیں اور دوسری سلسبیل ہے اور یہ نہریں ادھر چلیں گی جدھر جنتی چاہیں گے۔ اگر وہ اوپر کو چاہیں گے تو وہ اوپر کو چلیں گی۔ خواہ وہ جتنا اوپر کو چاہیں گے۔ یہ جنت کی تمام نہروں کا خاصہ ہے۔

(آیت نمبر ۵۱) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ یعنی یہ وہ نعمتیں ہیں۔ جن کی صفات کو کوئی کما حقہ نہیں بیان کر سکتا۔ (ایسی عالی شان نعمتوں کو کوئی بے وقوف ہی جھٹلائے گا۔)

(آیت نمبر ۵۲) ان دونوں جنتوں میں ہر قسم کے پھل جوڑا جوڑا ہوں گے۔ یعنی دو دو قسم کے پھل ہوں گے۔ اس کی اصل حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ہو سکتا ہے: (۱) معروف۔ (۲) اور غیر معروف۔ جنہیں کسی آنکھ نے نہ دیکھا ہو گا نہ سنا ہو گا۔ (۱) تر۔ (۲) اور خشک۔ (۱) میٹھا۔ (۲) ترش۔ بعض نے کہا کہ وہ دو رنگوں والے ہوں گے۔



فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ تکیہ لگائے ایسے بچھونوں پر کہ ان استر قنادیز

مِنْ اِسْتَبْرَقٍؕ وَ جَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾

ریشم کا ہے اور چنیں گے دونوں جنتوں کے جھکے پھل۔ تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔

فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِۙ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ لَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾

ان میں نیچی نگاہ والیاں حوریں ہیں نہیں چھوا انہیں کسی انسان نے اس سے پہلے اور نہ جن نے

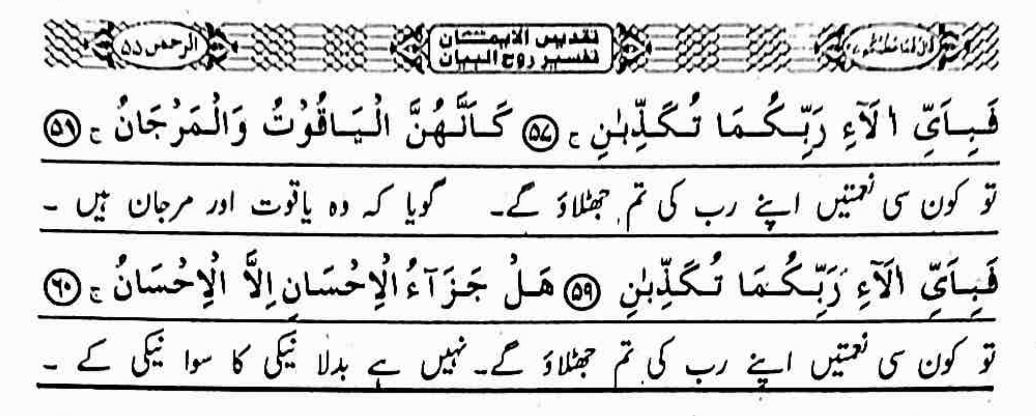
(بقیہ آیت نمبر ۵۲) **فائدہ**: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ دنیا کا کوئی پھل ایسا نہیں جو جنت میں نہ ہو۔ جنت کی ہر شیء میں زینت۔ حلاوت۔ لذت طاعات کی وجہ سے ہوگی۔ اس لئے کہ جنت دار الجمال ہے۔

(آیت نمبر ۵۳) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے (یعنی اتنی اعلیٰ اور لذیذ نعمتوں کا انکار کوئی پاگل ہی کرے گا۔) عقل مند کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرے اور ان کی قدر کرے۔

(آیت نمبر ۵۴) تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔ یعنی جب انہیں دو جنتیں مل جائیں گی تو پھر وہ جنت میں اس طرح بیٹھے ہوں گے کہ جیسے کوئی بادشاہ اپنی پوری ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ بیٹھتا ہے۔ اس طرح جنتی اپنے بستروں پر آرام کر رہے ہوں گے۔ ان کے بستروں کا اندرونی حصہ جسے استر کہا جاتا ہے۔ وہ گاڑھے ریشم کا بنا ہوگا۔ جن کے اندر کا حصہ کپڑے کا ہوگا۔ لیکن جنت کا ریشم بھی عالی شان ہوگا۔ جس کا وصف بیان کرنے سے زبان قاصر ہے۔ اور چنیں گے دو جنتوں کے پھل جو ان کے نزدیک ہوں گے۔ وہ پھل اتنے قریب ہوں گے کہ کھڑا بیٹھا لیٹا ہوا ہر آدمی اسے اتار لے گا۔ **فائدہ**: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جنتی جب پھل کھانے کی خواہش کرے گا۔ تو درخت کی ٹہنی خود بخود جھک کر اس کے بالکل منہ کے قریب ہو جائے گی۔

(آیت نمبر ۵۵) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ یعنی ان ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتوں کی تکذیب کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ امن اور سکون اور ہر نعمت خود بخود منہ کے قریب ہوگی۔

(آیت نمبر ۵۶) ان جنتوں میں وہ حوریں ہوں گی جو شرم و حیا سے نگاہیں نیچے رکھنے والی ہوں گی۔ یعنی ایسی پاکیزہ عورتیں جو صرف اپنے خاوندوں کو دیکھنے والی ہوں گی۔



فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ کَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ گویا کہ وہ یاقوت اور مرجان ہیں ۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ نہیں ہے بدلا نیکی کا سوا نیکی کے ۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۶) غیروں کا دھیان بھی نہیں کریں گی اور اپنے خاوندوں کو ہی اپنا پیار جتائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کا اس پر شکر کریں گی کہ اس نے ایسا اچھا شوہر عطا فرمایا اور جنت کی کنیزیں شرم وحیاء والی ہوں گی۔ انتہائی نازنین ہوں گی۔ آگے فرمایا۔ اس سے پہلے کسی جن اور انسان نے انہیں ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ **فائدہ:** اس سے معلوم ہوا کہ جنوں میں سے بھی اہل جنت سے ہیں۔ پیچھے لفظ ثقلین میں بھی اس بات کو واضح کیا گیا۔ قاصرات الطرف سے مراد وہ حوریں ہیں جو جنت میں پیدا ہوئیں لیکن شعبی اور کلبی کہتے ہیں کہ اس سے دنیا والی عورتیں مراد ہیں۔

(آیت نمبر ۵۷) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ یعنی دنیا کی نعمتیں جو تم نے دیکھ لیں اور آخرت کی نعمتیں ان سے بھی اعلیٰ ہوں گی۔ کیسے جھٹلا سکتے ہو۔ بلکہ جنت کی ہر نعمت اعلیٰ سے اعلیٰ ہوگی۔

(آیت نمبر ۵۸) گویا کہ وہ یاقوت اور مرجان ہیں۔ یعنی ان جنتی حوروں کی صفات ہیں۔ یاقوت: سخت خشک اور صاف شفاف پتھر ہے۔ اور ہر رنگ میں دستیاب ہے۔ اس کے کھرا ہونے کی علامت یہ ہے کہ آگ اس پر اثر نہیں کرتی۔ سرخ رنگ اعلیٰ یاقوت ہے۔ خاص کر جو رومانی ہو۔ یاقوت کا نگینہ پہننے والا طاعون سے محفوظ رہتا ہے۔ اسی طرح مرجان پہننے والا زہر کے اثر سے محفوظ رہتا ہے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ جنتی حوروں کے حسن کا یہ حال ہوگا کہ اس کی پنڈلی اتنی چمکدار ہوگی۔ کہ ستر حلوں کے باوجود ان کی سفیدی باہر نظر آئے گی۔ (ارشاد الساری شرح بخاری) اس لئے فرمایا کہ گویا وہ یاقوت اور مرجان ہیں۔

(آیت نمبر ۵۹) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ یعنی جن نعمتوں کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہونگی۔ ان کی تکذیب کیسے ہوگی؟ رب تعالیٰ نے تو اپنے خاص بندوں کیلئے وہ اعلیٰ نعمتیں تیار کی ہیں۔ جن کی تکذیب ہو ہی نہیں سکتی۔

(آیت نمبر ۶۰) نہیں ہے بدلہ احسان کا مگر احسان ہی۔ ''ھل'' چار قسم ہے یہاں ھل نافیہ ہے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٦١﴾ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿٦٢﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ ان دو کے علاوہ دو جنتیں اور ہیں ۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٦٣﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿٦٤﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ ان کی سبزی سیاہی مائل ہے

(بقیہ آیت نمبر٦٠) **حدیث شریف**: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔حضور ﷺ نے فرمایا۔ پتہ ہے اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا۔ہم نے کہا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جسے میں توحید وعرفان عطا کروں اسے اپنے فضل وکرم سے جنت اور خطیرۂ قدس میں ٹھہراؤں گا۔(احکام القرآن۔قرطبی)۔**فائدہ**: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نیکی کی جزاء بھی نیک ہے۔یعنی طاعات کی جزاء بلند درجات اور شکر کے بدلے فرحت وسرور۔توبہ والے کی توبہ قبول۔ مانگنے والے کی مراد پوری۔ استغفار والے کی بخشش۔جو دنیا میں رب سے ڈرے گا۔آخرت میں امن پائے گا۔

(آیت نمبر٦١) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔یعنی اتنی اعلیٰ دو جنتیں ہیں۔ان میں ایک سے ایک اعلیٰ ہے۔اور دونوں میں نعمتیں بھی اعلیٰ سے اعلیٰ ہوں گی۔

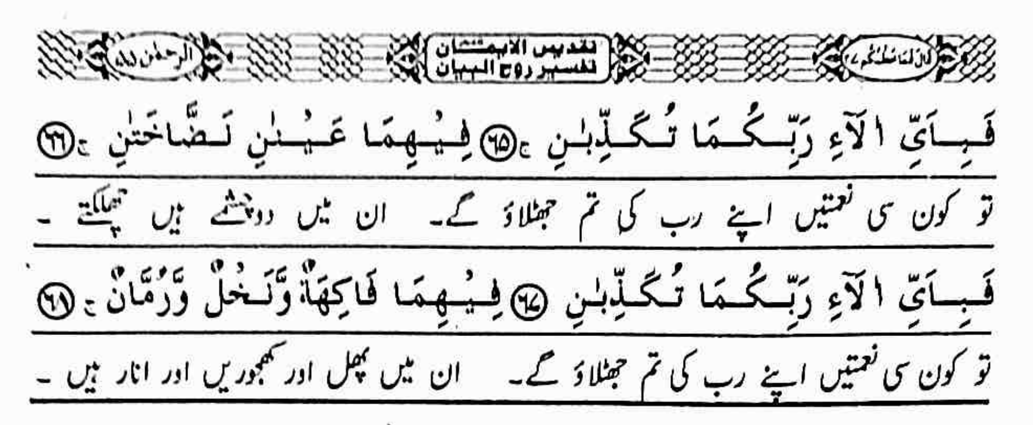
(آیت نمبر٦٢) ان دونوں جنتوں کے علاوہ بھی دو جنتیں ہیں۔یعنی درجات کے لحاظ سے ان کے اوپر جنتیں ہیں۔**فائدہ**: نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں ابرار کی جنتوں کی طرف اشارہ ہے۔جن کے (عقائد) اعمال صحیح اور اقوال درست ہیں۔

(آیت نمبر٦٣) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔کیا ان مذکور بالا دو جنتوں کو جھٹلاؤ گے۔

(آیت نمبر٦٤) یہ دونوں جنتیں سخت سبز سیاہی مائل۔

فائدہ: جب سبزی تری کے ساتھ غالب آجائے تو وہ سیاہی مائل ہو جاتی ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔(١) سبزہ۔(٢) جاری پانی۔(٣) خوبصورت چہرہ۔(لیکن غیر محرم عورت یا امرد بچہ کو دیکھنا حرام ہے)۔اثمد سرمہ رات کو سوتے وقت آنکھ میں ڈالنا۔یہ اشیاء بینائی میں اضافہ کر دیتی ہیں۔(رواہ حاکم) اور اثمد (سرمہ) اعصاب کو مضبوط کرتا ہے۔جوڑوں کے درد ختم کرتا ہے۔



فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِیۡهِمَا عَیۡنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ ان میں دو چشمے ہیں چھلکتے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِیۡهِمَا فَاکِهَةٌ وَّنَخۡلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ ان میں پھل اور کھجوریں اور انار ہیں۔

(آیت نمبر ۶۵) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سبزیوں اور پھولوں سے نفع اٹھاتے ہو۔ لباس پہنتے ہو۔ دیگر بے شمار نعمتیں استعمال کرتے ہو۔ ان کا تم کیسے انکار کر سکتے ہو۔

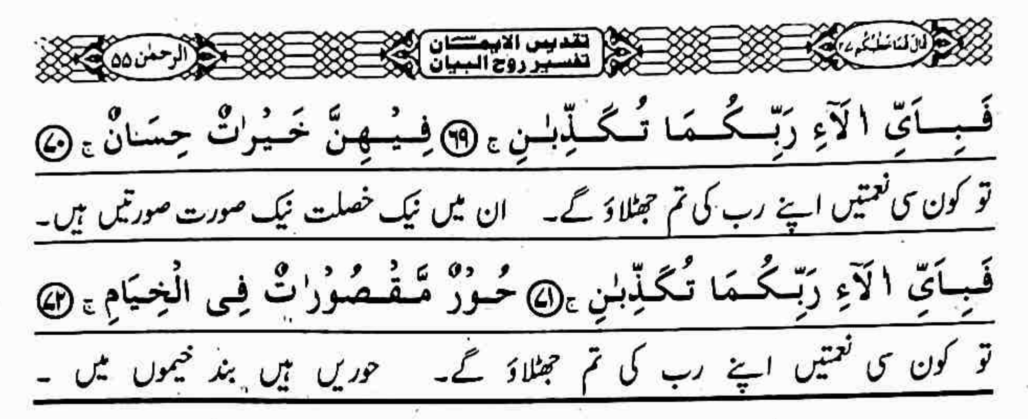
(آیت نمبر ۶۶) ان دونوں جنتوں میں دو تیز چشمے جاری ہیں۔ یعنی پانی کے ان میں فوارے جاری ہیں جو کبھی بند نہیں ہوتے۔ ان میں پانی جوش مار کر نکلتا ہے۔ پچھلے دو باغوں سے یہ افضل ہیں۔ کیونکہ جاری ہونے اور جوش مارنے میں فرق ہے۔

فائدہ : ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ ''نضاختان'' وہ چشمے جو مشک و عنبر کے ساتھ چلتے ہیں۔ امام قلبی فرماتے ہیں۔ خیر و برکت کے ساتھ جوش مارنے والے چشمے ہیں۔

(آیت نمبر ۶۷) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ یہ وہ ہیں جن سے جی بھر کر سیراب ہونا نصیب ہوگا۔ ہر ہر نعمت قابل تعریف ہے۔ کوئی نعمت بھی قابل تکذیب نہیں ہے۔

(آیت نمبر ۶۸) ان دونوں جنتوں میں پھل کھجور اور انار بھی ہوں گے۔ کھجور اور انار بھی اگرچہ پھل فروٹ میں آتے ہیں۔ لیکن ان کی فضیلت زیادہ ہونے کی وجہ سے انہیں الگ ذکر کیا ہے۔ جیسے جبریل کا ذکر فرشتوں کے ذکر کرنے کے بعد الگ کیا ہے۔

مسئلہ : امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر کوئی قسم کھائے کہ پھل نہیں کھائے گا۔ اور اس نے خشک کھجور یا انار کھا لیا۔ تو قسم نہیں ٹوٹی۔ انگور کا بھی یہی حکم ہے۔ انار کھانے سے دل میں نور پیدا کرتا ہے۔ شیطانی وسوسوں کو ختم کرتا ہے۔ یہ پھل میٹھا اور نرم ہے۔ گرم اور تر ہے۔ سینہ اور حلق کو نرم کرتا ہے۔ معدے کو طاقت دیتا ہے۔ قوت باہ بڑھاتا ہے۔ خفقان دور کرتا ہے۔



فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِیۡهِنَّ خَیۡرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ ان میں نیک خصلت نیک صورت صورتیں ہیں۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوۡرٌ مَّقۡصُوۡرٰتٌ فِی الۡخِیَامِ ﴿۷۲﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ حوریں ہیں بند خیموں میں ۔

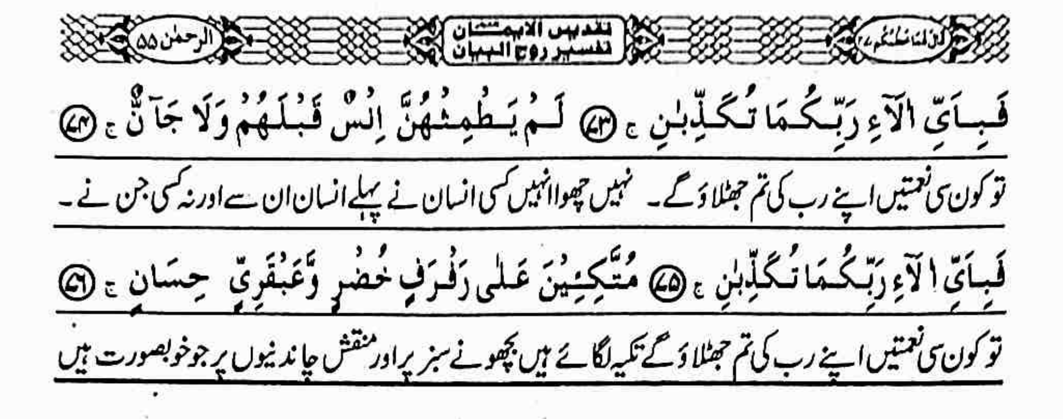
(آیت نمبر۶۹) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ دنیوی نعمتوں کا شمار نہیں۔ اخروی نعمتیں تو اس سے ہزاروں درجہ اعلیٰ ہیں۔ ہے کس کی جرات ہے کہ ان نعمتوں کا کوئی انکار کر سکے۔

(آیت نمبر۷۰) ان جنتوں میں انتہائی خوبصورت شکلوں والی ہیں۔ خوبصورتی کے علاوہ بھی ان میں بہت سارے اور بھی اوصاف ہیں وہ بدبو والی بھی نہیں۔ جیسے دنیوی عورتوں میں بدبوئیں ہوتی ہیں۔ منہ سے۔ بغلوں سے یا جسموں سے ان سے خوشبو ہی خوشبو آئے گی۔ (۲) نہ وہ کسی کی باتوں میں آتی ہیں۔ (۳) نہ ہار سنگار کر کے کسی اور کی امیدوار ہیں۔ (۴) نہ تیز زبان۔ (۵) نہ بدکلام۔ (۶) نہ نافرمان۔ (۷) نہ آوارہ پھرنے والی ہیں۔ (۸) جہاں جائیں پورے جہان کو روشن کر دیں۔ (۹) اور خوشبو ہی خوشبو کر دیں۔ (۱۰) وہ کھاری سمندر میں تھوک دیں وہ میٹھا ہو جائے۔

(آیت نمبر۷۱) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ کوئی عقلمند تو یہ کام نہیں کرتا۔ بے وقوف ہی ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ کی ایسی عالی شان نعمتوں کا انکار کرے اور جھٹلائے۔

(آیت نمبر۷۲) سیاہ اور موٹی آنکھوں والی خیموں میں بند ہیں۔ یعنی وہ غیروں کے سامنے نہیں ہوں گی۔ اپنی غیرت کی وجہ سے۔ صرف اپنے خاوندوں سے محبت اور پیار کرنے والی ہوں گی۔

خیمہ سے مراد وہ قبہ ہے جو دنیا کے قبوں کی طرح نہیں۔ بلکہ وہ خالص موتیوں سے بنا ہوا ہے۔ میلوں تک پھیلا ہوا ہے۔ ہر زوجہ کیلئے الگ خیمہ ہے۔ جیسے دولہا دلہن کیلئے الگ گھر تیار کیا جاتا ہے۔ اور خوبصورت پردوں سے آراستہ کیا جاتا ہے۔



فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۚ ﴿۷۳﴾ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۚ ﴿۷۴﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ نہیں چھوا انہیں کسی انسان نے پہلے انسان ان سے اور نہ کسی جن نے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۚ ﴿۷۵﴾ مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ ۚ ﴿۷۶﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے تکیہ لگائے ہیں بچھونے سبز پر اور منقش چاندنیوں پر جو خوبصورت ہیں

(آیت نمبر ۷۳) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اور کس منہ سے جھٹلاؤ گے۔

(آیت نمبر ۷۴) انہیں نہیں ہاتھ لگایا کسی انسان یا جن نے اس سے پہلے۔ یعنی دنیا دار تو درکنار انہیں کسی جنتی نے بھی اس سے پہلے مس نہیں کیا۔ یہ آیت دوبارہ پھر تاکید کیلئے لائی گئی۔ تاکہ شوق اور رغبت زیادہ ہو۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے فرمایا۔ یہاں تکرار نہیں ہے۔ اس لئے کہ پہلے مضمون میں مقربین کی ازواج کا ذکر تھا اور اس آیت میں ابرار کی ازواج کا ذکر ہے۔ جنتیوں کی شان یہ ہے کہ ہر جنتی کو بے حساب حوریں ملیں گی۔ جن کے اوصاف کو گذشتہ آیات میں بیان کر دیا گیا ہے۔

(آیت نمبر ۷۵) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ کیونکہ وہ نعمتیں دنیوی نہیں ہیں۔ وہ جنت کی نعمتیں ہیں جہاں پر ہر نعمت ہی عجیب سے عجیب تر ہوگی۔

(آیت نمبر ۷۶) تکیہ لگائے ہوں گے۔ ان سرہانوں پر جن پر پھولوں کا نقش و نگار ہوگا۔ یا جس پر گدے اور بسترے سبز رنگ کے ہوں گے۔ عبقری ایک خاص جگہ کا نام ہے۔ جہاں کے بنے ہوئے کپڑے کڑھائی کے ساتھ مشہور تھے۔ اس لئے اس جگہ کا نام لیا گیا۔

شب معراج اور رفرف: حدیث معراج میں ہے کہ حضور ﷺ جب سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے۔ جبریل امین اور براق وہیں رہ گئے۔ پھر آپ رفرف پر بیٹھ کر عرش علیٰ پر پہنچے اور پھر رفرف پر ہی واپس سدرہ تک پہنچے۔ (مشکوٰۃ)۔ **فائدہ**: مراد یہ ہے کہ جنتی جنت میں رفرف پر بیٹھے ہونگے۔ جہاں جانا ہوگا وہ اڑ کر اپنے سوار کو منزل مقصود پر پہنچا دے گا۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ ﴿۷۸﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے بڑی برکت والا نام ہے تیرے رب کا جو عظمت و بزرگی والا ہے

(آیت نمبر ۷۷) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کیسی اعلیٰ نعمتیں تیار کی ہیں۔ جن نعمتوں کو استعمال کرتے وقت سرور اور بعد میں سکون نصیب ہوگا۔

(آیت نمبر ۷۸) بابرکت ہے تیرے رب کا نام جو صاحب جلال اور عزت والا ہے۔

فائدہ: اس سورۃ پاک میں اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کا ذکر فرمایا۔ جو اس نے انسانوں کو دیں یا جو مسلمانوں کو عطا فرمائے گا تو دینے والے کا نام بہت مبارک ہے۔ وہ ہے رحمٰن اور وہ اپنے قہر و لطف سے اور جلال و اکرام سے موصوف ہے۔ اور وہ بے شمار صفات کا مالک ہے۔

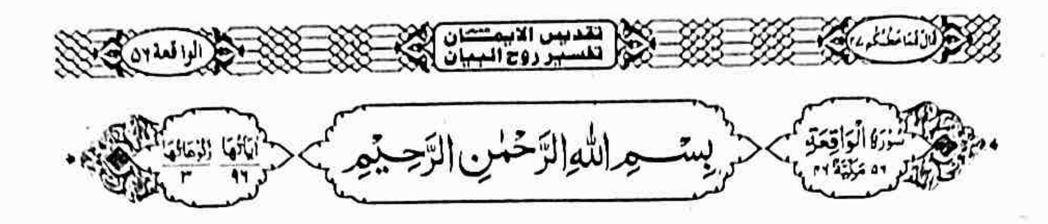
فائدہ: بعض بزرگوں نے ذوالجلال والاکرام کو اسم اعظم کہا ہے۔ اگر چہ اللہ تعالیٰ کے سارے نام ہی اسم اعظم ہیں۔ کیونکہ اسماء مبارک عظمت پر دلالت کرتے ہیں لیکن یہ ذکر اہل کمال کو نصیب ہوتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ذاکرین میں سے بنائے۔

علماء کرام نے لکھا ہے کہ یہ پہلی سورۃ ہے۔ جو اکٹھی نازل ہوئی۔ اور اکٹھی ہی قریش مکہ کو سنائی گئی۔

واقعہ: صحابہ کرام فرماتے ہیں۔ کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ تم میں کون ہے۔ جو یہ پوری سورۃ قریش مکہ کے سامنے جا کر پڑھے۔ جو اس وقت کعبہ شریف کے پاس بیٹھے ہیں۔ چونکہ قریش مکہ قرآن کا ایک حرف سننا بھی گوارہ نہیں کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا۔ یا رسول اللہ میں جا کر پڑھتا ہوں۔ انہوں نے یہ پوری سورۃ ان کے سامنے پڑھی۔ تو ابو جھل نے اٹھ کر پورے زور سے تھپڑ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو مارا۔ اور سر کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا۔ انہوں نے واپس آ کر حضور ﷺ سے شکایت بیان کی۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں۔ تم بھی ایک دن اسے سر کے بالوں سے پکڑ کر زمین پر گھسیٹو گے چنانچہ بدر کے دن جب وہ بری طرح مار کھا کر گرا۔ تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے سینے پر چڑھے۔ ابھی اس کے کچھ سانس باقی تھے۔ تو انہوں نے اس کا سر کاٹا۔ اور اس کے سر کے بالوں کو رسی کے ساتھ باندھ کر گھسیٹا۔ اور گھسیٹ کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں لے ائے۔

اختتام سورۂ رحمٰن: مورخہ ۹ مارچ ۲۰۱۷ء بمطابق ۸ جمادی الثانی ۱۴۳۸ھ بروز جمعرات بوقت نماز عصر



اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿۲﴾ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿۳﴾

جب ہو جائے گی واقع ہونے والی نہیں ہے اس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ کسی کو پست کسی کو بلند کرنے والی

(آیت نمبر۱) جب واقع ہونے والی واقع ہو جائیگی۔ یعنی قیامت قائم ہو جائیگی۔ اس سے دوسرا نفخہ مراد ہے۔ یعنی جب صور میں دوسری مرتبہ اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے تو سب انسان زندہ ہو کر قبروں سے باہر آ جائیں گے تو اس وقت قیامت قائم ہو جائے گی۔ اس وقت ایسے ہولناک امور ظاہر ہو جائیں گے۔ جنہیں بیان ہی نہیں کیا جا سکتا۔

(آیت نمبر۲) اس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں ہے۔ یعنی جب وہ واقع ہو جائیگی۔ تو پھر کسی کو جھٹلانے کی جرات نہیں ہوگی۔ نہ کوئی یہ کہہ سکے گا کہ یہ جادو ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس وقت ہر کوئی قیامت کی حقیقت کو جان لے گا اور مطمئن ہو جائے گا کہ وہ قیامت یہی ہے جس کے متعلق انبیاء کرام علیہم السلام مطلع فرماتے رہے اور جو جو روایات اس کے متعلق وارد ہوئیں۔ وہ سب حق اور سچ ہیں۔ اس وقت عین نہیں بلکہ حق الیقین ہو جائیگا۔

(آیت نمبر۳) بعض کو پست کرنے والی ہے اور بعض کو اونچا کرنے والی ہے۔ یعنی قیامت کے اور بدعقیدہ بدعمل اور اللہ تعالیٰ کے نافرمان ذلیل ہونگے اور بہت سارے لوگوں کے مراتب بلند ہوں گے۔ جیسے انبیاء و اولیاء کرام کے مراتب اور درجات بلند ہوں گے اور کچھ لوگ احکام الٰہی کے تقاضے پورے نہ کرنے کی وجہ سے ذلیل و خوار ہوں گے۔ یعنی جہنم میں جائیں گے۔

فائدہ :ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ جو دنیوی لحاظ سے متکبر اونچے بنے ہوئے تھے۔ وہ آخرت میں ذلیل و رسوا ہونگے ہوں گے اور جو دنیا میں کم درجہ تھے۔ عقائد و اعمال صالحہ کر کے وہ آخرت میں بلند مرتبہ ہو جائیں گے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی شان: میدان قیامت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جنتی اعلیٰ لباس پہنا کر اعلیٰ سواری پر بٹھا کر فردوس اعلیٰ کی طرف لے جایا جائے گا۔ اور اس کے دنیوی مالک امیہ کو فرشتے بیڑیاں ڈال کر نہایت ذلت و رسوائی سے قسم قسم کی تکالیف کے ساتھ جہنم میں لے جائیں گے اور جہنم کے نچلے درجے میں اسے ڈال دیں گے۔

إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ﴿٤﴾ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿٥﴾ فَكَانَتْ هَبَاءً

جب کانپ جائے گی زمین تھرتھرا کر۔ اور ریزہ ریزہ ہوکر پہاڑ چورہ ہو جائیں تو ہونگے غبار کے ذروں کی طرح

مُّنْبَثًّا ﴿٦﴾ وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ﴿٧﴾

پھیلے ہوئے۔ اور ہو گے تم جوڑے تین قسم کے

(آیت نمبر۴) جب زمین تھرتھر کانپے گی۔ یعنی اسے قیامت کی ہولناکی سے ایسا اضطراب آئیگا اور ایسے جھٹکے مارے گی اور تھرتھر کانپے گی کہ اونچے اونچے مکانات اور پہاڑ سب ریزہ ریزہ ہوکر زمین کے ساتھ برابر ہو جائیں گے اور زمین اپنے اندر کی تمام چیزیں باہر نکال دے گی۔ خواہ وہ مردے ہیں۔ یا کوئی اور چیز۔

(آیت نمبر۵) اور سب پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ یعنی ٹوٹ پھوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوکر چورہ کی طرح ہو جائیں گے۔ یا ستو (آٹے) کی طرح ہو جائیں گے۔ اور ساری زمین بالکل ہموار ہو جائیگی۔ (دوسرے مقام پر فرمایا کہ پہاڑ روئی کی طرح اڑا دیئے جائیں گے)۔ یعنی قیامت کے دن کی خوفناکی کا یہ عالم ہوگا کہ پہاڑوں جیسی مضبوط چیز بھی اپنی جگہ نہیں ٹھہر سکے گی۔

(آیت نمبر۶) تو پہاڑ بھی اڑتی ہوئی غبار کی طرح ہو جائیں گے۔ جیسے گرد وغبار ہر طرف پھیل جاتا ہے۔

فائدہ : یا اس گرد کی طرح جو گھوڑے کی سم سے نکل کر اوپر کو جائے یا دریچہ سے جو شعاع میں ذرات نظر آتے ہیں۔ ان کی طرح ہو جائیں گے۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ بروز قیامت ایک ایسی ہوا بھیجے گا۔ جو پہاڑوں کو زمین سے اٹھا کر اڑائے گی اور وہ آپس میں ٹکرائیں گے اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اور گرد وغبار ہر طرف پھیل جائے گا اور وہ غبار اڑ کر کافروں کے چہروں پر پڑے گی۔ اسی لئے سورۂ عبس میں فرمایا۔ کچھ چہروں پر بروز قیامت گرد وغبار پڑی ہوگی۔

(آیت نمبر۷) اور تم لوگ ہو جاؤ گے تین گروہ۔ **فائدہ** : یہ خطاب غالباً اس امت اور سابقہ امتوں کو ہے۔ یا صرف اس موجودہ امت کو ہے کہ ان کے تین گروہ بن جائیں گے۔ ایک کافر ہونگے جو جہنم میں جائیں گے۔ دوسرے مومن جو جنت میں جائیں گے۔ ایک گروہ اور بھی مومنوں کا ہوگا جو اپنے گناہوں کی وجہ سے جنت میں وہ دیر سے جائیں گے۔ وہ جنت کے دروازے پر ادا کر لئے جائیں گے۔

فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ؕ﴿۸﴾ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ

ایک دائیں جانب والے ہیں تو نے ابھی نہیں جانا کہ وہ کیا ہیں دائیں جانب والے۔ اور بائیں جانب والے

مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ؕ﴿۹﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۚۙ﴿۱۰﴾ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۚ﴿۱۱﴾

وہ کیا ہیں بائیں جانب والے۔ اور سبقت والے آگے نکل گئے۔ وہی تو مقرب بارگاہ ہیں۔

(آیت نمبر ۸) یعنی اب ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ وہ دائیں جانب والے کون ہیں۔ **فائدہ**: یاد رہے دائیں جانب والے سے مراد وہ خوشحال خوش خصال اور خوش نصیب لوگ ہیں۔ (ایسی کلام نہایت تعظیم اور تعجب کے مقام پر بولی جاتی ہے۔) لہذا اصحاب الیمین اپنی طاعت وعبادت کی برکات سے بابرکت لوگ ہوں گے۔ یا اصحاب الیمین سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو پہلے آسمان پر حضور ﷺ نے معراج کی رات دیکھا کہ آدم علیہ السلام کی دائیں جانب تھے۔ جنہیں دیکھ کر آدم علیہ السلام خوش ہو رہے تھے۔ یا وہ لوگ ہیں کہ جنہیں اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملے گا۔

(آیت نمبر ۹) اور بائیں جانب والے وہ کیا ہیں بائیں جانب والے۔ اس سے مراد کفار اور فجار لوگ ہیں۔ ان کی ذلت رسوائی مراد ہے۔ یہ برے اعمال والے ہیں۔ قیامت کے دن برے حال والے ہوں گے۔ اس سے مراد ان کی تحقیر اور تذلیل ہے۔ مشئمہ نحوست کو بھی کہتے ہیں۔ یعنی منحوس اور بدبخت لوگ جو آدم علیہ السلام کے بائیں جانب تھے۔ جنہیں دیکھ کر آدم علیہ السلام غمزدہ ہو رہے تھے۔ یا جنہیں بائیں ہاتھ میں اعمالنامہ دیا جائے گا۔ تیسری قسم کا ذکر آگے آئے گا۔

(آیت نمبر ۱۰) اور آگے نکل جانے والے ہی سبقت کرنے والے ہیں۔ یہ اعلیٰ درجے کے مومن لوگ ہیں۔ جن کے محاسن معلوم اور احوال مشہور ہیں۔ اس کلمہ کو دو دفعہ لانا۔ ان کی عظمت جتانا ہے۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے ایمان وطاعت میں سب پر سبقت حاصل کی۔ وہ لوگ جو دنیا میں ثواب پانے اور اعمال صالحہ کرنے میں سب سے آگے تھے اور اب جنت میں جانے اور درجات پانے میں باقیوں پر سبقت لے گئے۔

(آیت نمبر ۱۱) مذکورہ اوصاف والے ہی مقرب لوگ ہیں۔ یعنی درجات کے لحاظ یہی لوگ عرش الٰہی کے قریب مقعد صدق میں ہوں گے اور انتہائی بلند مراتب پر ہوں گے۔ ان کے مراتب کو دیکھ کر لوگ رشک کر رہے ہوں گے۔

فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۱۲﴾ ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۳﴾ وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۴﴾

ان باغوں میں جو نعمتوں والے ہیں۔ ایک گروہ پہلوں سے۔ اور تھوڑے ہیں پچھلوں میں

(بقیہ آیت نمبر ۱۱) **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ تو تم اس سے جنۃ الفردوس مانگا کرو (بخاری)۔ کیونکہ وہی درمیانی اور اعلیٰ جنۃ ہے۔ اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے۔ ظاہر ہے وہی مقربین کا مقام ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہوگا۔

(آیت نمبر ۱۲) نعمتوں والی جنتوں میں ہوں گے۔ یعنی وہ ایسے ایسے باغات میں ہوں گے کہ جو ہر قسم کی نعمتوں سے بھرپور ہوں گے۔ جہاں ہر نعمت موجود ہوگی۔

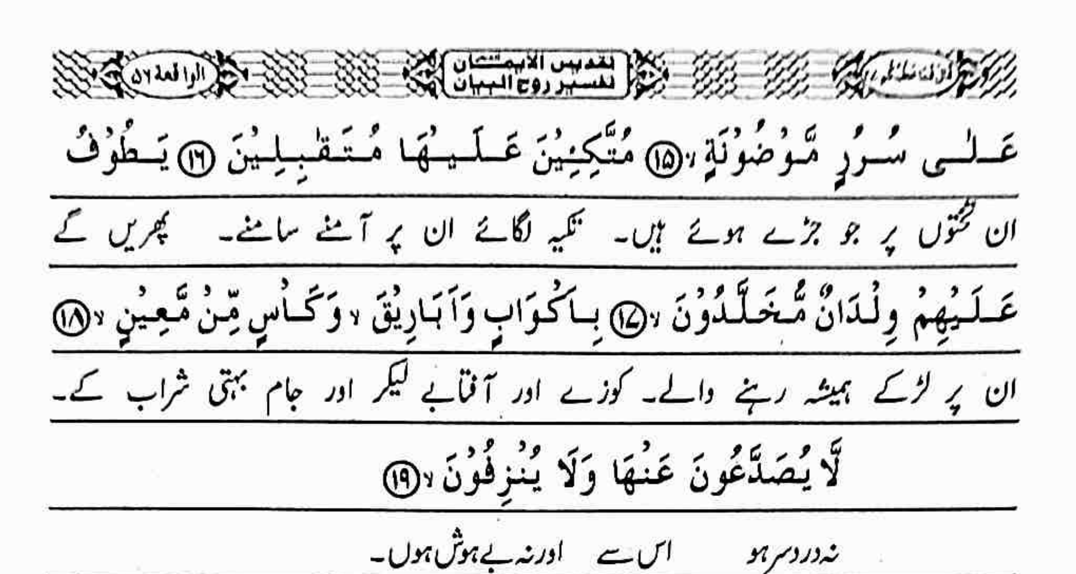
تین قسمیں: امت موسیٰ میں حزبیل مومن آل فرعون۔ امت عیسیٰ میں حبیب نجار اور امت محمدیہ ﷺ میں شیخین بہت بلند مقام پر ہوں گے اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما۔ تمام امتوں میں یہ دونوں حضرات انتہائی بلند مقام پر ہوں گے۔

فائدہ: کعب اخبار فرماتے ہیں۔ سابقون سے مراد اہل قرآن ہیں۔ جو ہر وقت قرآن پڑھتے رہتے ہیں۔ (اس سے مراد وہ اہل قرآن نہیں جو منکر حدیث ہیں۔ وہ تو گمراہ ہیں)۔ ایسوں کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا۔ قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔ کیونکہ وہ قرآن میں اپنی رائے ٹھونستے ہیں۔

(آیت نمبر ۱۳) پہلی امتوں میں سے جو آدم علیہ السلام سے لیکر حضور علیہ السلام تک ہیں۔ جن کی تعداد کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ یا اس سے وہ امتیں مراد ہیں۔ جو پہلے ہو گذریں۔ خواہ وہ جنوں سے ہوں یا انسانوں سے۔

(آیت نمبر ۱۴) اور پچھلوں میں تھوڑے ہی ہیں۔

فائدہ: اس سے مراد اگر سابقین کے تابعین ہیں تو اس امت کے حساب سے صحیح ہیں لیکن ایک مرفوع حدیث کے مطابق اولین و آخرین سے مراد حضور ﷺ کی امت کے متقدمین اور متاخرین علماء ہیں۔ یہی مختار مذہب ہے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ نے اپنی امت کے علماء کو بنی اسرائیل کے انبیاء کرام علیہم السلام سے تشبیہ دی ہے اور حضور ﷺ کی امت کے علماء و اولیاء کی تو انتہاء ہی نہیں۔ (ابن عربی) فرماتے ہیں کہ ہر زمانے میں اولیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار رہی ہے۔



عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿١٥﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿١٦﴾ يَطُوْفُ

ان تختوں پر جو جڑے ہوئے ہیں۔ تکیہ لگائے ان پر آمنے سامنے۔ پھریں گے

عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿١٧﴾ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿١٨﴾

ان پر لڑکے ہمیشہ رہنے والے۔ کوزے اور آفتابے لیکر اور جام بہتی شراب کے۔

لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿١٩﴾

نہ دردسر ہو اس سے اور نہ بے ہوش ہوں۔

(آیت نمبر ١٥) وہ سونے کے تختوں پر جوان کے لئے وہاں رکھے گئے ہوں گے جو ہر طرح کے موتیوں اور جواہر سے جڑے ہوئے ہونگے اور مقربین لوگ ان پر بیٹھے ہوں گے۔ (اور ایک دوسرے سے محو گفتگو ہوں گے)۔ دنیوی حالات یا کامیابی کے واقعات بیان کر رہے ہوں گے۔ اور کامیابی پر خوش ہو رہے ہوں گے۔

(آیت نمبر ١٦) تکئے پر سہارا لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ٹھاٹھ باٹھ سے بادشاہوں کی طرح بیٹھے ہوئے۔ یہ ان کی اچھی زندگی اور اخلاقی برتری اور ادب وآداب کی وصف ہے۔ یعنی ایک دوسرے کو دیکھ کر مسرور ہو رہے ہونگے۔ کہ تمام تر تعریف اس ذات کی جس نے ہمیں یہ عظیم کامیابی عطا کی۔

(آیت نمبر ١٧) ان کی خدمت کیلئے ان کے اردگرد پیارے پیارے بچے پھریں گے۔ وہ ہمیشہ ان کی خدمت میں رہیں گے۔ اور وہ ہمیشہ اسی عمر میں رہیں گے۔ کیونکہ وہ پیدا ہی بقا کیلئے ہوئے۔ جو بقا کیلئے پیدا ہو۔ اس میں تغیر تبدل نہیں آتا۔ بعض نے کہا اس سے مراد کفار کے وہ چھوٹے بچے ہیں جو انتہائی تھوڑی عمر میں مرگئے تھے۔ واللہ اعلم۔

(آیت نمبر ١٨) وہ لوٹے اور پیالے لیکر پھریں گے۔ جن کے ساتھ موتی اور جواہر جڑے ہوں گے۔ ان پیالوں کی ہر سائیڈ برابر ہوگی۔ جدھر سے چاہے پی لے گا اور بڑے آفتابے ہونگے۔ انتہائی صاف شفاف جو لوٹے کی شکل کے ہوں گے۔ آگے فرمایا "شراب طهورا" کے جام ہوں گے۔

فائده : جنت کا شراب دنیا کے شراب کی طرح نہیں ہوگا۔ بلا تکلف پی لیا جائیگا۔ جس میں لذت وسرور ہوگا۔

(آیت نمبر ١٩) نہ تو اس کے پینے سے دردسر ہوگا۔ نہ بے ہوشی ہوگی۔ کیونکہ دنیوی شراب میں یہ دونوں خرابیاں ہوتی ہیں۔ دردسر نہ بھی ہو، بددماغی تو ضرور ہوتی ہے۔

وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ﴿٢٠﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٢١﴾ وَحُورٌ

اور پھل جو وہ پسند کریں۔ اور گوشت پرندوں کا جو وہ چاہیں گے۔ اور حوریں

عِينٌ ﴿٢٢﴾ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ﴿٢٣﴾ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾

موٹی آنکھوں والی۔ جیسے موتی چھپا کر رکھے ہوئے۔ بدلہ ہے اس کا جو تھے وہ عمل کرتے۔

(بقیہ آیت نمبر۱۹) **فائدہ** :ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔دنیوی شراب میں چار خرابیاں تو واضح ہیں: (۱) نشہ۔(۲) دردسر۔(۳) قے۔(۴) پیشاب کی کثرت۔لیکن جنتی شراب میں یہ چاروں نہیں ہوں گی۔ بلکہ اس میں لذت وسرور ہی ہوگا۔

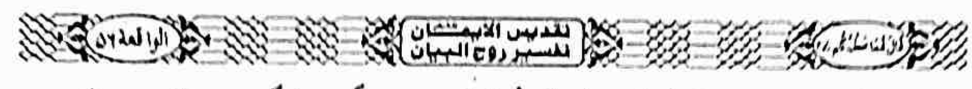
(آیت نمبر۲۰) ان کے پسندیدہ پھل اور میوے ہوں گے جو رنگ اور ذائقہ کے لحاظ سے بہت بہتر اور افضل ہونگے۔جس سے صحت اور تندرستی ہی ملے گی۔اس کے حاصل کرنے کی دنیا کی طرح کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ نہ انہیں حاصل کرنے کیلئے کہیں جانا پڑے گا۔نہ ختم ہوجانے کا ڈر ہوگا۔

(آیت نمبر۲۱) اور پرندوں کا گوشت جب اور جیسا چاہیں گے۔ان کو مل جائے گا۔ بھنا ہوا۔ یا پکا ہوا۔جیسی ان کی خواہش ہوگی ویسا ہی ملے گا۔چونکہ عرب والے پرندوں کے گوشت کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔زیادہ تر بادشاہوں کو بہت مرغوب ہوتا ہے تو جنت میں درخت پر بیٹھا ہوا پرندہ خود آواز دے کر کہے گا۔میرا گوشت بہت ہی مرغوب ہے اور بہت ہی لذیذ ہے۔جب جنتی کی خواہش ہوگی تو اڑ کر اس کے دسترخوان پر اس کی مرضی کے مطابق ہوجائے گا۔

(آیت نمبر۲۲) اور ان کے لئے جنت میں موٹی آنکھوں والی حوریں ہوں گی۔ بے مثال حسن والی۔ اپنے خاوندوں سے محبت کرنے والی۔انتہائی شرم وحیاء والی، ہر قسم کی آلائش سے پاک وصاف ہونگی۔ ہر حور پر ستر ستر حلے ہوں گے ہر حلے کے ستر رنگ ہوں گے۔ان کے اندر سے بھی حوروں کا حسن ظاہر ہوگا۔

(آیت نمبر۲۳) جو چھپے موتی کی طرح ہوں گی۔جیسے موتی صدف میں چھپا ہوتا ہے صدیاں گذر جانے کے باوجود ان کی صفائی اور رونق میں ذرا کمی نہیں آئے گی۔ بلکہ روز بروز ان کے حسن میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

(آیت نمبر۲۴) یہ ان کے دنیا میں کئے ہوئے نیک عمل کا بدلہ ہے۔چونکہ احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے۔جن لوگوں نے دنیا میں اچھے عمل کئے ہوں گے ان کے لئے جنت میں مراتب اعمال صالحات کے مطابق ہوں گے۔ جتنا عمل اعلیٰ اتنا مرتبہ بھی اعلیٰ ہوگا۔



لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۙ﴿۲۵﴾ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾

نہیں سنیں گے اس میں بے کار اور نہ گناہ والی بات۔ مگر بات ہے سلام سلام ۔

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿۲۷﴾

دائیں طرف والے کیا ہیں دائیں طرف والے۔

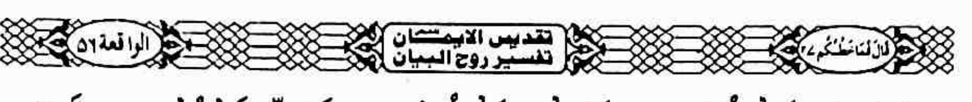
(بقیہ آیت نمبر۲۴) **فائدہ:** اگر چہ جنت کا داخلہ فضل الٰہی سے ہوگا لیکن جنت کی نعمتیں اعمال کے حساب سے ہوں گی۔ بلکہ فضل الٰہی بھی نیک اعمال کی وجہ سے ہوگا۔

(آیت نمبر۲۵) وہ جنت میں کسی قسم کی بے کار آواز نہیں سنیں گے۔ یعنی بے ہودہ یا باطل کلام۔ یا لغویات جو بلا سوچے سمجھے بولی جائے اور نہ ہی جنت میں کوئی گناہ والی بات ہوگی۔ یعنی نہ باطل کلام کریں گے نہ سنیں گے۔

(آیت نمبر۲۶) مگر سلام ہی سلام۔ یعنی جنت میں ہر طرف سے یہ سلامتی کا تحفہ ہی دیا جائے گا۔ ایک طرف سے السلام علیکم کی آواز اور دوسری طرف سے بھی سلام کا جواب وعلیکم السلام ہی ہوگا۔ ایک دوسرے کو سلامتی کی دعا ہی دے رہے ہوں گے۔ **فائدہ:** اس میں اشارہ ہے کہ سابقین کے دل ہر قسم کی کدورتوں سے پاک صاف ہوں گے۔
فائدہ: بڑی شان والا سلام تو وہی ہوگا۔ جو رب رحیم کی طرف بندوں کو ملے گا۔ جس کا ذکر سورۂ یاسین میں ہے۔

حکایت: ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ میرا بیٹا اس روز شہید ہو گیا۔ جس رات عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فوت ہوئے۔ اس رات میں نے اپنے بیٹے کو خواب میں دیکھا۔ میں نے کہا تو فوت نہیں ہوا تھا۔ اس نے کہا بے شک میں شہید ہوا تھا۔ اس لئے میں زندہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق کھاتا ہوں۔ میں نے پوچھا تم اب کیسے آئے تو اس نے بتایا کہ آسمانوں میں اعلان ہوا کہ تمام انبیاء واولیاء اور شہداء عمر بن عبدالعزیز کے جنازہ میں پہنچیں۔ میں بھی آیا تا کہ ان کا جنازہ پڑھوں اور آپ کو سلام پیش کروں۔

(آیت نمبر۲۷) یہ اعزاز ان لوگوں کیلئے ہے جو اصحاب الیمین ہیں۔ یعنی دائیں جانب والے۔ جن کا ذکر خیر پیچھے تفصیل سے گذر گیا اور آگے بھی آئیگا۔ پہلے ذکر کی اب تفصیل بیان کردی گئی ہے اور بتایا گیا وہ اصحب الیمین کون ہیں۔ تمہیں کیا معلوم ہے کہ ان کی شان کیا ہے۔ یعنی ان کیلئے اللہ تعالیٰ نے جنت میں کیا کچھ تیار کر رکھا ہے۔ ان کیلئے خیر و برکت ہے۔ ان کے محاسن ان کے اعمال کے مطابق ہوں گے۔ ان کے جنت میں درجات ہیں اور عالی شان نعمتیں ہیں۔



فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾ وَّمَآءٍ

بیریوں میں جو بغیر کانٹے ہیں۔ اور کیلے گچھوں والے۔ اور سائے پھیلے ہوئے۔ اور پانی

مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾

ہر وقت جاری۔ اور پھل بہت زیادہ۔

(آیت نمبر ۲۸) ایسی بیریوں کے سائیوں میں جن کے کانٹے نہیں۔ یہ تو صرف تشبیہ ہے۔ ورنہ کہاں دنیا کی بیریاں اور کہاں جنت کے درخت بعض بزرگوں نے مخضود کا معنی دوہری ٹہنی لی ہے۔ یعنی پھل کی کثرت ہونے کی وجہ سے ٹہنیاں دوہری ہیں۔ چونکہ اس کا پھل بھی عرب میں معروف اور محبوب ہے اور اس کے پتے بھی کارآمد ہیں۔

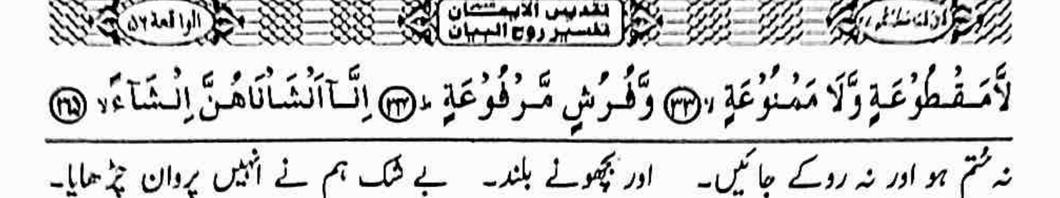
(آیت نمبر ۲۹) اور کیلے گچھوں والے یعنی ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے۔

شان نزول : طائف میں ایک وادی تھی۔ جہاں کیلے اور بیریاں کثرت سے تھیں۔ اہل عرب اس جگہ کو بہت پسند کرتے تھے کیونکہ کیلوں کا پھل بھی شہد کی طرح میٹھا اور سایہ نہایت ٹھنڈا ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تمام نعمتیں بلکہ ان سے بھی اعلیٰ قسم کی نعمتیں تمہیں جنت میں ملیں گی۔

(آیت نمبر ۳۰) اور لمبے لمبے سائے ہوں گے۔ یا ہمیشہ رہنے والے سائے۔ **حدیث شریف** میں ہے۔ جنت کے درختوں کا سایہ لمبائی میں سو سال کی مسافت کے برابر ہوگا (ریاض الصالحین)۔ ان سائیوں میں بیٹھ کر آپس میں گفتگو کریں گے۔ دوسرے مقام پر فرمایا ہم انہیں گھنے سائیوں میں داخل کریں گے۔

(آیت نمبر ۳۱) اور بہنے والا پانی یعنی جنتی جہاں چاہیں گے پانی خود بخود وہاں جائے گا۔ بغیر تکلیف کے۔ نہ کبھی ختم ہو نہ خراب ہو۔ دنیا کے پانی کی طرح نہیں کہ اس کے حاصل کرنے کیلئے مشکلات پڑتی ہیں۔ خود لینے کیلئے جانا پڑتا ہے۔ کنویں سے لینا ہوتا ہے تو رسی اور ڈول کے بغیر نہیں نکال سکتے لیکن جنت میں جہاں تم ہو گے پانی وہاں جائے گا۔ جنتی کو ایک قدم بھی پانی لینے کیلئے کہیں جانا نہیں ہوگا۔

(آیت نمبر ۳۲) اور پھل بہت زیادہ بھی ہونگے اور کئی کئی قسم کے ہونگے اور انتہائی لذیذ ہوں گے۔ اور ان کے لئے موسم کا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ ہمہ وقت ہر قسم کا پھل فروٹ دستیاب ہوگا۔ کھانے والا بس کر دیگا۔ مگر پھل ختم نہیں ہوں گے۔



لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿٣٣﴾ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿٣٤﴾ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿٣٥﴾

نہ ختم ہو اور نہ روکے جائیں۔ اور بچھونے بلند۔ بے شک ہم نے انہیں پروان چڑھایا۔

فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿٣٦﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿٣٧﴾

پھر بنایا انہیں کنواریاں۔ پیار دلانے والیاں ہم عمر۔

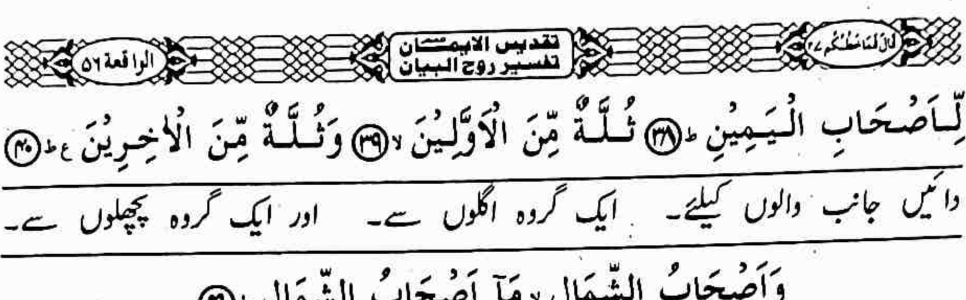
(آیت نمبر ۳۳) نہ تو دنیا کے پھلوں کی طرح کسی وقت بالکل ختم ہوں گے اور نہ کوئی منع کرنے والا ہو گا۔ نہ ایسا ہے کہ پیسے نہ ہونے کی وجہ سے خریدا نہ جا سکے یا اس کے ساتھ کانٹے ہوں کہ توڑا نہ جا سکے یا کوئی دیوار وغیرہ حائل ہو یا رکاوٹ ہو کہ اس تک پہنچ نہ سکے ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔

(آیت نمبر ۳۴) اور بچھونے اتنے بلند ہوں گے۔ گویا آسمانوں کے قریب ہیں۔ یا وہ شان کے لحاظ سے یا مسافت کے لحاظ اونچے ہوں گے۔ یا جن تختوں پر بیٹھے ہونگے ان سے ان کے بچھونے اونچے ہوں گے۔ یا فرش سے مراد عورتیں ہیں۔ جیسے عورت کو لباس یا ازار بھی کہا گیا ہے۔

(آیت نمبر ۳۵) بے شک ہم نے ہی انہیں اچھی اٹھان میں اٹھایا۔ یعنی دنیا وی بچیوں کی طرح پیدا نہیں ہوئیں۔ نہ ان کی طرح جوان نہ ان کی طرح بوڑھی ہوں گی۔ اور وہ لفظ کن سے پیدا ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت میں ہی پیدا فرمایا۔ جس عمر میں پیدا ہوئیں۔ اسی میں ہمیشہ رہیں گی۔ جب بھی ان کا خاوند ان کے قریب آئے گا۔ انہیں جوان پائیگا۔ اور ہر بار ان سے ایک نیا انس اور نئی لذت پائے گا۔

(آیت نمبر ۳۶) پھر ہم نے انہیں باکرہ بنایا کہ وہ کنواری ہی ہوں گی۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اس سے مراد دنیوی عورتیں ہیں۔ جنہیں پھر باکرہ کر دیا جائیگا۔ جیسے زکریا علیہ السلام کی بیوی کو دوبارہ جوان بنا دیا گیا۔ "واصلحنا" کا یہی مطلب ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑھاپے سے پھر جوان کر دیا۔ بانجھ سے بچہ جننے والی کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کیلئے یہ کوئی بعید بات نہیں۔

(آیت نمبر ۳۷) اپنے شوہروں کو پیاریاں اور اپنے شوہروں سے پیار کرنے والیاں یا انہیں اپنی محبت جتانے والیاں اور وہ جوان ہوں گی۔ تیس سالہ ہوں گی۔ مرد بھی جوان اور عورتیں بھی جوان۔ اور سب ہم عمر ہوں گے۔ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں گے۔



لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾

دائیں جانب والوں کیلئے۔ ایک گروہ اگلوں سے۔ اور ایک گروہ پچھلوں سے۔

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾

اور بائیں جانب والے کیا ہیں وہ بائیں طرف والے۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۷) **فائدہ:** جنت میں کوئی مرد یا عورت بوڑھے نہیں ہوں گے۔

حدیث شریف: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بنی عامر کی ایک بوڑھی عورت نے کہا۔ یارسول اللہ دعا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے جنت عطا فرمائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاح سے فرمایا۔ جنت میں کوئی بوڑھی نہیں جائے گی تو وہ رونے لگ گئی تو پھر یہی آیت تلاوت کر کے فرمایا۔ بوڑھیاں جوان ہو کر جنت میں جائیں گی۔ (شمائل ترمذی)

(آیت نمبر ۳۸) مذکورہ تمام اعزازات اور کرامات اصحاب الیمین کو ملیں گے۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ سب سے کم درجے والے جنتی کو اسی (۸۰) ہزار خادم اور اتنی حوریں اور قبہ جو موتیوں اور جواہر سے جڑا ہوگا۔ تو ابرار اولیاء کے درجوں کا کون اندازا لگا سکتا ہے۔ (ابن ابوداؤد)

(آیت نمبر ۳۹) ایک گروہ اگلوں میں سے یعنی پہلی امتوں میں سے۔ **حدیث شریف** : ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمام امتیں مجھے دکھائی گئیں۔ کسی نبی کے ساتھ گروہ ہے۔ کسی کے ساتھ دو اشخاص۔ کسی کے ساتھ ایک بھی نہیں۔ میری امت کے بے شمار افراد فضا میں مجھے دکھائے گئے۔ جن میں سے ستر ہزار بغیر حساب جنت میں جائیں گے۔ (بخاری کتاب الطب)

(آیت نمبر ۴۰) ایک گروہ پچھلوں سے۔ اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ میرے امتی ہیں۔ یعنی میری امت کی دو تہائی تابعین یا حسان ہیں۔ وہ ثلہ اولیٰ ہیں اور قیامت تک آنے والے ثلہ آخر ہیں۔ ایک اور حدیث میں فرمایا۔ اگر ہو سکے تو تم ستر ہزار والوں میں ہونا۔ اگر اس سے عاجز ہو تو اہل طراب میں ہونا۔ یعنی دائیں جانب والوں میں۔ اگر اس سے بھی عاجز ہوئے تو افق والوں میں سے ہو جانا۔ جن میں ملے جلے نیکوکار اور گناہ گار ہوں گے۔

(آیت نمبر ۴۱) اور بائیں جانب والے یہ کفار کے بارے میں تفصیل ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا وہی بائیں جانب والے ہیں۔ تمہیں کیا معلوم کہ وہ بائیں جانب والے کون ہیں۔ اور ان کا بروز قیامت کیسا برا حال ہونیوالا ہے۔

فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ ﴿۴۲﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا کَرِیْمٍ ﴿۴۴﴾

جو جلتی ہوئی آگ اور کھولتے پانی میں۔ اور سائے میں جلتے دھوئیں کی۔ نہ ٹھنڈک دے اور نہ عزت دے۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَكَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ ﴿۴۶﴾

بے شک وہ تھے اس سے پہلے نعمتوں میں۔ اور تھے ڈٹے ہوئے گناہ بڑے پر۔

(آیت نمبر ۴۲) جلتی آگ میں ہونگے۔ آگ جو ان کے تمام مسام اور جسم کے اوں اوں میں گھس کر ان کو جلا دے گی اور یہی نہیں بلکہ کھولتا ہوا پانی انہیں پلایا جائیگا۔ جس سے اندر کی آنتیں وغیرہ سب جل جائیں گی۔

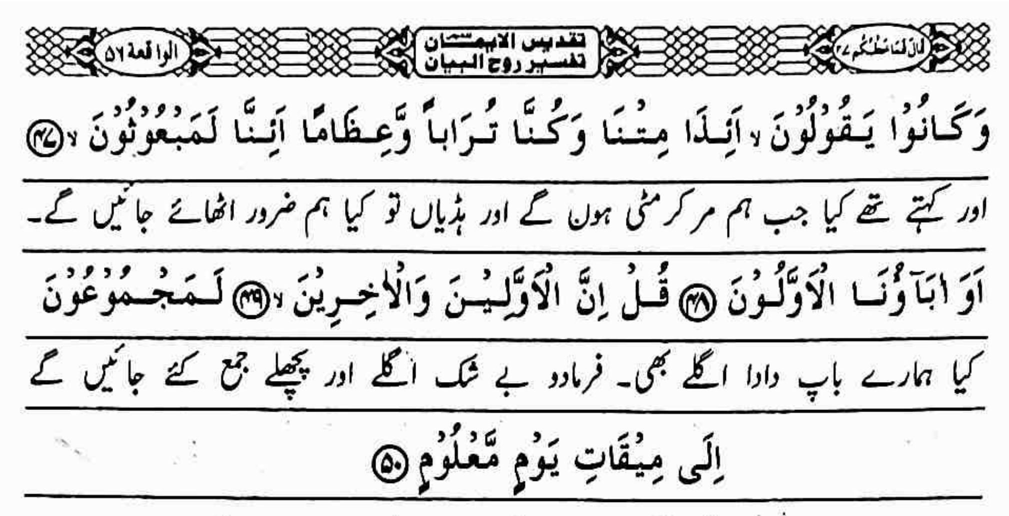
(آیت نمبر ۴۳) اور انہیں سایہ ملے گا جلتی آگ کے دھوئیں کا۔ جو انتہائی سخت کالا ہوگا۔ امام ضحاک نے فرمایا۔ آگ بھی سیاہ۔ دھواں بھی سیاہ اور اس میں داخل ہونے والے بھی سیاہ بلکہ جہنم کی ہر چیز سیاہ ہوگی۔ ان لوگوں کیلئے جو سگریٹ یا حقہ پی کر سیاہ دھواں نکالتے ہیں۔ تمباکو نوشی سے تباہ کن بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ زیادہ تر کینسر اسی کی وجہ ہوتی ہے۔ اسی لئے علماء نے اسے حرام کہا ہے۔

(آیت نمبر ۴۴) وہ دھواں نہ ٹھنڈک دے گا باقی سائیوں کی طرح اور نہ عزت چھوڑے گا کیونکہ سخت آگ سے شکل بگڑ جائے گی اور وہ کتے کی طرح ادھر ادھر بھاگے گا۔ فرشتے اوپر سے ماریں گے۔ وہاں تو ذلت ہی ذلت کیونکہ جہنمی عزت کے تو لائق ہی نہیں ہوں گے۔ دنیا میں جو انہیں عزت ملی تو انہوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا۔

(آیت نمبر ۴۵) بے شک وہ اس سے پہلے یعنی دنیا میں ہر قسم کی نعمتوں میں تھے۔

فائدہ: یہ علت ہے ان کے عذاب کی کہ انہوں نے دنیا میں رہ کر نعمتوں کا غلط استعمال کیا اور اللہ تعالیٰ سے سرکشی کی۔ یہ دنیا میں طرح طرح کی نعمتیں استعمال کرتے (اور مسلمانوں پر ظلم کرتے تھے)۔ اعلیٰ محلوں میں رہتے۔ بڑی ٹھاٹھ سے زندگی بسر کرتے تھے۔ خدا کا نام نہ خود لیتے نہ اوروں کو لینے دیتے)۔

(آیت نمبر ۴۶) اور بہت بڑے بڑے گناہوں پر ضد کرتے۔ یعنی شرک وغیرہ پر ڈٹ جاتے اور قسمیں کھا کر جھوٹ بولتے اور کہتے مرنے کے بعد زندہ ہونا نہیں ہے اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ دنیا کی محبت ہر گناہ کی اصل ہے اور گناہ جہنم میں لے جانے والا ہے۔



وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا اَئِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۙ ﴿۴۷﴾

اور کہتے تھے کیا جب ہم مر کر مٹی ہوں گے اور ہڈیاں تو کیا ہم ضرور اٹھائے جائیں گے۔

اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۙ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ

کیا ہمارے باپ دادا اگلے بھی۔ فرمادو بے شک اگلے اور پچھلے جمع کئے جائیں گے

اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾

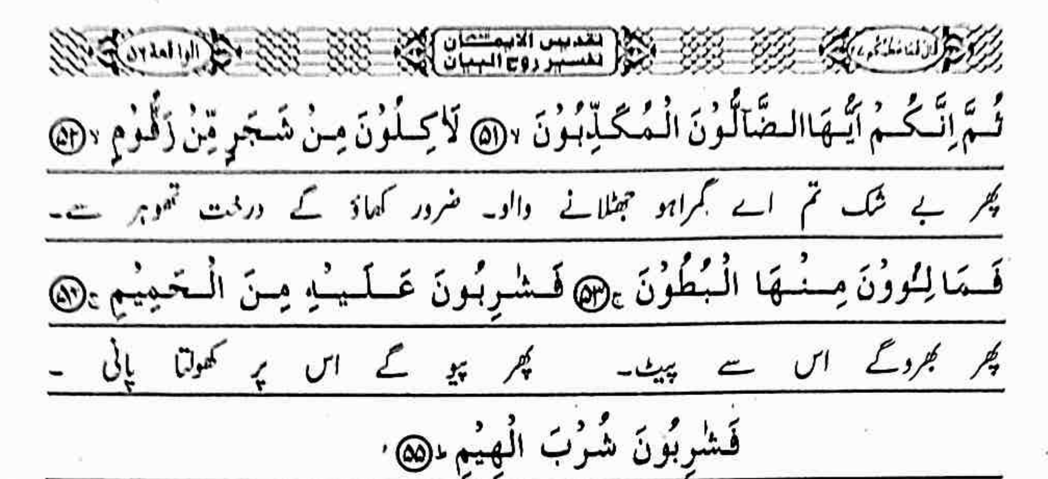
ضرور ایک وعدے جانے ہوئے دن میں۔

(آیت نمبر ۴۷) دنیا میں یہ بڑی سرکشی اور عناد سے کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے۔ ہمارے گوشت پوست اور ہڈیاں مٹی سے مل جائیں گی۔ کیا واقعی ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ یعنی جب بدن مٹ جائیں گے۔ پھر کیسے زندہ ہوں گے۔ یعنی وہ مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کے سخت منکر تھے۔

(آیت نمبر ۴۸) کیا ہم سے پہلے باپ دادا پردادا یا ماں سے اوپر کے رشتے وغیرہ وہ بھی زندہ ہونگے اور مرنے کے بعد کیا وہ دوبارہ اٹھیں گے۔ جواب تک مٹی سے مل گئے۔ بے نام ونشان ہوگئے۔ وہ کیسے زندہ ہوں گے۔ یعنی ان کا یہ خیال تھا کہ دوبارہ زندہ ہونا بالکل محال ہے۔

(آیت نمبر ۴۹) اے محبوب فرمادیں۔ بے شک پہلے اور پچھلے یعنی جو امتیں پہلے گذریں اور تم اور تمہاری اولادیں جو بھی ہوں۔ سب کے سب جو مر گئے۔ مر رہے ہیں یا مریں گے۔ وہ سب ایک دن مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اپنی قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔

(آیت نمبر ۵۰) پھر تمام ضرور اکٹھے کئے جائیں گے۔ ایک مقررہ میعاد کیلئے۔ وہ ایک ایسا وقت ہے۔ جس کی حد بندی اللہ تعالیٰ نے بہت پہلے فرمادی۔ وہ اسی کو معلوم ہے۔ اسی نے معین فرمائی ہے۔ یعنی ایسا دن جو دنیا کا آخری دن ہے اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔ جیسے میقات حد بندی کو کہا گیا ہے۔ جہاں سے آگے بغیر احرام کے کوئی مسلمان نہیں جا سکتا۔ اس طرح یہاں بھی میقات سے مراد قیامت ہے۔ (اس سے آگے دنوں کا سلسلہ ختم ہو جائیگا)۔



ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾

پھر بے شک تم اے گمراہو جھٹلانے والو۔ ضرور کھاؤ گے درخت تھوہر سے۔

فَمَالِـٴُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿۵۴﴾

پھر بھرو گے اس سے پیٹ۔ پھر پیو گے اس پر کھولتا پانی۔

فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿۵۵﴾

تو پیو گے جیسے پیتا ہے سخت پیاسا اونٹ۔

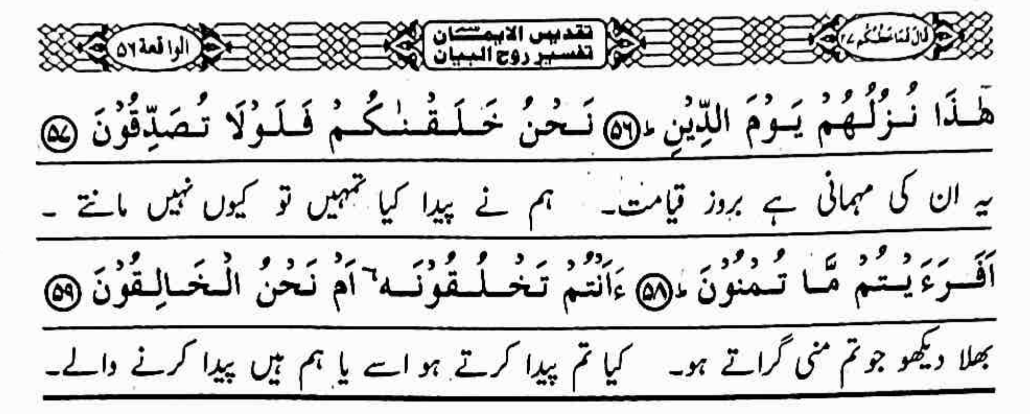
(آیت نمبر ۵۱) پھر بے شک تم اے مکے والو گمراہو اور جھٹلانے والو۔ یہ خطاب مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر اعتراض کرنے والوں کو ہے اور اس کا عطف "الاولون" پر ہے۔ یعنی اے حق اور ہدایت سے دور قیامت کی تکذیب کرنے والو۔ اور نبی ﷺ کی ہر ہر بات پر اعتراض کرنے والو۔

(آیت نمبر ۵۲) تم مرنے کے بعد جب دوبارہ زندہ ہو گے۔ حشر کے بعد جہنم میں جاؤ گے تو ضرور کھاؤ گے۔ تھوہر کے درخت سے جو انتہائی کڑوا اور بدذائقہ ہوگا۔ اور بدبودار ہوگا۔ جسے قرآن میں شجرہ ملعونہ کہا گیا ہے۔ وہ تمہیں کھانے کیلئے ملے گا۔ جو بادل نخواستہ کھانا ہوگا۔ اور پٹائی الگ ہوگی، سانپ بچھو الگ کاٹتے ہوں گے۔

(آیت نمبر ۵۳) اسی سے تم اپنے پیٹوں کو بھرنے والے ہو گے۔ یعنی اس بدمزہ کو بھی کھاؤ گے۔ یا تمہیں وہ زبردستی کھلایا جائیگا۔ یہ تمہیں عذاب پر عذاب ہوگا۔ یعنی اس آیت میں ان کے انتہائی سخت عذاب کا بیان ہے۔

(آیت نمبر ۵۴) تھوہر کا درخت کھانے کے بعد سخت پیاس جب ستائے گی تو فوراً پئیں گے۔ انتہائی سخت گرم اور جوش مارتا پانی۔ یہ اس سے بھی بڑا عذاب بن جائے گا۔ نہ اس سے منہ لگ سکے۔ نہ پیٹ میں جا کر سکون دے گا۔

(آیت نمبر ۵۵) تو اس گرم پانی کو پیاسے اونٹ کی طرح پئیں گے۔ یعنی وہ پینا دنیوی پینے کی طرح نہیں ہوگا۔ جو مزے لے کر پیتے تھے۔ هیــــم وہ اونٹ جو پانی پیتا جاتا ہے۔ مگر اس کی پیاس ختم نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ وہ مر جائے یا پیٹ پھٹ جائے۔ تو جہنمی بھی جب سخت گرم پانی پئیں گے تو اس سے پیٹ کی آنتیں بھی ان کی کٹ کر باہر آ جائیں گی اور وہ اسے رک رک کر پئیں گے۔ جیسے گرم چاہے پیتے ہیں۔



هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾

یہ ان کی مہمانی ہے بروز قیامت۔ ہم نے پیدا کیا تمہیں تو کیوں نہیں مانتے۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

بھلا دیکھو جو تم منی گراتے ہو۔ کیا تم پیدا کرتے ہو اسے یا ہم ہیں پیدا کرنے والے۔

(آیت نمبر ۵۶) یہ ان کی مہمانی ہے قیامت کے دن یعنی پہلے سے ہی ان کیلئے تیار کر دی گئی۔ جیسے مہمان کیلئے اس کے آنے سے پہلے ہی کھانا وغیرہ تیار کر کے پیش کیا جاتا ہے۔

سبق: یہ ان کی خاطر جاتے ہی ہوگی۔ آگے جو زمانہ ان کا گذرے گا۔ اس میں ان کیا کیا برا حال ہوگا۔ کیونکہ دوزخ ہی ان کا ہمیشہ کیلئے ٹھکانہ ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا کہ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو۔ یہ کلام بطریق تذلیل کی گئی ہے۔ کہ ان کی ذلت رسوائی اور ہر وقت پٹائی ہوگی۔

(آیت نمبر ۵۷) ہم نے تمہیں پیدا کیا تو پھر اے کافرو۔ تم مانتے کیوں نہیں۔ یعنی جب تم عدم محض تھے تو ہم نے تمہیں اپنے کرم سے پیدا کر لیا۔ اب دوبارہ زندہ کرنا ہمارے لئے کیا مشکل ہے۔ پہلی دفعہ کو مانتے ہو تو دوبارہ زندہ ہونے کا کیوں انکار کرتے ہو۔ دوبارہ زندہ کرنا تو پہلی مرتبہ سے زیادہ آسان ہے۔

(آیت نمبر ۵۸) بھلا دیکھتے ہو جو منی گراتے ہو۔ یعنی اپنی عورتوں کے رحموں میں جو تم منی ڈالتے ہو۔ (اسے کون خون اور پھر لوتھڑا۔ پھر گوشت اور ہڈی بناتا ہے اور پھر کون اس میں روح ڈالتا ہے۔ آخر کوئی ذات ہے۔ جو اتنے مراحل کے بعد ایک مکمل انسان بنا کر ماں کے پیٹ سے باہر نکالتا ہے۔ وہی قیامت کے دن بھی سب کو زندہ فرمائے گا۔ اس میں کیوں شک کرتے ہو۔

(آیت نمبر ۵۹) کیا تم اسے پیدا کرتے ہو۔ یعنی اس منی کے بعد اس کی باڈی شکل وصورت تم بناتے ہو اور مکمل تیار کر کے ماں کے پیٹ سے تم باہر لاتے ہو یا نر اور مادہ تم بناتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔

فائدہ: حقیقت یہی ہے کہ ہم ہی اسے پیدا کرنے والے ہیں اور ہم ہی اسے ماں کے پیٹ سے باہر لانے والے ہیں۔ مخلوق میں سے کسی میں یہ قدرت نہیں۔ تو پھر اس ہماری قدرت کو دنیا تک ہی کیوں محدود سمجھتے ہو۔

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَانَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿٦٠﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ

ہم نے مقدر کیا تم میں موت کو اور نہیں ہم پہل کرنے والے۔ اس پر کہ ہم بدل کر تم جیسے

وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى

اور پیدا کریں اور تمہیں ایسا پیدا کریں جو نہیں تم جانتے۔ اور تحقیق جان لیا تم نے اٹھان پہلی کو

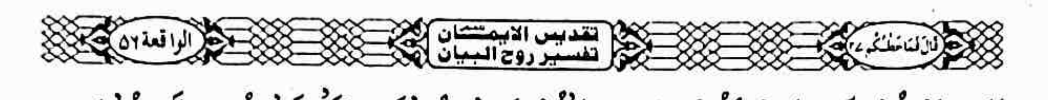
فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾

پھر کیوں نہیں سوچتے۔

(آیت نمبر ٦٠) ہم نے ہی تمہارے درمیان موت مقدر فرمائی۔ یعنی ہر ایک کی موت کا وقت مقرر فرما دیا۔ جیسا کہ ہماری مشیت کا تقاضا تھا۔ جس میں کئی حکمتیں تھیں۔ کسی کی چھوٹی عمر میں کسی کو بڑی عمر میں موت دی۔ آگے فرمایا کہ ہم اس میں سبقت کرنے والے نہیں ہیں۔ یعنی وقت سے پہلے موت نہیں بھیجتے۔ موت اپنے پورے وقت پر آتی ہے۔ اس میں بھی امتحان ہے۔ **حکایت:** علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مجھے ایک دن سحری کے وقت خواب میں کہا گیا۔ صبر کر۔ وہی ہوگا جو مقدر میں ہے۔ چند ہی دن بعد میری بچی بیمار ہو کر فوت ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ اسے میرے لئے شافعہ مشفعہ بنائے۔

(آیت نمبر ٦١) اس بات پر کہ ہم تبدیل کر دیں تمہارے جیسے اور لوگ یعنی اگر ہم تمہیں لے جائیں اور تمہاری جگہ تم جیسے اور لوگ لے آئیں۔ اس بات کی ہمیں قدرت ہے۔ ہم پر کوئی غالب نہیں۔ ہمیں سب پر غلبہ حاصل ہے۔ آگے فرمایا۔ ہم تمہاری طرح کی تخلیق واطوار میں وہ پیدا کر سکتے ہیں۔ جنہیں تم نہیں جانتے۔ **فائدہ:** حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ہم تمہیں پہلی قوموں کی طرح شکل مسخ کر کے بندر خنزیر بنا دیں اور دوسرے لوگوں کو لے آئیں۔ جنہیں تم نہیں جانتے۔ ہم ایسا کرنے پر قادر ہیں، لہذا ایسا کرنے سے ہم عاجز نہیں ہیں۔ **فائدہ:** یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں وعید ہو کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو نہیں جانتے یا وہ ان اشیاء کی صفات سے آگاہ نہیں ہیں۔

(آیت نمبر ٦٢) اور البتہ تحقیق نشاۃ اولیٰ کا تو تمہیں علم ہے ہی کہ تم نطفہ سے علقہ پھر مضغہ بنے۔ پھر بچہ بن گیا۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ نشاۃ اولیٰ سے مراد خلقت آدم علیہ السلام ہے۔ اس میں ان کی تخلیق جو مٹی سے ہوئی۔ اس کی طرف اشارہ ہے۔ لہذا ہمیں تقدیر الٰہی پر ایمان رکھنا چاہئے۔



اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿٦٣﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿٦٤﴾

کیا دیکھا تم نے جو تم بیج ڈالتے ہو۔ کیا تم کھیتی اگاتے ہو یا ہم ہیں کھیتی تیار کرنے والے

(بقیہ آیت نمبر ۶۲) آگے فرمایا۔ تو تم اس میں کیوں نہیں سوچتے۔ یا اس سے تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ یعنی جو ذات پہلی تخلیق پر قادر ہے۔ وہ دوسری تخلیق (اس کے اعادے) پر بھی قادر ہے کیونکہ دوسری بہ نسبت پہلی کے زیادہ آسان ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ اس کی تکذیب پر تعجب ہے۔ جو نشاۃ اولیٰ کو مانتا ہے۔ لیکن نشاۃ ثانیہ کا منکر ہے اور اس پر بھی تعجب ہے۔ جو نشاۃ ثانیہ یعنی آخرت کی تصدیق کرتا ہے لیکن اس کی ساری جدوجہد دارالغرور یعنی دنیا ہی کیلئے ہے (تفسیر قرطبی)۔ **فائدہ**: اس آیت میں قیاس پر بھی دلیل ہے۔ یعنی جو نشاۃ اولیٰ کا قائل ہے۔ اسے نشاۃ ثانیہ بھی ماننی چاہئے۔ لیکن افسوس ہے کہ ایک کا قائل ہے اور دوسری سے جاہل اس کے لئے لازم ہے کہ جس کا قائل ہے اس سے جہالت کو دور کرے (اسی کو قیاس کہتے ہیں)۔

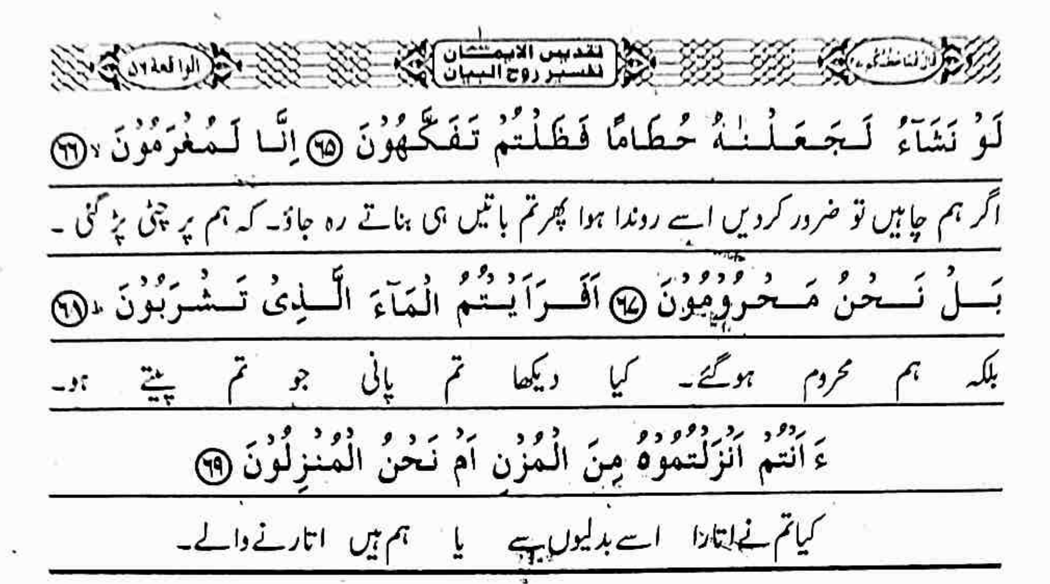
(آیت نمبر ۶۳) بھلا بتاؤ کہ جو تم زمین میں کھیتی باڑی کرتے ہو۔ یعنی زمین میں بیج ڈالتے ہو پھر پانی پلاتے ہو۔ حرث کا معنی ہے۔ زمین کو بیج ڈالنے سے پہلے فصل پکانے کیلئے تیار کرنا۔ یعنی غور کرو کہ فصل کیسے تیار ہوتی ہے۔

(آیت نمبر ۶۴) کیا تم کھیتی اگاتے اور اسے بڑھاتے ہو اور اس کو آخری منزل تک پہنچاتے ہو۔ یا ہم اسے اگانے والے ہیں۔ تم اگانے والے نہیں ہو۔ نہ اگا سکتے ہو نہ بڑھا سکتے ہو۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی کاری گری ہے کہ وہ کس طرح تمہارے لئے اور تمہارے جانوروں کیلئے غذا زمین سے نکالتا ہے۔ یعنی انسان تو صرف زمین کو نرم کر کے بیج ڈال دیتا ہے۔ آگے سارے کام اللہ تعالیٰ کے ہیں۔

فائدہ: یہ سب خدائی کام ہیں۔ بندوں میں یہ قدرت کہاں ہے۔ کہ وہ کچھ بھی پیدا کر سکے۔

حدیث شریف: تم میں کوئی یہ نہ کہے میں نے کھیتی اگائی کیونکہ کھیتی اگانے والا اللہ تعالیٰ ہے (سنن الکبریٰ)۔ اگرچہ کھیتی باڑی ہل وغیرہ چلانا بندوں کا کام ہے لیکن اس میں خوشہ یا دانہ اگانا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

کھیتی بڑھانے کا وظیفہ: تعوذ اور تسمیہ کے بعد یہی آیات پڑھے اور کہے "اللّٰه زارع والمنبت والمبلغ اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد وارزقنا ثمرہ الخ" یہ دعا اس کھیتی کیلئے امان ہوگی۔ آفات۔ کیڑوں مکوڑوں اور ٹڈیوں سے نجات ملے گی۔ یہ بھی قیاس کی دوسری قسم ہے کہ جو ذات خشک زمین سے فصل اگا سکتا ہے۔ وہ انسانوں کو بھی دوبارہ زندہ کر سکتا ہے۔



لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿٦٥﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿٦٦﴾

اگر ہم چاہیں تو ضرور کردیں اسے روندا ہوا پھر تم باتیں ہی بناتے رہ جاؤ۔ کہ ہم پر چٹی پڑ گئی۔

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿٦٧﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿٦٨﴾

بلکہ ہم محروم ہوگئے۔ کیا دیکھا تم پانی جو تم پیتے ہو۔

ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿٦٩﴾

کیا تم نے اتارا اسے بدلیوں سے یا ہم ہیں اتارنے والے۔

(آیت نمبر ٦۵) اگر ہم چاہیں تو تمہاری نافرمانیوں کی وجہ سے ہم تمہاری اگی ہوئی کھیتی کا بھوسہ بنانا چاہیں اور یا ریزہ ریزہ کرنا چاہیں تو ہم کر سکتے ہیں۔ یعنی جس کھیتی کے فصل سے تم غلہ کی امید رکھتے تھے۔ ہم اسے چورہ چورہ کر کے ضائع کردیں اور تم باتیں ہی کرتے اور تعجب کرتے رہ جاؤ یا اپنے کئے پر نادم و پشیمان ہوجاؤ۔

(آیت نمبر ٦٦) اور تم یہ کہو کہ ہم پر تو چٹی پڑ گئی۔ یعنی جو اس پر خرچ کیا تھا۔ وہ بھی ہمیں نہ مل سکا۔ ہماری سال بھر کی محنت کا صلہ ملنا تو درکنار اس میں جو ہم نے بیج وغیرہ ڈالا تھا۔ وہ بھی ہمیں وصول نہ ہوسکا۔

(آیت نمبر ٦٧) بلکہ ہم تو محروم ہوگئے۔ اپنے رزق سے ہم بےنصیب ہوگئے۔ ہمیں خوشحالی نصیب نہ ہو سکی۔ **حدیث** میں ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے کھیت کے پاس سے گذرے تو فرمایا۔ اس میں بیج کیوں نہیں ڈالتے۔ انہوں نے کہا یہ قحط زدہ ہے۔ تو فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کھیتی میں اگاتا ہوں۔ چاہے تو پانی سے اگائے یا ہوا سے اگائے۔ بیج ڈالنا تمہارا کام ہے اور کھیتی اگانا رب کا کام ہے۔ (تفسیر الثعلبی)

(آیت نمبر ٦٨) کیا تم نے دیکھا ہے جو تم پانی پیتے ہو بلکہ ہر ذی روح چیز کی زندگی پانی سے وابستہ ہے۔ میٹھا۔ ستھرا صاف۔ اگرچہ پانی اور بھی کاموں میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اس کے اہم مقاصد میں انسان کا اسے پینا ہے کیونکہ تمام ذی روح چیزوں کا پانی کے بغیر تو جینا محال ہوجائے۔

(آیت نمبر ٦٩) کیا یہ پانی تم نے بدلیوں سے اتارا ہے۔ یا ہم اسے اپنی قدرت سے اتارنے والے ہیں۔ یعنی یہ سب کچھ ہماری قدرت سے ہو رہا ہے۔ کہ ہم بدلیوں کو چلا کر وہاں لے جاتے ہیں۔ جہاں ہم بارش برسانا چاہتے ہیں۔ یہ کام ہمارے بغیر کوئی نہیں کرسکتا۔

لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿٧١﴾

اگر ہم چاہیں کردیں اسے کھاری تو پھر کیوں نہیں شکر کرتے۔ کیا تم نے دیکھی آگ جسے تم روشن کرتے ہو

ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً

کیا تم نے پیدا کیا اس کا درخت یا ہم ہیں پیدا کرنے والے۔ ہم نے ہی بنایا اسے یادگار

وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿٧٣﴾

اور نفع مسافروں کیلئے۔

(آیت نمبر ۷۰) اگر ہم چاہتے تو اسے کھاری بنا دیتے۔ یعنی ایسا کڑوا اور بے مزہ کہ اس کا پینا محال ہوتا۔ کھانے والی چیز کی وعید سخت تھی بہ نسبت پینے کی چیز کے چونکہ کھانے کی حاجت پینے کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ آگے فرمایا تو پھر تم شکر کیوں نہیں ادا کرتے۔ یعنی جن کھانے اور پینے کی نعمتوں کا ذکر ہوا ہے۔ وہ ہم نے تمہیں وافر دیا۔ تو اس پر تمہارا حق ہے کہ تم نعمتیں دینے والے کا شکریہ ادا کر کے اس کی توحید کا اقرار کرو اور اس کے حکموں پر چلو۔ اس کی ہر کام میں اطاعت کر کے شکر گذار بنو۔ تا کہ تمہیں مزید عطا کیا جائے۔

(آیت نمبر ۷۱) بھلا یہ بتاؤ کہ جو آگ تم روشن کرتے ہو۔ اہل عرب بلکہ پرانے دور میں چقماق وغیرہ سے آگ روشن کرتے تھے۔ یعنی دو لکڑیوں کو ملا کر آپس میں رگڑتے تو اس سے آگ پیدا ہو جاتی تھی۔

(آیت نمبر ۷۲) کیا تم نے اس کا درخت پیدا کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس درخت کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا فرمایا ہے۔ جس طرح باقی درختوں اور پودوں کو اس نے پیدا کیا۔ اس کے علاوہ کسی میں یہ قدرت نہیں ہے۔

(آیت نمبر ۷۳) ہم نے اسے یادگار بنایا تا کہ لوگوں کو اس کے فوائد معلوم ہوں اور وہ اس کے ذریعے اسباب معاش تیار کریں۔ یا یہ مطلب ہے۔ اس کی وجہ سے جہنم کی یاد دلائی کہ جہنم میں بھی اس طرح کی آگ ہوگی تا کہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جہنم کی آگ تمہاری اس آگ سے ستر گنا زیادہ سخت ہے۔ (بخاری، باب کیف بدء الخلق)

منکرین عذاب قبر پر حجت: عین المعانی میں ہے کہ یہ آیت منکرین عذاب قبر کیلئے حجت ہے۔ وہ اس طرح کہ جیسے لکڑی کے باہر آگ نظر نہیں آتی مگر اس کے اندر آگ موجود ہے۔ اسی طرح کسی کافر مردہ کو عذاب ہوتا ہوا ہم نہ دیکھ سکیں۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے عذاب نہیں ہو رہا۔ عالم برزخ میں اسے ضرور عذاب ہو رہا ہے۔



فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾ فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ﴿٧٥﴾

پھر تسبیح پڑھ ساتھ نام رب اپنے کے جو بڑا ہے۔ مجھے قسم ہے ان جگہوں کی جہاں ستارے ڈوبتے ہیں

وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿٧٦﴾

بے شک یہ ضرور قسم ہے اگر جانو تو بہت بڑی۔

(بقیہ آیت نمبر۷۳) اسی طرح قبر میں ظاہراً آگ نظر نہیں آتی مگر حقیقتاً کفار و مشرکین آگ میں جل رہے ہیں۔ آگے فرمایا کہ اس درخت میں مسافروں کیلئے بھی نفع ہے۔ اس لئے کہ ہر وقت آگ اٹھانا مشکل کام تھا۔ مسافروں کا ذکر بھی اس لئے کیا کہ ان کو اس کی زیادہ ضرورت تھی کہ سردی میں آگ سے گرم ہوسکیں۔ کھانا وغیرہ پکا سکیں۔ گویا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔

(آیت نمبر۷۴) اے محبوب اپنے رب عظیم کی پاکی بیان کریں۔

فائدہ: یہ تسبیح رب تعالیٰ کی نعمتوں کے شکرانہ میں ہے اور ذکر رب سے مراد تلاوت قرآن مجید ہے۔ عظیم رب تعالیٰ کی صفات میں سے ہے۔ کہ اس رب کی تسبیح کرو۔ کیونکہ وہ اعظم ہے۔ اسے کسی کی حاجت نہیں سب اس کے محتاج ہیں۔ وہ ذات پاک ہے بندوں کو تسبیح پڑھنے کا حکم دیا تا کہ وہ بھی پاک ہو جائیں۔

(آیت نمبر۷۵) مجھے قسم ہے ان مقامات کی جہاں جہاں ستارے ڈوبتے ہیں۔ یعنی وہ جہاں بھی ہیں۔ غروب آفتاب کے بعد ظاہر ہوتے ہیں اور طلوع آفتاب کے بعد غائب ہو جاتے ہیں۔ یا تہجد گذاروں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی والوں کا وقت سحری کا ہے اور یہی وقت نزول رحمت کا ہے۔ جب ستارے ڈوبنے کے قریب ہوتے ہیں۔ **فائدہ:** ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مذہب کے مطابق نجوم سے مراد نجوم القرآن ہے اور بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اصحابی کالنجوم ہے۔ کیونکہ ہر صحابی چمکتا ستارہ ہے۔ اور ہدایت کے متلاشی ان سے روشنی حاصل کر سکتے ہیں۔ یعنی تمام صحابہ ستارے ہیں۔ بعض نے اس سے مراد علماء یا اولیاء یا ان کے مزارات لئے ہیں۔

(آیت نمبر۷۶) بے شک یہ قسم اگر تم جانو تو بہت بڑی ہے۔ اس لئے کہ جس کی قسم دی گئی وہ بڑی عظمت وقدرت وحکمت والا ہے کہ اس نے بندوں کو عظیم الشان کتاب عطا کی۔ اگر انہیں سمجھ ہوتی تو وہ اس کتاب کو عظیم سمجھتے اور اس کے مطابق عمل کرتے۔ گویا اس امر عظیم میں مخاطب کی وعید کا ذکر ہے۔

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾

بے شک یہ قرآن ہے عزت والا۔ کتاب محفوظ میں۔ نہیں چھوتے اسے مگر بہت پاک۔

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾

اتارا ہوا ہے رب العالمین کی طرف سے۔

(آیت نمبر ۷۷) بے شک یہ تو عزت والا قرآن ہے۔ اور اس میں بے شمار منافع ہیں۔ کیونکہ اس میں دنیا وآخرت کے مقاصد کا بیان ہے۔ کریم اس لئے کہ باقی کتب کی نسبت یہ زیادہ احسن اور پسندیدہ ہے۔ اس لئے کہ اس میں مکارم اخلاق اور بڑے بلند امور اور اعلیٰ افعال کا بیان ہے۔ بعض نے فرمایا کہ کریم اس لئے ہے کہ بھیجنے والا بھی کریم اور جن کے پاس آیا وہ بھی کریم ہے۔

(آیت نمبر ۷۸) وہ محفوظ لکھے ہوئے میں ہے۔ یعنی اس پر فرشتوں کے سوا کوئی بھی مطلع نہیں۔ وہ لوح محفوظ میں ہے۔ علماء ظاہر کے لئے تو وہ پردۂ اخفاء میں ہے۔ اگر انہوں نے کچھ سمجھا ہے تو صرف اس کے ظاہر کو۔ حقائق کو وہ نہیں جان سکے۔ البتہ علماء باطن کے سامنے اس کا عقدہ کھلا اور انہیں اس کی حقیقت معلوم ہوئی کیونکہ قرآن مجید کے عجائب وغرائب کی کوئی انتہا نہیں۔

(آیت نمبر ۷۹) اسے ہاتھ نہیں لگاتے مگر پاک۔ اس سے مراد فرشتے ہیں۔ جو ہر طرح کی جسمانی گندگیوں سے پاک ہیں اور گناہوں سے معصوم ہیں۔ قرآن کو مصحف بھی کہا جاتا ہے۔ **حدیث**: بے وضو قرآن کو ہاتھ نہ لگائے۔ (رواہ مالک) **مسئلہ**: بے وضو قرآن کو ہاتھ نہ لگائے۔ البتہ اگر اس پر کپڑے کا الگ غلاف ہو تو جائز ہے۔ اگر زبانی پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ قرآن کو بے وضو آدمی بھی ہاتھ لگا سکتا ہے وہ غلط کہتے ہیں۔ جس آیت کا ترجمہ یا تفسیر حضور نے بیان کردی۔ پھر دنیا کا کوئی مولوی مفتی اپنی رائے اس میں نہیں دے سکتا۔)۔ **مسئلہ**: جنبی حالت میں نہ پڑھ سکتا ہے نہ قرآن پکڑ سکتا ہے۔ خالی دیکھ سکتا ہے۔ **فائدہ**: جس کاغذ پر آیات لکھی ہوں یا درہم وغیرہ پر لکھی ہوں تو بے وضو اسے بھی نہیں پکڑ سکتے۔ (ان مسائل پر مزید تفصیل فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں)۔

(آیت نمبر ۸۰) قرآن پاک کا اترنا رب العالمین کی طرف سے ہے۔ یہاں تنزیل بمعنی منزل ہے۔ یعنی یہ علت ہے بے وضو ہاتھ نہ لگانے کی کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے۔ لہذا اس کی تعظیم یہی ہے کہ اسے کوئی بھی جن وانس بے وضو حالت میں ہاتھ نہ لگائے۔

أَفَبِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ ﴿٨١﴾ وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ﴿٨٢﴾

تو کیا اس بات میں تم سستی کرتے ہو۔ اور کرتے ہو اپنا حصہ یہ کہ تم اسے جھٹلاتے ہو۔

فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ ﴿٨٣﴾ وَأَنتُمْ حِينَئِذٍ تَنظُرُونَ ﴿٨٤﴾

تو کیوں نہیں جب نکل کر جان گلے تک پہنچے گی اور تم اس وقت دیکھتے رہو۔

(آیت نمبر ۸۱) تو کیا ایسی حدیث یعنی وہ کتاب جس کی صفات بیان کی گئیں۔ جو اس کے عظیم ہونے اور بزرگ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ **فائدہ**: قرآن مجید کو حدیث اس لئے کہا گیا ہے کہ اس میں بڑے بڑے حوادث کا بیان ہے تو فرمایا اے اہل مکہ تم اس قرآن پاک کے معاملے میں سستی برتنے والے ہو یا اس کو ہلکا جانتے ہو۔ جیسے کوئی شخص کسی کام کو حقیر جان کر اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ یا کوئی کسی کیلئے نرم گوشہ رکھتا ہے۔

مداہنت اور مدارات میں فرق: الاحیاء میں ہے۔ مداہنت کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنی نفسانی خواہش اور دنیوی نفع کیلئے کسی کی عزت کرتا ہے تو یہ مداہنت ہے اور اگر دوسرے کی اصلاح کیلئے اس کی عزت کرے تو یہ مدارات ہے۔ مسلمان کو کبھی بھی کسی کافر کی مداہنت نہیں کرنی چاہئے۔

(آیت نمبر ۸۲) اور تم اپنے حصہ کو یوں حاصل کرتے ہو کہ تم اسے جھٹلاتے ہو یا تم اپنے رزق کا شکریوں کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے کے بجائے یوں کہتے ہو یہ فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوتی ہے۔ اور ہمیں رزق فلاں بت کی وجہ سے ملتا ہے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ مجھے امت کی طرف سے تین باتوں کا بہت خطرہ ہے: (۱) خلیفوں کا ظلم وستم۔ (۲) تقدیر کو جھٹلانا۔ (۳) ستاروں پر ایمان رکھنا۔ (رواہ ابن حبان فی الصحیح الجامع)

(آیت نمبر ۸۳) تو کیا جب سانس حلقوم تک پہنچے گا۔ یعنی روح گلے تک آ جائے گی۔ عزرائیل علیہ السلام اور ان کے ساتھی مددگار جب جان نکال کر گلے تک لے آئیں گے۔ کیا تم اس وقت مانو گے۔

(آیت نمبر ۸۴) تم اس وقت دیکھتے ہی رہ جاؤ گے۔ جیسے میت کے اردگرد کھڑے لوگ میت کو دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں اور موت اسے جھٹکے مار رہی ہوتی ہے اور تم اس پر لطف وکرم کرنے کے خواہاں ہوتے ہو اور تم یہ چاہتے ہو کہ اسے ہلاکت اور تکالیف سے جلد نجات ملے لیکن اس وقت تم کچھ بھی نہیں کر سکتے نہ موت سے بچا سکتے ہو۔ نہ جھٹکے ختم کر سکتے ہو۔ (موت کی سختی سے ایمان اور عمل صالح والا ہی بچ سکتا ہے)۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ

اور ہم بہت قریب ہیں اس کی طرف تم سے لیکن تم نہیں دیکھتے۔ تو کیوں نہیں اگر نہ ہو

مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾

تم کو بدلا ملنے والا۔ تم لوٹا لاؤ اسے اگر ہو تم سچے۔ پھر اگر ہے وہ مقربوں سے۔

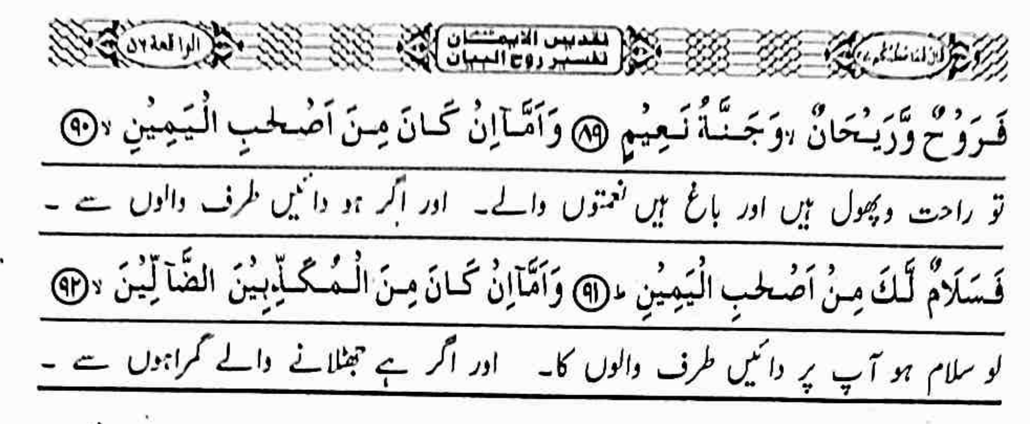
(آیت نمبر ۸۵) اور ہم اس کے زیادہ قریب ہیں۔ یعنی جس پر اب موت طاری ہے۔ علم وقدرت وتصرف کے لحاظ سے اس کے بالکل قریب ہیں۔ تم سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ تم تو صرف ظاہر طور پر قریب ہو اور ظاہر حال کو دیکھ رہے ہو مگر اس کی کنہ اور حقیقت کو نہیں جان رہے۔ نہ ہی تمہیں کوئی قدرت ہے کہ تم اس کے دکھ یا تکلیف کو دور کر سکو۔ چونکہ اس کی تمام تفصیلات سے ہم آگاہ ہیں اور اس سے بہت قریب ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے کہ اب اس پر کیا گذر رہی ہے اور نہ تمہیں ہماری شان کا علم ہے۔ کہ ہم تمہارے کتنے قریب ہیں۔

(آیت نمبر ۸۶) تو یہ کیوں نہ ہوا اگر تم بدلہ نہیں لیتے۔ یعنی تم مارنے والے اور موت دینے والے سے بدلہ لے کر روح واپس بدن میں لوٹا لیتے۔ اور نفس اپنے مقام پر ٹھہرا لیتے۔ یعنی تم جو قیامت کی جزاء وسزا کو نہیں مانتے اور کہتے ہو کچھ نہیں ہوگا۔ نہ مرنے کے بعد اٹھنا ہے نہ قیامت ہے تو پھر اتنا تو کرو۔ کہ فرشتے سے روح چھین کر اپنے مردے کو پھر زندہ کر لو۔ جب تم سے اتنا بھی نہیں ہوسکتا تو سمجھ لو اس سے آگے بھی کوئی کچھ نہیں سکے گا۔

(آیت نمبر ۸۷) کہ مرنے والے کی روح کو واپس کر کے بدن میں ڈال دو۔ اگر تم اپنے اعتقاد میں سچے ہو۔ تمہیں اگر اس کی قدرت نہیں تو پھر یقین کر لو کہ تمہارا ہر کام کسی اور ذات کے قبضہ میں ہے۔ لہذا اس پر ایمان لے آؤ۔

(آیت نمبر ۸۸) پھر اگر وہ مقربین میں سے ہے تو یہ درجات میں عرش کے قریب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو جہات وغیرہ سے بالکل منزہ اور پاک ہے۔ مقرب کا معنی ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قرب میں ہے۔

فائدہ: حشویہ (فرقہ) والے اللہ تعالیٰ کیلئے جہات وغیرہ مانتے ہیں (جیسے آج کل نجدی فرقہ)۔ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین پر نہیں وہ آسمان پر ہے اور وہ کرسی پر بیٹھا ہوا سب کچھ دیکھ رہا ہے۔



فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيمٍ ﴿٨٩﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩٠﴾

تو راحت وپھول ہیں اور باغ ہیں نعمتوں والے۔ اور اگر ہو دائیں طرف والوں سے۔

فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩١﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٩٢﴾

لو سلام ہو آپ پر دائیں طرف والوں کا۔ اور اگر ہے جھٹلانے والے گمراہوں سے۔

(آیت نمبر۸۹) ان کے لئے راحت وآرام ہے۔ یا ان کیلئے رحمت ہی رحمت ہے۔ اس سے حیات دائمی مراد ہے۔ جس کے بعد کوئی موت نہیں۔ **فائدہ:** روح کی راء پر ضمہ ہو تو نفس کی حیات مراد ہے جو بقاء کا سبب ہے اور اگر راء پر فتح ہو تو اس سے مراد راحت ورحمت ہوتی ہے (القاموس)۔ اور ریحان وہ چیز ہے جسے سونگھا جائے۔

فائدہ: ابوالعالیہ نے فرمایا۔ ہر نیک مومن کو موت کے وقت جنت سے پھول لا کر سونگھایا جاتا ہے۔ اس کے دوران اس کی روح قبض کر لی جاتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔ فرشتے جنت سے خوشبو لا کر سنگھاتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ اس نیک مومن کیلئے نعمتوں والے باغ ہیں۔ یعنی جنت میں ہر طرح کی نعمتیں ہیں۔

(آیت نمبر۹۰) اور اگر وہ اپنی دائیں طرف والوں سے ہے۔ یعنی سابقین اور مقربین جو بہت بڑی اوصاف کے مالک ہیں۔ ان کی ایک صفت اصحاب الیمین ہے۔ جو آدم علیہ السلام کے دائیں جانب تھے۔ یا جنہیں دائیں ہاتھ میں اعمالنامہ ملے گا۔ یمین الیمن اور سعادۃ سے استعارہ ہے۔

(آیت نمبر۹۱) تو اے محبوب آپ کو دائیں طرف والوں کا سلام ہو۔ یعنی جو مسلمان موت کے وقت یا موت سے پہلے یا بعد آپ کو سلام بھیجتے ہیں۔ (بائیں جانب والے تو ویسے ہی نبی پر سلام پڑھنے کے قائل نہیں ہیں)۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ حضور ﷺ پر سلام بھیجنے والے جنتی ہیں۔ **فائدہ:** حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اصحاب الیمین وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک مانتے ہیں۔ ان کا انجام سلامتی ہے۔

(آیت نمبر۹۲) اور البتہ اگر وہ جھٹلانے والے گمراہوں میں ہے۔ یعنی اصحاب الشمال بائیں جانب والوں میں ہیں۔ یہ ان کی گویا انتہائی مذمت ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ ان کے لئے عذاب الیم ہے۔ اس لئے کہ وہ ہدایت وحق کو چھوڑ کر گمراہی میں مبتلا ہوئے۔ اور اپنے لئے جہنم کو لازم کر لیا۔

فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيمٍ ﴿۹۳﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيمٍ ﴿۹۴﴾ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ ﴿۹۵﴾

تو مہمانی اس کی کھولتے پانی سے۔ اور داخلہ جہنم کی آگ میں بے شک یہ وہ اعلیٰ درجے کی یقینی بات ہے

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿۹۶﴾

تو تسبیح پڑھیں ساتھ نام اپنے رب بڑے کے۔

(آیت نمبر۹۳) تو ان کی مہمانی کھولتے ہوئے پانی سے کی جائے گی۔ پہلے تھوہر کے کڑوے پتے کھلائے جائیں گے۔ یا انہیں قبر میں جاتے ہی پہلی خاطر کھولتے پانی سے کی جائے گی۔ آگے جہنم میں تو اس کے علاوہ بھی کئی طرح کے عذاب ہوں گے۔

(آیت نمبر۹۴) اور بھڑکتی ہوئی جہنم کی آگ میں داخلہ اور اسی میں ٹھہرنا اور ہمیشہ کا ٹھکانہ ہوگا اور طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہونا۔ **فائدہ**: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ قبر کا عذاب جہنم کے دھوئیں سے دیا جائیگا۔

(آیت نمبر۹۵) بے شک یہ جو کچھ پیچھے مذکور ہوا اس سورۃ میں ضرور وہ اعلیٰ درجے کی یقینی بات ہے۔ یعنی وہ ایسی حق اور سچ بات ہے کہ اس میں کسی قسم کا شک نہیں تغیر وتبدل نہیں ہے۔

فائدہ: ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ یہ یقین حق الیقین کے درجے کا ہے۔

یقین کی تعریف: یقین وہ علم ہے کہ جس سے نفس کو اطمینان حاصل ہو اور شک واضطراب دور ہو گیا ہو۔ اور یہ کہا جا سکے کہ یہ بات انتہائی یقینی ہے اور مبنی برصواب ہے۔ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اگر تمام حجاب میرے آگے سے ہٹ جائیں تو بھی میرے یقین میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ یعنی آخرت کے سب احوال مجھ پر منکشف ہو جائیں اور سب کچھ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں تو بھی میرے یقین میں ذرہ بھر اضافہ نہیں ہوگا۔

دعائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: اے اللہ میں تجھ سے اس ایمان کا سوال کرتا ہوں جو میرے دل میں بس جائے اور اس یقین کا سوال کرتا ہوں جس کے بعد کفر کے بارے میں سوچ ہی نہ ہو۔

(آیت نمبر۹۶) پھر اے محبوب اپنے اس رب کے نام کی تسبیح پڑھیں جو بہت بڑا ہے۔ یعنی اس سورۃ میں جن انعامات کا ذکر ہے۔ ان کا حق ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی شان عظیم کے لائق اس کی تنزیہہ بیان کی جائے کہ نہ اس کی بیوی ہے۔ نہ اولاد ہے۔ نہ اس کا کوئی بھی شریک ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت کو رکوع میں "سبحان ربی العظیم" کہا کرو (مستدرک و مسند احمد بن حنبل) اور جب "سبح اسم ربك الاعلی" اتری تو آپ نے فرمایا۔ سجدے میں "سبحان ربی الاعلی" کہا کرو۔ چونکہ بندہ بندگی میں ہے۔ جب نماز شروع کرتا ہے۔ تو اپنی عجز وانکساری ظاہر کرتے ہوئے وہ اپنے ہاتھ ناف پر باندھ کر کھڑا ہوتا ہے۔ پھر دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شایان شان عاجزی نہیں ہوئی پھر وہ رکوع میں جا کر مزید اپنی عجز وانکساری ظاہر کرتا ہے۔ پھر دیکھتا ہے۔ کہ ابھی بھی کما حقہ انکساری نہیں ہوئی پھر وہ سجدے میں جا کر اپنی جبین نیاز زمین پر رکھ کر کہتا ہے۔ غرور وتکبر تیرا کام ہے۔ رہی عاجزی وہ میرا کام ہے۔ یعنی بندہ سجدے میں جا کر اپنی طرف سے عاجزی کی انتہاء کر دیتا ہے۔

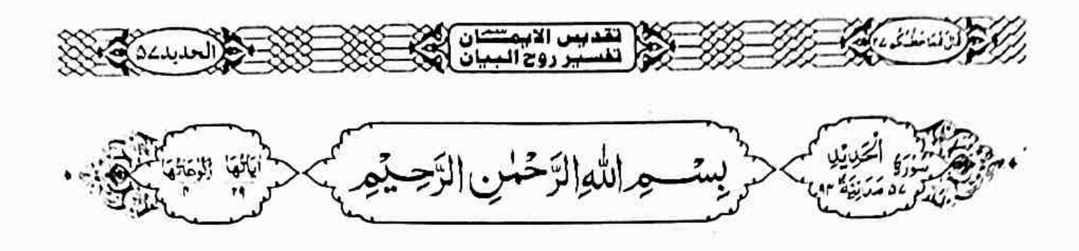
ائمہ کرام کے ارشادات: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ رکوع اور سجدے کی تسبیحات پڑھنا ان کے نزدیک کم از کم ایک دفعہ پڑھنا واجب ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں۔ کہ یہ تسبیحات پڑھنا سنت ہیں۔ اور یہ تاک پڑھی جائیں۔ تین پانچ یا سات مرتبہ گیارہ مرتبہ تک۔

بھوک کا بہترین علاج: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب سخت بیمار ہو گئے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ان کی بیمار پرسی کیلئے تشریف لائے۔ تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آگے رو رہے تھے۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ کیوں رو رہے ہو تو فرمایا کہ میں اپنے گناہوں پر رو رہا ہوں۔ عثمان غنی نے فرمایا۔ کوئی آرزو ہے تو بتاؤ۔ تو انہوں نے فرمایا۔ میں چاہتا ہوں۔ میرا رب مجھ پر رحم فرمائے۔ اور میرے بڑھاپے اور عاجزی کو دیکھ کر مجھے بخش دے۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر کہو تو کسی طبیب ڈاکٹر کو بلا لیں۔ تا کہ آپ کی یہ تکلیف ختم ہو جائے۔ فرمایا کہ طبیب نے ہی تو بیمار کیا ہے۔ پھر عثمان غنی نے فرمایا کہ اگر کہو تو تمہیں کچھ عطیہ دے دوں۔ تا کہ آپ اپنی ضروریات پر خرچ کریں تو فرمایا۔ کہ اس وقت میری کوئی ایسی ضرورت نہیں ہے۔ پھر انہوں نے کہا۔ کہو تو تمہاری بچیوں کو کچھ عطیہ دے دوں۔ تو فرمایا۔ کہ میں نے انہیں وہ چیز دی ہے۔ کہ جس کی وجہ سے اب انہیں کسی عطیہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے انہیں بتایا۔

حدیث شریف: جو سورہ واقعہ پڑھے۔ اسے کبھی فاقہ نہیں آتا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے منہاج العابدین میں فرمایا رزق اور مصیبت کے وقت سورہ واقعہ سے بڑھ کر کوئی ورد نہیں ہے۔

فضیلت سورۂ واقعہ: حضور ﷺ نے فرمایا۔ جو ہمیشہ سورۂ واقعہ پڑھے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا محتاج نہیں ہوگا۔ اس سورۃ کے مزید فضائل دیکھنے کیلئے فیوض الرحمٰن کا مطالعہ کریں۔

سورۂ واقعہ کا اختتام مورخہ ۱۵ مئی ۲۰۱۷ء بمطابق ۱۴ جمادی الثانی ۱۴۳۸ھ بروز منگل



سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۱﴾

تسبیح کہتا ہے اللہ کی جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ عزت وحکمت والا ہے۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲﴾

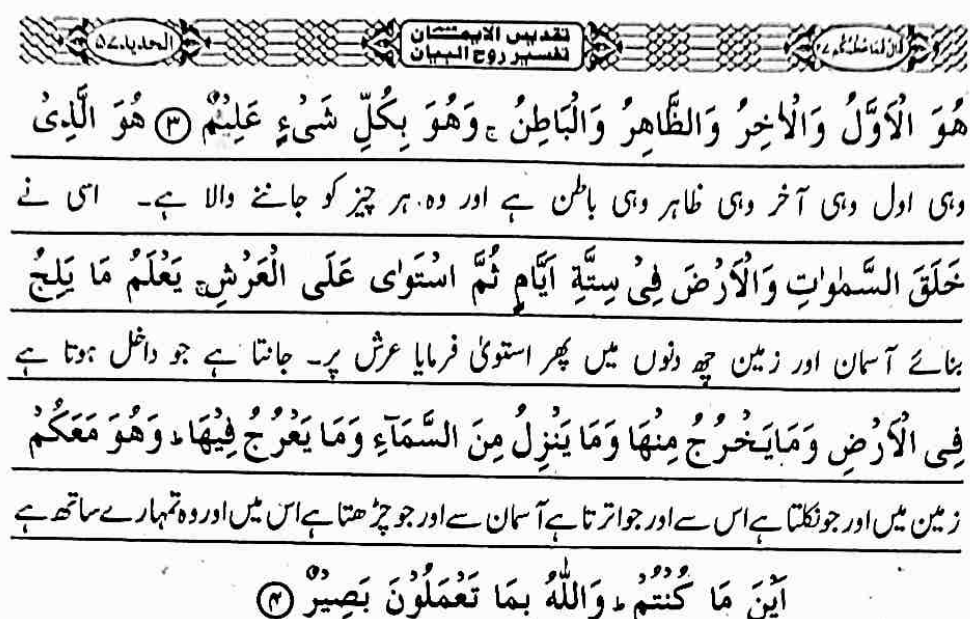
اسی کی بادشاہی آسمانوں اور زمین پر ہے زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(آیت نمبر۱) اللہ تعالیٰ کیلئے ہی تسبیح کہتے ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں۔ تسبیح سے مراد یہ ہے کہ جو امور اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں۔ اعتقاداً۔ قولاً۔ فعلاً۔ ان سے نفی کرتے ہیں۔ **فائدہ:** قرآن مجید میں تسبیح کیلئے سارے صیغے ماضی حال اور مستقبل کے استعمال ہوئے۔ تا کہ ہر حال اور ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہئے۔

سب سے اعلیٰ ذکر: (۱) سبحان اللہ۔ (۲) الحمد للہ (۳) لاالہ الا اللہ۔ (۴) اللہ اکبر ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے بہت پسند فرمایا۔ آگے فرمایا جو بھی چیز آسمانوں یا زمینوں میں ہے۔ خواہ عقل والی ہے یا بغیر عقل کے۔ سب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہئے۔

مسئلہ : تمام مخلوق پیدا ہی اس لئے ہوئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔ لہذا ہر چیز تسبیح تو کہتی ہے خواہ ہمیں سمجھ آئے یا نہ آئے۔ آگے فرمایا۔ وہ غالب ہے۔ یعنی نہ اسے کوئی روکنے والا ہے۔ نہ اس سے کوئی چیز چھین سکتا ہے۔ نہ اس سے کوئی چھپ سکتا ہے۔ اور ایسا حکیم ہے کہ اس کا ہر کام حکمت ومصلحت کے تحت کارفرما ہے۔

(آیت نمبر۲) اسی کا تصرف کلی ہے آسمانوں اور زمینوں میں اور اس کا حکم نافذ ہے اور یہاں ملک سے مراد حقیقی ملکیت ہے ورنہ مجازاً تو ہر بندہ کسی نہ کسی چیز کا مالک ہے۔ آگے فرمایا وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ یعنی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور زندوں کو موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو بھی کرتا ہے اپنی حکمت کے تقاضا کے مطابق کرتا ہے۔ اور اس نے تمام کاموں کے فیصلے کر کے لوح محفوظ میں لکھ دیئے، حتیٰ کہ جنت میں جانے والوں کا بھی فیصلہ کر دیا۔



هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ③ هُوَ الَّذِيْ

وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن ہے اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اسی نے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ

بنائے آسمان اور زمین چھ دنوں میں پھر استویٰ فرمایا عرش پر۔ جانتا ہے جو داخل ہوتا ہے

فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۗ وَهُوَ مَعَكُمْ

زمین میں اور جو نکلتا ہے اس سے اور جو اترتا ہے آسمان سے اور جو چڑھتا ہے اس میں اور وہ تمہارے ساتھ ہے

اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ④

جہاں ہو تم۔ اور اللہ جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے۔

(آیت نمبر۳) وہی اول ہے۔ یعنی ذات وصفات میں وہی مبدا ہے۔ اس سے اولیت بھی ذاتی مراد ہے نہ کہ زمانی اور وہی آخر ہے۔ یعنی جب سب کچھ فنا ہو جائیگا تو پھر اسی کی ذات باقی رہ جائیگی اور وہی ظاہر بھی ہے۔ پوری کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے ظہور پر دلیل ہے اور وہی باطن ہے۔ یعنی اس کی کنہ تک کسی کی رسائی نہیں ہے بلکہ عقل بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔ آگے فرمایا کہ وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ یعنی اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ **فائدہ:** وہ اول ہے ہیبت میں آخر ہے رحمت میں۔ ظاہر ہے حجت میں اور باطن ہے نعمت میں۔ **فائدہ:** اول ہے عطا میں آخر ہے جزاء میں ظاہر ہے ثناء میں اور باطن ہے وفا میں۔ **فائدہ** :اول ہے ہدایت میں، آخر ہے کفایت میں، ظاہر ہے ولایت میں اور باطن ہے رعایت میں۔ (اس کی شرح میں اور بھی علماء نے کئی تفسیریں کی ہیں)۔

(آیت نمبر۴) وہی ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا چھ دنوں میں یعنی ہفتہ کے دن سے جمعہ تک۔ تاکہ لوگ ہر کام سوچ سمجھ کر آرام کے ساتھ کریں۔ اس کے بعد اس نے اپنی شان کے مطابق عرش پر استویٰ فرمایا۔ وہ تمام اجسام پر محیط ہے اپنی رحمانیت کے ساتھ۔ آگے فرمایا۔ وہ جو کچھ زمین کے اندر ہے اسے بھی جانتا ہے۔ یعنی جتنے خزانے دفینے یا موتی اور بیج یا جو بھی بارش کے قطرے گرتے ہیں۔ جو کچھ زمین سے نکلتا ہے۔ یعنی سونا چاندی اور تانبہ وغیرہ کھیتوں سے دانے اور گھاس وغیرہ یا کیڑے مکوڑے اور چشمے وغیرہ وہ ان سب کو وہ جانتا ہے۔ اور آج کل کے حساب سے تیل پیٹرول گیس وغیرہ اور ان اشیاء کو بھی جانتا ہے۔ جو ابھی ہمارے علم میں نہیں۔

لَـهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝٥ يُوْلِجُ الَّيْلَ

اسی کی بادشاہی آسمانوں اورزمین میں ۔اور طرف اللہ کے لوٹائے جائیں گے سب کام۔داخل کرتا ہے رات کو

فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ؕ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝٦

دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں۔ اور وہ جاننے والا ہے دلوں کے راز۔

(بقیہ آیت نمبر۴) اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے۔یعنی کتابیں۔صحیفے یا فرشتے یا بارشیں یا احکام فرشتے لے کر آتے ہیں اور جو کچھ آسمان کی طرف چڑھتا ہے۔جیسے فرشتے یا لوگوں کے اعمال وغیرہ یا نیک ارواح اور دھوئیں وغیرہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔۔آگے فرمایا۔اللہ تعالیٰ تو ہر وقت تمہارے ساتھ ساتھ ہے۔تم جہاں بھی ہو (ذات کے لحاظ سے) یا علم کے لحاظ سے۔(اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے)۔**حدیث شریف** میں ہے کہ افضل ایمان یہ ہے کہ انسان یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اس کے ساتھ ہے وہ جہاں بھی ہو (کنز العمال وشعب الایمان)۔موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا۔اے اللہ تو کہاں ملے گا۔فرمایا۔اے موسیٰ تو جہاں ملنے کا ارادہ کرے گا۔میں وہاں ہی ہونگا۔**فائدہ:** اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ صرف آسمانوں پر نہیں۔بلکہ وہ کائنات کے ذرے ذرے میں ہے اور ہر جگہ موجود ہے۔**فائدہ:** مشائخ فرماتے ہیں۔یہ ساتھ ہونا وہ نہیں جو عقل تصور یا خیال یا ذہن میں آئے اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔وہی ان پر بدلہ بھی دے گا۔**فائدہ:** یہ آیت عقل والوں کو بیدار کرتی ہے اور بیداروں کو اللہ تعالیٰ کا حیا اور خوف کا درس دیتی ہے۔

(آیت نمبر۵) اسی کی بادشاہی آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور سب کام اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹائے جاتے ہیں۔یا سب لوگ لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف لے جائے جائیں گے۔لہٰذا اس کی ملاقات کیلئے تیار رہو۔یعنی وہ کام اور عمل کرو جو اسے پسند ہوں۔**فائدہ** :اس آیت کا پچھلی آیت سے تکرار نہیں کیونکہ پچھلی آیت کا تعلق دنیا سے اور اس آیت کا تعلق آخرت سے ہے۔

(آیت نمبر۶) وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں یعنی رات کا کچھ حصہ دن میں شامل کر دیتا ہے جیسے انگلینڈ وغیرہ میں دن بڑھ کر کہیں پندرہ کہیں اٹھارہ گھنٹے تک چلا جاتا ہے اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے۔پھر اگلے موسم میں رات بڑی ہو جاتی ہے۔بعض جگہ دن رات برابر بھی ہوتے ہیں بہر حال دن اور رات چوبیس گھنٹے کے ہو جاتے ہیں۔اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بیان کیا گیا ہے تاکہ کفار اس میں خوب غور وفکر کریں اور اللہ تعالیٰ سینوں کے بھید کو بھی خوب جانتا ہے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

ایمان لاؤ اللہ اوراس کے رسول پراورخرچ کرواس میں سے جو بنایا تمہیں جانشین اس میں پھر جوایمان لائے

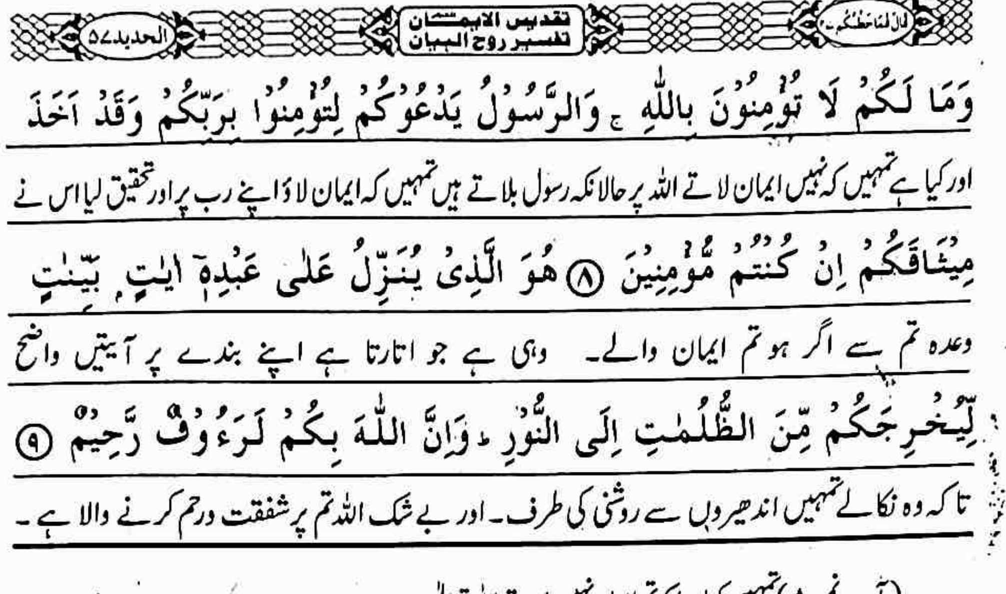
مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ۝۷

تم میں اورخرچ کیاان کیلئے اجر ہے بڑا۔

(بقیہ آیت نمبر ۶) یعنی وہ پوشیدہ اسرار ورموز اور عقائد جولازم ہیں جو سینے میں بہت زیادہ چھپے ہوئے ہیں۔ انہیں بھی جانتا ہے۔ **فائدہ**: اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے علم کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ بندوں کی نیتوں کو بھی جانتا ہے جووہ دلوں میں چھپاتے ہیں۔ **فائدہ**: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سورہ حدید کی پہلی چھ آیات کواگر مجاہد لکھ کراپنے پاس رکھے تواس پر کسی دشمن کا کوئی وار اثر نہیں کرے گا۔ گویا یہ آیات اسم اعظم کا کام کرتی ہیں۔

(آیت نمبر ۷) ایمان لاؤ اللہ اوراس کے رسول پراور خرچ کرواس میں سے جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں جانشین بنایا پہلوں کا۔ (یعنی جو مال وراثت کا تم نے باپ دادا سے پایا۔ اس میں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دو۔ تاکہ تمہیں بھی ثواب ملے۔ اور تمہارے مسلمان باپ دادا کو بھی)۔ **شان نزول**: یہ آیت غزوۂ ذات العشیرہ یعنی غزوۂ تبوک کے موقع پر نازل ہوئی۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اوروں کا جانشین بنایا ہے توتم اپنے آپ کوان کے مال کا حقیقی مالک نہ سمجھو کیونکہ جوپچھلوں سے لیکر تمہیں دے سکتا ہے۔ وہ تم سے لیکر اوروں کو بھی دے سکتا ہے۔ اس میں سبق ہے اور خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس مال میں تصرف کرنے کا حق دیا ہے توتم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرواور جب تمہیں یہ معلوم ہے کہ عنقریب یہ مال دوسروں کو منتقل ہونے والا ہے تواس کوخرچ کر کے اللہ تعالیٰ سے اجر حاصل کرو۔ پھر وہ لوگ جوایمان لائے تم میں سے اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر مال خرچ کیا۔ یعنی زکوٰۃ ادا کی اور جہاد میں خرچ کیا یانفلی صدقات وخیرات وغیرہ ادا کئے۔ ان کے لئے بہت بڑا اجر اور ثواب عظیم ہے۔ یعنی جنت بھی ملے گی اوراوراس میں طرح طرح کی نعمتیں بھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرمائے گا۔

فائدہ: فتح الرحمٰن میں ہے کہ اس آیت میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مال خرچ کرنے کا ذکر ہے۔ (کہ انہوں نے اس موقع پر بہت مال خرچ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل خوش کردیا اسی موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آج کے بعد عثمان جو بھی کرے۔ کوئی چیز عثمان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی)۔ لیکن اب یہ حکم عام ہے کہ جو بھی ایسا کرے گا۔ اسے بہت بڑا اجر وثواب ملے گا۔



وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ

اور کیا ہے تمہیں کہ نہیں ایمان لاتے اللہ پر حالانکہ رسول بلاتے ہیں تمہیں کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر اور تحقیق لیا اس نے

مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٨﴾ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ

وعدہ تم سے اگر ہو تم ایمان والے۔ وہی ہے جو اتارتا ہے اپنے بندے پر آیتیں واضح

لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩﴾

تا کہ وہ نکالے تمہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف۔ اور بے شک اللہ تم پر شفقت ورحم کرنے والا ہے۔

(آیت نمبر ۸) تمہیں کیا ہوا کہ تم ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ پر۔

فائدہ: حقیقت یہ ہے کہ تمہارا ایمان نہ لانا صرف انکار نہیں بلکہ تمہاری ازلی بدبختی کی دلیل ہے۔

آگے فرمایا۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ تمہیں بلاتے ہیں کہ تم آؤ اور اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ۔ گویا یہاں ان کے کفر پر توبیخ کی جارہی ہے۔ یعنی کہا جارہا ہے کہ اے کافرو تمہیں کیا عذر مانع ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ تمہیں ایمان لانے کی طرف بلا رہے ہیں اور ہر قسم کے دلائل قاہرہ سے تم پر واضح کیا جارہا ہے۔ **فائدہ**: کیونکہ محض دعوت اس وقت تک فائدہ نہیں دیتی جب تک ان پر مضبوط قسم کے دلائل نہ ہوں۔ سادہ دعوت کو کوئی قبول نہیں کرتا۔ بلکہ ملامت ہوتی ہے۔ **فائدہ**: "لتؤمنوا" میں لام تعلیلیہ ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں ایمان لانے کیلئے بلاتے ہیں اور تم نے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ لہٰذا اب اس وعدے کو پورا کرو اور ایمان لاؤ اگر تم مومن ہو۔ یا اگر تم اس میثاق پر قائم ہو۔ اس میثاق سے مراد وہ ہے جو صلب آدم سے روح نکال کر وعدہ لیا گیا تھا۔

(آیت نمبر ۹) وہ وہی ذات ہے۔ جو اتارتا ہے۔ بواسطہ جبریل امین کے اپنے بندۂ خاص حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر واضح آیات جن میں امر اور نہی ہے حلال وحرام کا بیان ہے تا کہ ان واضح آیات کے ذریعے تمہیں محمد ﷺ نکالیں اندھیروں سے نور کی طرف۔ **فائدہ**: یہاں اندھیروں سے مراد کفر وشرک۔ جہالت ومخالفت ہے اور نور سے مراد ایمان۔ توحید اور یقین وعلم کا نور ہے۔ آگے فرمایا۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ تم پر بڑی شفقت فرمانے والا مہربان ہے کہ وہ تمہیں سعادۃ دارین کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ اپنے پیارے محبوب کو بھیج کر اور واضح آیات اتار کر جن میں دلائل عقلیہ بھی ہیں۔ تمہیں ایمان عطا کرنا چاہتا ہے۔ یہی اس کا کمال شفقت ورحمت ہے۔

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ

اور کیا ہے تمہیں کہ نہیں خرچ کرتے راہ خدا میں اللہ ہی وارث ہے آسمانوں اور زمین میں۔نہیں برابر

مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا

تم میں جنہوں نے خرچ کیا فتح مکہ سے پہلے اور جہاد کیا۔وہی بڑے درجے والے ہیں ان سے جنہوں نے خرچ کیا

مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۰﴾

اس کے بعد اور جہاد کئے۔سب سے وعدہ اللہ کا جنت ہے اور اللہ تمہارے عمل سے خبردار ہے

(بقیہ آیت نمبر۹) **فائدہ:** بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رؤف اس لحاظ سے ہے کہ وہ نور وحی کا فیض اپنے نبی کے ذریعے تمہیں عطا فرماتا ہے اور رحیم اس لحاظ سے کہ وہ اپنے فضل سے تمہاری نفوس کو ایمان کے نور سے اندھیرا دور کر دیتا ہے۔یعنی یہ اس کی رحمت وشفقت ہے۔کہ وہ تمہیں اپنی رحمت میں لینا چاہتا ہے۔

(آیت نمبر۱۰) کیا ہے تمہیں کہ خرچ نہیں کر رہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں۔یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے تمہیں کون سی چیز مانع ہے۔حالانکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا قربت الٰہی کا ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ کیلئے ہے زمین وآسمان کی ملکیت حقیقی۔مطلب یہ ہے کہ جب تم سب پر فنا آنی ہے۔بقا تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔لہذا تم خود خرچ کرو تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے ہاں جا کر اسے حاصل کرلو۔لہذا بہتر چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر کے بہتر ثواب حاصل کرلو۔**فائدہ:** مال تو بہرحال تمہارے ہاتھوں سے ایک نہ ایک دن نکل جائیگا۔لہذا بہتر یہی ہے کہ اپنے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دو۔تاکہ آخرت میں وہ تمہارے کام آئے۔**فائدہ:** امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے میراث کا لفظ اس لئے فرمایا کہ بالآخر تمام دنیا جب فنا ہو جائیگی تو تمام اشیاء پھر اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں آجائیں گی۔اس معنی میں وہ وارث ہے۔

جناب عیسیٰ علیہ السلام کا خوبصورت کلام: فرمایا ہر انسان کا دل وہاں ہے۔جہاں اس کا مال ہے۔لہذا اے مومنو۔اپنے مال آسمان پر رکھ دو۔دلوں نے بھی وہاں ہی آنا ہے تاکہ دونوں اکٹھے ہی رہیں۔

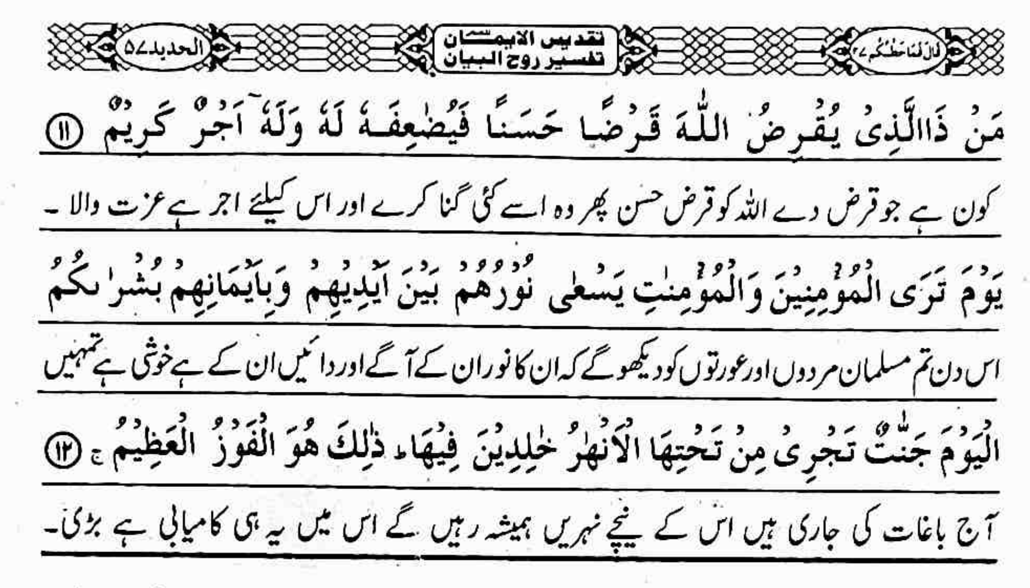
مال کو مال کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے دل اس کی طرف بہت مائل ہوتے ہیں۔چونکہ انسان ذاتی طور پر فقیر ہے۔اس لئے وہ مال کی طرف ایسا مائل ہے کہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔آگے فرمایا کہ تم سب برابر نہیں۔

24

شان نزول : صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ حضرات نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہت مال خرچ کیا۔ تو لوگوں نے کہا کہ انہیں تو بہت بڑا اجر ملے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر فرمایا کہ جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا۔ اصل اجر عظیم کے وہ لوگ مستحق ہیں۔ کیونکہ اس کے بعد تو ہجرت کا مسئلہ بھی ختم ہو گیا اور مالی طور پر بھی مسلمان خوش حال ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے مال خرچ کیا اور جہاد کیا۔ بعد فتح کے خرچ کرنے اور جہاد کرنے والے دونوں برابر نہیں۔ اس لئے کہ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے مال و جان خرچ کئے جو سابقون الاولون ہیں۔ یعنی مہاجرین و انصار۔ یہ لوگ بہت بڑے درجات والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں انتہائی بلند درجات اور مراتب پائیں گے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہ پہلوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ ان سابقین نے اسلام کے ابتدائی دور میں مال و جان اس وقت خرچ کیا۔ جب اسلام کو اس کی اشد ضرورت تھی۔ فتح مکہ کے بعد اسلام کو غلبہ حاصل ہو چکا تھا اور لوگ جوق در جوق اور فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ **حدیث شریف** : حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سابقین اولین کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ بعد والے اگر احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کریں۔ تب بھی وہ پہلوں کے ایک مٹھ جو کے دانوں برابر نہیں ہو سکتا۔ (بخاری، مسلم و ترمذی)۔ آگے فرمایا۔ ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے حسنیٰ کا وعدہ کیا ہے۔ یعنی اچھے ثواب یا جنت کا۔ یعنی جنت تو سب کو ملے گی۔ مگر فضیلت اور درجات الگ الگ ہوں گے۔

افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ: امام کلبی فرماتے ہیں۔ یہ آیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ یہ آیت کریمہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور خلافت بلا فصل پر دلالت ظاہرہ اور حجت باہرہ ہے۔ اول ایمان لانے والوں میں صدیق اکبر ہیں: (۱) آپ کی وجہ سے بہت سارے لوگ ایمان لائے۔ جن میں بلال۔ عمار۔ صہیب اور فہیرہ وغیرہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ (۲) کفار سے پہلی جنگ اور لڑائی (مسجد حرام میں) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لڑی ہے۔ (۳) ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کفار نے ایک دفعہ اتنا مارا کہ آپ خون و خون ہو گئے اور بے ہوش ہو گئے۔ (۴) سب سے پہلے اسلام کی خاطر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مالی قربانی دی۔ (۵) سب کچھ راہ خدا میں لٹا کر بوریئے کا لباس پہنا۔ (۶) اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبریل امین سلام لے کر آئے۔

اجماع صحابہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہر معاملہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مقدم جانا۔ مولیٰ علی کا فرمان ہے جو شخص مجھے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دے گا۔ میں اسے کوڑے ماروں گا۔ آگے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔ یعنی ہر ایک کے عمل کو بھی جانتا ہے، اور اس کے مرتبے کو بھی جانتا ہے۔



مَنْ ذَاالَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ﴿۱۱﴾

کون ہے جو قرض دے اللہ کو قرض حسن پھر وہ اسے کئی گنا کرے اور اس کیلئے اجر ہے عزت والا ۔

یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ

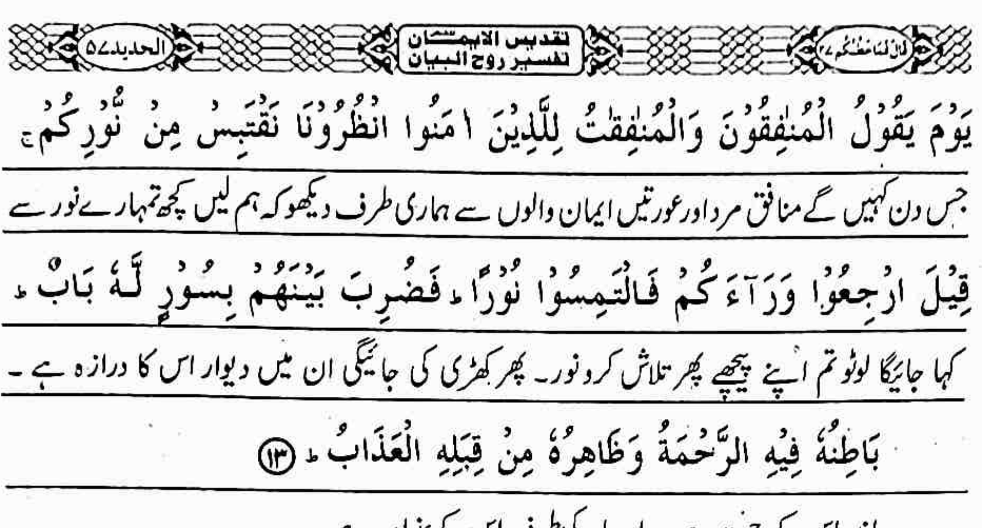
اس دن تم مسلمان مردوں اور عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور دائیں ان کے ہے خوشی ہے تمہیں

الْیَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۲﴾

آج باغات کی جاری ہیں اس کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے اس میں یہ ہی کامیابی ہے بڑی۔

(آیت نمبر۱۱) کون ہے وہ جو قرض دے اللہ تعالیٰ کو قرض حسن۔ **قرض حسن** : اخلاص فی الانفاق یعنی رضاالٰہی کیلئے دینا اور اچھے سے اچھا مال دینا اور اچھی جگہ دینا۔ یعنی وہ لوگ جو اپنا مال راہ خدا میں اس امید پر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا اسے اچھا بدلا اور کئی گناہ زیادہ عطا فرمائے۔ جیسے کوئی قرض دار قرض دے کر اس کے عوض کی امید رکھتا ہے۔ **فائدہ**: کشف الاسرار میں ہے کہ ہر نیکی قرض حسن میں داخل ہے۔ مگر یہاں قرض سے صدقہ مراد ہے جو حلال اور طیب ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف حلال اور طیب کو ہی قبول کرتا ہے۔ جب مال ایسی صفت والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو کئی گنا بڑھا کر اپنے فضل و کرم سے اجر و ثواب عطا فرماتا ہے اور فرمایا کہ اس کیلئے عزت والا اجر ہے۔ انتہائی احسن اور پسندیدہ ہے۔ **حکایت** : حضرت ابوالدحداح روزانہ جتنی کمائی کرتے نصف اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کر دیتے۔ تو حضور ﷺ نے انہیں جنت کی خوشخبری دی اور فرمایا کہ جنت میں کھجوریں جن کے خوشے لٹک رہے ہیں وہ ابوالدحداح کیلئے ہیں۔ **فائدہ**: ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے قرض مانگا ہے۔ حق تو یہ تھا کہ مانگنے سے پہلے ہی دیتے۔ اس لئے کہ دیا ہوا ہی اس کا ہے۔ بندے کا اس میں کیا ہے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ رب تبارک وتعالیٰ نے مال مانگا ہے۔ بندے کا حق تھا کہ جان پیش کرتا۔ پھر دیکھتا کہ رب تعالیٰ اس کو کیا اعزاز بخشتا ہے۔

(آیت نمبر۱۲) تم اس دن مومن مردوں اور عورتوں کو دیکھو گے۔ جب محشر سے جنت کی طرف جا رہے ہوں گے۔ تو ان کے ایمان اور نیک اعمال کا نور ان کے دائیں بائیں ہوگا۔ جس میں وہ دوڑ رہا ہوگا۔ یا ایمان والے اس نور میں تیز تیز جا رہے ہوں گے۔ ابواللیث فرماتے ہیں۔ اگرچہ یہاں (شمال) یعنی بائیں جانب کا ذکر نہیں۔ لیکن نور ان کے چاروں طرف ہوگا۔



يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ج

جس دن کہیں گے منافق مرد اور عورتیں ایمان والوں سے ہماری طرف دیکھو کہ ہم لیں کچھ تمہارے نور سے

قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ط فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ط

کہا جائیگا لوٹو تم اپنے پیچھے پھر تلاش کرو نور۔ پھر کھڑی کی جائیگی ان میں دیوار اس کا دروازہ ہے۔

بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ط ⑬

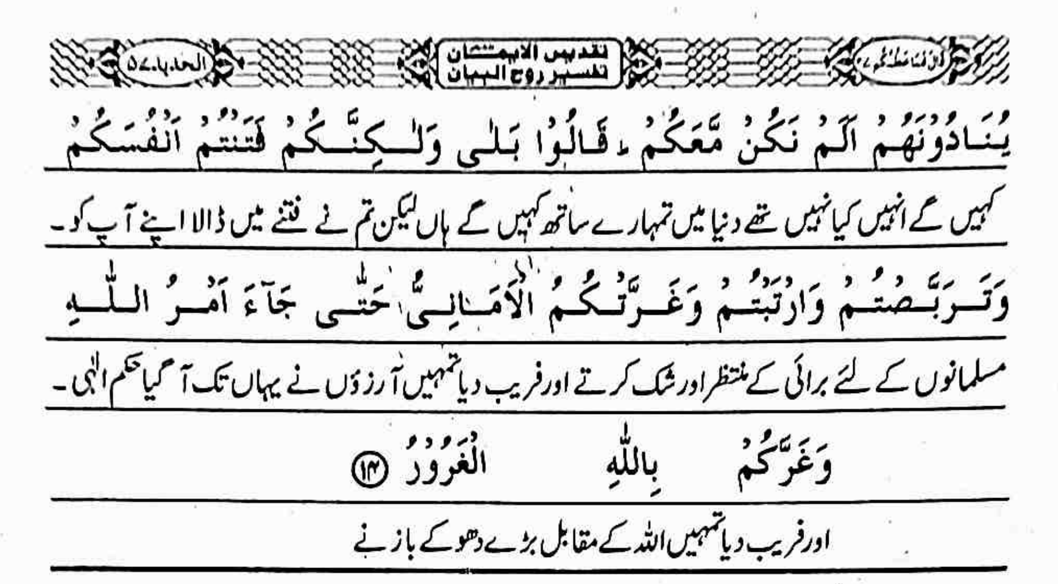
اندر اس کے رحمت ہے اور باہر کی طرف اس کے عذاب ہے۔

(بقیہ آیت نمبر۱۲) **فائدہ**: فتح الرحمٰن میں ہے۔ نور کا آگے ہونا انسانی ضرورت کے تحت ہوگا۔ ورنہ نور مومن کی ہر جانب میں ہوگا۔ علامہ اسماعیل حقی مرحوم فرماتے ہیں۔ اس میں مقربین کی طرف اشارہ ہے کہ ان کا نور ہر طرف چمک رہا ہوگا۔ **فائدہ**: ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہر مومن کا نور اس کے عمل کے مطابق ہوگا۔ اور میلوں تک پھیلا ہوا ہوگا۔ ہر مومن کا نور اس کے مقبول عملوں کے مطابق ہوگا۔

انہیں کہا جائیگا۔ آج تمہیں باغات کی خوشخبری ہے۔ یہ بات انہیں فرشتے کہیں گے کہ خوش جاؤ ان باغات سے جن میں نہریں جاری ہیں۔ جن میں تم ہمیشہ ہمیشہ رہو گے۔ یہ عظیم الشان کامیابی ہے۔

فائدہ: کاشفی فرماتے ہیں۔ یہ کامیابی بڑی اس لئے ہے کہ وہ قیامت کی ہولناکیوں سے بچ گئے۔ اعلیٰ مقام مل گیا اور دیدار الٰہی نصیب ہوگیا۔ اتنی بڑی کامیابی کسی خوش نصیب کو ہی مل سکتی ہے۔

(آیت نمبر۱۳) جس دن منافق مرد اور عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے۔ یعنی جو خالص مومن ہیں (ان سے کھوٹے مومن کہیں گے)۔ **فائدہ**: جب ایمان والے جنت کی طرف تیزی سے جا رہے ہوں گے اور منافق چل نہیں سکیں گے اور پیچھے رہ جائیں گے تو اس وقت خالص ایمان والوں سے کہیں گے کہ ٹھہر جاؤ ہمارا انتظار کرو تاکہ ہم بھی تمہارے ساتھ جنت تک چل سکیں اور ہم تمہارے نور سے کچھ فائدہ حاصل کر سکیں۔ لیکن ایمان والے اتنی دیر میں بہت آگے نکل جائیں گے اور منافقین اندھیرے میں رہ جائیں گے تو اس وقت انہیں کہا جائیگا۔ واپس چلے جاؤ۔ وہاں سے نور لے آؤ۔ جہاں سے ہمیں نور ملا۔ اہل ایمان کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ یہ نور۔ یہاں سے نہیں ملتا۔ ہم دنیا سے یہ نور لیکر آئے۔ تم بھی پیچھے دنیا میں جاؤ وہاں سے یہ نور لے آؤ۔



يُنَادُونَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ

کہیں گے انہیں کیا نہیں تھے دنیا میں تمہارے ساتھ کہیں گے ہاں لیکن تم نے فتنے میں ڈالا اپنے آپ کو۔

وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ

مسلمانوں کے لئے برائی کے منتظر اور شک کرتے اور فریب دیا تمہیں آرزؤں نے یہاں تک آ گیا حکم الٰہی۔

وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾

اور فریب دیا تمہیں اللہ کے مقابل بڑے دھوکے باز نے

(بقیہ آیت نمبر ۱۳) **نکتہ**: یہ بھی انہیں ذلیل وخوار کرنے کیلئے کہا جائیگا۔ ورنہ نور وہاں کیسے مل سکتا ہے۔ جب وہ پیچھے دیکھ کر پھر مسلمانوں کو دیکھیں گے۔ مسلمان تو جنت میں پہنچ چکے ہوں گے۔ پھر ان کے درمیان یعنی مومنوں اور منافقوں کے درمیان ایک دیوار کھڑی کردی جائیگی۔ اب وہ بالکل ظلمت میں ہو جائیں گے۔ اور اس دیوار کے درمیان ایک دروازہ ہوگا۔ **فائدہ**: بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ وہ دیوار مسجد اقصیٰ کے قریب بیت المقدس کے شرقی جانب ہوگی۔ حضرت کعب فرماتے ہیں۔ اس دروازے کو باب الرحمۃ کہا جاتا ہے۔ اس بارے میں بزرگوں کے مختلف اقوال ہیں۔ آگے فرمایا کہ اس دیوار کی اگلی جانب عذاب ہے۔

(آیت نمبر ۱۴) اب منافقین ایمان والوں کو پیچھے سے آواز دے کر کہیں گے۔ کیا دنیا میں ہم تمہارے ساتھی نہ تھے۔ یعنی ظاہری امور میں نماز روزہ بیاہ شادی غمی خوشی میں ہم اکٹھے رہتے تھے۔ تو اس وقت مومنین ان کو جواب میں کہیں گے۔ ہاں ضرور تم ہمارے ساتھ رہتے تھے۔ لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنے میں ڈالا۔ یعنی منافقت کرتے تھے۔ اور زیادہ تر تم اپنی خواہشات میں پڑے رہے اور تمہیں مسلمانوں کے مصیبت میں پڑھنے اور ان کی ہلاکت کا انتظار تھا۔ **فائدہ**: امام مقاتل نے فرمایا کہ وہ حضور ﷺ کی موت کے انتظار میں تھے اور سوچتے تھے کہ کہ یہ عنقریب فوت ہونگے تو ہماری جان چھوٹ جائیگی۔ یہ ان کا انتہائی قبیح خیال تھا۔ آگے فرمایا کہ تم دین اسلام اور نبوت میں شک کیا کرتے تھے اور تمہاری تمناؤں نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا اور دل میں یہی خیال کرتے تھے کہ عنقریب یہ دین ختم ہو جائیگا۔ یہی سوچتے سوچتے تم پر اللہ تعالیٰ کا حکم یعنی موت آ گئی تو زندگی بھر تمہیں اس نے دھوکے میں رکھا جو سب سے بڑے دھوکے دیتا ہے۔ مال میں خواہشات وشہوات میں۔ جاہ ومرتبہ وغیرہ میں۔ لہذا مسلمان کو چاہئے کہ وہ اس خبیث کے دھوکے میں نہ آئے۔

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ مَأْوٰىكُمُ النَّارُ ۖ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۖ

تو آج نہیں لیا جائیگا تم سے فدیہ اور نہ کفار سے ٹھکانہ تمہارا آگ ہے وہی تمہاری دوست ہے

وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۵﴾ أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ

اور برا ٹھکانہ۔ کیا نہیں آیا وہ وقت مومنوں پر کہ جھک جائیں ان کے دل یاد الٰہی کیلئے اور جو اترا

مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ

حق اور نہ ہوں ان کی طرح جنہیں دی گئی کتاب اس سے پہلے۔ پھر دراز ہوئی ان پر مدت

فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿۱۶﴾

پھر سخت ہو گئے ان کے دل بہت ان میں فاسق ہیں۔

(آیت نمبر ۱۵) اے منافقو آج تم سے کوئی فدیہ وغیرہ نہیں لیا جائیگا کہ تم سے فدیہ لیکر تمہارے عذاب کو ختم کر دیا جائے۔ فدیہ کہتے ہیں کہ کوئی شیء خرچ کر کے اپنے آپ کو مصیبت سے بچانا۔ اس لئے فرمایا کہ اس قسم کا کوئی سودا بروز قیامت نہیں ہوگا۔ نہ منافقوں سے اور نہ کافروں سے۔ مومن وہ ہے جس کا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق ہو۔ کافر وہ ہے جس کا زبان سے انکار دل سے تکذیب ہو۔ منافق وہ ہے جس کے زبان پر اقرار اور دل میں تکذیب ہو۔ آگے فرمایا۔ اب تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جہاں تم ہمیشہ رہو گے کیونکہ تم نے جو جو کرتوت کئے۔ اس کے لائق یہی ہے کہ اب تم اسی جہنم میں رہو۔ اور یہ جہنم کا ٹھکانہ بہت برا ہے۔

فائدہ: یہاں مولیٰ بمعنی اولیٰ کے ہے۔ ویسے مولیٰ کے کئی معانی ہیں۔ قریبی۔ مددگار۔ متولی۔ رشتہ دار۔ آقا۔ غلام وغیرہ لیکن یہاں مناسب معنی ٹھکانہ ہے۔

(آیت نمبر ۱۶) کیا اہل ایمان کیلئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر الٰہی کیلئے جھک جاتے اور وہ مطمئن ہو کر طاعت الٰہی کی طرف جھک جاتے اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کی تعمیل کرے اور منہیات سے باز آ جاتے۔

فائدہ: بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ ذکر اللہ سے مراد اگر قرآن کے علاوہ ہو تو مراد ہے کہ دل ذکر الٰہی سن کر نرم ہو جائیں اور خشوع حاصل ہو اور اگر ذکر سے مراد قرآن ہو تو اس سے مراد مواعظ ہیں۔ جو قرآن میں بیان ہوئے۔

اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ قَدۡ بَیَّنَّا لَكُمُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۷﴾

جان لو بے شک اللہ زندہ کرتا ہے زمین کو بعد اس کے مرنے کے۔ تحقیق بیان کردیں ہم نے آیات تا کہ تم سمجھو

(بقیہ آیت نمبر ۱۶) یعنی وعظ ونصیحت کو قرآن پاک میں بیان فرمایا۔ یا وہ آیات جن کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ ایمان والوں کے لئے کیا ابھی وقت نہیں آیا۔ کہ ان کے دل ذکر الٰہی سے نرم اور موم ہو جاتے اور جان لیتے کہ وہ حق کی طرف سے نازل ہوا۔ یعنی قرآن پاک جو آسمان سے نازل ہوا۔

شان نزول: مکہ مکرمہ میں بعض مسلمان مالی لحاظ سے بڑے تنگدست تھے۔ پھر جب ہجرت کی۔ جہادوں میں بے حساب مال دولت ملا اور نعمتوں سے نوازے گئے تو ان کے خشوع خضوع میں سستی آ گئی۔ دوسرا شان نزول یہ ہے کہ بعض صحابہ میں خوش طبعی ہنسی مزاح شروع ہوگئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ آگے فرمایا۔ نہ ہوان لوگوں کی طرح جنہیں کتاب دی گئی اس سے پہلے۔ پھر ان پر مدت دراز ہوگئی۔ یعنی ان کے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان کا زمانہ لمبا ہوگیا۔ لہذا جو توراۃ یا انجیل سے ان کے دلوں کو نرمی حاصل ہوئی تھی۔ وہ ختم ہوگئی۔ اور ان کے دل سخت ہو گئے پتھر کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سخت۔ جن پر نہ وعظ اثر کرتا۔ نہ انبیاء کرام کی تقریریں۔

فائدہ: یاد رہے دل کی سختی خواہشات وشہوات کے پورا کرنے سے ہوتی ہے۔ آگے فرمایا کہ زیادہ تر ان میں فاسق ہیں۔ یعنی وہ دین کی حدود سے ہی باہر ہوگئے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ ان کی جفا اور دل کی سختی ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنی کتابوں کے احکام پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا۔ قاعدہ ہے کہ جب آدمی میں خشوع وخضوع نہیں رہتا۔ اور وہ فسق وفجور میں پڑ جاتا ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں۔ طاعات میں دل کو نرمی حاصل ہوتی ہے اور غفلت سے دل میں سختی پیدا ہوتی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ ذکر کے سوا کچھ نہ بولو۔ ورنہ دل سخت ہو جائیں گے۔

(آیت نمبر ۱۷) اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی زمین کو مرنے کے بعد زندہ فرماتا ہے۔ یہ تمثیل ہے کہ جس طرح مردہ زمین بارش سے زندہ ہوتی ہے۔ اسی طرح سخت دل ذکر الٰہی سے نرم ہوتے ہیں۔

فائدہ: امام کاشفی فرماتے ہیں۔ اے منکرو۔ اس بات کو جان لو کہ اللہ تعالیٰ جس طرح مردہ زمین کو مرنے کے بعد زندہ کر لیتا ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن مُردوں کو وہ زندہ فرمائے گا۔ (یہ ایک بہت بڑی واضح دلیل ہے مردے زندہ کرنے کی)۔ آگے فرمایا کہ تحقیق ہم نے تمہارے لئے آیات کو واضح کر کے بیان کر دیا تا کہ تم سمجھ جاؤ اور جو کچھ ان آیات میں ہے اس کے مطابق عمل کرو۔ تا کہ دارین کی سعادت اور کامیابی حاصل ہو۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ

بے شک صدقہ دینے والے مرد اور عورتیں اور جنہوں نے قرض دیا اللہ کو قرض حسن دگنا کیا جائے گا ان

وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿١٨﴾

ان کیلئے اجر ہے عزت والا

(بقیہ آیت نمبر ۱۷) **فضیل بن عیاض کی توبہ کا سبب:** آپ ابتداء میں غلط کاموں میں پڑ گئے زیادہ تر ڈاکے مارنے کا شغل ہوتا تھا۔ ایک دفعہ برائی کی نیت سے کہیں جا رہے تھے کہ اچانک آواز آئی۔ کوئی اسی سابقہ آیت (الـم یـان۔ الـخ) کی تلاوت کر رہا تھا۔ سنتے ہی دل کی دنیا بدل گئی۔ ادھر توفیق ایزدی شامل حال ہوگئی۔ آپ فوراً بلی واللہ کہتے ہوئے فوراً واپس ہو گئے اور اپنے آپ کو ملامت کر کے کہہ رہے تھے کہ تو کتنا بد بخت انسان ہے کہ مخلوق تجھ سے گھبراتی ہے۔ فوراً بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہو کر سچے دل سے توبہ کی اور وعدہ کیا کہ آئندہ ہر گناہ سے دور رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ پھر وہ خانہ کعبہ کو چلے گئے۔ عرصہ دراز تک وہیں وقت گذارا۔ اولیاء اللہ میں بڑا مقام پایا۔

(آیت نمبر ۱۸) بے شک صدقہ دینے والے مرد اور عورتیں اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دیا۔ یعنی مردوں اور عورتوں میں سے جس نے بھی صدقہ دیا یا اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دیا۔ قرض حسنہ وہ صدقہ ہے۔ جو مال پاک ہو۔ دل کی خوشی سے دیا جائے۔ نیت بھی خالص ہو اور مستحق آدمی کو دیا جائے۔ حدیث شریف میں ہے۔ حضور ﷺ نے عورتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے جہنم میں کثرت سے عورتوں کو دیکھا لہذا اے عورتو تم صدقہ دیا کرو۔ ایک اور لمبی **حدیث شریف** میں ہے کہ آپ نے عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ تم صدقہ کیا کرو تم جہنم کا ایندھن ہو کیونکہ تمہارا عمل بھی کم ہے۔ اور عقل بھی کم ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیسے تو فرمایا۔ کیا مہینے میں تمہارے دس دن تک نماز روزے مردوں کے مقابلے میں کم نہیں ہو جاتے اور عقل کے لحاظ سے اس لئے۔ کہ کیا تمہاری گواہی مرد کے مقابلے میں آدھی نہیں ہے۔ اور تم کثرت سے لعنت کرتی ہو اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو تو عورتوں نے اپنے زیورات تک اتار کر دے دیئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں ڈالتی رہیں۔ یہاں تک کہ بہت سارا مال جمع ہو گیا تو حضور ﷺ نے فقراء میں وہ تقسیم فرما دیا۔ آگے فرمایا کہ دگنا کیا جائے گا۔ ان کا اجر و ثواب اور ان کیلئے جنت میں عزت والا اجر ہے۔ (مسلم شریف کتاب الایمان)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ

اور جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر وہی کامل سچے ہیں اور گواہ اپنے رب کے ہاں۔ ان کیلئے

اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۧ ﴿۱۹﴾

ان کا اجر اور نور ہے۔ اور جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو وہی جہنم والے ہیں۔

(آیت نمبر ۱۹) اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ پر اور تمام رسولوں پر ایمان لائے۔ وہی لوگ صدیق ہیں۔ یعنی بہت زیادہ سچے ہیں اور گواہ ہیں۔ یعنی وہ اپنے رب تعالیٰ کے ہاں صدیقین کے بلند مرتبہ پر ہیں اور شہداء کے مراتب پر ہوں گے۔ **فائدہ** : فتح الرحمٰن میں ہے۔ صدیق وہ ہوتا ہے۔ جس سے کثرت کے ساتھ سچ ظاہر ہو۔ تو وہ حضرات اس مرتبہ پر فائز ہوئے جو باقیوں پر سبقت لے گئے: (۱) ابوبکر۔ (۲) عمر فاروق۔ (۳) عثمان غنی۔ (۴) مولیٰ علی۔ (۵) سعد۔ (۶) زبیر۔ (۷) طلحہ۔ (۸) حمزہ۔ (۹)۔ زید۔ (۱۰) سعید وغیرہ

شہداء کے تین درجے: پہلا درجہ یہ ہے کہ کفار سے جنگ کرتے ہوئے مارا جائے۔ یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ دوسرا درجہ یہ کہ کسی حادثہ یا مصیبت میں مبتلا ہو کر مر جائے۔ جیسے پانی میں غرق ہو کر یا آگ میں جل کر۔ دیوار کے نیچے دب کر۔ طاعون میں یا پیٹ کی بیماری میں اور گھر سے باہر سفر وغیرہ میں۔ تیسرا درجہ: صدیقین بھی شہداء کے درجے میں ہوں گے۔ جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں کیا گیا یا اس سے مراد وہ شہداء جو سابقہ امتوں پر گواہی دیں گے۔ **فائدہ**: الصدیق: وہ جس نے سچائی حد سے زیادہ کی۔ یعنی ایمان لائے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ڈٹ گئے اور رسول اللہ ﷺ کے تمام حکموں کی تصدیق کی اور تاحیات اسی پر قائم رہے۔ آگے فرمایا کہ ان ہی کیلئے اجر بھی ہے اور ان ہی کو اس دن نور ملے گا۔ **فائدہ**: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اجر عمل صالح کے بغیر نہیں ملے گا اور نور اللہ تعالیٰ کی طرف ھبہ ہے جو اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا عطا فرمائے گا۔ اگرچہ اجر میں بھی عطا الٰہی کا تعلق ہے لیکن پھر بھی اس میں بندے کی محنت کا بھی احتلاط ہے۔ یعنی ایک اجر ہے جو اعمال صالحہ کا بدلہ اور ایک نور ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے پر منت و احسان ہے۔

آگے فرمایا اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ وہی لوگ جہنمی ہیں جو ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ **فائدہ** :معلوم ہوا ہمیشہ دوزخ میں رہنا خاصہ کفار ہے اور آیات کو جھٹلانے کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات کو جادو وغیرہ کہہ کر ٹھکرا دیا۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ

جان لو بے شک زندگی دنیا کی کھیل اور تماشا ہے اور زینت اور آپس میں ایک دوسرے پر فخر اور ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا

فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ

مال واولاد میں۔ جیسے مثال بارش کی بھایا کسانوں کو اس کا سبزا پھر خشک ہوا تو تو نے اسے دیکھا

مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ۭ وَفِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ

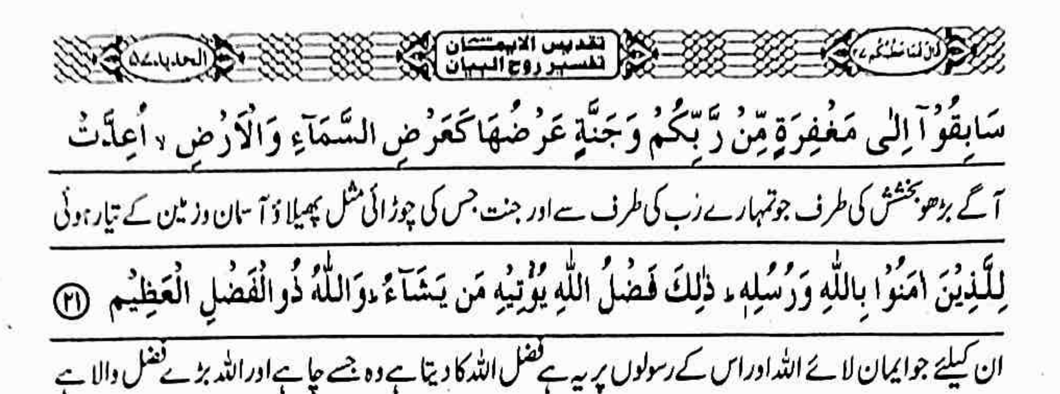
زرد پھر ہوگیا پامال اور آخرت میں عذاب ہے سخت اور بخشش ہے اللہ کی طرف سے

وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾

اور رضا۔ اور نہیں زندگی دنیا کی مگر سامان دھوکے کا

(آیت نمبر ۲۰) جان لو دنیا کی زندگی محض ایک کھیل اور تماشا ہے۔ لعب کا معنی کھیل ہے۔ یعنی باطل اور لغو کام جس کا نہ دنیوی فائدہ نہ اخروی۔ خواہ مخواہ اپنے آپ کو تھکانا اور لہوا پنے نفوس کو بے کار کاموں کی طرف مشغول کرنا۔ اور اس میں زیب وزینت۔ آسائش وآرائش ہے۔ لباس وسواری اور مکانات کی آزمائش اور تفاخر ہے کہ ایک دوسرے پر بڑھائی۔ حسب ونسب پر فخر اسی طرح مال پر یا مرتبے اپنی بڑھائی ظاہر کرنا اور مال واولاد میں ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا اور غرور کرنا خصوصاً اللہ والوں کو گھٹیا سمجھنا اس وجہ سے کہ ان کے پاس دنیوی مال ودولت نہیں ہے۔

فائدہ: لیکن یہ سب غرور تکبر مال ودولت یہ زیب وزینت چند دن کیلئے ہے۔ سب کچھ ایک نہ ایک دن نیست ونابود ہو جائے گا۔ مولیٰ علی نے فرمایا۔ (کرم اللہ وجہہ الکریم)۔ اے عمار اس دنیا کا غم نہ کھا (نہ اس دنیا سے محبت کر) کیونکہ دنیا چند چیزوں کا نام ہے: (۱) کھانا۔ (۲) پینا۔ (۳) پہننا۔ (۴) سونا۔ (۵) سواری۔ (۶) نکاح کرنا۔ لیکن یاد رکھ کھانے کی لذیذ ترین چیز شہد ہے۔ جو مکھی کی تھوک ہے۔ پینے کی لازمی چیز پانی وہ جیسے انسان پی رہا ہے۔ ایسے ہی حیوان بھی پی رہا ہے اور لباس میں اعلیٰ کپڑا ریشم کا ہے وہ ایک کیڑے کے پیٹ سے نکلتا ہے۔ اسی طرح سونگھنے کی اعلیٰ چیز مشک ہے وہ ہرنی کے پیٹ سے نکلتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس یہ سب فانی چیزیں ہیں۔ کیا فخر کرنا ان پر؟



سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ

آگے بڑھو بخشش کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے اور جنت جس کی چوڑائی مثل پھیلاؤ آسمان وزمین کے تیار ہوئی

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾

ان کیلئے جو ایمان لائے اللہ اور اس کے رسولوں پر یہ ہے فضل اللہ کا دیتا ہے وہ جسے چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے

(بقیہ آیت نمبر۲۰) آگے فرمایا کہ اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے بارش برستی ہے۔ جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ کھیتی ہری بھری ہوتی ہے۔ جس کو دیکھ کر زمیندار انتہائی خوش ہوتا ہے۔

فائدہ : زمیندار کو کافر کہا جاتا ہے اس لئے کہ وہ بیج کو زمین میں چھپاتا ہے۔ جیسے مذہب کا کافر حق کو باطل میں چھپاتا ہے۔ جیسے کہا گیا اہل کفور اہل قبور ہیں۔ آگے فرمایا کہ پھر جب فصل پک کر سوکھ جاتی ہے تو تو اسے زرد رنگ دیکھتا ہے۔ یعنی پہلے سرسبز وشاداب دیکھا تھا اور اب اس کی رونق ختم ہوئی اور تو اسے خشک ہونے پر زرد دیکھتا ہے۔ پھر وہ ٹوٹ پھوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے دیکھتا اور پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔

فائدہ : اس آیت کریمہ میں دنیوی امور کی طرف اشارہ ہے اور اس کی حقارت کا بیان ہے اور بتایا گیا کہ ان میں کوئی کامیاب نہیں ہے اور اس کی دی ہوئی مثال سے بھی حقارت ہی ظاہر ہو رہی ہے اور یہ بھی واضح کیا کہ دنیوی امور باطل ہیں۔ آگے فرمایا کہ آخرت میں سخت عذاب ہے۔ یعنی جو آخرت کو چھوڑ کر صرف دنیا میں مشغول ہوا۔ گویا عذاب نتیجہ ہے دنیا میں انہماک کا۔ جس کی وجہ سے بندہ یاد الٰہی سے غافل ہو گیا۔ لیکن جو بندہ دنیا میں رہتے ہوئے یاد الٰہی سے غافل نہیں ہوا۔ اس کے لئے بخشش ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور بہت بڑی رضا جس کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔ اور یہ صرف اس کے لئے ہے۔ جس نے دنیا سے منہ موڑا اور آخرت کی طرف متوجہ ہوا۔ آگے فرمایا۔ نہیں دنیا کی زندگی مگر دھوکے کا سامان۔ اس لئے کہ جو اس پر اطمینان کرتا ہے۔ اسے آخرت کا ذریعہ نہیں بناتا۔ اس کے لئے یہ دھوکا ہی ہے اور جو آدمی اس دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کا طلبگار ہے۔ اس کیلئے یہ دنیا جنت کی طرف جانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ گویا دنیا مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ آخرت کے اجر کیلئے واسطہ ہے۔

(آیت نمبر۲۱) بڑھو مغفرت کی طرف جو بہت عظیم الشان ہے۔ جو تمہیں اپنے رب کی طرف سے ملنے والی ہے۔ یعنی استغفار اور اعمال صالحہ کر کے اپنے گناہوں سے مغفرت طلب کرو۔ **مسئلہ** : علماء فرماتے ہیں کہ نماز باجماعت جس کی شرکت تکبیر اولیٰ کے ساتھ ہو۔ یہی مغفرت کا موجب ہے۔

لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭوَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ ۙ ﴿۲۳﴾

تا کہ نہ غم کھاؤ اس پر جو ضائع ہوا تم سے اور نہ خوش ہو اس پر جو دیا تم کو اور اللہ نہیں پسند کرتا ہر اکڑنے والے فخر کرنے والے کو

(بقیہ آیت نمبر ۲۲) **حکایت**: ربیع بن سالم فرماتے ہیں کہ جب سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو حجاج کے پاس لایا گیا۔ تو میں اس وقت موجود تھا۔ جب حجاج نے ان کے قتل کا حکم دیا تو ان کا ایک رشتے دار رونے لگا۔ انہوں نے پوچھا کیوں روتے ہو۔ کہا آپ کی اس مصیبت کی وجہ سے آپ نے فرمایا۔ مت رو۔ یہ معاملہ تو میری پیدائش سے بھی پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ حجاج کے مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا۔ کیا حال ہے۔ تو اس نے بتایا کہ اوروں کے قتل پر ایک بار اور سعید بن جبیر کی وجہ سے مجھے ستر بار قتل کیا جاتا ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا جملہ اعمال تمام تفصیلات کے ساتھ لوح محفوظ میں موجود ہیں تا کہ ملائکہ اس سے معلوم کر سکیں۔ **فائدہ**: اس سے اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت کا بھی علم حاصل ہوا کہ ابھی کائنات بھی معرض وجود میں نہ آئی تھی کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا۔ آگے فرمایا کہ یہ سب کچھ بنانا کرنا اور جاننا اللہ تعالیٰ کیلئے آسان ہے۔ اس کیلئے کوئی کام مشکل نہیں ہے۔ اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔

(آیت نمبر ۲۳) تا کہ تم نہ غم کھاؤ اس پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل گیا۔ یعنی دنیوی نعمتوں میں سے کوئی اگر ضائع ہو جائے۔ جیسے مال۔ خوشحالی یا صحت و عافیت پر آفت آ گئی۔ تو تم غمزدہ نہ ہو جانا کہ یہ کیوں ہوا۔ جب تمہیں یہ معلوم ہو گیا کہ ہر مصیبت ہماری پیدائش سے پہلے ہی ہمارے مقدر میں کر دی گئی ہے تو اس کے آنے پر کوئی گھبراہٹ نہیں ہونی چاہئے۔ آگے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے۔ اس پر نہ اتراؤ کیونکہ دینے والا لے بھی سکتا ہے۔ اس لئے مل جائے تو اتراؤ نہیں اور ہاتھ سے نکل جائے تو گھبراؤ نہیں۔ یہ سب فیصلے پیدائش سے پہلے ہو چکے ہیں۔

حکایت: بزرجمہر سے کسی نے پوچھا کہ اے دانش روزگار آپ بڑی سے بڑی نعمت کے ملنے پر کبھی خوش نہیں ہوئے۔ نہ اترائے اور اس کے ہاتھ سے نکل جانے پر مغموم نہیں ہوئے تو فرمایا کہ جو شیء ہاتھ سے نکل گئی۔ وہ غم کرنے سے واپس نہیں آئیگی۔ اس لئے مغموم ہونے کا کیا فائدہ اور جو نعمت عطا ہوئی وہ ہمیشہ نہیں رہے گی۔ لہٰذا اس پر کیا اترانا۔ خلاصہ یہ کہ افسوس کرنے سے چیز واپس نہیں آتی۔ خوشی کرنے سے ہمیشہ نہیں رہتی۔

فائدہ: کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ اے دنیا والو۔ دنیا کے مصائب و آلام سے غمزدہ نہ ہو اور اس کے حصول سے اتنے خوش نہ ہو۔ اس لئے کہ اسے نہ قرار ہے نہ اس کا اعتبار ہے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ

نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں اور نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ کتاب میں۔ اس سے پہلے

اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۚ﴿۲۲﴾

کہ پیدا کریں اسے ہم۔ بے شک یہ اوپر اللہ کے آسان ہے

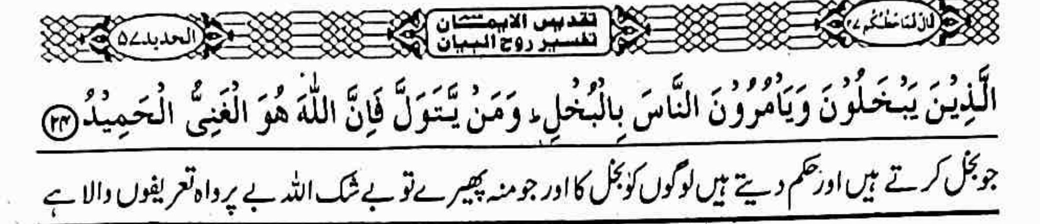
(بقیہ آیت نمبر ۲۱) **وسیلہ مصطفےٰ ﷺ** : سلمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مغفرت کیلئے اگر کوئی بہترین وسیلہ ہے تو ذات مصطفےٰ ﷺ کا وسیلہ ہے۔ لہذا ان کی اتباع کر کے اللہ تعالیٰ سے جلد بخشش مل سکتی ہے۔

آگے فرمایا جلدی کرو اس جنت کیلئے جس کا پھیلاؤ زمینوں آسمانوں کے برابر ہے۔ یعنی ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں تک اس کا عرض۔ **فائدہ** : جنت کے عرض کا حال یہ ہے تو لمبائی کا حال کیا ہوگا۔ (پھر یہ تو ایک جنت کا ذکر ہے۔ باقی سات جنتوں کی شان کیا ہوگی)۔ اور وہ جنت تیار کی گئی ہے۔ ان لوگوں کیلئے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ **فائدہ**: اس سے ایک تو معلوم ہوا کہ جنت مخلوق ہے اور اس وقت موجود ہے۔ یہی اہل سنت کا مسلک ہے اور جنت کے درجات اعمال کے مطابق ہوں گے اور رسولوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے۔ وہ جو کتابیں لائے اور انہوں نے جو جو حکم دیئے ان کو مانا جائے اور ان پر عمل کیا جائے۔

آگے فرمایا کہ یہ جو جنت کا وعدہ دیا گیا ہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے۔ عطا فرماتا ہے۔ اس کی عطا بھی اس کی اپنی مرضی پر ہے۔ اس پر کوئی بات واجب نہیں ہے۔ جیسا کہ معتزلہ کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ پر نیک عمل والے کی جزاء واجب ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔ جس کی کوئی انتہاء نہیں کیونکہ اس کی ذات عظیم ہے۔ عظیم ذات کا ہر کام ہی عظیم ہوتا ہے۔

فائدہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے بغیر کوئی بھی جنت میں نہیں جائیگا۔ حتی کہ انبیاء واولیاء بھی اس کے فضل سے جنت میں جائیں گے۔

(آیت نمبر ۲۲) کوئی مصیبت نہیں پہنچتی زمین میں۔ (یعنی کوئی حادثہ یا قحط یا تباہی وغیرہ) اور نہ تمہاری جانوں میں یعنی کوئی بیماری۔ آفت ومصیبت خوف دشمن یا بھوک۔ مگر وہ سب لکھا ہوا ہے کتاب میں۔ یعنی لوح محفوظ میں یا اللہ تعالیٰ کے علم میں۔ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے۔ یعنی اس نفس سے یا مصیبت وغیرہ سے پہلے۔



الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾

جو بخل کرتے ہیں اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو بخل کا اور جو منہ پھیرے تو بے شک اللہ بے پرواہ تعریفوں والا ہے

(بقیہ آیت نمبر۲۳) آگے فرمایا کہ اور اللہ تعالیٰ اترانے اور بڑکیں مارنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔ یعنی جو لوگ دنیوی نعمتوں کے حصول پر دوسروں کو کمتر سمجھتے ہیں اور دوسروں پر فخر وناز کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہرگز پسند نہیں فرماتا۔

(آیت نمبر۲۴) وہ لوگ جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

فائدہ : کیونکہ جو شخص مال سے بہت پیار کرتا ہے وہ مال میں اکثر بخل کرتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی بخل کی ہی تلقین کرتا ہے۔ بخیلی انتہائی مذموم فعل ہے۔ اور دوسروں کو بھی اس کا حکم دینا۔ یہ اس سے بھی زیادہ مذموم ہے۔ معلوم ہوا۔ مختال اور فخور جن کا پچھلی آیت میں ذکر ہوا۔ وہ لوگ ہیں جو کثرت دنیا و مال کے باوجود بخل کرتے ہیں۔ اور اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہیں دیتے خود تو بخیل تھے ہی۔ وہ اور لوگوں کو بھی بخل کا ہی درس دیتے ہیں۔

حدیث شریف :حضور ﷺ نے فرمایا کہ چار شخص جنت کی خوشبو تک نہیں پاسکیں گے:(۱) بخیل۔ (۲) احسان کر کے جتانے والا۔ (۳) شراب خور۔ (۴) تکبر کرنے والا۔ (۵) ماں باپ کا نافرمان۔ حالانکہ جنت کی خوشبو تو پانچ سو سال کی راہ سے بھی آنا شروع ہو جائے گی (تہذیب الآثار، للطبری)۔ ایک **حدیث** میں ہے۔ بخیل اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے۔ خواہ کتنا ہی پرہیزگار ہو۔

آگے فرمایا اور جو راہ خدا میں خرچ کرنے سے منہ پھیرے گا تو بے شک اللہ تعالیٰ اس سے بھی اور اس کے خرچ کرنے سے بھی بے نیاز ہے اور وہ تعریفوں والا ہے۔ کہ نہ کسی کے اعراض سے اس کا نقصان ہوتا ہے نہ کسی کے شکر کرنے سے اسے نفع ہوتا ہے۔

فائدہ :اس میں اشارہ ہے کہ راہ خدا میں خرچ کرنے کا خرچ کرنے والے ہی کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اگر کوئی اس خرچ کرنے سے منہ پھیرے اس نے اپنا ہی نقصان کیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تو بذات خود ہی محمود ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ

تحقیق بھیجے ہم نے رسول واضح دلائل کے ساتھ اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تا کہ قائم رہیں لوگ

بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ

انصاف پر۔ اور ہم نے اتارا لوہا اس میں آنچ ہے سخت۔ اور نفع ہے لوگوں کیلئے تا کہ دیکھے اللہ کہ

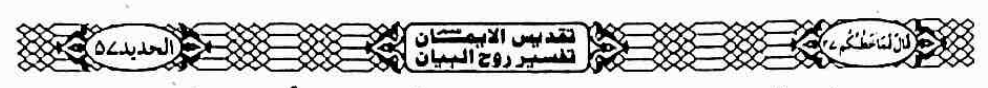
مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾

کون مدد کرتا ہے اس کے رسولوں کی بن دیکھے۔ بے شک اللہ طاقتور عزت والا ہے

(آیت نمبر ۲۵) البتہ تحقیق بھیجا ہم نے رسولوں کو واضح دلائل ومعجزات کے ساتھ یا واضح شریعتیں دے کر اور ان انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ کتاب بھی نازل کی۔ یہاں جنس کتاب مراد ہے۔ یعنی اس سے تمام کتابیں مراد ہیں تا کہ حق واضح ہو جائے۔ اور عمل بھی درست ہو۔ یہاں **معھم** بمعنی الیھم ہے۔ یعنی وہ نبی کتاب کے ساتھ نہیں آئے۔ بلکہ کتاب ان کو دی گئی یا ان کی طرف کتاب نازل کی گئی اور دوسری چیز ترازو اتارا تا کہ وہ لوگ انصاف قائم رکھیں۔ کہ کوئی ایک دوسرے سے زیادتی نہ کرے۔

فائدہ : امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس سے مراد وہ ترازو نہیں کہ جس سے گندم جو یا سونا چاندی تولتے ہیں کہ جس کے دو پلڑے اور اوپر زنجیر ہوتی ہے۔ بلکہ اس سے مراد معرفت کا وہ ترازو ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں کی پہچان نصیب ہوتی ہے۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ممکن ہے اس سے مراد وہ گواہی ہے جو اللہ نے دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ فرشتے اور اہل علم حضرات اسی انصاف کے ساتھ قائم ہیں۔ یعنی اس سے مراد عدل ہے تو جب اللہ تعالیٰ عدل پر قائم ہے تو بندوں پر بھی لازم ہے کہ وہ بھی عدل پر قائم ہوں۔ یہی میزان ہے اور یہی معرفت ہے۔ آگے فرمایا کہ ہم نے لوہا اتارا۔

حدیث شریف میں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے چار برکت والی اشیاء بھی اتاریں: (۱) لوہا۔ (۲) آگ۔ (۳) پانی۔ (۴) نمک (اخرجہ الدیلمی فی مسند الفردوس)۔ **فائدہ**: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام تین چیزیں لے کر آئے: (۱) حجر اسود جو سفید تھا۔ (۲) عصائے موسیٰ۔ (۳) اور لوہا۔ **فائدہ** : حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ انزلنا بمعنی خلقنا ہے۔ بعض علماء نے انزلنا کا معنی اخرجنا کیا ہے۔



وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ

اور تحقیق بھیجا ہم نے نوح اور ابراہیم کو اور رکھی ہم نے ان کی اولاد میں نبوۃ اور کتاب تو رہا ان میں

مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾

کوئی سیدھی راہ پر اور زیادہ ان میں فاسق ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۲۵) آگے فرمایا کہ اس میں اور بھی لوگوں کے بہت فوائد ہیں۔ یا کئی اور چیزیں بھی بنتی ہیں۔ جن سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں۔ جیسے چھری۔ چاقو۔ درانتی۔ کلہاڑی وغیرہ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اگر تلوار نہ ہوتو انصاف بھی نہ ہو۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون ہے جو اس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے مدد کرتا ہے۔ تلوار سے اور تیروں سے یا اس اسلحہ سے جو مجاہدین دشمنوں پر چلاتے ہیں۔ جنگ کے وقت اور اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں پھر بھی اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ آگے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ دشمنوں کو ہلاک کرنے کی قوت رکھتا ہے۔ اور بذات خود وہ غالب ہے۔ کسی کی مدد اسے نہیں چاہے نہ وہ کسی کا محتاج ہے۔ ساری دنیا اسی کی محتاج ہے۔

(آیت نمبر ۲۶) اور البتہ تحقیق ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کے پاس بھیجا۔ جو قابیل کی اولاد سے تھے۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کو نمرود اور اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ یہی دونوں سب سے پہلے رسول بن کر تشریف لائے۔ آگے ان کی اولاد میں بھی نبوۃ رکھی۔ اور انہیں کتاب بھی دی۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام کی بعض اولاد کو نبوت اور بعض کو کتاب عنایت فرمائی تو ان کی اولاد میں بعض وہ ہیں جن کے پاس رسول تشریف لائے تو وہ ہدایت پاگئے۔ نبی اور کتاب پر ایمان لائے وہی ہدایت پاتا ہے۔ لیکن اکثر ان میں فاسق تھے۔ یعنی سیدھی راہ سے ہٹ کر گمراہ ہو گئے۔

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ

پھر ان کے پیچھے ان کے نشانوں پر رسول بھیجے اور پیچھے بھیجے عیسیٰ بیٹے مریم اور دی اس کو انجیل

وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا

اور کردی ہم نے دلوں میں ان کے جنہوں نے پیروی کی اس کی نرمی اور رحمت اور راہب بننا یہ اپنی طرف سے بنالی

مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ

نہیں فرض کی ہم نے ان پر مگر تلاش کرتے ہوئے رضا الٰہی پھر نہ نباہ سکے اسے جیسے حق تھا اس کے نباہنے کا

فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

پھر دیا ہم نے ایمان والوں کو ان سے اجر ان کا اور زیادہ ان میں فاسق ہیں

(آیت نمبر ۲۷) پھر ہم نے ان ہی کے نشان پر ان کے بعد اور کئی رسولان گرامی بھیجے۔ اور وہ صرف ابراہیم علیہ السلام کی اولاد نہ تھے۔ اب معنی یہ ہوگا۔ کہ ہم نے نوح اور ابراہیم علیہما السلام کے بعد لگاتار پے در پے رسول بھیجے۔ جن سب کے بعد جناب عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ آگے فرمایا کہ ہم نے ان کے اہل ایمان پیروکاروں کے دلوں میں نرمی اور شفقت رکھ دی کہ وہ ایک دوسرے سے شفقت اور پیار کرتے تھے۔ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق فرمایا۔ ''رحماء بینھم'' کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر بہت مہربان تھے۔ ایک اور مقام پر فرمایا۔ مومنوں پر نرم اور کفار کیلئے سخت ہیں۔ آگے فرمایا کہ انہوں نے اپنے دین میں اپنی طرف سے رہبانیت نکال لی۔ یعنی دین عیسیٰ علیہ السلام میں ایک بدعت نکال لی۔ جس پر ان کے نفسوں نے انہیں ابھارا۔

فائدہ: الرہبانیۃ کا مطلب ہے۔ کسی عمل کو عادت بنا کر سختی سے اس پر عمل کرنا۔ جیسے مسلسل روزے رکھنا۔ اچھے لباس اور اچھے کھانے پینے کو ترک کرنا نکاح نہ کرنا وغیرہ۔ واقعہ یہ ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد جب جابرہ نے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ تین دن تک مسلسل جنگ ہوتی رہی۔ اکثریت ان کی شہید ہوگئی۔ ان کی تعداد بہت تھوڑی رہ گئی تو انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ ہوسکتا ہے یہ کفار ہمیں دین سے منحرف کردیں تو وہ بھاگ کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر غاروں میں جا چھپے اور وہیں عبادت شروع کردی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا انتظار کرنے

لگے کیونکہ ان سے عیسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کیا تھا کہ میرے بعد وہ تشریف لائیں گے۔ان پر ایمان لے آنا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رہبانیت ہم نے تو ان پر فرض نہیں کی تھی۔نہ ان کی کتاب میں حکم دیا۔نہ رسولوں نے انہیں حکم دیا۔یہ انہوں نے از خود بنالی۔محض اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کیلئے اس کام کو شروع کیا لیکن پھر اسے نباہ نہ سکے۔جیسے اس کے نباھنے کا حق تھا۔یعنی اس میں انہوں نے الحاد۔ریاکاری۔جناب عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق غلط عقائد بھی عبادت میں شامل کرلئے۔شراب اور خنزیر جوان پر حرام تھا۔وہ بھی انہوں نے کھاپی لیا۔**فائدہ** : معلوم ہوا۔عمل اچھا شرع کے مطابق ہو۔خواہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد کیا جائے۔اس کا اجر ملتا ہے۔اگر چہ اسے نبی کے بعد ہونے کی وجہ سے بدعت کہیں گے،لیکن وہ بدعت حسنہ ہے۔آگے فرمایا۔پھر ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو جو اپنے ایمان پر قائم رہے۔یا عیسیٰ علیہ السلام کے حکم پر عمل کرتے ہوئے حضور ﷺ پر ایمان لائے انہیں اجر دیا۔

حدیث شریف :حضور ﷺ نے فرمایا جو مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق بھی کی تو اس سے نبھانے کا حق ادا کیا اور جو ایمان نہیں لایا اور میرے ساتھ کفر کیا۔وہ ہلاک ہونے والوں میں سے ہے۔حاشیہ محی الدین شیخ زادہ علی بیضاوی۔

فائدہ:تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد یہی ہوا کہ لوگوں کے اعمال اور کمال میں کمی آتی رہی۔لوگ بادشاہوں کے دین پر چلنا شروع ہوگئے۔اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے بعد لوگ دین پر قائم نہ رہے۔سوائے چند ایک کے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی۔

آگے فرمایا کہ پھر ہم نے ان میں سے جو کامل ایمان والے تھے۔ان کو ثواب عطا کیا۔یعنی جو جناب عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر قائم تھے۔یا بعد میں حضور ﷺ پر ایمان لائے۔

فائدہ :حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بعد اور بعثت کے بعد رہبانیت وغیرہ سب عبث ہوگئیں۔پھر حضور ﷺ کی اتباع کے بغیر نہ کوئی ایمان قبول نہ عمل مقبول۔لہذا جو بھی حضور ﷺ پر ایمان لایا۔انہیں ان کے نیک اعمال پر اجر ملا۔جس کے وہ لائق تھے۔لیکن ان نصاریٰ کی اکثریت نے اس اعزاز کو ضائع کردیا اور فاسقوں میں سے ہوگئے۔یعنی کفر اختیار کرلیا۔

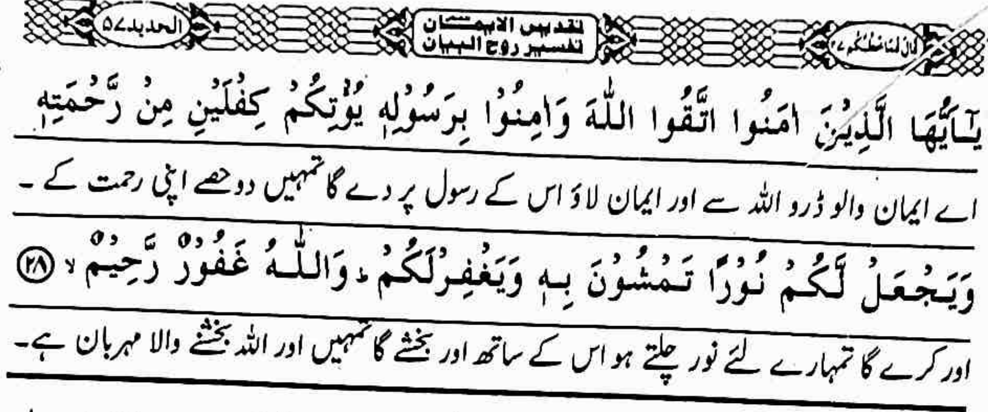
فائدہ:تفسیر المناسبات میں ہے کہ حضور ﷺ کے بعد خلفاء راشدین کے دور میں اور اس کے بعد کئی قسم کے فتنے اٹھ کھڑے ہوئے۔خلفاء راشدین نے تو اپنے دور میں تمام فتنوں کو دبا دیا تھا۔مگر خلفاء راشدین کے بعد جو فتنے اٹھے۔جن کی خبر نبی کریم ﷺ نے سال ہا سال پہلے دی تھی کہ مضبوط ایمان والوں پر مصائب و آلام کے پہاڑ گریں

گے۔خانہ کعبہ پر سنگ باری کی گئی۔(اولادِ رسول کو شہید کیا گیا)۔عبداللہ بن زبیر کو مکہ مکرمہ میں شہید کیا گیا۔مدینہ منورہ تین دن کیلئے حلال کیا گیا۔(مسجد نبوی میں گھوڑے باندھے گئے۔یزید کے کارندوں نے عورتوں سے زنا کئے۔جس کی وجہ سے ہزار بچہ حرام سے پیدا ہوا)۔بے شمار برگزیدہ ہستیوں کو شہید کیا گیا تو ایسے وقت میں مسلمانوں نے علیحدگی کو لازم سمجھا۔اکثریت تو گوشہ نشین ہو گئے۔یا مساجد میں ہی عبادت گذاری پر لگ گئے۔کچھ مختلف علاقوں میں چلے گئے۔کچھ جہاد میں مشغول ہو گئے اور کچھ نے اہل صفہ کی طرح فقر اختیار کر لیا۔صوفیاء کا لفظ اسی سے مشہور ہوا۔اس میں بھی بعد میں آ کر لوگوں نے کئی خرابیاں پیدا کر دیں۔(جیسے آج کل کے پیروں نے سابقہ صوفیاء کرام کو بھی بدنام کر دیا۔صرف پیسے بٹورنے کا نام فقیری رکھ لیا۔)۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔اے ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود) کیا تمہیں معلوم ہے کہ میری امت کی رہبانیت کیا ہے۔عرض اللہ اور رسول بہتر جانتے ہیں۔تو فرمایا۔ہجرت۔جہاد۔نماز۔روزہ اور حج وعمرہ اور ہر بلندی پر اللہ اکبر کی صدا بلند کرنا۔(معالم التنزیل) **فائدہ**: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کچھ لوگوں نے رہبانیت اختیار کرنا چاہی تو حضور ﷺ نے فرمایا۔اسلام میں رہبانیت نہیں۔میری امت کی رہبانیت اعتکاف بیٹھنا ہے۔

بدعۃ حسنہ کا ثبوت:

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے صدیوں پہلے بدعت حسنہ کو واضح فرمایا۔وہ فرماتے ہیں کہ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جو بھی نیا طریقہ احادیث سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرے۔وہ اسی شریعت میں داخل ہے۔جس کو رسولان عظام امر الٰہی سے لے کر آئے۔اللہ تعالیٰ نے رہبانیت کا ذکر کر کے اس پر عیب نہیں لگایا۔البتہ مذمت بھی کی تو اس بات کی کہ وہ اسے نبھا نہ سکے۔یا اس پر قائم نہ رہ سکے۔**حدیث شریف** میں ہے جو کوئی اسلام میں نیا طریقہ نکالے۔اس جاری کرنے والے کو ثواب ملے گا۔(مسلم شریف) بلکہ اسے دیکھ کر کوئی اور بھی اس طریقہ پر چلے گا تو اس کے ثواب کے برابر اسے بھی ثواب ملے گا۔بدعت بری اس وقت ہے۔جب اس کی نظیر قرآن اور حدیث میں نہ ہو۔آگے جا کر لکھتے ہیں۔وہ تمام امور جن کو علماء وعارفین نے شروع کیا۔جس کی تصریح شروع میں نہیں ہے تو وہ بدعت نہیں۔ہاں اگر وہ سنت صریح کے خلاف ہو تو وہ ضرور بدعت سیئہ ہے۔ورنہ بدعت محمودہ ہے۔جیسے بعض صوفیاء سر منڈوا دیتے ہیں۔یا گڈریاں پہن لیتے۔ریاضتیں کرتے ہیں۔تھوڑا کھانا۔تھوڑا سونا۔یا ذکر جہر یہ طریقہ مشہورہ کرنا یا اوراد وظائف پڑھنا یہ سب جائز باتیں ہیں۔رسول پاک ﷺ کی طرف سے حکم نہیں آیا۔یہ مخصوص لوگوں کا طریقہ ہے جو صرف اولیاء اللہ کو نصیب ہوا ہے۔لیکن وہ صحیح ہے۔



يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ

اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور ایمان لاؤ اس کے رسول پر دے گا تمہیں دو حصے اپنی رحمت کے۔

وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۙ ﴿٢٨﴾

اور کرے گا تمہارے لئے نور چلتے ہو اس کے ساتھ اور بخشے گا تمہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(آیت نمبر ۲۸) اے ایمان والو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ یعنی جن کاموں سے منع کیا ان سے باز آؤ۔ اور رسول پاک ﷺ پر ایمان لاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں دوگنا اجر دے گا۔ الکفل وہ حصہ جس میں کفالت ہو تو فرمایا وہ اپنی رحمت سے تمہیں دگنا اجر دے گا۔ **فائدہ** :یعنی جو پہلے رسولوں میں سے کسی رسول پر ایمان لایا۔ پھر نبی آخر زمان پر ایمان لایا تو اسے ڈبل اجر ملے گا۔ لیکن یہ حضور ﷺ کے زمانہ ظاہری کی بات ہے۔ اب نہیں۔

حدیث شریف میں ہے۔ تین شخصوں کو دوہرا اجر ملے گا۔ (۱) ایک وہ مرد جس کی لونڈی ہو۔ وہ اسے بہتر تعلیم دے اور اچھا ادب سکھائے۔ پھر آزاد کر کے اس سے نکاح کرے۔ (۲) وہ اہل کتاب مومن جو پہلے اپنے رسول پر ایمان لایا۔ پھر حضور ﷺ پر ایمان لایا۔ (۳) وہ غلام جو اپنے مالک کی حق خدمت بھی ادا کرے پھر اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی ادا کرے۔ (مسلم حدیث ۱۵۴، بخاری کتاب العلم) انہیں ہر نیک عمل پر ڈبل ثواب ملے گا۔

آگے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں وہ نور دے گا۔ جس سے تم چلو گے۔ اس سے یا تو قیامت کا نور مراد ہے۔ جس سے آدمی پلصراط پر آسانی کے ساتھ چلے گا۔ اور جنت میں پہنچ جائیگا۔ کیونکہ جہنم میں ظلمت ہی ظلمت ہے۔ یا اس سے ایمان وتقویٰ کا نور مراد ہے۔ جس سے نفس امارہ کی ظلمت ختم ہوتی ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب گناہ اور معاصی بخش دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ یعنی بہت بڑا بخشنہار اور رحمت کرنے والا ہے۔

لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَیْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ

تا کہ جان لیں اہل کتاب کہ وہ نہیں قدرت رکھتے کسی چیز پر اللہ کے فضل سے اور بے شک فضل اللہ کے

بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۲۹

ہاتھ میں ہے دیتا ہے جسے چاہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے

(آیت نمبر ۲۹) تا کہ اہل کتاب نہ جانیں۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بخشش اور اجر دے گا اور ان پر رحمت فرمائے گا۔ تو کافر اور مشرک جو ایمان نہیں لائے۔ انہیں پتہ چلے کہ اب وہ اللہ تعالیٰ کے فضل پر قدرت نہیں رکھ سکتے۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دوہرا اجر دیا۔ وہ بدنصیب رہے۔ انہیں ایک تو ملا ہی کچھ نہیں۔ دوسرا یہ کہ وہ کچھ انہیں حاصل کرنے کی قدرت بھی نہیں رہی۔ کیونکہ ان میں وہ شرائط نہیں پائی گئیں۔ جن کی وجہ سے اجر ان کو ملتا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا غیر اہل کتاب کو ایمان وتقویٰ کا حکم دینا جائز ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں وہ کچھ دے گا۔ جس کا اہل کتاب سے وعدہ فرمایا ہے۔ یعنی انہیں ہر نیک عمل پر ڈبل ثواب ہوگا اور دوسرے مقام پر فرمایا۔ وہ اجر دیئے جائیں دو مرتبہ۔ اور تمہارے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جائیگی۔ کیونکہ تم نے رسولوں میں جدائی نہیں کی۔ یعنی سب رسولوں پر ایمان لائے۔

شان نزول: مروی ہے کہ اہل کتاب اہل اسلام کو اپنا فخر جتانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ڈبل اجر دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ لہذا ہم تم سے افضل ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہماری اور اہل کتاب کی مثال ایسے ہے کہ جیسے کسی نے مزدور کام پے لگائے اور کہا کہ جو آخر وقت تک کام کرے اسے ایک قیراط دوں گا۔ ان لوگوں نے دوپہر تک کام کیا۔ پھر اس نے دوسرے لوگوں کو کام پہ لگا دیا اور کہا جو آخر وقت تک کام کرے۔ اسے ایک قیراط دوں گا۔ انہوں نے عصر تک کام کیا۔ پھر ایک اور جماعت کو کام پر لگایا۔ اور کہا جو مغرب تک کام کرے گا۔ اسے دو قیراط دونگا۔ انہوں نے رات تک کام کیا تو انہیں دو قیراط ملے۔ اب آخر والوں پر مہربانی اور ڈبل دیا۔ پہلی امتوں کی عمریں زیادہ تھیں اجر کم رہا اور امت محمدیہ کی عمریں کم ہیں اور اجر زیادہ فضیلت اس سورۃ کی یہ ہے کہ یہ مسبحات میں سے ہے۔ جن جن سورتوں کی ابتداء میں لفظ تسبیح آتا ہے۔ ان کی ایک آیت ہزار آیات سے افضل ہے۔ مسبحات: (۱) حدید۔ (۲) حشر۔ (۳) الصف۔ (۴) الجمعہ۔ (۵) التغابن۔

الحمدللہ جلد نہم ختم ہوئی